بڑی نیکی ہے کہ آپ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمدنی بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار کی اشاعت ووکنگ مسلم مشن کے ۱/۴ اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے ۔

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۳ | بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ - جنوری ۱۹۴۷ء | نمبر ۱

[illegible] باہتمام خواجہ عبد الغنی [illegible] دفتر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل [illegible] سے شائع ہوا

شذرات

مغرب میں اسلامی لٹریچر کی مانگ

گذشتہ جنگ عظیم نے مغربی تہذیب کی بنیادی اقدار میں ایک تزلزل پیدا کر کے اہل مغرب کو غور و فکر پر مجبور کر دیا ہے تاکہ وہ جائزہ لیں آخر ان کے نظام میں وہ کونسی بنیادی خامیاں ہیں جن کی وجہ سے ان کے ہاں امن بالکل مفقود ہو چکا ہے اور مغربی تہذیب کا رُخ تباہی اور بربادی کی طرف ہو چکا ہے۔ عمرانی لحاظ سے یہ ایک ایسا وقت ہے جسے بجا طور پر نقطۂ انقلاب کہا جا سکتا ہے یا تو مغربی تہذیب مادہ پرستی کی وجہ سے تباہی کے گڑھے میں گر کر صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائے گی اور یا اس نقطہ سے ایک ایسے دور کا آغاز ہوگا جو اپنی افتاد امتزاج، اور خصوصیات کے لحاظ سے پہلے دور سے مختلف ہو اور اس میں وہ باتیں مفقود ہوں جس نے پہلے مغربی اقوام کو زوال آمادہ کیا ہے چنانچہ حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مغرب نے عقلیت اور مادیت سے مایوس ہو کر مذہب کی طرف توجہ کی ہے چنانچہ ان دنوں یورپ میں اسلامی لٹریچر کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے۔ یہ موقعہ ہے کہ موجودہ مسائل اور مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت اعلیٰ درجہ کا لٹریچر تیار کر کے مغرب میں بھجوایا جائے۔ اگر اس وقت ان لوگوں کے سامنے اسلام اور آنحضرت صلعم کی صحیح تصویر آگئی تو وہ یقیناً اسلام کو قبول کر لیں گے چنانچہ اس موقعہ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کارپردازان مسلم ووکنگ مشن نے ۱۹۴۷ء میں بہت سے چھوٹے ٹریکٹ ہزاروں کی تعداد میں شائع کئے ہیں اور انہیں کثیر تعداد میں تبلیغ اسلام کی غرض سے غیر مسلم لائبریریوں میں مفت بھجوایا ہے لیکن لٹریچر کی مانگ اس قدر زیادہ ہے کہ اس طرف مسلمانوں کی خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ امید ہے

وہ مسلمان بھائی جو تبلیغ اسلام کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور اس دور کے تقاضوں سے بھی واقف ہیں وہ اس طرف اپنی فوری توجہ مبذول فرمائیں گے اور اس ضمن میں ووکنگ مسلم مشن کی مالی اعانت کریں گے تاکہ ہم وسیع پیمانہ پر غیر مسلم دنیا میں اسلامی لٹریچر کو تقسیم کر سکیں ۔ یہ پیغام اسلام کو پہنچانے کا بہترین موقعہ ہے اس کار خیر میں شمولیت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں ۔

ووکنگ مسلم مشن کی طرف سے دعوتِ عمل

ووکنگ مسلم مشن گذشتہ تینتیس ۳۳ سال سے سرزمین انگلستان میں تبلیغی جدوجہد کر رہا ہے اور شروع سے ہی تبلیغ اسلام کی اہمیت کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلاتا رہا ہے اور آج اس بحرانی دور میں جبکہ تبلیغ اسلام کی اہمیت اور ضرورت پہلے سے بھی فزوں تر ہے مسلمانوں کو اس تبلیغی جدوجہد اور جہاد بالقرآن کے لئے دعوت عمل دیتا ہے ۔ سب مسلمان بھائیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس دعوت عمل کو قبول کریں اور موجودہ حالت کا نظر غائر سے مطالعہ کرتے ہوئے ایسی حرکی قوت کا اظہار کریں جو زندہ قوموں کا شعار ہے ۔ دنیا کی زندہ قوموں کا یہ شعار ہے کہ وہ اپنے ثقافتی اور مذہبی نظام کے مرکزی نقطہ کو کبھی فراموش نہیں کرتیں نظام اسلام کا مرکزی نقطہ تبلیغ ہے ۔ قرن اولیٰ میں مسلمانوں نے جہاد بالقرآن سے ترقی کی اور اس زمانہ میں بھی مسلمان صرف تبلیغ اور اعلائے کلمۃ الحق سے دنیا میں سربلند ہو کر زندہ رہ سکتے ہیں ۔ اسلام میں صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کی زندگی پوشیدہ ہے ۔ مختلف معاشی، سیاسی اور بین الاقوامی پیچیدگیوں سے دنیا کو نجات اس صورت سے حاصل ہو سکتی ہے کہ جب وہ قرآن مجید کی اعلیٰ تعلیمات کو قبول کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں ہم خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے اس بات پر جائز طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ کارپردازان ووکنگ مسلم مشن نے اور خصوصاً اس مشن کے بانی نے اسلام اور قرآن مجید کی تعلیمات کو دنیا میں پہنچانے کے لئے ہر ممکن قربانی کی ہے اور یہ شرف اور فخر اس زمانہ میں ووکنگ مسلم

مشن کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اس دہریت اور مادیت کے زمانہ میں اسلام کو یورپ میں غالب کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہا ہے اور اپنی تبلیغی مساعی کے لحاظ سے یہ مشن تاریخ اسلامی میں یادگار رہے گا لیکن ووکنگ مسلم مشن کے مبلغین اس نصب العین کو اتنی کامیابی کے ساتھ بروئے کار نہ لا سکتے اگر اللہ تعالےٰ نے بعض مسلمانوں کے قلوب میں یہ جذبہ نہ پیدا کر دیا ہوتا کہ وہ مسلسل طور پر اس مشن کے لئے مالی ایثار کریں لیکن اب ایک ایسا موقعہ ہے کہ پہلے سے کہیں بڑھ چڑھکر تبلیغی جدوجہد کی ضرورت ہے اس موقعہ پر ہم جملہ برادران اسلام کی خدمت میں یہ گذارش کریں گے کہ وہ اس کام کی طرف جو درحقیقت خدا اور اس کے رسول ہی کا کام ہے فوری توجہ مبذول فرمائیں اور پہلے سے بڑھکر قوت اور جوش کے ساتھ ووکنگ مسلم مشن کے ساتھ تعاون کریں تا کہ جدید حالات اور تقاضوں کے مطابق وسیع پیمانہ پر یورپ میں تبلیغ اسلام ہو سکے۔ امید ہے دوست ہماری اس تحریک اور دعوت عمل پر مخلص توجہ کریں گے اور ہماری یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہو گی۔

تحریک پاکستان میں اخلاقی اور روحانی قوت پیدا کرنیکی ضرورت

ہمارے پرچہ کا مسلک اور پالیسی خالص تبلیغی ہے اس لئے ہم سیاسیات میں خواہ مخواہ اُلجھنے کی کوشش نہیں کرتے لیکن بعض اوقات محض اعلائے کلمۃ الحق کی غرض کو ہی پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ عرض کر دیا جاتا ہے اور اس عرضداشت کو صرف اصول تک ہی محدود رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے ـــــ ہندی مسلمانوں میں ان دنوں تحریک پاکستان نے ایک خاص اہمیت حاصل کر لی ہے اور اس تحریک نے بالکل جائز طور پر مسلمانوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے ہم صرف اس تحریک کے تاریخی پس منظر اور دین اسلام کے بعض بنیادی تقاضوں کے پیش نظر ایک گذارش کرنا چاہتے ہیں ـــــ اگر ہم مسلمانوں کی گذشتہ ایک صدی کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ مسلمانوں کے زوال کے جمود کو توڑنے

کے لئے متعدد تحریکات عالم اسلامی میں پیدا ہوئیں اور ہر ایک تحریک نے کسی خاص طریقہ
کو اپنا بنیادی تصور قرار دیا۔ مہدی سوڈانی کی تحریک جہاد نے فوجی طاقت سے مسلمانوں
کے کھوئے غلبۂ اسلام کو حاصل کرنا چاہا۔ سید جمال الدین افغانی کی تحریک پین اسلام ازم
نے مسلمانوں میں سیاسی شعور اور زوال زدہ مسلمان حکومتوں میں ایک وحدت قائم کرنے
کی کوشش کی۔ سرسید مرحوم نے مغربی علوم کی ترویج سے مسلمانوں کے جمود کو توڑنا چاہا
کیونکہ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے زوال کا حقیقی سبب جہالت ہے جب تک جہالت
دور نہ ہوگی اس وقت تک جمود نہیں ٹوٹ سکتا۔ مہدی سوڈانی کی تحریک جس حربے کو لیکر
اٹھی تھی اس حربے سے ختم ہوگئی۔ پین اسلام ازم کی تحریک قومیت پرستی کے سیلاب
کا شکار ہوگئی اور سرسید کی علمی تحریک کا نتیجہ عقلیت پرستی اور تشکیک کے سوا کچھ نہ نکلا۔ ان
جملہ تحریکات کی جزوی افادیت سے انکار نہیں انھوں نے مسلمانوں میں ایک تحرک اور
بیداری ضرور پیدا کی لیکن مسلمانوں کو ایک خاص مقام سے اوپر نہ اٹھا سکیں اور مسلمانوں
کا حقیقی احیاء کرنے سے قاصر رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی عظمت اور شوکت کا راز
نہ فوجی غلبہ میں ہے نہ سیاسی وحدت میں ہے اور نہ احیاء علوم میں ہے بلکہ ان کی ترقی
کا راز صرف اسلام کے اعلیٰ اصولوں پر عمل پیرا ہونے میں پوشیدہ ہے۔ جس وقت تک
مسلمان قرآن، اسلام اور آنحضرت صلعم کے اسوۂ حسنہ سے دور ہیں اس وقت تک
وہ اپنا کھویا ہوا مقام نہیں حاصل کر سکتے۔ ان جملہ تحریکات کے بعد جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے
تحریک پاکستان پیدا ہوئی یہ تحریک ایک سیاسی اور ثقافتی تحریک ہے جس کا مقصد جدید
ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی آزادی اور ثقافتی زندگی کا تحفظ ہے اور مسلمان کو انگریز
اور ہندو کے استبداد سے بچانا ہے۔ یہ تحریک آجکل اپنے پورے زور پر ہے مسلمانوں
کا بچہ بچہ اس تحریک سے متاثر ہے۔ پاکستان کے تصور پر سارے ہندوستان کے مسلمان
متحد ہو چکے ہیں لیکن اس تحریک میں قوت اور پائیداری پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے

کہ اس کی اساس اسلام اور قرآن پر ہو صرف سیاسی تنظیم سے ہی مسلمانوں کو برسر اقتدار لانے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ سب سے پہلے ضروری ہے کہ مسلمان کو مسلمان بنایا جائے اور اس کے سینہ میں اسلام کی روحانی اقدار پر ایک زندہ ایمان پیدا کیا جائے۔ پہلی تحریکات کی ناکامی کا باعث صرف یہ بات ہوئی کہ انھوں نے مسلمانوں کی ظاہری زندگی کے بعض پہلوؤں پر زور دیا لیکن مسلمانوں کے حقیقی عارضہ کی تشخیص کر کے اس کا علاج نہ کر سکیں مسلمان قوم اپنے مزاج عقلی میں دوسری اقوام عالم سے مختلف ہے۔ مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کی بنیاد دین اسلام کے بلند تصور پر ہے جب تک اس تصور کو زندہ نہ کیا جائیگا اس وقت تک اخوت اسلامیہ بھی زندہ نہیں ہوسکتی اور نہ دنیا میں قوت پکڑ سکتی ہے۔ اس امت کی زندگی اسلام کے احیاء سے وابستہ ہے۔ اسلام ہی مسلمانوں کے قلوب میں تزکیہ نفس اور ضبط نفس کی اعلیٰ خصوصیات پیدا کر سکتا ہے۔ جس سے یہ امت اس قابل ہوسکتی ہے کہ زندگی کے ہر گام پر مشکلات اور مخالف قوتوں کا مقابلہ کر سکے۔ آج پاکستان کا نصب العین مسلمانوں کے سامنے ہے اس کے حصول میں مسلمانوں کو بہت سی مشکلات پیش آرہی ہیں ایک طرف انگریزی امپیریلزم ہے اور دوسری طرف ہندو قوم کی سیاسی قوت اور عزائم ہیں ان تمام دشواریوں کا مقابلہ مسلمان اسی وقت کر سکتے ہیں جب ان کے قلوب میں غیر معمولی اخلاقی اور روحانی قوت پیدا ہو جائے اور وہ روحانی اور اخلاقی قوت مسلمانوں میں صرف اسلام ہی پیدا کر سکتا ہے صرف سیاسی تصور اور ثقافتی جذبہ مسلمانوں میں یہ قوت پیدا نہیں کر سکتا چنانچہ آج تحریک پاکستان میں جو زندگی ہمیں نظر آتی ہے وہ بھی صرف مذہب کیوجہ سے ہے مسلمانوں میں سیاسی اور ثقافتی بیداری دین اسلام کے نام پر پیدا کی گئی ہے مسلمانوں کی جملہ تحریکات کی جزوی ناکامی میں مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ بغیر اسلام کے مرکزی تصور کے عالم اسلامی کے اندر کوئی تحریک پروان نہیں چڑھ سکی اس لئے ضرورت ہے کہ تحریک پاکستان کو صرف سیاسی اور ثقافتی احساس تک ہی محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس

کی بنیاد دین اسلام پر استوار کی جائے تاکہ یہ تحریک صرف ہندوستانی مسلمان کی ترقی اور بقا کا موجب نہ ہو بلکہ سارے عالم اسلام کے لئے ایک حرکی قوت بن جائے، اور مسلمان صرف اپنی عظمت رفتہ ہی کو حاصل نہ کریں بلکہ اسلام سے اس دور کے سارے مفاسد کا استیصال کریں اور تہذیب و تمدن کی گری ہوئی عمارت کو سنبھالیں اور اسے تباہ و برباد ہونے سے بچائیں جس طرح انھوں نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر انسانیت کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچایا تھا۔

مذہب اور سیاست

آج دنیا کے حالات اس بات کو بالکل واضح کر رہے ہیں کہ مذہبی تعلیم اور مذہبی بنیاد کے بغیر موجودہ سیاست انسانوں کے لئے ایک لعنت ہے ایک جنگل کا قانون ہے جس میں غریبوں اور بیکسوں کے لئے کوئی رحم نہیں آج کل سیاست میں جو تھوڑی بہت اخلاقی رمق نظر آتی ہے وہ مذہب کی دو ہزار سالہ کوششوں کا ہی نتیجہ ہے۔ موجودہ تہذیب اور سیاست اخلاق سے بالکل عاری ہے اس سیاست کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایسے ایسے ماہران حرب و ضرب پیدا کئے ہیں جنہوں نے اتنے وسیع پیمانہ پر انسانوں کا خون بہایا ہے کہ جن کے مقابلہ میں چنگیز اور ہلاکو کی غارتگری کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ مستقبل میں کیا ہونیوالا ہے اگر اس تہذیب اور سیاست کی قوتوں کو روحانیت اور اخلاق کے کنٹرول میں نہ لایا گیا تو انسانوں کو اس تہذیب اور سیاست سے سوائے تباہی اور بربادی کے اور کوئی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ اس دور ہلاکت اور غارتگری میں سب سے بڑھکر مذہب کی ضرورت ہے مذہب انسانی قلب میں بلند جذبہ عبودیت اور خدا کی ہستی کا احساس پیدا کرتا ہے اور انسانوں کی ہمدردی اور بہتری کے لئے سچی تڑپ پیدا کرتا ہے بغیر مذہب کے سیاست انسانوں کے لئے ہلاکت کا موجب رہے گی جب تک مذہب کے سرمدی

حقائق پر اس کی بنیاد استوار نہ کی جائے گی۔

مذہب کے علمبرداروں کیلئے لمحۂ فکریہ

عالمگیر جنگ کو ختم ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ ایک تیسری ہولناک جنگ کی گونج بھی سنائی دے رہی ہے اور ان جنگوں کی وجہ سے عصر حاضر میں اتنی تباہی ہوئی کہ زمانہ قدیم اور قرن وسطیٰ کی جنگوں کی تباہی کو اس سے کوئی نسبت نہیں اور اس وقت دنیا کے ہر ایک حصہ میں اس وقت انسان کے خونین جذبات لاوے کی مانند کھول رہے ہیں معلوم نہیں جب یہ لاوا ابلے گا تو اس وقت نوع انسانی کیسے کیسے مصائب میں مبتلا ہو جائے گی روس اور برطانیہ جن کے ہاتھوں میں اس وقت ساری دنیا کی زمام اختیار ہے وہ بجائے صلح اور امن کو قائم کرنے کے اپنے سیاسی اقتدار کو بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں چنانچہ امن کانفرنسوں کی ناکامی اس پر شاہد ہے۔ مشرقی دنیا میں مغرب کی تقلید میں مغربی تصورات اور مغربی ہتھیاروں کے ساتھ لیس ہو کر ایک بہت بڑی کشمکش میں مبتلا ہے۔ فلسطین میں عرب اور یہود کی پیکار، ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کی آویزش۔ انڈونیشیا کی جنگ آزادی گویا ساری انسانیت اس وقت دوزخ کے اتھاہ گڑھے کے کنارے پر کھڑی ہے اس عالمگیر فساد کی آگ صرف مذہب، روحانیت اور اخلاق ہی ٹھنڈا کر سکتے ہیں کیونکہ صرف ان کے ذریعہ ہی ادنیٰ خواہشات اور اسفل جذبات کا تزکیہ ہو سکتا ہے اور دنیا کو اس بحران سے نجات مل سکتی ہے، مذہب کے علمبرداروں کا فرض ہے کہ ان حالات کا مطالعہ کر کے دنیا کی اصلاح کے لئے کوئی تعمیری پروگرام بنائیں اور مخلوق خدا کی بہبودی کے لئے صحیح معنوں میں کوشش کریں۔

جملہ خط و کتابت بنام خواجہ عبدالغنی سیکریٹری مسلم مشن ووکنگ اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب۔ انڈیا) اور تمام ترسیل زر بنام فنانشل سیکریٹری ٹرسٹ مذکور ہونی چاہیئے۔ (سیکریٹری)

وفاداری

از جناب ولیم بشیر پیکرڈ صاحب بی۔ اے (کٹنب)

اے وفاداری! میں تمہیں دنیا کا ستون خیال کرتا ہوں۔ آدمی اور آدمی کے درمیان تم رشتہ استوار کرتی ہو اور اس رشتہ کو پائیداری بخشتی ہو تم سچی زندگی کے اتفاقات اور تغیرات کے اندر تم ایک چٹان کی مانند ہو زندگی کا راستہ ابدیت کے اندر ایک حج کی مانند ہے۔ لیکن یہ راستہ یقیناً اس دنیا سے ہو کر گذرتا ہے اس لئے ہمیں اپنی روزمرہ معاملات میں نہایت مکمل طریقہ سے عمل کرنا، اور زندگی بسر کرنا چاہیئے اور بغیر اس طریقہ کے ہم روحانی لحاظ سے کوئی ترقی نہیں کر سکتے۔

جسم سے ہمیں نفرت نہیں کرنی چاہیئے اور نہ اس کی طرف سے لاپرواہ ہونا چاہیئے اور اس بات کو خاص طور پر یاد رکھنا چاہیئے کہ حقیقی نشو و نما اور روح کی خوبصورتی اور بلندی کا انحصار طبعی فرائض کی ادائیگی پر ہے۔

ہم اس راستہ پر گامزن ہو کر خدا کے فضل سے ایمانداروں اور وفاداروں میں سے ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ میں نے وفاداری اور ایمانداری کی اس خوبی کو نمایاں حیثیت دی ہے اس خوبی کو ہمیں کسی صورت میں بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے نظرانداز کرنا چاہیئے اور نہ اس کی طرف سے بے توجگی کرنی چاہیئے۔ تن آسانی یا اور کسی ذاتی غرض سے تساہل اور تغافل کا ارتکاب نہیں ہونا چاہیئے۔

واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم ولا تنقضوا الايمان بعد توكيدها وقد جعلتم الله عليكم كفيلا ط ان الله يعلم ما تفعلون ( )

ترجمہ:- اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کر لو اور قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد مت توڑو

اور تم اللہ کو اپنا ضامن کر چکے ہو بیشک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

بعض لوگوں کے نزدیک معاہدے اور وعدے امانتوں کی ادائیگی اور اپنے مونہوں کے الفاظ کو پورا کرنا جو اپنے بھائیوں یا بہنوں سے کئے گئے ہوں (خدا کے نزدیک درحقیقت سب مرد اور سب عورتیں آپس میں بہن بھائی ہیں) خود اپنی ذات میں اہم ہیں۔ لیکن روزمرہ زندگی میں حقیقی معاملہ اس سے بالکل برعکس ہے ہر طرف ہم دیکھ رہے ہیں کہ قومیں اور افراد وعدوں کو توڑتے ہیں۔ معاہدات کو کالعدم کرتے ہیں ہر نئے مفاد پر وفاداری کو ترک کر دیا جاتا ہے دلائل اور عذر پیش کر کے وفاداری کو نہایت اچھی قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

ومن اہل الکتٰب من ان تامنه بقنطار یؤدہ الیک ومنهم من ان تامنه بدینار لا یؤدہ الیک الا مادمت علیه قائما ذالک بانهم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل ج ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون بلی من اوفی بعهده واتقی فان اللہ یحب المتقین۔ (آل عمران)

ترجمہ:۔ اور اہل کتاب میں سے وہ ہے کہ اگر تو اس کو مال کے ڈھیر پر امین بنائے تو وہ اسے تجھے واپس دیدے اور ان میں سے وہ ہے کہ اگر تو اسے ایک دینار پر امین بنائے تو وہ اسے واپس نہ دے سوائے اس کے کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر ان امیوں کے بارے میں کوئی الزام کی راہ نہیں اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔ ہاں جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرتا ہے اور تقوےٰ کرتا ہے تو یقیناً اللہ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔

اس اعتماد اور وفاداری کی اہمیت اتنی مستقل اور دائمی ہے کہ اس کو نہایت عجیب طریقہ سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور اپنے معاہدات، الفاظ اور وعدوں کو پورا کرتے ہیں ان کی حالت ان لوگوں سے بہت بہتر ہے جو ایک دوسرے کے دوست ہیں صلح اور امن کی حالت میں ہیں لیکن بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پیمان شکنی کرتے ہیں اور ان کی اہمیت بالکل نمایاں ہے فرد اور قوم زندگی کا بنیادی قاعدہ ہے۔

کو توڑ دیتے ہیں اور اپنے وعدوں کو پورا نہیں کرتے بلکہ عدم اعتماد اور غداری کا ثبوت دیتے ہیں لیکن وہ لوگ جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور اپنے الفاظ کو پورا کرتے ہیں اور آپس کے معاہدات کا احترام کرتے ہیں ان کی مثال اس آدمی کی ہے جو پتھریلی زمین پر سفر کر رہا ہو اور نکیلے پتھر اس کے پاؤں کو تکلیف دے رہے ہوں لیکن ان مشکلات کے باوجود بھی وہ ٹھوس زمین پر ہے وہ نہایت احتیاط کے ساتھ سفر طے کر سکتا ہے اور محنت شاقہ کے ساتھ بالآخر اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے ــــ وہ لوگ جو آپس میں دوست ہیں لیکن اس دوستی کے باوجود اپنے الفاظ کو پورا نہیں کرتے وعدوں کو توڑتے ہیں اور معاہدات کو کالعدم کرتے ہیں ان کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو خوش آئند سراب پر سفر کر رہا ہو اس کے لئے چلنا خواہ کتنا ہی آرام دہ اور خوشگوار ہو لیکن وہ اپنی منزل مقصود تک کبھی نہ پہنچے گا منزل مقصود کے قریب ہوتے ہوئے بھی ناامیدیوں کا شکار ہو جائیگا ــــ اس لئے انسانی معاملات میں اعتماد اور وفاداری کو پنپنے دینا چاہیئے اور وفاداری کو سب سے بڑھکر اہمیت دینا چاہیئے ۔ قرآن مجید حقیقی مومنوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ وہ ان امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں جو ان کے پاس رکھی جاتی ہیں معاہدات کا احترام کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں اور وہ نہایت مخلصانہ طریق پر صحیح شہادت دیتے ہیں ایسے لوگ ہی بابرکت زندگی سے بہرہ اندوز ہوں گے اور ان پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی اور وہ ہمیشہ باغوں میں رہیں گے ۔

وفاداری کی یہ خصوصیت جو نہایت بابرکت خصوصیت ہے تمام انسانی تعلقات کی بنیاد ہے خواہ وہ تعلقات انفرادی اور کاروباری نوعیت کے ہوں خواہ وہ اجتماعی اور ثقافتی طرز کے ہوں اور خواہ وہ بین الاقوامی ہم آہنگی اور خوشحالی سے تعلق رکھتے ہوں ۔ یہ ایک ایسا دھاگا ہے جس سے انسانی تحفظ کا جامہ بنا جا سکتا ہے یہ امید کی کرن ہے جو انسانی ترقی کے راستہ کو منور کرتی ہے ۔ یہ ایک ایسا رشتہ ہے جو انشاء اللہ تمام

اقوام عالم کو ایک عالمگیر اخوت انسانیہ سے وابستہ کر دے گا اور سب قوموں کے آپس میں اخوت اور دوستی کے تعلقات محکم ہو جائیں گے ـــــ میں پھر اس ضمن میں قرآن مجید کی طرف رجوع کرتا ہوں :۔

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ واوفو بالعھد ان العھد کان مسئولا۔ واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ذالک خیر واحسن تاویلا۔ ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا۔

(بنی اسرائیل ۳۴ - ۳۶)

ترجمہ :۔ اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ سوائے اس طریق کے جو نہایت عمدہ ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو کیونکہ ہر عہد کے متعلق سوال کیا جائیگا اور جب تم ماپو تو ماپ پورا کرو اور سیدھے ترازو سے تولو یہ بہتر اور انجام کار بہت خوب ہے اور اس کے پیچھے نہ لگنا جس کا تجھے علم نہیں کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ اس وسیع وفاداری کا مفہوم ہے جس سے انفرادی اور سماجی وفاداری کا جذبہ نشو ونما پاتا ہے جس کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور اس وفاداری کے وسیع مفہوم سے ہماری مراد خدا کی یاد ہے جس سے وفاداری کے تمام محاسن اس طرح پھوٹتے ہیں جس طرح کہ پھول زمین میں سے اُگتے ہیں جو زندگی کے دشوار گذار راستہ کو آسمانی خوشبو سے معطر کرتے ہیں ـــــ اس بات کو زیادہ واضح کرنے کے لئے ہمیں پھر قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جس میں ان گھروں کا ذکر ہے جن میں خدا کا نور نازل ہوتا ہے قرآن مجید ان گھروں کے مکینوں کی خصوصیات کو یوں بیان فرماتا ہے :۔

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو

والاصال رجالٌ لاتلهیهم تجارۃ ولابیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والابصار (النور ۳۶-۳۷)

ترجمہ:- یہ نوران گھروں میں ہے جن کے متعلق اللہ نے اذن دے دیا ہے کہ وہ بلند کئے جائیں گے اور ان میں اس کا نام یاد کیا جائے ان میں اس کی تسبیح صبح اور شام کے وقتوں میں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غافل کرتی ہے اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائینگی ——— وفاداری کا وہ مفہوم جو میرے دماغ میں ہے وہ مہذب سوسائٹی کا بنیادی پتھر ہے وہ خالص اور مکمل وفاداری ہے جس کے سامنے زندگی کی معمولی باتیں بھی پرکاہ کی مانند نہیں ہیں جو بدلتی ہوئی خواہشات اور ہوائے نفس کے سامنے اڑتی پھریں۔ آدمیوں کو ثابت قدم رہنا چاہیئے اور خواتین کو بھی جہانتک وہ تہذیب کی ترقی یافتہ تحریکات میں حصہ لیتی ہیں ثابت قدم رہنا چاہیئے اور اپنے عہدوں، معاہدوں اور منہ کے لفظوں کو پورا کرنا چاہیئے۔

ہمعصر سوسائٹی کے مظاہر پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی یہ حقیقت بالکل واشگاف ہو جائیگی کہ ہر ایک معاہدے اور عہد کو بغیر کوئی اہمیت دئے ہوئے ایک طرف پھینک دیا جاتا ہے یا تو انہیں ملتوی کر دیا جاتا ہے یا بالکل کالعدم کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ ان کے متعلق چھوٹا سا نوٹس دے دیا جائے حالانکہ ان معاہدات کو ترک کرنے کی سوائے بعض ناگزیر حالات کے مثلاً بیماری وغیرہ اور کوئی وجہ نہیں ہے یعنی بعض ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن پر قابو پانے کی انسان قدرت نہ رکھتا ہو۔

یہاں تک تو انسانی نقطۂ نگاہ سے وفاداری کا ذکر تھا لیکن اس بلند خصوصیت کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ پہلو ہے خدا سے وفادار رہنا خدا کی ایک صفت مومن ہے خدا کے قوانین خدا کی رحمتیں خدا کی برکتیں خدا کے کرم اور خدا کے وعدے سب مضبوط اور اٹل ہیں خدا کے سامنے ہی ہم جھکتے ہیں اور اس کی ذات پر ہی ہم مکمل بھروسہ رکھتے ہیں جیسا کہ

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وبشر المومنین بان لھم من اللہ فضلاً کبیرا۔ مومنوں کو بشارت دو کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔ (الاحزاب ۴۷)

ان الحکم الا للہ علیہ توکلت وعلیہ فلیتوکل المتوکلون (یوسف ۶۸) حکم صرف اللہ کا ہی ہے اس پر میں نے بھروسہ کیا اور اس پر چاہیئے سب بھروسہ کرنیوالے بھروسہ کریں۔

درحقیقت اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ خدا کا جو تعلق بندوں کے ساتھ اس تعلق میں بے وفائی کا شائبہ تک نہیں ہے لیکن جو تعلق بندوں کو خدا کے ساتھ ہے اس میں ضرور وفاداری کا فقدان ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو زندگی کے راستہ میں سرعت کیساتھ ترقی کرتے ہیں ان پر دوہرا فرض عاید ہوتا ہے۔ ایک طرف تو انہیں انسانوں کے ساتھ وفادار رہنا ہوتا ہے اور دوسری طرف خدائے پر جبروت کے ساتھ بھی وفادار رہنا ان کا فرض ہے انسانوں کے ساتھ وفادار رہنے کے متعلق مذکورہ بالا سطور میں کسی حد تک زور دیا گیا ہے اب چند سطور خدا سے تعلق رکھنے کے بعد وفادار رہنے کے متعلق عرض ہیں۔

خدا کی پرستش کرنا چاہیئے خدا کی تابعداری کرنی چاہیئے خدا سے محبت کرنی چاہیئے لیکن اس طرز پر نہیں جیسا کہ کسی دور کی چیز کے ساتھ کرتے ہیں بلکہ جیسا کہ کسی انتہائی قریب کی چیز کے ساتھ کرتے ہیں جس سے بڑھکر کوئی قریب نہ ہو خدا کے حضور اتنی شدید محبت کے ساتھ گرنا چاہیئے جیسا کہ واقعی وہ ہمیں اپنے سامنے موجود نظر آتا ہے اس وفاداری کے ساتھ جس میں تضرع پیدا نہیں ہوتا جس کو اختیار کر کے انسان کبھی خدا کو فراموش نہیں کرتا۔ خدا کو دل سے یاد کرو دل سے محبت کرو اور دل و دماغ کی پوری قوت کیساتھ اس کے حضور گر جاؤ۔

جب ہم جادۂ حیات پر گامزن ہوتے ہیں تو ہمیں ہمیشہ خدا کو یاد رکھنا چاہیئے "خدا کو یاد کرو خدا تمہیں یاد کرے گا" ہم خدا کے حضور ہر روز پہلے سے بڑھکر وفاداری کے ساتھ گریں اگر ہم

بیمار بھی پڑ جائیں تو اس صورت میں بھی بستروں پر خدا کو یاد کر سکتے ہیں۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے اور دوپہر کے وقت جب وقت کی دھارا تھم جاتی ہے اور جب سورج غروب ہو جاتا اور تمام دنیا پر ایک جھٹپٹا چھا جاتا ہے ان اوقات پر ہمیں نہایت اہتمام اور باقاعدگی کے ساتھ خدا کو یاد کرنا چاہیئے۔ تب ہمارا شمار حقیقی مومنوں اور وفاداروں میں ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی یہ مستقل یاد ہماری روحوں کے اندر ایک تازگی اور شگفتگی پیدا کرے گی اور ہمارے قلب و دماغ میں صحیح توازن پیدا کرے گی اور رفتہ رفتہ ہمیں اس بات پر محکم یقین پیدا ہو جائے گا کہ اس فانی اور ناپائیدار دنیا کے عقب میں حیات ابدی پوشیدہ ہے اور دنیا کی کشمکش سے خواہ ہم کتنے مجروح ہو جائیں لیکن اس کے باوجود ایک ایسی ہستی ہے جو ہمارے زخموں کو اندمال بخشتی ہے۔

کیا ہم نہیں دیکھتے کہ ایک بہتا ہوا دریا اگر ہمیشہ اپنے ہی رخ پر بہتا رہے تو وہ انسانوں کو بغیر فائدہ پہنچانے کے خشک ہو جائے گا یا سمندر میں جا گرے گا اور اگر وہ ہمیشہ سنگلاخ زمین میں سے ہی بہتا رہے تو اس کا انسانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا لیکن اس پر بند باندھ کر اس کی روانی پر کنٹرول حاصل کر لیا جائے تو وہی تیز رو دریا نہروں کے ذریعہ سے انسانوں کے لئے بیشمار فائدوں کا موجب ہوگا۔ بالکل اسی طرح انسان کی بیقاعدہ زندگی خدا کی روزمرہ یاد سے معمور ہو کر دوسرے انسانوں کے لئے فیض رساں ہو جاتی ہے اور سب انسانوں کے لئے برکت اور رحمت کا موجب ہو جاتی ہے اور انسانیت کی افسردگیوں کو دور کر کے اسے خوشی سے بھر دیتی ہے سو اپنے مضمون کے اختتام پر پھر میں اپنے مضمون کے ابتدائی فقرات کا اعادہ کرتا ہوں۔

آہ وفاداری تو دنیا کا ستون ہے آدمی اور آدمی کے درمیان تو رشتہ استوار کرتی ہے اور اس رشتہ کو پائیداری بخشتی ہو تو سچی زندگی ہے اتفاقات اور تغیرات کے درمیان تو ایک چٹان کی مانند مضبوط ہے۔ جس جگہ تمہاری دلوں میں عزت نہیں تو قانون کی کسی ہوئی رسیاں

اور آہنی زنجیریں اور الفاظ کی جنگ وجدال ایک گرتی ہوئی فالیچی کو عارضی سہارا دینے کے ستون ہیں - یہ محض ایک ایسی دولت ہے جسے کوئی فضول خرچ تباہ کر رہا ہو - ایک ایسا ہاتھ ہے جو ایک قیدی کو نشہ آور دوائی پلا رہا ہے - آہ ! اس قیدی کو آزاد کرو دو سورج ہوا اور بارش اس قیدی کے لئے صحت بخش ثابت ہونگی اور انسانوں کے لئے ان سامانوں کو مہیا کر کے کسی انعام کے طالب نہ ہو - یہ خدا کی نعمتیں ہیں اور اس کی طرف سے صحت و زندگی کے پیامبر ہیں اور خدا نے ہی اپنے حکم کے ذریعہ سے وفاداری کو قائم کیا ہے - ایمان پیدا کرنے اور وفادار ہونے سے تم ہولناک جنگوں سے محفوظ رہو گے اور ایمان کے ذریعہ سے ہی تم اپنی جائے رہائش کو خوبصورت بناؤ گے اور کامیابی تم پر مسکرائے گی اور ان لوگوں کی شمع راہ ہوگی جو اپنے عہدوں پر پختگی سے قائم ہوتے ہیں وفاداری کا درخت اُگے گا اور بڑھے گا اور تلون مزاجی اور باطل کی بیلیں مرجھائیں گی کیا صرف بھول جانے کا عذر اس بے وفائی سے تمہاری بریت ثابت کر سکتا ہے - میں مشکلات کا شکار ہو گیا" "میں بھول گیا" "میرے پاس وقت نہیں تھا" یہ سب فضول بہانے ہیں کس طرح یہ طاغوتی بیلیں ہماری زندگی کے لئے تباہ کن ثابت ہو رہی ہیں اور ہمیں وفاداری کے قیمتی جوہر سے محروم کر رہی ہیں ۞

اسلام میں سوسائٹی کا نظام

تجارت میں دیانت

از جناب ایم۔اے۔سی۔ ایم صالح صاحب

اسلامی استحکام کے اصول آنحضرت صلعم سے متعلق ہیں۔ جنہوں نے عرب کے وحشی اور متحارب قبائل میں اتحاد پیدا کیا اور اس دنیا سے رخصت ہونے سے پیشتر حضور نے اپنی آنکھوں سے اپنی کامیابی کی عظمت کو دیکھ لیا۔ دنیا کی متعدد اقوام کو حضرت محمد صلعم نے بلا کر ایک سلسلہ اخوت میں منسلک کر دیا اور یہ ایک ایسا سلسلہ اخوت ہے جس کی نظیر ساری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ مقصد کی وحدت سے ایک کامل نمونہ پیدا ہوا جس میں ایک ایسی بلند خواہش تھی جس نے انسان کے مقام کو بلند کر دیا اور وہ بلند خواہش کچھ اس طریقہ سے انسان پر اثر انداز ہوئی۔ کہ اسکی نظیر واقعی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت محمد صلعم کی تعلیمات کی جامعیت اور آپ کی پیدا کردہ عملی اخوت نے (جو آپ نے عرب کے بدوی قبائل میں پیدا کی جو اسلام سے پہلے بربریت کا نمونہ تھے) دنیا کا نقشہ بالکل بدل دیا۔ ان مذکورہ خصوصیات نے اس زمین کو بہشت کا نمونہ بنا دیا۔ آنحضرت صلعم نے اس بلند نصب العین کو بروئے کار لانے کے لئے اپنی زندگی کو معرض خطر میں ڈال دیا۔ اپنی مرضی کو خدا تعالیٰ کی مرضی کے سامنے بالکل ہیچ کر دیا اور اپنی ذات کو اصول کے بالکل تابع کر دیا ان امتیازی خصوصیات نے آنحضرت صلعم کے مقام کو بہت بلند کر دیا چنانچہ آپ کے اس بلند مقام اور مرتبہ کا احترام آپ کے کروڑوں متبعین میں موجود ہے۔ یہ اخوت اسلامیہ

جس کی بنیاد آپ نے خونِ شہدا سے رکھی اس کا احیاء بھی عام تحریکات کے مانند وقفوں کے بعد ہوتا رہتا ہے۔ لیکن وہ بدعمل لوگ جو اخوت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں وہ خود تباہ ہو جائیں گے کیونکہ یہ اخوت خدا کی مشیت کے تابع ہے جو شخص اس کے آڑے آئیگا وہ خود صفحہ ہستی سے نابود ہو جائیگا ——— آنحضرت صلعم نے اپنی زندگی کی ابتدا بحیثیت ایک تاجر اور سالار کارواں کے کی۔ اس طریقہ سے آپ کو لمبے لمبے سفر کرنے کا موقعہ ملا جس سے آپؐ نے وسیع تجربات حاصل کئے جو آپ کے رفیع نصب العین کے لئے مفید اور ضروری تھے۔ ایمانداری اور دیانت سے آپؐ نے اپنے ہمعصروں کی نظروں میں بہت بلند مرتبہ حاصل کیا وہ لوگ آپ کو ہر لحاظ سے قابل اعتماد تصور کرتے تھے۔ انسانی فطرت کو سمجھنے اور سوسائٹی کے مسائل کو حل کرنے میں آپؐ کی پیغمبرانہ استعداد اس حد تک ترقی کر گئی تھی کہ انسانی سمجھ اس کا اندازہ کرنے سے قاصر ہے۔ آپؐ کی سیرت اور آپؐ کی اخلاقی دیانت اس زمانہ میں جبکہ انسانی سوسائٹی کی بنیاد بہیمیت پر تھی انتہائی بلندیوں پر پہنچگئی تھی۔

آپؐ کو روحانی ذرائع سے مختلف قسم کا علم حاصل تھا جو آپنے مذہبی ریاضت سے حاصل کیا تھا جس پر ایک عامی انسان کا عمل پیرا ہونا سخت مشکل ہے۔ علم کے اس سرمایہ کے ساتھ جو آپؐ نے انتہائی استقلال اور قوت ارادی سے حاصل کیا تھا آپؐ نے انسانی زندگی کے دینی اور دنیوی پہلوؤں کی ایسی تعبیر اور تفسیر کی اور اپنے متبعین کے قلوب میں ایسا جذبۂ ایثار، خلوص اور قوتِ عمل پیدا کی کہ جس سے آپؐ کے ذریعہ اور آپؐ کے متبعین کے ذریعہ اسلام کی شوکت اور عظمت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر محکم یقین ہے۔ اور انکا نصب العین اس دنیا میں بالکل واضح ہے۔ قرآن مجید میں حیات انسانی کا جو فارمولا بیان کیا گیا ہے اسکو اچھی طرح اسلامی روح کے مطابق اس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے صرف دولت کو سمیٹنا اور اس کو جمع کر لینا مسلمانوں کو زندگی کے بلند معیار پر نہیں پہنچا سکتا جو اسلام کے نصب العین اسلامی تنظیم اور اسلامی ضابطہ اخلاق اور

فرائض کے مطابق ہو۔ بالکل آسان طریق زندگی میں جو شخص ہدایت کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے اور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں ثابت قدم رہتا ہے اور اسلامی تعلیمات کے محاسن کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہی شخص زندگی کے اس بلند معیار پر پورا اتر سکتا ہے۔

تجارت اور خرید و فروخت کے معاملات میں مسلمانوں کے اخلاقی زوال کا باعث تجارتی اخلاق کا فقدان ہے۔ قطع نظر اس حقیقت کے کہ ان کے اندر کاروباری استعداد بحیثیت ایک جماعت کے غیر معمولی ہے اور ان میں یہ جوہر بھی موجود ہے کہ تجارت کے میدان میں اپنے حریفوں پر سبقت لے جا سکیں۔ آنحضرت صلعم نے جو کاروباری زندگی اختیار کی اور مکہ معظمہ کے عظیم المرتبت تاجروں کے ساتھ لین دین میں بلند اخلاقی معیار کو قائم رکھا۔ وہ غیر معمولی احتیاط جو آنحضرت صلعم نے عبداللہ بن ہمزہ کے ساتھ معاہدہ کی شرائط کو پورا کرنے میں ملحوظ رکھی اور جس کا بیان تاریخ میں بطور معیار کے موجود ہے جو کاروباری معاملات میں انسان کے واجبات اور فرائض کو سمجھنے میں شمع راہ کا کام دے سکتی ہے۔ یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ آج کل کے کاروباری مسلمان اپنے اس اخلاقی جوہر سے محروم ہو چکے ہیں اور اپنے عہدوں کے ایفا میں اپنے فرائض اور ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے۔

ان لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے جو کاروباری زندگی بسر کرتے ہیں آنحضرت صلعم نے اپنے متبعین کے لئے ایک شاندار ورثہ بطور ایک مکمل ضابطہ کے اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ جس میں انسان کے دماغی قواء کو ترقی دینے کا غیر معمولی محرک موجود ہے جس کو اختیار کر کے تجارت پیشہ لوگ اپنی استعداد کے مطابق اخلاقی بلندیوں کو حاصل کر سکتے ہیں۔ کاروباری زندگی کے دو مقصد ہونے چاہئیں ایک یہ کہ انسان دنیوی لحاظ سے ترقی کرے اور دوسرے یہ کہ روحانی کمال حاصل کر کے زندگی کی ان بلند منازل پر پہنچے جہاں تک نوع انسانی کی بہتری اور بہبودی کے لئے اسلام دنیا کو پہنچانا چاہتا ہے۔ ہر ایک شخص کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اس طریق سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ۔ کیونکہ تجارت کے اس اخلاقی ضابطہ کے برعکس

زندگی بسر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک غیر پیمائش شدہ سمندر میں بغیر کسی مقصد کے سفر کیا جائے جس کا نتیجہ سوائے ایک افسوسناک ناکامی کے اور کچھ نہیں نکل سکتا۔

تجارتی فرائض کی ادائیگی میں ایک شخص کی باطنی صداقت اور پاکیزگی کو بروئے کار آنا چاہیئے اور ان کاروباری معاملات میں بھی رحم، شرافت اور ایمانداری کی الوہی صفات ظاہر ہونی چاہیئیں اس طریقہ سے خدا تعالیٰ اور اس کی صفات کی یاد روزمرہ معاملات میں عملی جامہ پہنتی ہے۔ زندگی کا صحیح طریقہ جس کی بنیاد خدائی صفات پر ہو حقیقی منتہائے مقصود ہے جو روحانی انبساط کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو قرار اور امن کی جگہ ہے اور مسلمانوں کا بہشت ہے ((Business) یعنی کاروبار کی اصطلاح کے مفہوم میں بہت سی تبدیلی پیدا ہو چکی ہے اس کا موجودہ مفہوم قدیم مفہوم سے بالکل مختلف ہے جس کے لئے دراصل یہ اصطلاح معرض وجود میں آئی تھی۔ تاہم تجارت میں اخلاقی احساس ایک بنیادی ضرورت ہے جس سے تجارتی کاروبار کو بڑھا کر اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کاروبار انسانی نجات کیلئے ایک صورت ہے جس کو حضرت نبی کریم صلعم نے تجویز کیا ہے لیکن اس ضمن میں اخلاقی ضابطہ پر سختی سے عمل پیرا رہنا چاہیئے جس سے اس دنیا میں انسانی زندگی کا مقصد پورا ہوتا ہے اور اس زندگی کے اعلیٰ نتائج اور اعمال کو انسان دوسری زندگی میں لے جا سکتا ہے یہ اعمال حسنہ وہ کلید ہیں جن سے جنت کے دروازے کھلتے ہیں۔

اسلام کا احتیاط اور غور سے کیا ہوا مطالعہ جو زندگی کے کاروباری معاملات سے متعلق ہو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کا حقیقی مالک خدا ہے انسان صرف امین ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے بطور اپنے نائب اور خلیفہ کے مقرر کیا ہے کہ وہ اس دنیا میں عدل اور انصاف کو قائم کرے تاکہ دنیا اور آخرت میں انسان کے لئے خوشی پیدا ہو اور انسان دنیا کی خواہشات دنیوی وجاہت اور طاقت میں خدائی عہد کو پورا کرے اور اس عہد کے پورا ہونے پر جو خدا اور اس کے بندے کے درمیان ہے اللہ تعالیٰ انسان کو وہ نجات اور فلاح عطا فرمائے جس کا ذکر صحف مقدسہ اور قرآن مجید میں آتا ہے۔

زوالِ عیسائیت

از جناب محمد صادق ڈڈلے رائٹ صاحب

یہ بالکل عدیم المثال ہے اگر یہ موضوع دنیوی ہوتا تو یقیناً بہت خوش کن ہوتا کہ اس سرگرمی کا مطالعہ کیا جائے جس سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ حامیان دین مسیح میدان مباحثہ میں داخل ہوتے ہیں اور کلیسا کی حاضری میں دن بدن جو کمی واقع ہو رہی ہے اس کی بالکل جدید انداز سے توجیہ کرتے ہیں اور عیسائیت میں جو انحطاط واقع ہو رہا ہے اس کی وضاحت بھی عجیب و غریب طریقہ سے کرتے ہیں یہ انحطاط اتنا نمایاں ہو چکا ہے کہ صرف مذہبی اخبارات کے کالموں میں ہی اس کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ عام اخبارات کے قارئین کو بھی زوال عیسائیت کے متعلق ان مضامین کو پڑھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اس میدان میں آخری شخص جو داخل ہوا ہے وہ ڈاکٹر ڈین انج ہے جو چرچ آف انگلینڈ کے ایک متبحر عالم اور فلسفی ہیں جو صرف ڈین انج کے نام سے ہی معروف ہیں اور قریباً تیئس سال تک سینٹ پال کی ڈینیری پر متمکن رہے ہیں۔ آج تک اس انحطاط کی جو وجوہ بیان کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں کہ اتوار کے روز سینما اور ریڈیو کھلے ہوتے ہیں لوگ ان میں مشغول ہوتے ہیں ریلوے اور دوسرے ذرائع آمد و رفت کے عام ہو جانے سے لوگ ادھر ادھر بکھر جاتے ہیں اور ایک عذر یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ کلیسا کے مقبول عام واعظین کے معدوم ہو جانے سے بھی لوگوں کو کلیسائی وعظ میں دلچسپی باقی نہیں رہی لیکن ڈاکٹر ڈین انج نے اس زوال کی بالکل جدید وجوہ بیان کی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی دلیل موسیقی کے متعلق ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اتوار کے روز لندن میں رقص و سرود کے تین چار جلسے ہوتے ہیں اور تو سرود گاہیں آدمیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ وائرلیس کی آسانیوں سے بھی ان سرود گاہوں کی حاضری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی

وہ لکھتے ہیں کہ ایک سرودگاہ میں صرف ایک رسم میں تین لاکھ اشخاص نے شمولیت کی اور ایک رقص و سرود کی معروف کمپنی نے اپنے سازندوں کے ساتھ ۷۵ شہروں کا دورہ کیا۔

جیسا کہ ہم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ نقل نہایت اعلیٰ درجہ کا چاپلوس ہے وہ اخبار جو ڈین انج صاحب کے بیانات شائع کرتے ہیں کہ بعض چرچ موسیقی اور ناٹک کا استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ اس بہانہ سے لوگوں کو کھینچ کر اپنی حاضری میں اضافہ کرسکیں کیونکہ وہ لوگ جو موسیقی اور ڈرامہ سے حظ اٹھانے کے لئے آئیں گے وہ کلیسا کے وعظ سنیں گے اور اس کی مذہبی رسومات میں بھی حصہ لیں گے ــــ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مذہبی مشاغل کے فقدان نے لوگوں کی طبائع میں ایک قسم کا خلا پیدا کر دیا ہے۔ اور وہ اپنی زندگی کے اس خلا کو دوسری چیزوں سے پُر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر انج، اور دوسرے حامیان دین مسیح اگر ذرا تعمق سے کام لیں گے تو انہیں معلوم ہو جائیگا کہ اس مذہبی انحطاط کی کیا وجہ ہے۔ یسوع مسیح ایک پیغمبر تھے جن کو خدا نے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف.... مبعوث فرمایا۔ آپ نے صداقت کو ان لوگوں تک پہنچایا اور آزادی کی کنجی ان لوگوں کے ہاتھ میں دے دی۔ لیکن اس زمانہ میں وہ لوگ جو حضرت مسیح ناصری کے متبع کہلاتے ہیں وہ آپ کے پیغام کی تبلیغ نہیں کرتے۔ آپ کا کلام ضائع تو نہیں ہوا البتہ کلیسا نے جو کوئی الٰہی ادارہ نہیں بلکہ انسانی ادارہ ہے اس میں بہت کچھ تحریف کر دی ہے۔ وہ صداقت جس کا پرچار حضرت مسیح ناصری نے فرمایا وہ عیسائی کلیسا میں نہیں مل سکتی بلکہ عیسائی سواد سے باہر آپ کو ملے گی وہ آپ کو اسلام اور اسلامی مساجد میں ملے گی۔

موسیقی ہمیشہ کلیسائی عبادت کا ایک نہایت ضروری اور قیمتی جزو رہی ہے خصوصاً رومی کلیسا کا تو یہ جزو لاینفک ہے اور اب یہ قریباً حقیقی پرستش کا ایک بدل ہو کر رہ گئی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے نصف صدی پیشتر سینٹ جارج کیتھیڈرل ساؤتھ وارک کرسمس کے موقعہ پر آدمیوں سے کھچا کھچ بھر جاتا تھا اور یہ کشش اس میں مشہور موسیقی دان موزارٹ (mozart) کے

(Twelfth Mass) کی بنا پر تھی جسے پیشہ ور گانے والوں کا طائفہ ساز کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر گاتا تھا۔ ایک دوسرا چرچ جو موسیقی کے استعمال کی وجہ سے بہت مشہور رہا ہے۔ وہ فارم سٹریٹ کا (Jesuit residence) ہے جس میں ہر اتوار کو موسیقی کے شاندار پروگرام کی وجہ سے بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔

دوسرے گرجوں میں بھی پیشہ ور گانے والے بلائے جاتے تھے خصوصاً۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(St. Joseph's Highgate) اور دوسرے غیر مقلد فرقے کے گرجوں میں سے (City Temple) اور (Westminster Chapel) نے اپنے ماہرین موسیقی کی وجہ سے بہت شہرت حاصل کی۔ صرف ایک گرجا مستثنیات میں سے ہے اور وہ ہے (Spurgeon's Tabernacle) جس میں ایک آرگن بھی موجود نہیں تھا۔

ایک بہت بڑا موسیقی دان تھا جس کا نام ٹرنر تھا۔ یہ آج سے ستر برس پیشتر اس سے واقف ہوا جس نے مسٹر سپر جین کی تقلید میں موسیقی کے ایک فولادی آلہ سے ایک خاص قسم کا سرگم پیدا کیا۔ اس نے نغمہ کے نام کا اعلان کیا اور اجتماع سامع خانہ ہو کر رہ گیا ـــــ اس کے علاوہ وہ مقبول عام نغمہ تھا جو مختصر دعائے شکر کے طور پر گایا جاتا تھا جس کی سرتھی "یہ ایک دلکش آواز ہے" یہ سُر دل پہ ایک خاص اثر پیدا کر کے ایک دائمی کیف پیدا کرتی تھی مجھے کئی سالوں تک معلوم نہ ہو سکا کہ اس کیف کی وجہ کیا ہے۔ محض اتفاقی طور پر مجھے علم ہوا کہ یہ نغمہ ایک رومانی گیت کی نقل تھی غالباً جان وزلے یا جنرل بوتھ نے کہا تھا کہ عیسائی یہ نہیں چاہتے کہ شیطان سب نغمات پر اپنا قبضہ جمائے رکھے ـــــ لیکن وہ شخص جسے اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہو اسے یہ موسیقی اور کلیسائی وعظ مقدس اور دنیوی نغمات کی ایک عجیب آمیزش معلوم ہوتی ہے جن میں دراصل کوئی مطابقت نہیں۔

اور وہ مذہبی گیت بھی اس سے زیادہ عجیب و غریب نہیں ہیں جنہیں ہمارے آباؤ اجداد گایا کرتے تھے وہ گیت بھی موجودہ زمانہ کے گیتوں کی مانند اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہیں ان میں سے

(حاشیہ: ... بکلی ... دکھایا جاتا تھا اس کے علاوہ دوسرے گرجے بھی اسی قسم کی شہرت رکھتے تھے خصوصاً)

(St. Anne's Soho

ایک گیت کا ایک بند درج ذیل ہے:۔

گہرے سمندر میں رہنے والے شیطانو
اپنے خالق کی حمد کے ترانے گاؤ
گہرے سمندر سے ادھر جھانک کر دیکھو
اور اس کی تعریف میں اپنی دُمیں ہلاؤ

گرجا میں ایک منٹ پیشتر آپ پاسٹر کو دیکھیں گے کہ وہ بھیڑوں کا گلہ بان بن کر نہایت روانی کے ساتھ خدا کے رحم وکرم کے متعلق وعظ کر رہا ہوگا اور چند منٹ گذرنے کے بعد سارا اجتماع یہ گانا گا رہا ہوگا:۔

ہم خدا کے منتخب شدہ چند لوگ ہیں
باقی ساری دنیا راندۂ درگاہ ہے
جن کے لئے دوزخ ہی صحیح ٹھکانا ہے
کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ بہشت کو لوگوں سے کھچا کھچ بھر دیا جائے۔

لیکن ان مقدس باتوں کا مضحکہ اڑانے والوں کے لئے کوئی سزا نہیں یہ تعزیرات صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو عیسائی سواد سے باہر ہیں۔

مسجد میں ہمیں کسی قسم کی موسیقی سنائی نہیں دیتی لیکن اس کے باوجود اس میں ایک خوش ترتیبی اور ہم آہنگی موجود ہے، وہاں بغیر کسی قسم کی بیہودہ نمائش کے عقیدت موجود ہے، وہاں سینما، ناٹک اور موسیقی کا فقدان ہے۔ ان چیزوں کا عبادت میں کوئی حصہ نہیں صرف جذبۂ عبودیت ہی مسجد میں سب سے نمایاں جذبہ ہے۔ ڈاکٹر انج کا قول ہے کہ موسیقی ایک قسم کا گریز ہے۔ خوابوں کی دنیا کی طرف لیکن ہم تو حقیقی دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں جو خیالی نہیں بلکہ حقیقی ہے اگر کلیسا اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک بنیادی انقلاب کی ضرورت ہے۔ عیسائیوں کو پھر زمانۂ ماضی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور حضرت مسیح کی

حقیقی تعلیم کو دریافت کرنا چاہیئے اور ان پیغمبروں کی تعلیم کو بھی معلوم کرنا چاہیئے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں حضرت محمد صلعم کی تعلیم کا بھی علم حاصل کرنا چاہیئے جو ان کے بعد تشریف لائے کیا میں ڈاکٹر انج اور ان دوسرے لوگوں کو جو ڈاکٹر موصوف کی تقلید کرتے ہیں کی توجہ چرچ آف انگلینڈ کے بشپ بانڈ کارپنٹر کے مندرجہ ذیل الفاظ کی طرف دلا سکتا ہوں :۔

اس وسیع دنیا میں جو بڑی بڑی ضروریات کے باعث مصائب اور مشکلات کا شکار ہے ہم اکثر خواب دیکھتے ہیں ــــ اور ہمارے مشتاق دل کارہائے نمایاں کو تصور میں لاتے ہیں اور ہمارے اس خواب میں ہر ایک چیز کامیاب ہو جاتی ہے۔ ہاتھ کے ایک مس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اس خواب کے عالم میں سمندروں کو پھاڑنا ہمارے لئے کوئی عجیب بات نہیں۔ اے خدا ہمیں ہمارے خوابوں سے بیدار کر دے تاکہ ہم اشیاء کو ان کی حقیقی شکل میں دیکھ سکیں۔ اس معمولی جگہ کا جہاں عاجزانہ فرائض ہمارے انتظار میں ہیں (ہمیں احساس ہو جائے) جہاں خدا کی طرف سے ہم پر بڑے بڑے فرائض عائد ہوتے ہیں کیونکہ (ان فرائض کی ادائیگی میں) جو کام کیا جاتا ہے وہ خدمت کی نیت سے کیا جاتا ہے نہ کہ شہرت کی غرض سے جس سے ہماری خودی معدوم ہوتی ہے اور تیرے نام کی تقدیس اور بڑائی ہوتی ہے اور جس میں کام ہوتا ہے خواب نہیں۔

ہمیں خوابوں کی دنیا کی طرف بزدلانہ گریز کی ضرورت نہیں ہم قوت حاصل کرنے کے لئے خدا کے حضور دست بدعا ہیں تاکہ ہم ان مشکلات اور مصائب کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں جو ہمارے راستہ میں حائل ہیں اور وہ قوت ہمیں کسی سینما سے حاصل نہیں ہوگی خواہ وہ سینما کسی چرچ میں ہی کیوں نہ دکھایا جائے۔ وہ طاقت صرف خدا سے تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے، نماز اور دعا سے حاصل ہوتی ہے اپنی مرضی کو بالکل خدا کی مرضی کے تابع کر دینے سے حاصل ہوتی ہے۔

~~~~~
~~~~~

یسوع بن مریم

ابن اللہ کا نظریہ

از جناب خواجہ نذیر احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا

سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ دسمبر ۱۹۴۷ء ملاحظہ ہو

اس لئے اگر یسوع ایک جگہ خدائی مشیت سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتا ہے لیکن ایک دوسری جگہ وہ خدا کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ اس نے اپنی مرضی کو اس پر ظاہر کیا اور مزید تشریح کرتا ہے کہ کوئی اور شخص خدا کی مشیت کو نہیں جانتا سوائے اس کے کہ جب وہ اس پر اسے ظاہر کرے اس استدلال میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ وحی الٰہی کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں تھے حتیٰ کہ پیغمبر نے اسے دنیا پر واضح کیا۔ لیکن یہ تشریح بھی مشکل کو دور نہیں کرتی جو یسوع کی الوہیت کے بارہ میں پیدا ہوتی ہے۔ اشیاء کے متعلق اس کی لاعلمی سمجھ میں نہیں آتی اگر وہ خود الٰہی ہمہ بین اور ہمہ دان تھا جیسا کہ "یقینی خدا اور بالکل یقینی خدا" اسے علم ہونا چاہیئے تھا کہ وہ پیش بینی جو اسے عطا کی گئی ہے وہ اس کی الوہیت کی دلیل اور ثبوت ہے لیکن وہ جان بوجھ کر اور میرے خیال میں قصداً بار بار اپنے علم غیب کے فقدان کا اعتراف کرتا ہے۔ میں صرف چند مثالیں پیش کروں گا جو یسوع کی لاعلمی پر روشنی ڈالتی ہیں

جب ایک عورت جس کو بارہ سال سے خون آتا رہا تھا یسوع کے پیچھے آکر کھڑی ہوئی اور اس نے اس کے لباس کے کنارہ کو مس کیا۔ تو یسوع کو اس کا علم نہ ہوا اور اسے دریافت کرنا پڑا کہ کس نے اس کے لباس کو مس کیا ہے۔ یسوع کو علم نہیں تھا کہ انجیر کے درخت پر سوائے

پتوں کے بھی کچھ ہے۔ یسوع نے کہا کہ وہ اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا اور اس عجز کا اس نے اعتراف کیا۔ " میں اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا " (یوحنا باب ۵)

پھر اس سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا :۔

" اگر میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں " (یوحنا باب ۵)

میں اب پھر ان دو آیات کی طرف آتا ہوں جو زیر بحث ہیں۔ یہ میرے لئے ضروری نہیں ہے کہ میں اس بات کو واضح کروں کہ اگر عیسائی علماء کی تشریح درست ہے تو یہ دونوں آیات ایک دوسرے سے مطابقت رکھتی ہیں۔ وہ ساری عبارت جس کی یہ آیات حصہ ہیں، وہ دعائے شکر کہلاتی ہے اس ساری دعا کا تتمہ اسے ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی مشرقی مذہب کی مناجات ہے اس کے علاوہ بنیادی خیالات اور مخصوص انداز بیان یسوع کی فرزانگی کا ہی نتیجہ ہے۔

اس قسم کے پیرے عہد نامہ قدیم سے پیش کرنے مشکل نہیں ہیں جو یقیناً ان آیات کے ماخذ ہیں جہاں سے مرتب کرنے والوں نے یہ عبارتیں نقل کی ہیں۔ اگر امر واقعہ یہی ہے تو ان دو آیات کا وہی مفہوم ہونا چاہیئے جو کہ عہد نامۂ قدیم میں ہے اور جنہیں میں بیان کر آیا ہوں۔

لیکن اس امر کی تشریح کے لئے کہ ابن اللہ کا نظریہ مسیح کی سادہ تعلیم میں کیسے داخل ہوا۔ ہمیں یونانی ماحول کو نظر غائر سے مطالعہ کرنا چاہیئے جس کے زیر اثر یو نے موجودہ عیسائیت کو پیدا کیا اس ماحول میں کرائسٹ کا لفظ یسوع کا مستقل نام قرار پایا وہ یسوع کرائسٹ کا اسی طرح ذکر کرتے تھے جیسا کہ وہ جولیس قیصر کا نام لیتے تھے میرے مضمون کا تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ کرسچیانٹی میں کیسے ترقی ہوئی میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہودیوں کا مسیح صرف خدا کا بندہ یعنی (عبد) ہونا چاہیئے تھا خدا کا بیٹا نہیں ہونا چاہیئے تھا اور بیٹا بھی جسمانی معنوں میں لیکن سرزمین یونان میں عیسائیت کو فلسطین سے بالکل مختلف ماحول میسر آیا وہاں دیوتاؤں کے بطن سے انسان کے جنم لینے کا عقیدہ عام تھا اور یسوع کا خدا سے اس قسم کا تعلق کسی کو

برا فروختہ نہ کرسکتا تھا بلکہ اس کے برعکس ابن اللہ کی اصطلاح اس قطعہ زمین میں ہمدردی کے جذبہ میں تحرک پیدا کرسکتی تھی بہ نسبت یہودی اصطلاح مسیح کے۔ اس لئے یونانیوں میں یہ اصطلاح پیدا ہوئی۔

دوسرے اس کو اس فقرہ سے بھی تقویت ملی جو یسوع نے اپنے لئے استعمال کیا اور ان لوگوں نے استعمال کیا جو اس کے قرب وجوار میں تھے اور خدا سے اس کے تعلق کو واضح کرنا چاہتے تھے یعنی عبد یہوہ یعنی خدا کا بندہ۔ عہدنامہ عتیق کے ہفتادی ترجمہ میں یہ استعمال کی گئی تھی خصوصاً ان برگزیدہ لوگوں کے لئے جو خدا کی مرضی کو پورا کرنا چاہتے تھے ان معنی میں اس اصطلاح کا استعمال بحیثیت مجموعی بنی اسرائیل کے لئے بھی ہوا ہے حضرت موسیٰ حضرت داؤد اور دوسرے انبیاء کے متعلق بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔

ایسی اصطلاح جس کا استعمال صحف مقدسہ میں پیغمبر خدا کے متعلق ہو چکا ہے اس کا استعمال اور اطلاق یسوع کے لئے معیوب نہیں خیال کیا جا سکتا تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انجیلوں میں اس اصطلاح کا استعمال صرف ایک دفعہ ہوا ہے "دیکھو یہ میرا خادم ہے جسے میں نے چنا" (متی باب ۱۲) اور اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ مرتب کرنیوالے اس اصطلاح سے گریز نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ عہدنامہ عتیق میں سے ایک اقتباس درج کر رہے تھے اور اس کے پورے ہونے کو مسیح کی بعثت سے ثابت کر رہے تھے اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں نادانستہ طور پر "رسولوں کے اعمال" میں بھی یسوع کو تین دفعہ خدا کا خادم کہہ کر پکارا گیا ہے (اعمال باب ۳)

لفظ عبد کا ترجمہ بدقسمتی سے یونانی میں لفظ (Pais) سے کیا گیا ہے جس کے معنی خادم بھی ہیں اور بچے بھی اور بچے کو ابن میں تبدیل کرلینا آسان بات تھی اور خصوصاً یونانیوں کے لئے یہ نہایت آسان بات تھی۔ اور اس نے فوراً عیسائیت کی اس توجیح کی شکل اختیار کرلی جو پولس اور یوحنا نے کی اور جس کو پولس نے اپنے مکتوبات میں بیان کیا ہے اور اس سے پولس اور یوحنا کے عقاید الوہی کی موجودگی ماقبل اور حلول پیدا ہوئے اور کنواری کے بطن سے

پیدا ہونے کا عقیدہ بعد میں ان مذکورہ عقاید کے نتائج میں پیدا ہوا اور اس میں جو قطع و برید ہوتی رہی اس کی متن سے شہادت ملتی ہے میں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں ابتداء میں جب یسوع کو بپتسمہ دیا گیا تو خدا نے فرمایا (لوقا کا بیان ہے) "تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے خوش ہوں (لوقا باب ۳) غیر اسرائیلی لوگوں میں یسوع اس دن سے خدا کا بیٹا بن گیا جب اس نے بپتسمہ حاصل کیا لیکن یہودی فقہاء کے نزدیک یسوع محض ایک انسان ہی رہا جو انسان کی طرح پیدا ہوا اور ایک معمولی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔

بشرِ کامل

از قلم ش۔ ب فیضی بیگم صاحبہ محمد یونس صاحب الہ آبادی

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی ٭ عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی ٭ اک آواز میں سوتی بستی جگادی
کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیمان ٭ بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرمان
اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک ٭ خم معرفت کا تھا منہ خام اب تک
کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق ٭ زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم ٭ اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم

آنحضرت صلعم کی نبوت سے قبل مذہب، اخلاق اور ستیا کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ہر طرف تاریکی اور جہالت کا دور دورہ تھا۔ تمدن کے لحاظ سے اہل عرب وحشی جانوروں کی حد سے گذر چکے تھے۔ ایسی قوم کو تاریکی اور ذلت کے گڑھے سے نکال کر توحید، تہذیب اور تمدن کی شاہراہ پر ڈالنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ ایسی ردی حالت کے درست کرنے کے لئے یقیناً ایک غیر معمولی شخصیت کی ضرورت تھی اور وہ زبردست ہستی خدا کے برگزیدہ بندے سرور کائنات

کی ذات پاک تھی۔ آپ صرف عربوں ہی کے لئے باعث فخر نہ تھے بلکہ تمام دنیا کے لئے نمونہ بن کر آئے تھے۔ وہ عرب جنہیں دوسری قومیں نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی تھیں ان کی آن میں بادشاہ وقت بن گئے۔ یقیناً ایسی مردہ قوم کو قعر مذلت سے نکال کر چشم زدن میں زبردست سے زبردست سلطنتوں کا فاتح بنا دینا کیا کچھ معجزہ سے کم تھا۔ پروفیسر اسمتھ اپنی کتاب آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا میں لکھتے ہیں:۔

" اسلام کا سرعت کیساتھ پھیلنا اور وہ غیر معمولی پھرتی جس کا ثبوت اس کے پیروؤں نے اقوام عالم پر حکومت کر کے دیا ایک زبردست حیرت کا باعث ہے یا اسکو ایک تاریخی معجزہ کہا جائے۔ ان حیرت میں ڈالنے والے واقعات کا کوئی جچا تلا بیان نہیں پیش کیا جا سکتا۔ لیکن تاریخ میں ایسے غیر حل شدہ تحیرات ہیں اور ہم کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ گذشتہ زمانہ کی بعض باتیں انسان کی سمجھ سے اسی طرح باہر ہیں جیسے کہ آجکل کی"۔

وہ لوگ جو ناواقفیت کی وجہ سے یہ کہتے ہیں۔ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کیا ایک کمزور اور مظلوم گروہ تلوار ہاتھ میں لینے کی سبقت کر سکتا ہے۔ اسلام کی سادگی۔ آفتاب رسالت کی باعمل زندگی لڑائی کے ہتھیاروں سے کہیں زیادہ موثر اور طاقتور تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کوئی تحریک اس تیزی سے کامیاب نہیں ہوئی جتنی کہ اشاعت اسلام مسٹر گاندھی لکھتے ہیں:۔

" میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلام اس زمانہ میں تلواروں کی بدولت نہیں پھیلا بلکہ نبی صلعم کی نہایت سادہ زندگی۔ ان کی جانفروشی۔ ان کی عہد کی پابندی۔ دوستوں اور پیروؤں سے خلوص اور ان کی دلیری نے ان کا سب کام بنایا۔ اسلام شروع ہی سے مساوات کا عامل رہا اور یہ واقعہ ہے کہ اسلام کی مساوات کی بنیاد عیسائیت میں ان کے اصلاح مذہب کے ساتھ شروع ہوئی"

عرب کے لوگ خدائے واحد کو بھول چکے تھے۔ ان کی ذہنی ارتقاء کی قوت بالکل زائل ہو چکی تھی۔ اس کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے آنحضرت صلعم نے صرف خدائے واحد کی پرستش کو اسلام کا مرکزی اصول قرار دیا۔ جب تک انسان کو خدا اور اس کی ہستی کا علم نہ ہوا وہ روحانی ترقی نہ کر سکا جس کے بغیر دنیاوی ترقی ناممکن ہے۔ توحید کے اعلان کے ساتھ ساتھ امن۔ علم۔ مساوات۔ حقوق۔ عدل، پابندی عہد، پارسائی اور تقوے کا پیام بھی دنیا کو پہنچایا۔ توحید نے سب کے لئے علم کا دروازہ کھول دیا۔ علم کی برکت سے خدا اور بندوں کے حقوق ظاہر ہوئے۔ مساوات اور اخوت کی خوبیاں نظر آنے لگیں۔ عدل کی بنیاد پڑی۔ پابندی عہد مذہب کا ایک رکن اعظم ٹھہرا۔ پارسائی۔ تقویٰ۔ صفائی اور پاکیزگی جزو ایمان ہے۔

تمام پہلوؤں پر تبصرہ کرنے کے نہ وقت کی گنجائش اور نہ کاغذ کی تنگی اجازت دیتی ہے۔ اس لئے میں خاصکر انہی پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہوں جس کا اثر دور حاضر پر پڑتا ہے۔ ہمارے زمانہ کی کشمکش۔ قوموں کی باہمی رنجشیں راعی اور رعایا کی آپس کی بدمزگی ہر دردمند انسان کو بے چین کئے ہوئے ہے، میری ناچیز رائے میں دنیا کی اس عام بے چینی کے اسباب اقتصادی اور معاشرتی ہیں۔ اگر ایک طرف سرمایہ دار اور مزدور برسر پیکار ہیں تو دوسری جانب حاکم اور محکوم کی جنگ جاری ہے۔ سوسائٹی نے روحانیت کو پس پشت ڈال کر مادیت کو اپنا مسلک قرار دے رکھا ہے۔ روحانیت کا سرچشمہ توحید ہے۔ اس کے فراموش کر دینے سے دنیا میں توازن قائم نہیں رہا۔ رنگ۔ نسل۔ قوم۔ وطن کا فرق پیدا ہو گیا۔ خود غرضی بڑھ گئی۔ حقوق کی پامالی ہونے لگی جو بالآخر دنیا کی اس ہلچل کا باعث ہوئی۔ یہ حالت وہی ہے جو آنحضرت صلعم کے ورود کے وقت تھی۔ ایسی نازک حالت میں اسلام نے توحید کا پیغام دنیا کو سنایا مساوات اور امن عامہ کا اعلان کیا۔ اسلام کا بنیادی اصول کہ "خدا ایک ہے"، عام رواداری کی بہترین ضمانت ہے مساوات کا بہترین پیغام ہے۔

اسلام سے قبل مساوات مفقود تھی۔ آنحضرت صلعم نے دنیا کو مساوات کا سبق پڑھایا

صرف اللہ کا بندہ ہونا دین و دنیا کی کامیابی کے لئے کافی ٹھہرا۔ اسی مساوات نے ملک۔ رنگ۔ نسل۔ وطن۔ خاندان اور پیشوں کے فرق کو بالکل مٹا دیا۔ آپؐ اپنے خطبوں میں ہمیشہ فرماتے تھے کہ:۔

"اے اللہ کے بندو۔ بھائی بھائی ہو جاؤ"

اور علانیہ فرماتے تھے: "عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم میں وہی بہتر ہے جس کے اعمال اچھے ہیں"

دنیا کے ہر ملک میں غلاموں کی نسل پائی جاتی تھی۔ روم میں غلام تھے۔ یونان میں غلام تھے ایشیا میں غلام تھے۔ لیکن آنحضرت صلعم نے غلاموں کا وہ رتبہ بلند کیا کہ کلام مجید میں ان کا ذکر آیا۔ ایک وہ صحابی بنے۔ وہ نامور بادشاہ ہوئے۔ علماء نے ان کی فضیلتوں میں کتابیں تحریر کیں حضرت بلالؓ کا درجہ جو اسلام میں ہے اسکو مولانا شبلی مرحوم یوں نظم میں بیان کرتے ہیں:۔

بارگاہ نبوی کے جو موذن تھے بلال ٭ کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں ٭ جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر
میں غلام حبشی ہوں اور حبشی زادہ بھی ہوں ٭ یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے ٭ ہے کوئی جس کو نہ ہو مری قرابت سے حذر
گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور ٭ جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر
عہد فاروق میں جس دن کے ہوئی انکی وفات ٭ یہ کہا حضرت فاروق نے با دیدۂ تر
اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا ٭ اٹھ گیا آج نقیب چشم پیغمبر

اسلام کی بدولت علم اور سلطنت تمام انسانوں کا حصہ قرار پایا۔ زنگیوں نے مستقل سلطنتیں قائم کیں۔ دور کیوں جایئے دکن ہی میں ملک عنبر نے پچیس سال تک مغلوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکا۔ ترکوں نے چنگیز خاں اور ہلاکو کے سایہ میں ایک عالم میں تہلکہ مچا دیا۔ جب مسلمان ہوئے علم کے علمبردار بنے۔ معلم ثانی۔ فارابی۔ امام بخاری اور علامہ

توشیمی کہلائے۔ بادشاہ ہوئے تو خدا ترسی میں شہرہ آفاق ہوئے۔ ملک شاہ سلجوقی کا ذکر ہے کہ اس کے ایک دورہ میں ایک بیوہ کی گائے ٹیرے والوں نے زبردستی لے لی۔ یہ مسکین سرراہ پل پر کھڑی تھی۔ بادشاہ اس پل پر سے گذرا۔ اس سے انصاف کی طلبگار ہو کر کہنے لگی الپ ارسلان کے بیٹے۔ میرا انصاف اس پل پر ہو گا یا کل قیامت کے دن پلصراط پر۔ بادشاہ کانپ اٹھا۔ گھوڑے سے اتر پڑا اور کہا " ماں اسی پل پر طے کر لے۔ اس پل پر جوابدھی کی تاب نہیں " غلام کو طلب کیا جرم کے ثبوت پر تدارک کیا اور متعدد گاؤں کے ساتھ بڑھیا کو انعام دے کر رخصت کیا۔

اس پرآشوب زمانہ میں تحمل، برداشت اور رواداری کا مسلمانوں میں سے عنقا ہو جانا ان کے مصائب میں اور اضافہ کر رہا ہے۔ طاقت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ فروعات پر کٹ مریں۔ اسلام کی عزت کا انحصار رقیق باتوں پر نہیں ہے۔ اصلی طاقت تحمل اور رواداری میں پوشیدہ ہے اور ان دونوں سے مل کر جو استحکام پیدا ہوتا ہے اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔ رواداری کو لوگ غلطی سے مجبوری کے نام سے پکارتے ہیں۔ رواداری دل کی ایک کیفیت ہے جس کا سرچشمہ محبت ہے۔ جو بے لوث ہو اور دوسروں کی بھلائی میں صرف کی جائے۔ محبت ایک جذبہ ہے جس کا جواب محبت ہی سے ملنا چاہیئے۔ اور اگر نفرت سے دیا جائے تو اسے ٹھیس بھی نہیں لگتی بلکہ اور مضبوطی آجاتی ہے۔ رواداری کے اعلیٰ ترین نمونے آنحضرتؐ کی پاک زندگی میں ہر موقعہ پر ہمیں نظر آتے ہیں جو ہماری ہدایت کیلئے کافی ہیں۔

آغاز اسلام میں آنحضرت صلعم طائف میں دعوت تبلیغ اور پیغام حق دیتے ہیں۔ اس کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ طائف سے مکہ تک تمام راستے میں آپ پر پتھر پھینکے جاتے ہیں جسم اطہر لہولہان ہو جاتا ہے۔ نعلین مبارک خون سے بھر جاتے ہیں۔ اگر آپؐ حضرت نوح کی طرح ان ظالموں کے حق میں بددعا فرماتے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ آپ بالکل حق بجانب ہوتے۔ سری رامچندر جی اور سری کرشن جی نے جو ہندوؤں کے انبیاء اور خدا تھے اپنے

مفتوح دشمنوں کے ساتھ نہایت بیدردی سے پیش آئے۔ لیکن عفو کا بہترین عملی ثبوت آپ کی ذات کے لئے مخصوص تھا۔ اس لئے آپ نے اپنے دشمنوں کے حق میں ان الفاظ میں دعا کی:۔

"اے میرے خدا میری قوم کو سمجھ اور ہدایت دے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتی اور نہیں پہچانتی اگر یہ تجھ پر ایمان نہیں لاتے تو کیا عجب ہے کہ ان کے بیٹے اور پوتے ایمان لے آئیں"

اس موقعہ پر ایک اور واقعہ بنو قنیقہ کا یاد آتا ہے جب وہ آنحضرت صلعم کے الٹی میٹم کا جواب اس طرح دیتے ہیں:۔

"اے محمدؐ قریش پر فتح پاکر بھول نہ جانا۔ وہ معاملہ اُن لوگوں سے تھا جو فن جنگ سے ناواقف تھے۔ اگر تم کو ہمارے مقابلہ کا ارمان ہے تو ہم تم کو دکھلا دیں گے کہ فتح ایسی آسانی سے حاصل نہ ہوتی"

آنحضرت صلعم کو کہلوایا کہ "اگر ہمت ہے تو آئیں اور ہم کو قلعہ سے باہر نکالدیں"

یہودیوں کے اس غرور کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ایک فوج مدینہ سے آئی اور بنو قنیقہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ جھگڑا کچھ بہت دن چلنے الا نہ تھا اور قبیلہ بنو قنیقہ کو ہمیشہ کے لئے مدینہ کی حکومت سے چلاجانا پڑا۔ آنحضرت صلعم بھی قبیلہ بنو قنیقہ کے ساتھ وہی کرسکتے تھے جو حضرت داؤد نے امونائٹس کے ساتھ ان کو اینٹوں کے بھٹوں میں جھونکر کیا لیکن آنحضرت صلعم کی نرمی آپ کی رائے پر غالب آئی۔ آپنے صرف بنو قنیقہ کو خالی کرنیکا حکم دے دیا اور وہ چلے گئے۔

طائف کا یہ واقعہ یا قبیلہ بنو قنیقہ کی دشمنی کوئی انوکھی مصیبت آنحضرت صلعم کے لیئے نہ تھی۔ وہاں تو زندگی بھر ستم پر ستم ڈھائے گئے۔ ظلم پر ظلم سہے گئے۔ آپ کی محبت اللہ کے بندوں سے روز بروز زیادہ ہوتی گئی۔ آپ خود فرماتے ہیں:۔

"جس قدر تکلیف مجھے پہنچی ہے خدا کے کسی اور پیغمبر کو اس قدر تکلیف و مصیبت کا سامنا اعلانِ حق پر نہیں ہوا"

جب آپؐ سے مخالفین کے حق میں بد دعا کرنے کے لئے کہا گیا تو آپؐ نے فرمایا:۔

"مَیں لعنت کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ پیغام رحمت سنانے کے لئے، میں لوگوں کو خدا سے دُور کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ اللہ کے بندوں کو اس کی رحمت سے قریب لانے کے لئے"

اگرچہ آنحضرت صلعم کی رواداری کی ایسی بہترین مثالیں تاریخوں میں بھری پڑی ہیں لیکن ایک عظیم الشان مثال وہ بھی ہے کہ جب آپ نے نصرانیوں کو مسجد نبوی میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی۔

اس واقعہ کو کسی نے کیا خوب نظم کیا ہے:۔

ادنیٰ سا اک نمونہ خلق نبی کا یہ تھا ⁂ آئے تھے وفد لیکر نجران کے نصارا

حسن سلوک کیا تھا اُن غیر مسلموں پر ⁂ انصاف کی نظر سے دیکھے کوئی خدارا

گو دشمنانِ دیں تھے آئے تھے بنکے مہماں ⁂ مسجد میں خود نبی نے اس وفد کو اتارا

مہماں نوازیاں تھیں ان پر رسول حق کی ⁂ تھا منکرانِ حق کا کیا اوج پر ستارا

تثلیثیوں کو اس میں اذنِ نماز دے دی ⁂ جس پاک سرزمین کو تھا شرک سے نکھارا

مشرق کے رُخ انھوں نے مسجد میں کی عبادت ⁂ پایا رسول حق کی مرضی کا جب اشارا

یہ بات گو صحابہ دل سے نہ چاہتے تھے ⁂ انکار کا مگر تھا اس وقت کس کو یارا

حکمت انہیں بتادی حسنِ معاملت کی ⁂ سمجھا دیا یہ ان کو جن کو نہ تھا گوارا

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

اس سلسلہ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بھی تذکرہ کے قابل ہے کہ آپ جب فاتحانہ حیثیت

سے مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔ مخالفین اسلام آپ کو روکتے ہیں۔ تلوار کی اک تڑپ سب رکاوٹوں کے خاتمہ کے لئے کافی تھی لیکن اس فراخدلی کو ملاحظہ کیجئے۔ آنحضرت صلعم اس پر تیار ہوجاتے ہیں کہ دشمنوں سے صلح اور امن اور رواداری سے معاملہ طے ہوجائے۔ مخالفین کی ہر شرط قبول کر لی جاتی ہے جس سے صحابہ کرام میں ایک بے چینی سی پھیل جاتی ہے اور وہ عرض ہیں :- " ایسے دب کر کوئی فاتح صلح نہیں کیا کرتا "

حقیقت میں یہ صلح کوئی دبکر صلح نہ تھی۔ یہ فاتح اور مفتوح کی صلح نہ تھی۔ یہ رواداری کا بہترین عملی ثبوت تھا۔ یہ روح اور اخلاق کی فتح عظیم تھی جس نے تمام جزیرہ نمائے عرب کو کم سے کم مدت میں رحمۃ العالمین کے مبارک قدموں پہ لا کر ڈال دیا اور وہی دشمنان اسلام بالآخر دوست ہو کر اسلامی لشکر کے سردار بنے۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے :-

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا ؎ دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے ؎ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

سیرت نبویؐ کا ایک اور سبق آموز واقعہ وہ ہے کہ جب قلوب انسانی کا سب سے بڑا فاتح یعنی آنحضرت صلعم ایک لشکر جرار کیساتھ اپنے وطن میں داخل ہوتے ہیں جس سے وہ بے وطن کئے گئے تھے۔ وہ موقعہ تھا کہ وہ اپنے مجبور و رقیدی دشمنوں کو اپنی پوری پوری قوت دکھلاتے اور ہر مخالف طاقت کو پاش پاش کر دیتے لیکن نہیں یہاں بھی وہی شان رحمۃ العالمین اپنا مظاہرہ کئے بغیر نہ رہ سکی۔ عام منادی کی جاتی ہے :-

" اے وہ لوگو! جنھوں نے مجھے ستایا (جی بھر کر ستایا)۔ دکھ دیا (اور جی بھر کر دکھ دیا) میں تمہیں عام معافی کا پیغام سناتا ہوں۔ آج کے دن میرے اور تمہارے درمیان کوئی دشمنی باقی نہیں رہی ہے۔ وہ خدا جس نے آج مجھے تمہارے اوپر ہر طرح کا اختیار دیا ہے میں تمہیں اسی کے نام پر معاف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ بھی تمہیں معاف فرمائے "

مولانا حالی پانی پتی اس واقعہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

وہ رسول ہاشمی وہ رحمۃ اللعالمین ٭ پیروی کا جس کی دم بھرتے ہو تم صبح و مسا
جانتے ہو قوم سے تھا اپنی کیا اس کا سلوک ٭ اس طرف سے تھی جفا اور اس طرف سے تھی دعا
کونسی تکلیف تھی جو قوم نے اس کو نہ دی ٭ پر کبھی چاہا نہ اس نے قوم کا اپنی بُرا
جب احد میں ہو گیا دندان پاک اسکا شہید ٭ قوم کے حق میں نہ نکلا منہ سے کچھ اسکے سوا
کہ ہدایت قوم کو یا رب کہ ہیں معذور یہ ٭ ان کی عقلوں پر ہے پردہ جہل و غفلت کا پڑا
قوم کے حملے رہے جب تک کہ اسکی ذات پر ٭ خندہ پیشانی سے سب سہے ان کے جور و جفا
پر لگی جب قوم سب مل کر مٹانے نام حق ٭ اور خدا کا پوجنا بندوں کو مشکل ہو گیا
غیرت حق نے نہ دی پھر مہلت صبر و شکیب ٭ دیں کی آخر حمایت پر کھڑا ہونا پڑا
لشکر حق سے مگر جب ہو گئی مغلوب قوم ٭ پھر وہی شفقت۔ وہی رحمت وہی احسان تھا

آنحضرت صلعم نے جہاں مساوات کی عملی تعلیم دی وہاں انسانی حقوق کی پوری پوری حفاظت بھی کر کے بتلائی۔ مسز لکھنوتی چین صاحبہ ممبر کونسل پنجاب فرماتی ہیں کہ:۔

"حضرت محمدؐ صاحب سے پہلے تمام ملکوں کی سوسائٹی میں عورت کا کوئی درجہ نہ تھا۔ آپؐ نے مردوں کے برابر حقوق دیئے اور عورتوں کو جو آزادی آج حاصل ہے اس کا بیج حضرت محمد صاحب کے دست مبارک نے بویا تھا اس لئے دنیا کی تمام عورتیں ان کا جتنا شکریہ ادا کریں تھوڑا ہے"

نکاح۔ طلاق اور وراثت کے حقوق آج سے تقریباً ۱۴۰۰ سال برس پہلے قائم کئے اور ایسے جامع اور کامل کہ دنیا کے بہترین سے بہترین مقنن اس میں ترمیم کرنے سے عاجز ہیں۔ حالانکہ انہیں حقوق کی ترمیم آئے دن دوسرے مذاہب اور قومیں اپنے یہاں کرتی رہتی ہیں اور ہر ترمیم ان کو اسلامی اصول کے قریب تر لاتی جاتی ہے۔

یتیموں کے مال دست برد سے بچایا۔ غلاموں کے ساتھ مثل اولاد کے سلوک کیا اور تاکید

فرمائی۔ ملازم پر اس کی قوت سے زیادہ بار نہ ڈالنے کا حکم فرمایا۔ پڑوسیوں کو اتنے حقوق عطا فرمائے کہ ان کا مرتبہ مثل رشتہ داروں کے ہو گیا۔

آپؐ کی یہ محبت اور ہمدردی صرف بنی نوع انسان ہی کے ساتھ نہ تھی بلکہ عامہ خلائق اس سے مستفیض ہوتی تھی چوپائے اور پرند دونوں آپ کی رحمت میں شریک تھے۔ ڈاکٹر مارگولیتھ لکھتا ہے:۔

"آپؐ کی رحمدلی میں چوپائے اور پرند بھی شریک تھے۔ تنکاریوں کو منع کیا کہ زندہ پرندوں کو نشانہ نہ بنائیں اور جو لوگ اپنے اونٹوں کو اچھی طرح نہ رکھتے تھے ان کو تہدید کی۔ مردہ آدمیوں کے ساتھ ان کے اونٹوں کو ان کے قبر پر پیاسا اور بھوکا مرنے سے روکا۔ مینہ برسانے کے لئے جو بیلوں کی دم سے مشعلیں باندھ کر چارپایوں میں چھوڑ دیا جاتا تھا اس رسم کو بند کیا۔ گھوڑوں کے گالوں پر داغ کرنا منع کیا۔ ان کی آیال اور دموں کا کاٹنا ختم کیا۔ گدھے کے چہرے پر مارنا یا داغ لگانا بند کیا یہاں تک کہ مرغوں اور اونٹوں کو کوسنا بھی جاری نہیں رکھا۔"

اللہ اللہ آنحضرت صلعم تو زمین کے جانوروں اور آسمان کے پرندوں کو مثل انسان کے ایک گروہ ٹھہرائیں اور حسن سلوک کی اپنی عملی زندگی سے تاکید فرمائیں لیکن دَورِ حاضرہ کی مہذب قومیں ایک دوسرے کا خون جس دیدہ دلیری سے چوس رہی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ بات یہ ہے کہ جو قوم توحید کے مرکز سے ہٹتی جائے وہ مسلمان کیوں نہ ہوں وہ درندگی کی طرف قدم بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ اسی توحیدی مرکز سے دوری ہو کر ہماری دنیا میں یہ ہلچل مچی ہوئی ہے اور امن عامہ میں خلل پڑا ہوا ہے۔ اس عام بےچینی کے دور کرنے کا واحد علاج اس بشرِ کامل کی تعلیم و عمل میں پوشیدہ ہے جس کا ایک ایک فرمان آج سے تقریباً چودہ سو برس گذرنے کے بعد بھی بالکل صحیح ثابت ہو رہا ہے خدا کو واحد ماننے سے اقوام کی ذہنی ارتقاء میں زیادتی ہوتی ہے۔ اللہ کی مخلوق میں مساوات کی روح پیدا ہوتی ہے جس سے حقوق کی پامالی نہیں ہونے پاتی اور جو بالآخر امن کی بنیاد ہے۔ میں جیسا کہ پہلے عرض کر چکی ہوں کہ موجودہ دنیا

کی سیاست میں سرمایہ دار اور مزدوروں میں لڑائی جاری ہے۔ حاکم اور محکوم برسرپیکار نظر آتے ہیں کہیں کمیونزم کا چرچا ہے تو کہیں فیس ازم کا۔ سرمایہ داری کے خلاف پہلی جدوجہد جس نے کی وہ آنحضرت صلعم کی ذات پاک تھی کہ سود کا لینا اور دینا دونوں حرام قرار دیکر اسکو یک قلم بند کر دیا۔ فیس ازم اور کمیونزم کو ملا کر اسلام میں خلافت کی نیو پڑی۔ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت موجودہ سلطنت کے ڈکٹیٹر کی تھی۔ دونوں طرز حکومتوں کو آج سے تقریباً چودہ سو برس قبل اس خوبی سے ملایا کہ بیسویں صدی کے بڑے سے بڑے ماہر سیاست اس معمہ کو حل کرنے سے قاصر ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

امی و نکتہ داں عالم ؛ بے سایہ وسائیاں عالم

عدم مساوات اور حقوق کی پامالی کے علاوہ یورپ اور امریکہ کی قوموں کی بدعہدی بھی امن عامہ کے خلاف ہے۔ اُن کا یہ مقولہ ہے کہ عہدنامے توڑنے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ خلاف ورزی عہد ان کا مسلک ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔

"تم میں وہ لوگ برگزیدہ ہیں جو پاک دلی کے ساتھ عہد پورا کرتے ہیں۔ قیامت کے دن سب سے اچھے بندے خدا کے وہ ہوں گے جو پاک دلی سے عہد کو پورا کرتے ہیں"

وفائے عہد کے بارے میں آنحضرت صلعم نے کسی دین یا گروہ کی تخصیص نہیں کی بلکہ یہ حکم دیا کہ جس سے عہد کرو اسکو سچائی اور ایمانداری کیساتھ پورا کرو"۔ اس کا عملی ثبوت آنحضرت صلعم نے یہ دیا کہ آپ کے صحابی حضرت حذیفہ جب بدر کی لڑائی سے پہلے دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے تھے تو اس شرط پر چھوڑے گئے تھے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر نہ لڑیں گے آنحضرت صلعم نے اس وعدہ کو پورا کیا اور حضرت حذیفہ شریک غزوہ نہ ہوئے۔ وفائے عہد کا سب سے اہم واقعہ تاریخ اسلام میں اس عہد کی پابندی ہے جو مسلمانوں نے ان غیر مذہب والوں سے جو ذمی کہلاتے تھے کر کے نباہا۔ یہ مسلمانوں کا ایفائے وعدہ تھا کہ ذمی مسلمانوں کی حمایت میں اپنے ہم مذہبوں سے لڑے۔ پادری ڈبلیو ایچ ٹی۔ گارڈنر اپنی کتاب تضحیک اسلام میں لکھتے ہیں:۔

"یہ انتظام اس قدر ہر دلعزیز تھا کہ اسلام کے زیر حکومت عیسائی رعایا پر دوسری قوموں کی

رعایا رشک کرتی تھی۔ اور مسلمان حکمرانوں کے پاس یہ درخواستیں برابر آتی رہتی تھیں کہ وہ عیسائی حکومتوں سے نکل کر اسلامی حکومت میں آنیکو تیار ہیں۔"

اللہ کی سرزمین میں جہاں ظالم اور سفاک ہیں وہاں رحمدل انسان بھی پائے جاتے ہیں کسی خاص ملک کسی خاص قوم یا کسی خاص مذہب کے پیرو کی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ ان کا یہ مسلک ہے کہ نسل انسانی کے تباہی کے اسباب کو دور کر کے اسکو تہذیب اور تمدن کے پاس پہنچائیں۔ اس سلسلہ میں صرف ایک ہندوستانی پارسی پیشوا۔ ایک امریکن مورخ اور ایک انگریز فلاسفر کا قول نقل کرتی ہوں جن کو آنحضرت صلعم کی تعلیم میں نسل انسانی کی نجات نظر آئی اور یہ کہ آپ ہی بشر کامل تھے۔ ڈاکٹر ایم ابن ڈھلا لکھتے ہیں:۔

"اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جو رنگ نسل اور قومیت کی لعنت سے پاک ہے اور یہی ایک مذہب ہے جس کے پیروؤں میں آپس میں کوئی فرق نہیں......"

جب تک کہ قومیت کا سوال طے نہ ہوگا دنیا میں امن و خوشی ناممکن ہے۔ قومیت کا مسئلہ انسانی تہذیب کے لئے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا ہے۔

ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کا مشہور مورخ پروفیسر ہارٹ اسٹفارڈ بیان کرتا ہے:۔

"اگر دنیا کے لوگ ایک دن کسی بات پر ایک مرکز پر آجائیں گے تو محمدؐ کی تعلیمات کو مناسب سے زیادہ دخل ہوگا۔ کیونکہ مذہبی خیالات رکھنے والے لوگوں کا عنصر ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اس لئے کہ محمد کی تعلیمات اول سے آخر تک قابل عمل ہیں اور دوسرے کہ وہ تیرہ صدیاں گذرنے کے بعد بھی اپنی صورت میں موجود ہے اور ان کا آنے والی صدیوں سے مسخ ہونا ناممکن ہی معلوم ہوتا ہے۔"

(۹) ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی [امداد کیونکر] ہو سکتی ہے

(۱) بحیثیت علیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کریں۔ جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کار خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ۱۲ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک [لائبریریوں میں] اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس [کے] ذریعہ اُن کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام [جو] اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقہ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳ہے اور ممالک غیر کیلئے ۴ہے۔ (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ [یور]پ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ [اس م]قصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جا سکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاویگی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ [انگلس]تان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرج برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نہ کوئی نو مسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کر کے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیت کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رُو سے اشاعت اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کار خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سُود اشاعت اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سُود صرف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ سُود کی ان رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنان اسلام کے ہاتھ چلی جاویگی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ۔ بھینٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ (ریزرو فنڈ)

ایک کارِ نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ قوام اکیس سال سے بہ احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے فنانشل کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایۂ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے رو براہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہو کر آیندہ کیلئے کسی جنبش کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کار خیر کیلئے فراہم نہ کر سکینگے؟

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق

یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ جس کے ٹرسٹیز اور ممبران فنانشل کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لندن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام

(۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں۔ تین کارکنانِ مشن کی موجودگی میں موصول ہو کر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ داران ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کر دی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات۔

(۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتری ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England :- The Imam , The Mosque, WoKing, Surrey, England.

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان) +

تمام خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب۔ ہندوستان) فرمائیں

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ اشاعت اسلام

اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی

مجریہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیران اعزازی

آفتاب الدین احمد بی۔ اے
مدیر اسلامک ریویو (انگریزی)

عبدالمجید ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی
امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مرتبہ
خواجہ عبدالغنی سیکریٹری دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　اللہ اکبر　　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ اور چاہیئے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان　　　مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) **تشکیل مشن۔** ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) **اغراض و مقاصد۔** (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ وارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) **تبلیغی مسلک۔** (۱) مشن کی تبلیغ فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) **مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع** (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ۔ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلم و نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماع ایک ہزار سے اوپر نفوس شامل ہوتے ہیں۔ مسلمین و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمد بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہٰذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مسلم کے ½ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۳ | بابت ماہ فروری و مارچ ۱۹۴۷ء | نمبر ۲-۳

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام خواجہ عبد الغنی پرنٹر پبلشر چھپ کر دفتر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا

شذرات

برادرانِ اسلام کی حالت اور ان کی ذہنیت ایک خاص کیفیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ ایک طرف تو ان کا یہ محکم ایمان ہے کہ قرآن مجید نہ صرف چند مذہبی صداقتوں اور حقائق کی تشریح کے لئے نازل ہوا۔ بلکہ وہ یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کتاب حمید ایک ایسے جامع دستور العمل کی حامل ہے جو انسان کی زندگی کے ہر مرحلہ پر کام آسکتا ہے۔ اس عقیدے کے ہوتے ہوئے کسی مشکل کے رونما ہو جانے پر ہمارا قرآن کریم سے تمسک نہ کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ہم اپنے معتقدات پر ایمان نہیں رکھتے۔

قرآن کریم تو الر۔ کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج الظلمٰت الی النور کا دعوےٰ کرتا ہے یعنی یہ کہ میں ہر اندھیرے میں مشعلِ راہ ہوں۔ تو پھر ایسے وقت جبکہ چاروں طرف ظلمت ہی ظلمت چھائی ہوئی ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر کیوں کسی اور روشنی کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔

جب اس کتاب حکیم میں ہر مشکل کا حل موجود ہے۔ تو پھر مصائب و آلام کے پیدا ہو جانے پر ہم کیوں قرآن مجید کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ہمارا طریق عمل منافقت کی حد تک پہنچتا ہے جب خود ہمارا اس پر عمل نہیں۔ تو ہم کیوں دوسروں کو اس کی طرف بلاتے ہیں۔

گذشتہ پچاس سالوں میں نہ ہمارے اس طریق عمل نے ہی متحقق کر دیا۔ بلکہ مصائب و تکالیف پیش آمدہ کے رونما ہونے پر ہم نے قرآن کریم کو پس پشت ڈالکر جو خارج از قرآن راہیں اختیار کیں۔ ان سب میں ہم ناکامیاب ہوئے۔

اس وقت چاروں طرف سے ہمیں مشکلات نے محصور کیا ہوا ہے ۔ اغیار ہماری قومی ہستی معدوم کرنے کی فکر میں ہیں ۔ اور انہوں نے ملک میں ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ٹھان لی ہے ۔ ہم ان باتوں کو سمجھ چکے ہیں لیکن ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں ۔ اگر قرآن کریم بھی اس راستہ کے بتلانے سے عاجز ہے ۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہم اس سے روگردان نہ ہو جائیں ۔

اگر مغربی تمدن و معاشرت نے ہمیں آج تک اپنا والا و شیدا بنا رکھا تھا ۔ تو یہ تمدن نہ تو صرف ناقص ہی ثابت ہو چکا ہے ۔ بلکہ ایک دو سو برس کے عرصہ میں آج چند یوم کا مہماں نظر آتا ہے ۔ اس کے بالمقابل اسلامی تمدن نے تو کمال شان و شوکت کے ساتھ کئی سو سال تک دنیا پر حکومت کی ۔ اور اس وقت دنیا سے غائب ہونے لگا جب مسلمانوں نے اس کے اساسی اصولوں کو چھوڑ دیا ۔ جب دنیا جانتی ہے کہ اسلامی ترقی خالصتہً قرآن شریف سے وابستہ تھی ۔ تو پھر ہم کیوں قرآن کریم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ۔

ہم جس قدر پاپڑ بیل سکتے تھے ۔ گذشتہ پچاس سالوں میں بیل چکے ۔ ہم ہر اس ہنگامی و وقتی تحریک میں سوائے پاکستان کی متبرک تحریک کے بری طرح ناکام ثابت ہوئے ۔ کیا یہ حالات ہمارے لئے کافی سبق نہیں کہ ہم ان سب باتوں کو چھوڑ کر اپنی مرض کے علاج کے لئے کوئی ایسا نسخہ تلاش کریں ۔ جو ان معاملات میں مجرب ثابت ہو چکا ہو ۔ اور وہ نسخہ قرآن کریم ہے ۔

ہماری برادران اسلام سے عموماً اور حکمائے پالیٹکس سے خصوصاً استدعا ہے ۔ کہ اس پر آشوب زمانہ میں وہ قرآن کریم کا بامعنی مطالعہ فرمائیں ۔ اس کے پر حکمت معارف پر غور و تدبر فرمائیں ۔ ان پر عمل پیرا ہونے کی خود بھی کوشش کریں ۔ اور دوسرے مسلم بھائیوں میں بھی تحریک فرمائیں ۔ کہ وہ اس کی تعلیمات پر عمل کریں ۔ اور اس کی نشر و اشاعت کا وسیع پیمانہ پر فکر فرمائیں ۔

مغربی دنیا میں مسلم مشن ووکنگ انگلستان کے ذریعہ توحید کا جو پودا لگایا گیا تھا اسے پورے ۲۴ سال ہونے کو ہیں۔ اس عرصہ میں نصرت و کامیابی اللہ تعالےٰ نے اسے عطا فرمائی وہ محتاج بیان نہیں۔ اس کے لئے جس قدر بھی ہم سجدات شکر ادا کریں۔ کم ہیں۔

مسلم مشن ووکنگ اپنی تبلیغی تگ و تاز سے اس وقت ناقابل تردید تاثرات - تاریخی صفحات پر مسلم بھائیوں کے لئے ہمیشہ کے لئے درس عبرت چھوڑ رہا ہے۔ آج بھی اگر مسلمان من حیث القوم - مغربی دنیا میں اسلام کی اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دے لیں - تو کوئی وجہ نہیں کہ کیوں انہیں سیاسی الجھنوں سے آزادی حاصل نہ ہو جائے۔

خدا تعالےٰ نے ہمیشہ سے ہی مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کو تبلیغ اسلام سے وابستہ کیا ہے۔ قرون اولےٰ کے بزرگوں نے اسلام کی اشاعت سے فتوحات حاصل کیں۔ اب بھی دین متین کی تبلیغ سے ہی مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہی ایک چیز سیاسی مصائب و آلام کے دفعیہ کے لئے ایک کاری و کامیاب حربہ ہے۔

جھوٹے مذہب کی تباہی

ایک انگریز مسلمان کے قلم سے

ہر زمانہ میں قومی اور بین الاقوامی آزمائش کے وقت دعا کی تاثیر کا حال ہم سنتے ہیں۔ و لوں بلکہ ہفتوں تک دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ اس قسم کی دعاؤں کو سطحی کہنا چاہئے۔ کیونکہ اکثر اوقات وہ شیکسپیر کے اس بیان کے مطابق ہوتی ہیں۔

ہماری باتیں اونچی اونچی ہوتی ہیں اور ہمارے خیالات نیچے رہتے ہیں
الفاظ بغیر خیال کے آسمان تک نہیں پہنچتے

پھر قومی فتحوں کے موقع پر بعض وقت کسی ظاہری سبب کی وجہ سے مذہب نئے جنم لیتے کو نئی زندگی کہا جائے۔ لیکن اگر اس کا یہ مقصد ہے کہ مذہب کو اسطرح تازہ زندگی بخشی جاتی ہے تو وہ زندگی بہت تھوڑی ہے قریب قریب جنم نہ لینے کے برابر ہے۔ انگلستان میں آخری نیا جنم موجودہ صدی کے پہلے دس سالوں کے اول دنوں میں ہوا تھا۔ جو ولش جنم کے نام سے مشہور ہے اور دوسرے جنموں کے مقابلہ میں بہت ہی عارضی تھا۔

اس کا سبب کیا ہے۔ دعا کے با اثر نہ ہونے کا اور تازہ زندگی کے غیر مستحکم ہونے کا جواب وہی سطحی ہے۔ ہم اقلیدس کی سطح کی تعریف کو یاد کرتے ہیں۔ کہ ایک لکیر وہ جو لمبی ہوتی ہے لیکن چوڑی نہیں ہوتی۔ اور اس سطح کے دونوں سرے لکیریں ہوتی ہیں۔ نہ اُس میں جسامت ہوتی ہے اور نہ مادہ۔ ایک انگریز وسط ملک کا رہنے والا اپنی بول چال میں اس کو اس طرح بیان کریگا۔ اُس میں کچھ نہیں ہے۔

اُس میں سے صحیح مذہب کی روح غائب ہے۔ اگر مذہب ایک اُکسانے والی طاقت ہے تو اس کی حیثیت سطحی سے زیادہ ہونا چاہئے۔ مثل بھاپ کے وہ اسی وقت با اثر ہو سکتی ہے۔ جبکہ اندر ہی اندر ہو اور قابو میں رہے۔ لیکن جب بھاپ انجن سے نکل جاتی ہے۔ وہ بخارات میں تبدیل ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے اور اُسکی طاقتی حیثیت برباد ہو جاتی ہے کیونکہ چاروں طرف ہوا کے اجزا اُسکو جذب کر لیتے ہیں۔

مذہب اور سچا مذہب بہت سادہ ہوتا ہے لیکن روزمرہ اُس کو عمل میں لانا مشکل ہوتا ہے جب تک کہ خدا کی رضا جوئی کے آگے سر تسلیم نہ جھکایا جائے کیونکہ صرف اُسی وقت اُس کا عمل آسان اور خوشگوار ہو جاتا ہے محمد صلعم کی سیرت کو جتنا پڑھا جائے اور مطالعہ کیا جائے اُتنا ہی زیادہ اُس طالب علم پر محمد صلعم کی عقیدہ کی پختگی اور گہرائی کا اثر ہوتا ہے۔ اپنے مشن کی تیاری کے لئے جس سے وہ اس وقت بالکل ناواقف تھے جبکہ پہلی بار اُن پر وحی نازل ہوئی وہ اللہ کی رہبری سے وقتاً فوقتاً غار حرا میں جانے لگے جہاں وہ اُس تنہائی میں آسمان سے آنے والی روح کے آگے سر تسلیم خم کر کے عبادت مراقبہ اور روزہ میں مشغول ہو گئے۔ وہاں رمضان کے مہینہ میں حضرت جبرئیل اُن کے پاس پہلی مرتبہ وحی لیکر آئے۔ اُن میں دعوت ربانی کے قبول کرنے کی طاقت تھی اور یہ طاقت اُن کو اُن ایام میں حاصل ہو گئی تھی جبکہ وہ تنہائی میں اپنے خدا سے باتیں کیا کرتے تھے

ہم ان کی تلاش میں غار حرا میں نہیں جا سکتے۔ ہم کو ہمیشہ کیا اکثر تنہائی نصیب نہیں ہو سکتی ہے لیکن ہر شخص کے اندر غار تنہائی موجود ہے جہاں وہ کونے میں بیٹھکر دعا اور مراقبہ کی بدولت اسی طرح اللہ سے باتیں کر سکتا ہے جیسے کہ محمد صلعم نے کیں۔ تنہائی اُس وقت بھی ممکن ہے جبکہ فیکٹریوں میں کام کرنے یا دفتروں میں جانے یا دوسرے پبلک مشاغل میں مشغول گلیوں سے گذر ہوتا ہے۔ نہ ہم انتظار کر سکتے ہیں اور نہ ہم کو فوری الہام کی امید ہو سکتی ہے دنیاوی اور روحانی معاملات کا علم محدود ہے۔ اسلئے ہمیں مادی علم حاصل کرنے کیلئے سالہا سال اسکول اور یونیورسٹی میں صرف کرنے پڑتے ہیں یہ کہنا ایک غلطی ہے کہ ہماری تعلیم مکمل ہو گئی جبکہ ہمارے اُن درسگاہوں کے زمانہ کا حال ایک تاریخ بن گئی۔ اگر ہمارا سلسلہ تعلیم ہمیشہ جاری نہیں ہے تو ہم نے زندگی کے ایک سب سے بڑے مقصد کو بھلا رکھا ہے یہی حال ہماری روحانی زندگی کا ہے۔ ہم کو اللہ کے فضل کا متلاشی رہنا چاہیئے اور یہ بات ہم کو دعا۔ مراقبہ اور دوسری قسم کی امداد اور ارکان مذہب کی پابندی سے جس پر ہمارا عقیدہ ہے حاصل ہو سکتی ہے۔ ترقی روزانہ ہونی چاہیئے نہ کہ ایکدم۔

اے خدا میں تیری عبادت کل کیلئے اور اس کی ضرورتوں کیلئے نہیں کرتا ہوں

اے میرے خدا مجھے گناہوں سے صرف آج کے لئے بچا۔

اپنی خواہشات میں میں شکست ہوں اور تیرا حکم ماننے میں چست

مجھے صرف آج کیلئے نفس کشی کی قوت عطا کر۔

مسلم مشن ووکنگ انگلستان کی تبلیغی جدوجہد کے تاثرات

مسیحی دعائیں

مسیحی رسالہ "مسلم ورلڈ" اپنے ہر سالانہ نمبر (مجریہ جنوری) میں بعض ایسی دعائیں لکھا کرتا ہے جو اسلامی ممالک سے تعلق رکھنے والے مسیحیوں کو ہر روز پڑھنے کی ہدایت ہے۔ یہ اکتیس دن کی دعائیں ہوتی ہیں اور یہ استدعا کی جاتی ہے کہ ہر دعا ہر مہینہ کی اس تاریخ کو پڑھی جایا کرے جس تاریخ کیلئے وہ لکھی گئی۔

اس سال کے جنوری نمبر میں جو دعائیں تجویز کی گئی ہیں وہ تاریخ وار حسب ذیل ہیں ہ

یکم مسلمان اعیان سلطنت کے لئے دعا کہ وہ عیسائی ہو جائیں۔ دوسری تاریخ اسلامی ممالک کے مسیحی کلیسا کے لئے دعا۔ تیسری سے لیکر اکیس تاریخ تک عام اسلامی وغیر اسلامی ممالک کی مسیحیت میں شمولیت کے لئے دعائیں اور اس کے بعد بائیس کو چھوڑ کر اس کا ذکر آگے آئیگا تئیس سے لیکر اس تک عیسائی مشنریوں کے لئے جو اسلامی ممالک میں کام کر رہے ہیں، بائیبل سوسائٹی کے لئے، ممالک اسلامیہ کے عیسائی سکولوں اور کالجوں کے لئے، تمام ان لوگوں کے لئے جو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی ہو گئے ہوں، اسلامی ممالک کے مسیحی طبی مشنوں کے لئے، زیر تعلیم عیسائی مبلغین کے لئے، مسلمان عورتوں اور بچوں کے لئے، عیسائی مشنری سوسائٹی کے ارکین اور ان کی اولاد کے لئے دعائیں تجویز کی گئی ہیں۔

یہ طریق اپنی نوعیت کے لحاظ سے .... بالکل نرالا ہے، لیکن بہت ہی قابل قدر ہے کاش مسلمانوں کے اندر بھی جن کو دعاؤں کی حقیقت وماہیت، پورے طور پر سمجھائی گئی ہے، اور دعا کی مقبولیت کا یقین دلایا گیا ہے یہ جذبہ اور ایمان پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے مخالفوں بالخصوص مسیحی دنیا کی ہدایت کے لئے دعا کیا کریں، ہم مسلمانان عالم کو اس طرف خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے سامنے اسلام کو دنیا میں پہنچانے کا عظیم الشان کام ہے۔ اگر وہ بھی کم از کم ان ممالک کے لئے جہاں ان کے مشنری پہنچ چکے ہیں، ہر روز درد دل سے دعائیں کیا کریں کہ خدا تعالےٰ ان کو اسلام میں لانے کا سامان جلد از جلد پیدا کر دے اور

ہمارے مبلغین کو کامیاب فرمائے تو یدخلون فی دین اللہ افواجاً اور لیظہرہ علی الدین کلہ کا نظارہ بہت جلد دنیا میں نظر آ جائے۔

کسر صلیب کا روشن ثبوت

انہی اکتیس دن کی دعاؤں میں بائیسویں دن کی دعا یہ تجویز کی گئی ہے۔

"Pray that the Propaganda emanating from Woking may be counteracted and Islam revealed in its true light."

یعنی "دعا کی جائے کہ ووکنگ سے جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اس کے برعکس نتائج پیدا ہوں۔ اور اسلام اپنی اصلی شکل و صورت میں پیش کیا جائے" یہ دعا کھلا اعتراف ہے اس بات کا کہ ووکنگ سے اسلام کا ہی نور پھیل رہا ہے۔ وہ عیسائی مشنریوں کی تمام مساعی کو ناکام و نامراد ثابت کر رہا ہے، اسلام کی اصلی شکل و صورت تو وہی ہے جو اسلامی تبلیغی مرکز ..... ووکنگ سے پیش کی جا رہی ہے۔ چونکہ اس سے مسیحی مشنریوں کے اس غلط پروپیگنڈا کی جو اسلام کی اصل تصویر کے نام سے کیا جا رہا ہے، تردید ہوتی ہے۔ اس لئے وہ سراسیمہ ہو کر اب دعائیں کرنے لگے ہیں کہ ووکنگ کا صحیح اسلامی پروپیگنڈا زائل ہو جائے عیسائی مشنریوں کی دعائیں ہی کسر صلیب کا روشن ثبوت ہے۔ اور یہی ووکنگ مسلم مشن کا عظیم الشان کارنامہ ہے، رہیں عیسائی مشنریوں کی دعائیں تو ان کے متعلق سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ ما دعاء الکافرین الا فی ضلال۔

تمدن اسلام

اس میں قرآنی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ اسلام ہی اس وقت زندہ جاوید مذہب دنیا میں ہے۔ جو دنیا کو مصائب حاضرہ سے بچا سکتا ہے۔ یہ کتاب ایک پڑھنے والے کے اسلام کی سچی محبت پیدا کر دیتی ہے۔ قیمت ۱۲ار ملنے کا پتہ:۔ مینیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

آستانۂ صداقت اسلام

خدا اور اس کی صفات کے متعلق اسلامی تعلیمات

از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانیٔ مسلم مشن ووکنگ انگلستان

گذشتہ سے پیوستہ

اس سوال کے، آیا مظاہر فطرت میں بالذات مقصد پایا ہے - اور جیسا کے ہمارا خیال ہے کسی ذی شعور ہستی نے انہیں کسی خاص مقصد کے لئے بنایا ہے یا جیسا کہ ہیکل کا خیال ہے یہ مقصد، خود ہماری تحقیقات کا نتیجہ ہے؛ جواب کے دو طریقے اور بھی ہیں - پہلی بات یہ ہے کہ اگر کوئی ذی شعور ہستی، مادہ کو کسی خاص شکل میں ترکیب دیتی ہے تاکہ اُس سے کوئی خاص مقصد پورا ہو، تو ہم اُس شے کو اس کام کے علاوہ جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے، کسی دوسرے کام میں استعمال نہیں کر سکتے۔ اور اگر کوئی شخص، مقصد صانع کو مدنظر نہیں رکھے گا تو اُسے لامحالہ نقصان پہونچیگا، اور اس کی کوشش ضائع جائے گی - فرض کیجئے میرے سامنے لوہے اور لکڑی کے کچھ ٹکڑے پڑے ہیں جن کو، ابھی تک کسی نے استعمال نہیں کیا ہے - میں جس طرح چاہوں اُن کو استعمال کر سکتا ہوں، میں ان کی مدد سے ایک مشین طیار کر سکتا ہوں - اب اگر کوئی شخص اُس مشین کو استعمال کرنا چاہے تو وہ مجبور ہے کہ اُسے اُسی طریق پر استعمال کرے، جس کے لئے میں نے اُس مشین کو بنایا ہے - اس مثال سے یہ بات بخوبی ثابت ہو سکتی ہے کہ کسی "ذی شعور ہستی" نے مادۂ کائنات کو استعمال کیا ہے - سوال یہ ہے کہ کیا کوئی شخص خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کو اپنی مرضی کے موافق

استعمال کر سکتا ہے؟ ذرا اپنے جسم کی ساخت پر غور کیجئے، وہ کس قدر حیرت انگیز مشین ہے۔ اس جسم کے مختلف اعضاء مختلف کاموں کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اور علم الحیٰوۃ کی رو سے انسانی جسم ارتقائے مادہ کی اعلیٰ ترین صورت ہے جس میں ایک ذی عقل صانع کی دانائی کا ثبوت موجود ہے اور لطیفۂ حیات اپنی پوری وضاحت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ انسان میں قوت اختیار اور تمیز بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن باوجود ان تمام خوبیوں کے کیا کوئی شخص اپنی ناک کو آنکھ کا قائم مقام بنا سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص ناک سے دیکھنے کا کام لے سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص کان سے مونہہ کا کام لے سکتا ہے؟ جس طرح ایک انسان کسی مشین کو اس کے بنانے والے کے مقصد کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا، اسی طرح کوئی انسان اپنے اعضائے جسمانی سے، اپنی مرضی کے مطابق، اور بنانے والے کی مرضی کے خلاف کام نہیں لے سکتا۔ جب میں تم سے بات کرتا ہوں تو تم میری طرف دیکھتے ہو۔ اور اپنے کان میری بات کی طرف لگاتے ہو، لیکن اگر تم اپنی آنکھ اور کان دونوں بند کر لو تو کیا میری بات سن سکتے ہو؟ جب تمہیں بھوک لگتی ہے تو تم کسی ہوٹل میں جا کر اپنی ضرورت پوری کرتے ہو۔ اگر ہیگل کی طرح تمہارا بھی یہ خیال ہو کہ تم نے خود ہی مختلف اعضاء سے مختلف کام لے کر اُن کو ان کاموں کا عادی بنا دیا ہے تو کیا تم چائے کا پیالہ مونہہ سے لگانے کے بجائے کان سے لگا سکتے ہو؟ اور اگر تم نے ایسا کیا بھی تو کیا تمہاری بھوک رفع ہو سکتی ہے؟ کیا چاء کا پیالہ کان سے لگانا قانون قدرت کے مطابق ہوگا؟ کھانا کھاتے وقت کیا تم چٹکی بھر نمک، بجائے مونہہ میں ڈالنے کے اپنی آنکھ میں ڈال سکتے ہو؟ اگر تم اس قسم کی حرکات کے مرتکب ہوگے تو یقیناً اپنے جسمانی اعضاء کو بہت جلد تباہ اور برباد کر دوگے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ تمہارے اعضاء اور جوارح کے فرائض پہلے ہی سے ایک ذی شعور ہستی نے مقرر کر دیئے ہیں جن کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ تمہارے جسم کی مشین کو ایک صاحب ارادہ اور ذی عقل ہستی نے بنایا ہے اور اگر تم اس کے مقرر

کردہ قانون کے خلاف عملدرآمد کرو گے تو تمہارا عمل اتباعِ فطرت میں مقبول نہیں ہو سکتا۔ اور قانونِ فطرت کی خلاف ورزی سے تم بہت جلد اپنی تباہی کا سامان مہیا کرو گے۔ قرآن شریف نے بالفاظ ذیل اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعاً وکرھاً ... ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین۔

"پس کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو چاہتے ہیں؟ حالانکہ زمین اور آسمانوں میں جو کوئی بھی ہے وہ خوشی اور ناخوشی سے اسی ہی کی اطاعت کرتا ہے ..... اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کریگا وہ اُس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ شخص آخرت میں، نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ (آل عمران)

الغرض میں نے اس جگہ، انسانی ساختہ مشین اور جسم انسانی دونوں کو متوازی طور پر پیش کر دیا ہے۔ دونوں میں بلحاظ عمل ایک مماثلت تامہ پائی جاتی ہے اور دونوں مخصوص طریق پر ہی استعمال ہو سکتی ہیں۔ پس یہ بات کس قدر غیر معقول ہے کہ ہم ایک مشین کو تو کسی ذی عقل ہستی سے منسوب کریں جس نے اُسے ایک خاص مقصد کے لئے بنایا ہے، اور دوسری مشین کے متعلق یہ کہیں کہ وہ کسی ذی شعور ہستی کی بنائی ہوئی نہیں ہے بلکہ یا تو وہ کسی غیر ذی شعور طاقت کی اتفاقیہ طور پر بنائی ہے یا خود ہم نے اُسے اپنے ماحول کے مطابق استعمال کر کے، اُسے ایک کارآمد چیز بنا لیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ اس عجیب منطق کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ہمیں منطقی تضایا کے نئے اصول وضع کرنا پڑینگے۔ مروجہ اصولوں سے تو یہ بات ثابت ہو نہیں سکتی۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کپڑا سینے کی مشین کو کوئی شخص اُس طریق کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا جس کے لئے واضع نے اُسے وضع کیا ہے تو اُس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر استعمال کرنے والے پر مشین بنانے والے کے اصولوں کی تقلید لازمی ہے۔

جس نے اُس مشین کو اس کام کے لئے بنایا ہے جو مشین سے پہلے اُس کے دماغ میں کار فرما تھا۔ لہذا جب تم یہی بات انسانی جسم میں دیکھتے ہو تو کون چیز اس امر سے مانع ہوتی ہے کہ اُس کے متعلق بھی یہی نتیجہ نکالو؟ میں کہتا ہوں کہ غیر مستعمل لکڑی اور لوہے کے ٹکڑوں کو بھی ہم جس طرح چاہیں استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ چیزیں بھی انہی کاموں میں آسکتی ہیں جن کے لئے بنائی گئی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لوہے اور لکڑی کے استعمال کرنے کے لئے بھی قوانین مقرر ہیں اور اگر ہم اُن قوانین کی پابندی نہ کریں تو یقیناً نقصان عظیم اٹھائیں گے۔

اس کے علاوہ ایک اور دلیل بھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مادہ پر کوئی ذی شعور ہستی حکمران ہے۔ اگر مادہ کی کوئی مرتب صورت اپنے وجود یا ہیئتِ کذائی کے لئے چند اصولوں کی محتاج ہے، جن کے علم اور استعمال ہی سے وہ مقصد پورا ہو سکتا ہے جس کے لئے وہ مرتب صورت، مرتب کی گئی ہے، تو یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس صورت کو کسی ذی شعور ہستی نے اُس کی ہیئت کذائی عطا کی ہے۔ اگر مادہ کی مختلف صورتیں (مادی اشیاء) بغیر مخصوص اصولوں کے پائی جاتیں اور اگر اُن اصولوں سے واقفیت یا اُس واقفیت سے کسی فائدہ کا امکان نہ ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ کوئی ذی شعور ہستی اُن صورتوں کی واضع نہیں ہے ہیکل کے اعتراض کے جواب میں یہ دوسری دلیل ہے۔ جو میں نے قرآن مجید میں پائی ہے ہمیں اس بات کا علم دیا گیا ہے کہ کائنات میں ہر شے ہمارے فائدہ کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور ہمیں ان اصولوں کا علم بھی عطا کیا گیا ہے جن کی مدد سے ہم اُن چیزوں کو اپنے فائدہ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں:۔

اَلرَّحْمٰنُ، عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ، عَلَّمَهُ الْبَيَانَ، اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ، وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ، وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ، اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ، وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ، وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ، فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ، وَالْحَبُّ

ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ؟ (سورۂ رحمٰن ۵۵: ۱ تا ۱۳)

رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا کیا اسے بیان سکھایا۔ سورج اور چاند حساب کے نیچے ہیں۔ اور بوٹیاں اور درخت فرمانبرداری کرتے ہیں۔ آسمان کو بلند اور میزان کو قائم کیا۔ تاکہ تم میزان میں سرکشی نہ کرو۔ اور وزن کو انصاف سے قائم کرو۔ اور تول میں کمی نہ کرو اور زمین کو مخلوق کے لئے رکھا۔ اس میں پھل ہے اور گابھون والی کھجوریں اور بھس والا دانہ اور خوشبو دار پھول تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ان آیات سے عیاں ہے کہ تمام کائنات، نہایت استوار اور نپے تلے اصولوں کے ماتحت کام کر رہی ہے اور اگر ہم اشیائے کائنات سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ اُن قوانین اور اصولوں کا احترام کریں اور ان قوانین یا مقادیر آلہیہ کا علم حاصل کریں اور ان میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کریں۔ ان آیات سے، جس پر آخری آیات دلالت کرتی ہیں، نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ نظام شمسی بہیئت کذائی، ایک مفید مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ مخلوقات کی حیات کا باعث ہو اور ان کی ارتقائے منازل میں امداد کرے تاکہ وہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں، بلکہ وہ طریق بھی معلوم ہوتا ہے جس کو اختیار کرنے سے ہم نظام شمس کو اپنا بہترین خادم اور فائدہ رساں بنا سکتے ہیں۔ الکتاب سب سے پہلے ہمیں مقادیر آلہیہ کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور پھر اُن کے احترام کی ضرورت کو بیان کرتی ہے، جو نہایت صحت اور استواری کے ساتھ ہر مادی شے میں اثر آفرینی کر رہے ہیں۔ کائنات میں ہر شے، بڑے سے بڑے اجرام فلکی سے لیکر چھوٹے سے چھوٹے بوٹے تک، جو زمین میں اگتا ہے، مقررہ اصولوں کی نہایت صحت اور درستی کے ساتھ پابندی کرتی ہے اور اُن مقادیر اور اندازوں پر نہایت سختی کیساتھ عملدرآمد کرتی ہے جن سے اُسکی نشوونما وابستہ ہے فی الجملہ ہر شے ریاضی کے سے صحیح اور سچے اصولوں پر مبنی ہے، اور زمانۂ حال میں تو بعض منطقی مسائل کی صحت کا امتحان بھی استدلال ہندسی کی بناء پر ہو رہا ہے۔ قرآن کریم نے تو انسانی نطق کو بھی تخمین ہندسی کے ماتحت رکھا ہے۔ تلفظ کیا ہے؟ محض، مختلف مقادیر میں آوازوں کا زیر و بم ہی تو ہے

اور زبان کے مقررہ حروف، اِن مقادیرِ صوتی کے مظاہر ہیں اور آوازوں کی مختلف مقادیر کی مختلف ترکیبوں سے مختلف الفاظ پیدا ہوتے ہیں - اور نطق و گویائی کی اِن مختلف مقادیر کی مجموعی ترکیبوں کو یاد کر لینے سے ہم کسی خاص "زبان" کا علم حاصل کر لیتے ہیں پس زبانوں کی بنیاد بھی مقادیرِ ہندسی ہی پر قایم ہے - اور ہماری ساری سائنٹفیک تحقیقات اِسی علم مقدار و تخمین پر مبنی ہے -

سائنس کی بدولت ہم، فطرت کو اپنا ماتحت اور خادم بنا لیتے ہیں تاکہ وہ ہماری روزمرہ ضروریات کو پورا کر سکے، لیکن مذکورہ بالا علم مقدار و تخمین کے بغیر، سائنس کا کوئی شعبہ کارآمد نہیں ہو سکتا - لیکن اگر ہم، حسب ارشادِ قرآن، اُس "مقدار اور تخمین" کا علم حاصل کریں، جو سائنس کے مختلف شعبوں میں کار فرما ہے، تو سارا نظام کائنات ہمارا خدمتگذار بن سکتا ہے - اور فطرت میں مقصد تلاش کرتے ہوئے اگر ہم ان مقادیرِ ہندسی سے قطع نظر کر سکتے ہیں تو میں ہیگل کے قول سے متفق ہو سکتا ہوں رحقیقت یہ ہے کہ نیچر (فطرت) کے کاموں میں جو مقصد پایا جاتا ہے، وہ ہمارا پیدا کردہ نہیں ہے، ہم نے تو صرف اُن اندازوں اور مقداروں کا پتہ لگا لیا ہے، جن کی بدولت وہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے - چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے "سورج اور چاند بوٹے اور درخت اور آسمان سب قوانین مقررہ کی پابندی کرتے ہیں - اور معین اندازوں پر چلتے ہیں - اور اگر انسان اندازوں کے معاملہ میں غیر محتاط نہ ہو، اور میزان کو عدل کے ساتھ قائم رکھے، اور اس میں کمی بیشی نہ کرے تو وہ، تمام مظاہر کائنات میں مقاصدِ مخفیہ، دریافت کر سکتا ہے -

اب میں خلاصہ کے طور پر، اس دلیل کا، کہ مادّہ کے وجود پر، ایک ذی شعور ہستی کا وجود، جس نے مادّہ کو مقاصد مخصوصہ کے لئے استعمال کیا، مقدم ہے، اس جگہ اعادہ کرتا ہوں، انسانی ساختہ مشینوں کی مثال دے کر میں نے یہ بات ثابت کر دی کہ جس شے کو کسی صانع نے کسی خاص مقصد کے لئے تجویز نہ کیا ہو، انسان اُس کو، اپنی مرضی کے مطابق جس طرح

چاہے استعمال کرسکتا ہے، لیکن اگر صانع نے اس کو کسی خاص مقصد کے پورا کرنے کے لئے بنایا ہے تو پھر سوائے اُس مقصد کے دوسرا مقصد اُس مشین سے پورا نہیں ہو سکتا (مثلاً آٹا پیسنے کی مشین سے کپڑا نہیں سیا جا سکتا) اور اگر ہمیں اُس کو اپنے فائدہ کے لئے استعمال کرنا منظور رہو تو اُن اصولوں اور قوانین کی پابندی کرنی لازمی ہے، جو اس مشین سے متعلق ہیں - اور اگر ہمیں وہ قوانین معلوم نہ ہوں تو ہمارا فرض ہے کہ انہیں دریافت کریں تاکہ اس مشین کو صحیح طور سے استعمال کرسکیں - کیا کائنات کا ذرہ ذرہ، ان دو اصولوں کی موجودگی پر شاہد نہیں، جن کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے؟ پس کیا ہم اس غیر مشہود، مدبّر الامور اور ذی شعور ہستی کا انکار کرسکتے ہیں، جو تمامی کائنات میں پس پردہ کام کر رہی ہے؟ جو کائنات میں جملہ اشیاء کی منتظم، مرتب، ضابطہ، اور ناظم اور مقتدر ہے؟ پس لازم ہے، کہ ہم بفحوائے ارشاد قرآنی "سبح اسم ربك الاعلیٰ الذی خلق فسوّیٰ والذی قدر فھدیٰ" "پاک اور برتر خدا کے نام کی تمجید و تسبیح کریں، جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا پھر (انہیں) کامل کیا — جس نے اندازہ کیا، پھر راہ دکھائی" (سورۂ اعلیٰ آیت ۱ تا ۳)

اس آیت میں، قرآن شریف، اُس "مدبر کائنات" کی ایک اور صفت کا بیان کرتا ہے - جس نے کائنات کو پیدا کیا اور جو مختلف چیزوں کی، اُن کی تکمیل میں نگہداشت کرتا ہے - مزید صراحت کی خاطر میں ایک اور آیت پیش کرتا ہوں، جو اس سلسلہ میں "رب" کی تشریح بھی کردیگی، جو خدا کی پہلی صفت ہے "قال فمن ربکما یموسیٰ؟ قال ربنا الذی اعطی کل شیٔ خلقہٗ ثم ھدیٰ" فرعون نے کہا اے موسےٰ تمہارا رب کون ہے؟ موسےٰ نے جواب دیا، ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئے کو صورت اور اندازہ عطا کیا، پھر راہ دکھائی" (سورۂ طٰہٰ آیت ۴۹ و ۵۰)

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ "رب" وہ ہستی ہے جو ہر شئے کو "صورت" عطا کرتا ہے اور اس تناسب کا اندازہ کرتا ہے - جس میں مادّہ استعمال ہوگا تاکہ وہ صورتِ خاص جلوہ گر

ہو سکے، اور پھر مقررہ تناسب کی بدولت، اُس شے کو درجۂ کمال تک پہونچاتا ہے، گویا تعلیم قرآنی کی رو سے، مادّی اشیا کے ظہور پذیر ہونے کے لئے تین امور مدنظر رکھے جاتے ہیں (۱) صورت (۲) تناسب مادّی (۳) ہدایت - سائنٹفیک تحقیقات بھی اسی حقیقت کی مؤید ہے، مگر اس کا انداز بیان مختلف ہے - یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر شے مادّہ ہی سے ظہور پذیر ہوئی ہے - صدورِ سالمات کے بعد عضوی اور غیر عضوی اشیا میں ان کی آئندہ نشو ونما، صرف اُسی مادّہ کے مختلف اندازوں اور مقداروں میں، ترکیب در ترکیب کا نام ہے - مادّہ کا ایک مخصوص تناسب ایک مخصوص شے کو پیدا کرتا ہے - اور دوسرے تناسب سے دوسری چیز بن جاتی ہے - مادّہ ایک ہے مگر بوجہ اختلاف تناسب، اُسی سے انسان کا بچہ بھی وجود پذیر ہوتا ہے اور اُسی سے خنزیر کا بچہ یا مرغی کا بچہ بنتا ہے - یہ اختلافِ صورت، اختلاف تناسب کا ہی لازمی نتیجہ ہے، وگرہیچ -

اگر ایک مادّی صورت یا شے کے لئے ایک خاص تناسب مفید ہے تو دوسرا تناسب مُضر ہے - اور جو تناسب ایک شے کے نشو ونما کے لئے ضروری ہے وہ تناسب دوسری شے کے نشو ونما کے لئے نقصان دہ ہے - لیکن مادّہ اپنے ہر شکل میں، یہ جانتا ہے کہ کس تناسب کو قبول کرنا اور کس کو رد کرنا چاہیئے - اور ہر شے کی نشو ونما میں، اس کا مقررہ تناسب ہی کار فرمائی کرتا ہے - دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہر شے، مراتب کمال کے حصول میں، بغیر کسی امتیاز کے مُضر اور مفید اشیاء میں محصور ہوتی ہے، گویا دوستوں اور دشمنوں دونوں میں شامل ہوتی ہے - اُس کے چاروں طرف، مفید اور مُضر اشیا ہوتی ہیں - لیکن ہر شے میں ایسی قوت فاعلی موجود ہے کہ وہ دوست اور دشمن میں بڑی صحت کے ساتھ امتیاز کر لیتی ہے - اپنی نشو ونما کے لئے مفید عناصر کو جذب کر لیتی ہے اور مُضر عناصر سے کنارہ - مادّہ کی عضوی صورتوں میں تغذیہ کا طریق بھی اسی اصول تمیز پر کار فرمائی کرتا ہے - الماس اور کوئلہ، دراصل ایک ہی مادہ سے بنتے ہیں - لیکن ہر ایک کی قوتِ فاعلی بلا قوتِ ارادی کے، اُس عنصر کو

رد کردیتی ہے جو اُس کی نوعیت کے خلاف ہے ۔ نظام جسمانی میں بعض اوقات مفید اور مُضر دونوں اشیاء داخل ہوجاتی ہیں ۔لیکن اعضائے جسمانی، مفید اشیاء کو تو جزو بدن بنا لیتے ہیں اور مُضر اشیاء کو خارج کردیتے ہیں ۔یعنی طبیعت انسانی فوراً مفید اور مُضر میں امتیاز کرلیتی ہے پس یہی امتیاز مابین نفع وضرر جس میں غلطی ہوہی نہیں سکتی، مادہ کی تخلیقی صورتوں میں امتیاز و اختلاف کا باعث ہوتا ہے ۔چنانچہ جسم انسانی کا معدہ، ہر مُضر غذا سے طبعاً نفور ہوتا ہے اگر انسان غلطی سے مکھی کھالے تو فوراً استفراغ ہوجائیگا ۔ انسانی جسم میں بہت سے عضوی عمل ایسے ہوتے ہیں، جن کی بناء پر ناکارہ مادہ' خون سے جدا ہوکر خارج ہوتا رہتا ہے ۔ اور جب طبیعت انسانی اس درجہ کمزور ہوجاتی ہے کہ بخود ان ناکارہ مادوں کو خارج نہیں کرسکتی تو آلات جراحی اور مُسہل یا مُلیّن ادویہ سے مدد لی جاتی ہے ۔ تاکہ مواد فاسد، جسم سے خارج ہوسکے ۔

مرض یا بیماری دراصل مواد فاسد کے نظام جسمانی میں داخل ہونے پر، طبیعت جسمانی کے اُس کو داخل ہونے سے روکنے ہی کا دوسرا نام ہے ۔ کیا یہ قوت امتیاز ر انسد، ذ جو ہر مادی نشو ونما میں نہایت صحت کے ساتھ رو بکار ہوتی رہتی ہے، جہاں تک عضوی اجسام کی ساخت کا تعلق ہے، محض فطرت کا بے اصر لا پن قرار دی جاسکتی ہے؟ کیا یہ خاصیت مادہ میں خود بخود موجود ہوگئی؟ کیا یہ صفت اُس میں جبلی طور سے پائی جاتی ہے؟ کیا یہ زبردست انتظام محض اتفاق یا بلا کسی اصول کے قائم ہوگیا؟ یا یہ تمام نظم ونسق، ترکیب و ترتیب وغیرہ کسی صانع مطلق اور مدبر الامور ہستی پر منحصر ہے، جس کو قرآن اک "خالق، مُستوی قادر، اور ہادی" قرار دیتا ہے؟

کیا ارتقائے مادہ دراصل اس کی مخفی استعدادوں کے ظہور اور نشو ونما کا نام نہیں ہے؟ کیا ہر منزل محو پر اُس کی ذاتی قابلیت پوری قوت کے ساتھ ظاہر اور سرگرم عمل نہیں ہوتی؟ اور کیا، حسب تحقیق علم الحیواۃ، انسانی جسم، مادہ کی انتہائے ترقی یافتہ صورت نہیں

ہے ؛ وہ شعور جو زندہ مادہ سے، عالم حیوانات میں پیدا ہوتا ہے - اور ان کے اندر ہیجان
یا تحریک طبعی کہلاتا ہے، انسانی جسم میں آکر جذبات اور احساسات کا نام پاتا ہے، لیکن
اس کی ترقی یہیں ختم نہیں ہوتی انسانی شعور، اخلاقیات اور فلسفہ میں منتقل ہو جاتا ہے۔
اگر یہ صحیح ہو، تو پھر قوت فاعلی کہاں ہے جو، اگر مادہ میں ذاتی طور پر موجود ہے - اب میرے شعور
کو اخلاقیات اور مابعد الطبیعات میں مبدل کر دے ؛ کیا میں فطری طور پر اس قوت فاعلی
کا مالک ہوں جو نیک و بد میں بطور خود امتیاز کر دیا کرے ؛ یا مجھے کسی ہدایت پر کار بند
ہونے سے یہ صفت حاصل ہوگی ؛ کیا میں فطرتاً اور طبعاً غلط خیالات یا باطل فلسفہ سے
نفرت کر سکتا ہوں جس طرح میرا معدہ، طبعاً مکھی سے نفور ہے ؛ کیا میں جبلی طور پر اُن
امور سے پرہیز کر سکتا ہوں جو میری عقل و فہم کے لئے مضرت رساں ہیں جس طرح میری
آنکھیں ہر اُس شے سے بچنے کے لئے خود بخود بند ہو جاتی ہیں - جو "بصارت" کے لئے مُضر ہے
بکری، کبھی اپنے مزاج کے خلاف غذا پر منہ نہیں ڈالتی کیا میں بھی اسی طرح مفید اور مُضر
غذا میں امتیاز کر سکتا ہوں - جب تک مجھے ہدایت اور عقل سے بہرۂ وافر نہ ملے ؛ حقیقت
یہ ہے کہ انسان، جو مادی ارتقا کی آخری منزل اور اس کی انتہائی ترقی یافتہ صورت کا نام
ہے، نہایت بے کسی کے ساتھ، اُس قوتِ فاعلی سے عاری ہے، جو اس کے ادراک کو
نشو و نما دیکر اس قابل کر سکے کہ وہ مفید اور مُضر، نیک و بد میں اُسی طرح امتیاز کر لیا کرے
جس طرح عالم حیوانات کے افراد میں پایا جاتا ہے، اور یہ قوت نظام حیوانی کی جسمانی
ساخت کے دوران میں صاف طور پر کارفرما نظر آتی ہے -

اگر ہدایت، کوئی خارجی شے نہ ہوتی بلکہ انسان میں جبلی طور پر موجود ہوتی یا اس
کی سرشت کا جزو لاینفک ہوتی، تو وہ "ایتھر" سے لیکر جسم عضوی تک، مادہ کی مختلف شکلوں
کے نشو و نما میں دس گنی قوت سے کام کر سکتی تھی - یہ بات کہ جہاں تک غیر ذی شعور اشیاء
کا تعلق ہے، ان میں یہ قوت فاعلی، نہایت استواری کے ساتھ کام کرتی نظر آتی ہے -

اور ذی شعور وجود (انسان) میں نادار د ہو جاتی ہے اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قوت مادہ میں جبلی طور پر موجود نہیں ہوتی، ورنہ انسان میں بھی پائی جاتی۔ بلکہ یہ ایک خارجی عنصر ہے۔

یہ استنباط، اور بھی مضبوط ہو جائیگا اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارے شعور کو فلسفہ اور اخلاق کا درجہ حاصل کرنے کے لئے، ہدایت خارجی کی اشد ضرورت ہے۔ بے شک ہمیں قوت اختیار حاصل ہے۔ اور ہم نیک و بد میں سے وجدانی طور پر کسی بات کو اختیار کر سکتے ہیں۔ لیکن ان میں امتیاز کرنے کے لئے ہمیں، نور عرفان اور ہدایت ایمان کی از حد ضرورت ہے۔ جب ہم برے رجحانات کا علم حاصل کر لیتے ہیں اور تجربہ کی بناء پر اُن کے بُرے نتائج سے آگاہ ہو جاتے ہیں، اور اس طرح ہماری عقل میں پختگی آ جاتی ہے تو ہم بدی سے اجتناب کر سکتے ہیں۔ یعنی ہمارا ادراک، خارجی اسباب کی مدد سے ارتقاء حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر یہ قوت، محض ایک جبلی امر ہوتی، تو سوال یہ ہے کہ شروع ہی سے ہمارے اندر کیوں نہ پائی جاتی؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ "قوت امتیاز" جبلی خاصیت نہیں ہے بلکہ ایک امر اکتسابی ہے۔ یا اُس ہدایت کا نتیجہ ہے، جو ہم کو کسی برتر ہستی کی طرف سے حاصل ہوتی ہے، جس نے مادہ کو "قوت فاعلی" سے سرفراز کیا ہے، اسی ہستی کا نام "رب" ہے، اور یہی ہستی اسلام میں "خدا" تسلیم کی جاتی ہے۔

قرآنی آیت زیر تشریح، ایک اور قضیہ کی بھی متحمل ہو سکتی ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ خدا ہی مادہ کو مختلف صورتیں عطا کرتا ہے، تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ صورت، ہیولی پر مقدم ہے۔ جس کے متعلق عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بات ناممکن ہے، کیونکہ فطرت میں تصورات اشیائے خارجی سے منفک نہیں ہوتے۔ اس ضمن میں مجھے افلاطون کی شہرہ آفاق تصنیف "جمہوریت" کا خیال آگیا جس میں افلاطون اور اس کے شاگرد کے مابین یہ بحث ہوئی ہے کہ تصورات خارجی اشیاء پر مقدم اور اُن سے علیحدہ ہیں یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ دونوں

ہی غلط ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں - کیونکہ ان میں دراصل زاویۂ نگاہ کا اختلاف ہے - نفس مُدرِک، اپنی داخلی نوعیت کے اعتبار سے تصور کو شے سے جدا نہیں کرسکتا - لیکن اپنی خارجی نوعیت کے لحاظ سے دونوں کو متمیز کرسکتا ہے اور تصور کو شے پر تقدم حاصل ہے - ارسطو اُس " ادراک " کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس نے آنکھ کے ذریعہ سے اشیاء کو دیکھ کر اُن کا علم حاصل کیا، لیکن افلاطون کی رائے میں ہر تصور، خارجی اشیاء پر تقدم رکھتا ہے، جبکہ اُس نے اپنی نوعیت کے جملہ افراد کو ابتدائی حالت سے لیکر، مرتبہ کمال حاصل کرنے تک، ایک ہی اصول پر کار بند پایا -

سوال یہ ہے، کیا انسانی دماغ جو دراصل، اپنے تخیل کی بنیاد اشیائے خارجی ہی پر رکھتا ہے، اور اس لئے تصورات کو، خارجی اشیاء سے جدا نہیں کرسکتا، اس قابل نہیں کہ اُن نئی اشیاء کے تصورات قائم کرسکے، جو ابھی تک عالم وجود میں نہیں آئیں لیکن ان کا نقشہ اُس کے قوت ادراک یا تخیل میں موجود ہے؟ مثلاً آپ ایک مصور کے دماغ کے متعلق کیا کہیں گے؟ کیا اُس میں قوت تخلیق نہیں پائی جاتی اگرچہ محدود ہی صورت میں کیوں نہ ہو -

وہ بھی نئی چیزیں پیدا کرتا ہے اگرچہ اس کی تخلیق دراصل نئی ترکیب ہی ہوتی ہے - لیکن اس کے دماغی اصولوں سے کم ازکم اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ " تصور " شے کو شے پر تقدم ذاتی حاصل ہو سکتا ہے، اگر اشیاء کی نشو ونما غیر منظم طریق پر نہیں ہوتی بلکہ مقررہ آئین وقانون کے ماتحت عمل میں آتی ہے، تو " تصور " کو اشیاء پر تقدّم ضرور حاصل ہے - یہ تو ممکن ہے کہ " ایتھر " کے چند نقاط یا اُن کا مجموعہ، بشکل سالمات، ایک خاص حرکت یا گردش پر کاربند ہو جائیں، لیکن یہ کس طرح ممکن ہے آئندہ بھی دوسرے نقاط ایتھری یا سالمات مادہ، اپنے سابقہ نقاط کی تقلید و اتباع میں سرگرم نظر آئیں یعنی جدید پیدہ شدہ سالمات یا برقی پارے، جبکہ وہ غیر عُضوی عالم میں منتقل ہوتے ہیں تو مُشترہ طریق تخصیص پر کس وجہ سے عامل ہوتے ہیں؟

اگر کوئی کہے، کہ یہ بات قانونِ وراثت کے ماتحت ہے تو ان کا مورث اعلیٰ کون ہے؟ ذرا اس مسئلہ پر سکون اور سنجیدگی کے ساتھ غور کیجئے، اور انسان سے فرو تر ہر مخلوق کی تدریجی نشو و نما کے ہر پہلو پر نظر دوڑائیے کیا کوئی نشو و نما، بغیر انتظام کے ظہور پذیر ہو سکتی ہے؟ تم نے پچاس سال ہوئے، سالمہ کے متعلق یہ نتیجہ نکال لیا کہ سالماتِ مادہ خود بخود موجود ہو گئے ہیں، یعنی بغیر کسی انتظام کے ظہور میں آ گئے ہیں، لیکن آج ہم جانتے ہیں کہ سالمات بھی، برقی پاروں کی تخصیص کی بدولت ظہور پذیر ہو سکے، اندھا دھند طریق پر نہیں بن گئے - اور یہ برقی پارے ایثری نقاط کی تخصیص کا نتیجہ ہیں - ذرا صبر سے کام لیجئے، تھوڑے دنوں کے بعد سائنٹیفک تحقیق کی بدولت یہ معلوم ہو جائیگا کہ "ایثر" بھی مرتب اور منظم نشو و نما کا نتیجہ ہے - اور میں تو آج بھی اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔ اور صرف یہی بات کہ "ایثر" کا وجود تخمینِ ہندسی کی بدولت دریافت کیا گیا ہے، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ "ایثر" کی نشو و نما بے ترتیبی اور بدسلیقگی کے ساتھ نہیں ہوئی بلکہ ترتیب اور سلیقہ کے ساتھ عمل میں آئی ہے - اور اگر مادہ کی ہر لاحق صورت، سابقہ صورت پر مبنی ہوتی ہے - اور اپنے بقاؤ قیام کے لئے ہر لاحقہ، سابقہ کا محتاج ہے - جس میں اختلال رونما نہیں ہوتا، تو ہم مجبور ہیں کہ اس ذی شعور ہستی کو علت العلل تسلیم کریں، جس نے مادہ کی مختلف تراکیب کو مختلف صورتیں عطا کی ہیں اور ان کی پرورش کا انتظام کیا ہے، اور تناسب غذائی معین کیا ہے، اور ان کے ارتقاء کے اصول وضع کئے ہیں۔ اور ہر شے کی منزلِ مقصود تک رہنمائی (ہدایت) کی ہے - عربی زبان میں ایک لفظ ہے، جس سے یہ تمام صفات ظاہر ہو سکتی ہیں، وہ "رب" ہے - چنانچہ قرآن کریم نے اپنے مخصوص اعجازی انداز میں اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے" وانّ الیٰ ربّک المنتھیٰ " یعنی کائنات کا سارا سلسلۂ علت و معلول تیرے رب ہی پر ختم ہوتا ہے -

ایک ملحد اس پر یہ اعتراض کر سکتا ہے "کہ علت و معلول کا سلسلہ اس طرح لا نہایت مراتب تک، اعشاریہ غیر مختتم کی صورت میں بڑھایا جا سکتا ہے - اور ہم کبھی بھی کائنات کی

علت اور اصل کے مسئلہ کا حل نہیں کر سکتے "۔

لیکن اس اعتراض سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہم خدا کے متعلق پوری معلومات حاصل کرنے کے ناقابل ہیں۔ مذکورہ بالا اعتراض کی رو سے، ہم خواہ لانہایت مراتب تک ہی اس سلسلہ علت ومعلول کو وسعت دیتے کیوں نہ چلے جائیں۔ لیکن ہر مرتبہ میں ہم کو قوانین تخلیق در بوبیت وقیومیت و ارتقاء ہی سے دوچار ہونا پڑیگا۔ اور ان کی بناء پر ہم مسلسل طور سے اس ذی شعور ہستی کے وجود پر اعتقاد رکھنے کے لئے مجبور ہونگے جو ہمارا خالق، رب، قیوم اور ہادی ہے۔ ہاں یہ اعتراض ان لوگوں پر وارد ہو سکتا ہے جو یہ کہتے ہیں۔ کہ علم باری کا احاطہ ممکن ہے یا جنہوں نے "صلیب" پر اس کا نظارہ کیا ہے۔ سائنس کی اس تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ کائنات میں ہر شئے قانون کی پابند ہے، میرے لئے تو یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔ اگر ارباب سائنس کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مادہ، قوت اور توانائی، تینوں میں "قانون" کارفرما ہے، اور وہ لوگ "احدیت" یعنی وحدتِ مُبدع پر بھی متفق ہیں، تو اُن کے لئے اس بات پر یقین رکھنا بھی ضروری ہے کہ کائنات کا مجوِّز اور مدبّر بھی ایک ہی ہے۔ یعنی اگر کائنات میں وحدت ہے تو صانع، کائنات میں بھی وحدت ہی ہوگی۔ فطرت میں خواہ متعدد قوانین ہی کیوں نہ نافذ ہوں، لیکن وہ سب ایک ہی مقصد پر مجتمع ہوتے ہیں۔ اور ایک ہی مرکز کی طرف مائل ہیں۔ اور اسی وجہ سے ارباب سائنس اس مسئلہ وحدتِ وجود پر متفق ہوئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کسی "ذاتِ واحد" کی اثر آفرینی کا نتیجہ ہے۔ اور ہیکل نے، مناسب لفظ نہ ملنے کی وجہ سے، اسی "ذات واحد" کو "نافذ قانون ہستی" سے تعبیر کیا ہے۔

فی الجملہ قانون، اس دنیا میں، نافذ ہے اور اس کی متابعت ضروری ہے، اگر اس سے انحراف کیا جائے گا تو نظام کائنات درہم برہم ہو جائیگا۔ اور کائنات کا ہر مظہر، انسانیت یعنی بنی نوع آدم کا ہر فعل اس حقیقت پر شاہد ہے "قانون" وہ شے ہے جس کی اطاعت تمام مخلوقات

پر فرض ہے۔ اور اس ضمن میں یہ بتانا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ لفظ اللہ کے لغوی معنی بھی "مطاع" ہی ہیں اور یہی ذات ایک مسلم کا معبود حقیقی ہے۔ ایک مُسلم اور ایک مُلحد میں صرف ایک قدم کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ ہم مسلمان تو' قوانین فطرت کا مُبدع ایک ذی شعور ہستی کو تسلیم کرتے ہیں۔ (جسے عربی میں اللہ کہتے ہیں) لیکن ایک ملحد' اگر سائنٹیفیک حقائق کو اہمیت دے (اور اگر نہ دے تو ہمیں چنداں پرواہ نہیں) تو قوانین فطرت کا اعتراف تو ضرور کریگا۔ لیکن اس ذی شعور ہستی کا اقرار نہ کرے گا۔ جو پس پردہ کام کر رہی ہے۔ اگر وہ اُس ہستی کا اقرار کرے تو "مُسلم" ہو جائے۔

کائنات میں کوئی جسم عضوی یا غیر عضوی ایسا نہیں جس میں نشو و نما کا طریق عمل نہ پایا جاتا ہو۔ لیکن اس کے لئے متابعت قانون لازمی ہے۔ اور جس وقت وہ' اس متابعت سے انحراف کرتا ہے تو فوراً مردہ اور منتشر ہو جاتا ہے۔

اگر وہ شے' دوبارہ متابعتِ قانون' اختیار کرے تو پھر نشو و نما پا سکتی ہے' اور اس مرتبہ یہ تبدیلی' دماغ انسانی کی کارفرمائی کا نتیجہ ہوگی۔ مثلاً اگر درخت کی کوئی شاخ کاٹ دی جائے تو اس کی آئندہ نشو و نما بند ہو جائیگی۔ لیکن انسانی عمل کی بدولت' وہ شاخ' کرسی یا میز کی شکل میں مبدل ہو سکتی ہے۔ گویا کسی ذی شعور ہستی کے زیر تصرف آکر پھر مفید شے بن سکتی ہے انسانی تصرفات کی بدولت' بے حس مادہ' جب کسی اصول کے ماتحت' مفید اشیاء میں مبدل ہو جاتا ہے تو کیا یہ تبدیلی' ایک عقلِ فعال کے وجود پر دلیل نہیں؟ پس یہی اصول کائناتؐ میں تو ساری نشو و نما' ابتدائے آفرینش بلکہ ابتدائے زمان و مکان ہی سے' قوانین مستمرہ کے ماتحت چلی آرہی ہے! اگر ٹیلیفون کے مرکز میں کام کرنے والوں کا وجود' جو ٹیلیفون کی ساری مشینوں کو باقاعدہ چلاتے رہتے ہیں' ٹیلیفون کے صانع کے وجود پر ایک روشن دلیل ہے۔ تو انسانی جسم میں دماغ کا وجود کیوں نہ صانعِ دماغ کے وجود پر دلیل قرار دیا جائے؟ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ انسانی دماغ' اجسام حیوانی میں وہی کام انجام دیتا ہے جو ٹیلیفون کے دفتر میں' مختلف کارکن انجام دیتے ہیں جب ہمیں کسی قسم کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ تو اعصاب

ؐ میں بھی کیوں نہ ملحوظ رکھا جاوے؟ کائنات

درآور دماغ کو اُس ضرورت سے مطلع کرتے ہیں، اور سالماتِ دماغی، اُسی اصول پر کار بند ہوکر بذریعہ اعصاب برآور، ہماری ضرورت کے پورا کرنے کا انتظام کرتے ہیں۔ انسانی دماغ نے، اسی اصول پر کار بند ہوکر، فوجی انتظامات کے سلسلہ میں "فوج کا دماغ" یا مرکز قائم کیا ہے جسے "جنرل سٹاف" کہتے ہیں۔ یہ نظام جنگی، انسانی دماغ ہی کے اصولوں پر بنایا گیا ہے، اور جس طرح جسم میں مختلف اعضا ہوتے ہیں اسی طرح "فوج" میں مختلف دستے ہوتے ہیں۔ جب بھوک لگتی ہے تو "معدہ" اس کی اطلاع دماغ کو دیتا ہے اور جس طرح اعصاب درآور نے دماغ کو اطلاع دی تھی، اُسی طرح عصاب برآور ان اعضاء کو حرکت میں لاتے ہیں جن کی بدولت اشتہا رفع ہوسکتی ہے۔

پس، اندریں حالات کیا یہ بات سراسر منافیٔ عقل اور غیر معقول نہیں کہ ہم "فوجی مرکز" کے قیام و انتظام کی بناء پر کسی صاحب عقل و شعور ہستی کے وجود پر استدلال کریں۔ لیکن خود انسانی دماغ کی موجودگی کو کسی صانع اور ذی شعور ہستی کے وجود کا مرہون احسان قرار نہ دیں؟

میں نہایت وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ جن دلائل کی بناء پر ہم انسانی افعال، کو انسانی دماغ کی تحریکات معنوی کا نتیجہ سمجھتے ہیں، انہی دلائل کی بناء پر ہم "مدبر کائنات" کی ہستی کا اثبات کرسکتے ہیں اگر انسانی تجارب کی رو سے قانون کا نفاذ مقنن کے وجود پر دلیل ہے۔ تو قوانین فطرت کا عمل خالق کائنات کے وجود پر دلیل کیوں نہیں ہوسکتا؟ جبکہ کائنات میں ہر جگہ "قانون" ہی کا ظہور ہے تو اُس کے واضع اور نافذ سے انکار کرنے کی وجہ کم از کم میری سمجھ سے تو باہر ہے!!!

اسی واضع قانون کو اسلام "اللہ" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

مذکورہ بالا استنباط عقلی سے مفر اختیار کرنے کی غرض سے بعض حلقوں میں "وحدتِ وجودی" یا "احدیت متبدع" کی مخالفت کو ضروری سمجھا گیا ہے اور بعض مجالس ملاحدہ میں اِس "وحدت مطلقہ" کے وجود سے اس بناء پر انکار کیا گیا ہے کہ کائنات یا فطرت میں

بعض متناقض امور پائے جاتے ہیں اور اس کے افعال میں یکسانیت نہیں ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ کائنات میں بہت سے امور ایسے ہیں جو سطحی لیاقت والے کیلئے غیر قابل تشریح طور متناقض معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن سائنٹفک تحقیقات اور علمی انکشافات کی بدولت، بہت سے اسرار کائنات، آئے دن برانگندہ نقاب ہوتے جاتے ہیں۔ جو بات کل تک متناقض ہوتی تھی، آج بالکل قرین عقل ثابت ہو چکی ہے۔

اور اس بناء پر یہ قیاس کرنا قطعاً غیر مناسب نہیں کہ جو باتیں آج وراء العقل یا خلاف عقل معلوم ہوتی ہیں وہ کل واضح ہو جائیں گی، اور ان باتوں کا ایک ہی اصل سے متفرع ہونا بھی خلاف قیاس نہیں ہے۔ ہم ایک ہی شخص سے دو افعال مشاہدہ کرتے ہیں، جو باہم متناقض ہوتے ہیں لیکن اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یا تو ہماری فہم کا قصور ہے۔ کہ ہم اُن دو افعال میں یکسانیت دریافت نہ کر سکے، حالانکہ وہ در اصل متناقض نہیں ہیں اور مزید تحقیق سے ثابت ہو جائے گا کہ ان میں توافق موجود تھا، یا اُس شخص کی عدم واقفیت اور جہالت اس تناقض کا باعث ہوتی جو اس طرح متناقض امور ظاہر کرتا ہے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں، ایک ہی دماغ دو افعال کا محرک ہو سکتا ہے، جو بظاہر یا فی الحقیقت متناقض ہوتے ہیں۔

گیا ہمارا دماغ، باہم متخالف اشیا کا ایک محیر العقول خزانہ نہیں ہے؟ رنج و راحت، تکلیف اور خوشی، خندہ و گریہ، ظرافت اور متانت، یہ سب ایک ہی دماغ سے پیدا ہوتی ہیں۔ پس فطرت میں اگرچہ امور متناقض پائے جاتے ہیں تو اُن کی بناء پر نظریہ "احدیت وجود" کا ابطال نہیں ہو سکتا۔ یہ سوال، جیسا میں نے ابھی لکھا، اب بہت آسان ہو گیا ہے۔ ہر ماہر علم الحیات اور ہر تعلیم یافتہ ملحد، قانون کے مادہ پر فائق اور حکمران ہونے میں یقین کرتا ہے۔ لہٰذا "احدیت وجود" کو ایک حقیقت مثبتہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے متعلق تائیدی شہادت فراواں مل سکتی ہے۔ کائنات کا ہر سالمہ دیگر سالمات سے متعلق ہے۔ اور کسی نہ کسی رنگ میں مربوط ہے۔

آسمانوں کا جو تکمیل بخش تعلق زمین کے ساتھ ہے، اس کو قرآن پاک نے نہایت اختصار اور ایجاز سے بیان کرکے، اُس "مدبر الامور" کی ہستی پر دلیل قرار دیا ہے جو ہر مخلوق کی ربوبیت کرتا اور اُن سے دیگر مخلوقات کو ظہور میں لاتا ہے۔ وہ آیت یہ ہے "والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع" یعنی آسمانوں اور ان میں جو چیزیں ہیں ان کی طرف دیکھو جو فاعل کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں، اور پھر زمین اور اس میں جو چیزیں ہیں۔ ان پر غور کرو وہ سب بحیثیت "منفعل" کام کر رہی ہیں یعنی آسمان اثر ڈالتا ہے اور زمین اثر قبول کرتی ہے۔ (اسی کو فعل و انفعال کہتے ہیں) (سورۂ طارق) زمین صرف بارش ہی سے زندہ نہیں ہوتی۔ بلکہ سورج چاند اور ستاروں کی روشنی بھی جو زمین پر آتی ہے اور اجزائے ارضی میں مخلوط ہو جاتی ہے، مختلف اشیاء کے ظہور کا باعث ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ فاعلی اور منفعلی ہستیاں مختلف مراتب سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن باہم اس طرح مربوط ہیں کہ زمین پر منشائے تخلیق ایزدی کو بوجہ احسن پورا کرتی رہتی ہیں۔ ایک تخم مہیا کرتی ہے تو دوسری رحم کا فرض انجام دیتی ہے۔

الغرض جو کچھ میں نے ان صفحات میں بیان کیا ہے وہ ایک سمجھدار آدمی کو تسلی دینے کے لئے کافی ہے، نیز اس امر کا یقین بھی حاصل ہوسکتا ہے کہ کائنات میں ایک "ذی شعور" طاقت کام کر رہی ہے جو خالق بھی ہے رب بھی ہے، قیوم بھی ہے مربّی بھی ہے اور اشیائے کائنات میں وہ استعدادیں پیدا کرتی ہے، جن کی بدولت وہ آئندہ نشو ونما حاصل کرسکتی ہیں۔ اور بعد ازاں انہیں مرتبۂ کمال عطا کرتی ہے، اور منازل ارتقائی طے کرنے میں اُن اشیاء کو جن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی مہیا کر دیتی ہے اور اس طاقت کو اللہ کہتے ہیں، جو اسلام میں واحد معبود مطلق تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور اس کی پہلی صفت "رب العالمین" ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دہر (کائنات) کو برا مت کہو میں ہی "دہر" یا زمانہ ہوں" یہ قول ایک حقیقت عظمیٰ اور ناقابل تردید صداقت ہے۔ اس کا مطلب

یہ ہے کہ جمیع مظاہر کائنات، دراصل "حکمت الہیہ" کی مظہر ہیں، اور فطرت کی ساری قوتیں اور قوانین، اُس ذات پاک کی شیئوں وخواص مختلفہ ہیں - فطرت سے ہم آہنگ ہونے کی بدولت ہی ہم کامیاب اور خوشحال زندگی بسر کر سکتے ہیں - اگر اسلام میں بالفاظ مختلف، اسی حقیقت کا ادعا کیا گیا ہے کہ "تخلقوا باخلاق اللہ" یعنی اللہ تعالےٰ کی صفات اپنے اندر پیدا کرو، تو مطلب بہرحال وہی ہے ---ان صفات حسنہ سے، جو قرآن پاک میں مذکور ہیں؛ کائنات کے طرز عمل کا صحیح نقشہ معلوم ہو سکتا ہے - اور اگر ایمان باللہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ خدا کو منبع، قانون سمجھا جائے اور عبادت کے معنی اطاعت کئے جائیں، تو پھر اسلام کے خدا کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا ہم میں سے ہر ایک قانون کی اطاعت پر مجبور ہے - یہ دوسری بات ہے کہ ہم [illegible] کو متبدع قانون مانیں یا نہ مانیں، لیکن قانون کی اطاعت بہرحال ضروری ہے - اور یہ قوانین غیر مبدل ہیں - قرآن فرماتا ہے "لن تجد لسنۃ اللہ تحویلا" (تم اللہ تعالےٰ کے طریق عمل میں تبدیلی نہ پاؤ گے) اور اگر کوئی شخص قانون شکنی کریگا تو خمیازہ اٹھانا بھی یقینی ہے - پس ایک مسلم اور ایک ملحد میں فرق تو کچھ بھی نہیں، کیونکہ متابعت قانون سے تو ملحد کو بھی مفر نہیں ہو سکتا - واضح ہو کہ اگر عبادت یا پرستش اُس ذات کی نہ کی جائے جو واضع قانون ہے تو مسلم کی نظر میں پھر قانون کا درجہ ایک "بُت" کا سا ہو جاتا ہے - میں ذی عقل ہوں، اور قوانین بنا سکتا ہوں لہذا اس لحاظ سے قوانین پر فوقی رکھتا ہوں - پس اللہ تعالےٰ - خدا اسلام - کی پرستش کرتے وقت انسانی عقل وشعور، قادر مطلق اور مدبر الامور کی پرستش کرتا ہے -

اس صامت اور جامد کائنات یا فطرت سے چند اور واضح اسباق حاصل ہوتے ہیں اگر بنی نوع آدم میں، ہم بعض اشخاص کو، بعض صفات کی بنا پر بعض خواص کا مالک سمجھتے ہیں (اور بعض حیوانات کو بھی، اگر اُن سے یہ صفات ظاہر ہوں) تو جو قوت، فطرت پر فرمانروائی کر رہی ہے - اگر اس میں بعض صفات موجود ہیں تو ہم اس کو بعض خواص کا مالک کیوں نہ سمجھیں؟ سب سے پہلے "اخلاق" کی تعریف چند الفاظ میں کردوں، ہم مختلف ضروریات اور حاجات

رکھتے ہیں، اور ہماری حرکات یا ہمارے افعال محض ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے، اگر ہم دوسرے انسانوں کے حقوق کا پاس کریں اور اُن کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں تو گویا ہم اخلاقِ حسنہ کی ابتدائی منازل طے کریں گے لیکن اگر دوسروں کی محنت کا معاوضہ دینے میں محض عدل ہی کو ملحوظ نہ رکھیں بلکہ از راہِ کرم انکے استحقاق سے زیادہ عطا کریں تو ہم اخلاقِ حسنہ کی ایک اعلیٰ مثال پیش کر سکتے ہیں لیکن اخلاقِ حسنہ میں ایک مرتبہ اس سے بھی بلند ہے جسکے ڈانڈے روحانیت سے جا ملتے ہیں۔ یعنی وہ طرزِ عمل جو ہم اپنے افراد خاندان کے ساتھ ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور ان کی ضروریات از خود بغیر ان کی درخواست یا استحقاق کے پوری کرتے رہتے ہیں اور اس کے لئے نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ ... ذاتی خواہش سے جس طرح والدین اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں اور بعض اوقات ولادت اطفال سے پیشتر ہی ان کی آیندہ ضروریات کا بندوبست کرتے ہیں۔ یہ تینوں باتیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس سورت میں بیان فرمائی ہیں جس کی تلاوت ہر جمعہ کو تمام اسلامی ممالک میں ہوتی چلی آئی ہے۔

"ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ" یعنی تحقیق اللہ حکم دیتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ انصاف مدنظر رکھو اور حتی الوسع دوسروں کے ساتھ بھلائی کرو، اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

کیا یہ تینوں اخلاق کارفرمائی فطرت میں مفید نہیں ہیں؟ تم نے کب، کوئی کام ایسا کیا جس کا معاوضہ انصافاً فطرت کی جانب سے تم کو نہیں ملا؟ بلکہ جب بھی تم کوئی کام کیا اس کا معاوضہ ہزار گنا عطا ہوگا۔ تم نے ایک بیج بویا تو ہزار دانے کاٹے ہوں گے۔ تم ایک مرتبہ ایک درخت لگاتے ہو اور ہر سال پھل کھانے کو ملتے ہیں۔ یہ دوسرے درجہ کا اخلاق ہے۔ اب فطرت کی فیاضی پر غور کرو! وہ تمہاری جملہ ضروریات بے منت مہیا کرتی ہے، بلکہ بعض چیزیں تمہاری ولادت سے بھی پہلے ہی مہیا کر دی گئی تھیں۔ جس طرح حاملہ عورت، وضع حمل سے پہلے ہی

آئیندہ مولود کی ضروریات کا لحاظ کرتی ہے اُسی طرح "مادرِ فطرت" بھی بنی نوع آدم کے ساتھ مشفقانہ اور مادرانہ سلوک کرتی ہے۔ اور اگر یہ فطرت، اُس غیر مشہود قوت کے طرزِ عمل کا آئینہ ہے، جو پسِ پردہ کام کر رہی ہے۔ تو ہم یہ تین صفات اُس غیر مشہود ہستی سے بھی منسوب کر سکتے ہیں۔ عربی زبان میں ان صفات کو "الرحمٰن الرحیم، مالک یوم الدین" یعنی وہ ذات، جو مخلوقات کے سابق استحقاق کے بغیر اُن کی ضروریات مہیا کرتی ہے اور جزا دینے میں نہایت فیاض اور سخی واقع ہوئی ہے اور مالک روزِ جزا ہے۔ پس کون شخص اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کر سکتا ہے؟ جو اسلام کا خدا ہے۔ قرآن پاک میں اس بزرگ ہستی کی دیگر صفات کا بیان بھی موجود ہے جو علاوہ ان صفات کے تعداد میں ۹۹ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن سائنیس بھی اس حقیقت کو دریافت کر لے گا۔ کہ تمامی قوانین کائنات انہی صفاتِ باری کے اظلال و آثار ہیں۔ کیونکہ جو قوانین اب تک دریافت ہو چکے ہیں۔ اُن کے متعلق یہ بات بآسانی ثابت کی جا سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفات کے اظلال و آثار ہیں

کل دنیا امن و امان کی طالب ہے۔ لیکن یہ نعمت "ہنوز دلی دور است" کی مصداق نظر آتی ہے۔ ہر چند اس کے حصول کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن حاصل نہیں ہوتی۔ بالمقابل، کائنات میں ہر شے اس نعمت سے بہرہ مند ہے، اور جب تک انسانی دستبرد سے محفوظ رہتی ہے، اُس وقت تک اس حالت کو قائم رکھتی ہے۔ بلحاظ ترتیب فطرت تمام اشیاء کے لئے مختلف میدان عمل مخصوص ہیں۔ اُن میں باہم تصادم ممکن ہی نہیں

ہر شے ایک حد اور اندازہ میں رہتی ہے جس سے تجاوز کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے - اور اگر وہ کسی شے سے اتصال و اتحاد پیدا کرتی ہے تو محض تعامل و تعاون باہمی کے لئے فطرت مجموعۂ اضداد ہے - عناصر متضادہ اور سالمات مخالف، کائنات کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں - لیکن ان کی حرکات مقررہ اندازہ پر ہوتی ہیں اس لئے تصادم کا امکان نہیں ہے بلکہ تمامی کائنات میں ایک شان ہم آہنگی نظر آتی ہے - اور کائنات میں اس قابل رشک امن و امان کا راز یہ ہے کہ ہر شے اپنے معین اندازہ سے تجاوز نہیں کرتی -

"وآیة لهم اللیل نسلخ منه النهار فاذا هم مظلمون ○ والشمس تجری لمستقر لها ذالك تقدیر العزیز العلیم، والقمر قدرناه منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم ○ لا الشمس ینبغی لها ان تدرك القمر ولا اللیل سابق النهار، وکل فی فلك یسبحون ○ (سورۂ یٰسین آیت ۳۷ تا ۴۰)

اور ایک نشان ان کے لئے رات ہے - اس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو ناگہاں وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں - اور سورج اپنے مقرر رستہ پر چلتا رہتا ہے یہ غالب علم والے کا اندازہ ہے - اور چاند کیلئے ہم نے کئی منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ وہ پھر کھجور کی پرانی سوکھی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے - نہ تو سورج کو حاصل ہے کہ چاند کی غایت کو پہنچے - اور نہ رات دن سے آگے نکلنے والی ہے - اور سب (اپنے اپنے) دائرے میں چل رہے ہیں

فطرت میں صرف صلح اور امن ہی نہیں پایا جاتا بلکہ جمال و خوبی اور مقصد بھی نظر آتا ہے، فطرت میں کوئی شے بیکار نہیں ہے - ہر شے میں بے شمار فوائد اور خوبیاں مضمر ہیں - لیکن اس خوبی اور افادیت کا راز بھی اس کے اس پابندئ نظام ہی میں مضمر ہے - جس نظام میں، خالق کائنات نے مختلف اشیاء کو معین فرما دیا ہے -

کسی ڈرائنگ روم (نشست گاہ) کی خوبی اور افادیت سامان آرائش کی بدسلیقگی اور بے ترتیبی پر منحصر نہیں بلکہ تمام چیزوں کے قرینہ اور قاعدہ سے رکھنے کی وجہ سے، کمرہ میں دلکشی

اور زیبائش ہو سکتی ہے - اگر اس ترتیب کو جس میں کسی ذی شعور انسان نے مختلف اشیاء کو سجایا ہو بدل دیا جائے تو دلکشی اور رعنائی کافور ہو جائیگی - بلکہ افادیت مضرت میں مبدال ہو جائیگی - فی الجملہ ہر شے ایک خاص مقصد کے لئے بنائی گئی ہے - اور اس کے استعمال کا بھی ایک خاص ہی موقعہ و محل ہوتا ہے - اور وہ ہمارے کسی نہ کسی فائدہ ہی کے لئے مخصوص ہوتی ہے - لیکن ہم اشیاء سے فائدہ اُسی صورت میں اٹھا سکتے ہیں - جبکہ "حدود" کا لحاظ رکھیں - اس حقیقت سے "مسئلہ شر" کا حل بھی ہو سکتا ہے - جب تک کسی شے کو بعض حدود مقررہ کے اندر استعمال کیا جائیگا - اُس سے فائدہ حاصل ہوگا - لیکن جب ان سے تجاوز کیا جائیگا تو وہی مفید شے مُضر ہو جائیگی مختلف حالات کے ماتحت فطرت میں خوب ترین اور بہترین شے بدترین اور زشت ترین شے ہو جاتی ہے -

علاوہ بریں ایک ہی مادہ سے سور کا بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اور مرغی کا چوزہ بھی اور انسان کا بچہ بھی انسانی دماغ (مغز) کی ساخت میں وہی عناصر (مفردات) استعمال ہوتے ہیں جو اُلوکے یا بندر کے مغز میں پائے جاتے ہیں - صورت اور فعل یا تاثیر میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ محض اُس اختلاف تناسب کی بنا پر رونما ہوتا ہے - جو ان عناصر میں ملحوظ رکھا جاتا ہے، جن سے مختلف عضوی اجسام میں مختلف مرکبات خلیاتی طیار کئے جاتے ہیں - مادہ اور قوت ہر جگہ ایک ہی سا ہے اور یہ دونوں ہر شے کو نمو اور خوراک بہم پہونچاتے ہیں - لیکن ان کا مجموعہ مختلف تناسب میں مختلف نتائج پیدا کرتا ہے - اور نیک و بد یا مفید و مُضر ایک ہی عُنصر سے وجود میں آتے ہیں بذات خویش نہ کوئی سے نیک ہے نہ بد - خیر و شر دونوں، اضافی امور ہیں، اور تناسب اور ماحول پر منحصر ہیں - تعداد و حالات کے اختلاف سے ایک ہی شے مختلف خواص ظاہر کر دیتی ہے - یعنی سالمات مادہ کے، مختلف تناسب میں مختلف امتزاجات سے مختلف نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں - پس کائنات میں دو غیر متغیر خواص نظر آتے ہیں اولاً ہر سالمہ، مخصوص اندازوں میں مخصوص خاصہ ظاہر کرتا ہے اور جب کسی دوسرے اندازہ پر، دوسری اشیائے سے ترکیب پاتا ہے تو دوسرے خواص ظاہر کرتا ہے -

ثانیاً تمام ذرات ان مقررہ حدود اور معینہ اندازوں کو نہایت استواری کے ساتھ ملحوظ رکھتے ہیں

اور جہاں تک فطرت کی غیر شعوری کارفرمائی کا تعلق ہے، مختلف مظاہر فطرت کے وقوع میں، تمام ذرات اور ان کے مجموعے، ان قوانین اور حدود کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں۔ مقررہ حدود سے تجاوز نہیں ہوتا اور معینہ اندازوں کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔

پس، اندازوں کی یہ تقسیم، اور اشیائے مادی کا اُن اندازوں اور حدود کو ملحوظ رکھنا، اور ہر ارتقائی منزل میں ان کی اطاعت کرنا، کیا یہ باتیں مادہ کے خواص سمجھی جا سکتی ہیں؟ اس بات سے تو علم، پیش بینی، شعور، حکمت، وغیرہ ظاہر ہوتی ہے، جو مادہ میں اس وقت بھی جلوہ گر ہوتی ہے جبکہ وہ حالتِ شعوری کو نہیں پہنچا۔ مادہ کا، مفید عناصر کو قبول اور مضر عناصر کو رد کرنا، جبکہ وہ اپنے ابتدائی مراتب ہی میں ہوتا ہے۔ کیا محض کسی غیر ذوی العقول ہستی کا کام ہے جسے ملحدین عموماً "لا یعقل حیث فاعلی" کہا کرتے ہیں۔ اور سائنس کی مصطلحات میں بھی یہی ترکیب مستعمل ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو کیا وجہ کہ جیوں جیوں مادہ، ارتقائی منازل طے کرتا جاتا ہے، تیوں تیوں یہ صلاحیت مضمحل ہوتی جاتی ہے۔ یعنی انسان جو مادہ کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہے، کیوں اس خاصہ سے عاری ہے۔ برعکس اس کے، کیا ساری کائنات ایک زبردست مدبر الامور ہستی کے وجود پر شاہد نہیں جس نے ذرات کو مقررہ قوانین پر کاربند ہونے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ اور مفید اور مضر عناصر میں امتیاز کرنے کی قابلیت ارزانی فرمائی ہے؟ اپنی نشوونما میں سالمات کا ہر مجموعہ، مقررہ حدود کی پابندی کرتا ہے چنانچہ اپنے حق میں مفید عناصر کو جذب کر لیتا ہے اور مضر عناصر سے احتراز کرتا ہے۔ باقی

ناظرین رسالہ کی خدمت میں التماس

یہ بہترین کار ثواب ہے۔ کہ آپ اپنے حلقہ اثر میں رسالہ اشاعت اسلام کی توسیع اشاعت فرمائیں۔ رسالہ مذکورہ کا منافع مسلم مشن ووکنگ کے کار خیر میں صرف ہوتا ہے

منیجر

اُسوۂ حسنہ

جملہ ہادیان مذاہب میں آنحضرت صلعم ہی ایسے قدسی نفس انسان گذرے ہیں - جنہوں نے اُن تمام اُصولوں پر خود عمل کرکے دکھا دیا - جو آپ نے دوسروں کو تلقین فرمائے تھے - قرآن میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس کی تفسیر عملی طور پر آپ نے نہ فرمادی ہو - دیگر مذاہب میں ہم کو خوش آیند نصائح بکثرت ملتی ہیں - اور فلسفۂ اخلاق کے متعلق ناقابل عمل نظریے بھی اکثر بزرگوں نے پیش کئے ہیں لیکن کسی فرد واحد نے ان باتوں پر خود عمل کرکے نہیں دکھایا - لیکن آپ اس کلیہ میں ایک ولیذیر استثنا ہیں - جو تعلیم دوسروں کو دی اُس پر خود بھی عمل فرمایا -

واضح ہو - کہ کسی میں کسی استعداد کا ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہوسکتا - کہ وہ اپنی استعدادات کو بالفعل پیش کرسکتا ہے - اور بعض ہادیانِ طریقت میں بالفرض اگر ارتکاب گناہ کی استعداد نظر نہیں آتی توچنداں لائق ستائش نہیں - کیونکہ اُن کے اکتساب میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی - اور نہ وہ اُن لوگوں کے لئے مفید ہوسکتی ہیں - جو اخلاقی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھنے کے طالب ہیں - دوسروں کو عفو اور رحمدلی کی تعلیم دینا نہایت آسان کام ہے - کیونکہ محض زبانی تلقین سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ ہم خود بھی ان صفات سے متصف ہیں - اُس کے ثبوت کا تو صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنی تعلیم پر عمل کرکے دکھا دیں - علاوہ ازیں جس بات کا خود ہمیں نے تجربہ نہیں کیا - وہ ہم دوسروں کو کس طرح سمجھا سکتے ہیں - صبر اور تحمل کی تعلیم وہی شخص دے سکتا ہے - جس نے مثل آنحضرت صلعم یا حضرت مسیح خود تکالیف اور مصائب دُنیوی برداشت کئے ہوں - مگر فرق دونوں میں یہ ہے - کہ مسیح کو دوسری صفات کو عملی جامہ پہنانے کا موقعہ نہیں ملا - آنحضرت صلعم کو ملا اور خوب ملا -

دراصل جس نے حوادث وتغیرات زندگی کا تجربہ نہیں کیا - وہ دوسروں کے لئے کامل نمونہ بھی نہیں بن سکتا - ہر اخلاقی صفت کے اظہار کے لئے بعض مخصوص حالات کی ضرورت ہوتی ہے -

اور جب تک وہ حالات کسی کی زندگی میں رونما نہ ہوں - وہ شخص اُن صفات سے مُتصف ہونے کا دعوے نہیں کرسکتا - عُسرت اور خوشحالی یہ دونوں حالتیں مختلف صفات ذاتی کے اظہار کیلئے ضروری ہیں

آنحضرت یتیمی سے ترقی کرتے ہوئے بادشاہی تک پہنچے - اور اس سبب سے آپؐ کی زندگی حالاتِ بوقلموں کا مرقع ہے - آپ کی زندگی میں مختلف الانواع حالات پیدا ہوئے - اور اس لئے آپؐ کو مختلف صفات کے اظہار کا موقع بھی ملا - ہر موقعہ پر آپ کا امتحان ہُوا - لیکن آپ ہمیشہ پورے ہی اُترے - چونکہ ہمیں اپنی زندگی کے مختلف شعبوں میں مختلف نمونوں کی ضرورت ہے - اور آپؐ کی زندگی میں ہر شخص کے حالات کے مطابق ایک نمونہ موجود ہے اس لئے آپ ہی ایک اسوۂ کامل ہیں - آپ اپنی زندگی میں مختلف حالات سے دوچار ہوئے - یتیم تاجر، ہمسایہ، بیٹا، خاوند، مہاجر، فاتح، قاضی، مقنن جنگ آزما - سپہ سالار - مُدبّر ملک، بادشاہ، مُرشد، ہادی، ان حالات مختلفہ میں آپ کی زندگی ہر قسم کے لوگوں کے لئے کامل نمونہ ہے - ہم آپؐ کی خصلت اور کیرکیٹر کی عظمت کا اندازہ ان نصائح سے نہیں کرتے - جو وقتاً فوقتاً آپ کی زبان وحی ترجمان پر جاری ہوئیں - بلکہ آپ کے اعمال اور افعال سے - اور اس لحاظ سے آپؐ تاریخ عالم میں فرد فرید ہیں - فقید المثال اور بے نظیر ہیں - لیکن اگر کسی شخص کی زندگی میں یہ شان عالمگیریت نہیں پائی جاتی - تو وہ عالمگیر اُسوۂ کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے ؟ قطع نظر زندگی کے بلند پہلوؤں سے جناب یسوع تو روزمرہ کی زندگی میں بھی نمونہ نہیں قرار دیئے جا سکتے -

مثلاً صفتِ عفو کے اظہار کے لئے مُعیّن حالات کی ضرورت ہے - اور ان کی عدم موجودگی میں کوئی شخص اس صفت سے مُتصف نہیں ہوسکتا - فرض کیجئے - ایک شخص ہے - جس کو اس کے دشمن آج بُری طرح ستا رہے ہیں - کل ایسا اتفاق ہوتا ہے - کہ وہ مظلوم برسر اقتدار آجاتا ہے - اور اُن ظالموں سے بدلہ لینے کی قوت بھی حاصل ہو جاتی ہے - تو اب اگر وہ چاہے تو صفت عفو کا اظہار کرسکتا ہے - محض عفو کی تعلیم دینے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ "معلم" میں بھی یہ صفت موجود ہے - علاوہ بریں اگر کوئی مظلوم حالت یاس میں اپنے دشمنوں کو معاف کردے تو ظالم یا دشمن اس عفو کی مطلق قدر و منزلت نہیں کرسکتے مثلاً صلیب پر لٹکائے جانے کے بعد اگر یسوع

نے اپنے دشمنوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی - تو بے شک اس سے ان کے دل کی پاکیزگی فرور ثابت ہوتی ہے - لیکن انہیں وہ مواقع نہ مل سکے جو وہ ان دشمنوں پر قدرت حاصل کرنے کے بعد معاف کرتے - اور اس طرح صفت عفو کا اظہار ہوتا - تاریخ مذاہب میں تو اس بات کی صرف ایک مثال مل سکتی ہے - اور وہ آنحضرت صلعم ہیں - خیال کیجئے آپ فاتحانہ انداز میں داخل مکہ ہوتے ہیں - کُل عرب آپ کے زیر نگین آچکا ہے - اور اہل مکہ تو یکسر آپ کے قدموں پر پڑے ہوئے ہیں اگر آپ چاہتے تو اُن میں سے ہر ایک کا سر تن سے جدا کر دیتے - اُن دشمنوں کا جنہوں نے آپؐ کو برسوں رات دن ستایا - اور ترک وطن پر مجبور کیا - جنہوں نے آپ کی تذلیل و توہین میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا تھا - اگر آپؐ اُن کو قتل کرا دیتے تو حق بجانب تھے - انبیائے یہود میں سے اکثروں نے اپنے دشمنوں کو قتل کیا - سزائیں دیں - رامچندر اور کرشن نے بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ رحمدلی کا برتاؤ نہیں کیا - اور اگر آپ مکہ والوں پر جود و عفو کی بارش نہ فرماتے - تو کوئی قابل اعتراض فعل نہ ہوتا لیکن شاید صفت عفو قیامت تک پردۂ خفا ہی میں رہتی -

بخاری شریف میں مرقوم ہے کہ آپؐ کے افعال ذاتی اغراض سے کبھی ملوث نہ ہوئے - تعلی اور اقتدار ذاتی یا نمود سے آپؐ کو ہمیشہ نفرت رہی - جب آپؐ کے دشمن مغلوب ہو کر آپؐ کے سامنے آئے تو آپؐ نے فرمایا - تم لوگ مجھ سے کس قسم کے سلوک کے متمنی ہو ؟ انہوں نے جواب دیا " آپؐ اخی کریم الطبع اور رحیم النفس ہیں " - اس پر آپؐ نے فرمایا " آج تم پر کوئی الزام نہیں لگایا جائیگا - جاؤ تم لوگ سب آزاد کئے گئے " - انہی لوگوں میں سردار قریش عتبہ کی بیٹی ہندہ بھی تھی - جو حضورؐ کو ستانے میں کسی متنفس سے پیچھے نہ رہی تھی - بلکہ اسی عورت نے آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ سینہ چاک کر کے نکال لیا تھا - اور چبا گئی تھی - چونکہ اُسکا ضمیر اُس وقت اس پر لعنت کر رہا تھا - اس لئے برقعہ اوڑھ کر آپؐ کے سامنے گئی - تاکہ آپؐ شناخت نہ فرما سکیں - لیکن آپ نے فوراً پہچان لیا - مگر اُس ناخوشگوار واقعہ کی طرف مطلق اشارہ نہ فرمایا - کیا عفو اور درگذر کرنے کی اس سے بہتر مثال دنیا کے پردہ پر مل سکتی ہے یہی وہ عورت ہے - جو آگے چل کر پہلے اسلامی بادشاہ کی ماں بنی - آپؐ کا دوسرا جانی دشمن اسی

ہندہ کا خاوند ابوسفیان تھا جس نے آپؐ کے خلاف کئی مرتبہ چڑھائی کی تھی۔ اور ہرقل کے دربار میں بھی آپؐ کے خلاف یاوہ گوئی کی تھی۔ اس لئے بغیر وساطت اُسے آپؐ کے سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے حضرت عباسؓ اُس کے ساتھ آئے۔ لیکن حضورؐ نے نہ صرف اُس کا قصور معاف کیا بلکہ اعلان فرما دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا، اُس کو معاف کیا جائیگا۔ جبر ابن الاسود نے جو ایک طور سے آپؐ کی بیٹی کی وفات کا موجب تھا۔ فتح مکہ کے بعد ایران بھاگ جانے کا فیصلہ کیا۔ مگر آپؐ کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں گویا ہُوا "یا نبی اللہ! میں ایران بھاگا جا رہا تھا۔ لیکن آپؐ کی شفقت اور مہربانی نے مجھے آپؐ کے پاس آنے کی جرأت دلائی۔ آپؐ نے میرے متعلق جو کچھ سنا ہے۔ وہ سب سچ ہے۔ میں اپنے قصوروں کا اعتراف کرنے آیا ہوں"۔ حضورؐ نے اُسے معاف کر دیا (اصابہ)

عکرمہ ابن ابوجہل جو مثل اپنے باپ کے آپؐ کا جانی دشمن تھا۔ بعد فتح مکہ یمن کی طرف بھاگ گیا لیکن حضورؐ کے طرزِ عمل کو دیکھ کر اُس کی زوجہ یمن جا کر اُسے واپس لے آئی۔ اور دوسرے دن آپؐ کی خدمت میں، اُسے حاضر لائی، قبل اس کے کہ وہ حضورؐ کو سلام کرے۔ آپ نے خود بڑھ کر معانقہ فرمایا۔ اور کہا اے مہاجر! بوطن واپس آمدن مبارک باد" جدید اور قدیم تہذیبوں کے صفحات لوٹ جاؤ، جس قوم اور ملک کی تاریخ چاہو، از اول تا آخر پڑھ جاؤ، تم کو اس طرح کی کوئی مثال کسی شخص کی نہ ملے گی جس نے آنحضرتؐ کی طرح جس نیکی کا وعظ کیا، اُس پر خود بھی عملدرآمد کر کے دکھا دیا۔

اس جگہ میں آپؐ کے فرمان انسداد انتقام خونی کا ذکر بھی کر دوں تو نا مناسب نہ ہوگا۔ جس کا رواج ما قبل اسلام ہر جگہ ملک عرب میں موجود تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا۔ تو کئی نسلیں گزر جانے کے بعد بھی قاتل کے قبیلہ کے لوگوں کو قتل کر کے دل ٹھنڈا کیا جاتا تھا۔ اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب سمجھے جاتے تھے۔ آپؐ کے ایک بھائی کو جس کا نام ابن ربیع تھا۔ بچپن میں قبیلۂ بنی لیث کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ اس کو بچپن ہی میں قبیلۂ بنو ہزیل کے بعض افراد نے قتل کر دیا تھا۔ اس کے خون کا ہنوز قصاص نہیں لیا گیا تھا۔ اس لئے اُس کا حق آپؐ کو پہنچا۔ آپ نے اپنے آخری وعظ میں

منجملہ دیگر باتوں کے یہ بھی فرمایا "آج سے خونی انتقام کی رسم جو زمانۂ جاہلیت میں عام تھی، بند کی جاتی ہے اور حارث کے بیٹے ابن ربیع کا خون اس کے دشمنوں کو معاف کیا جاتا ہے"۔

اگر قرآن شریف میں اخلاق کی جزئیات تک بیان کر دی گئی ہیں۔ اور اس کے نرم و گرم دونوں پہلوؤں کو واضح کر دیا گیا ہے۔ تو نبی کریم صلعم کی زندگی میں اُن سب کی تصاویر اصلی حالت میں دکھا دی گئی ہیں۔ حالت یتیمی سے لیکر بادشاہی تک آپؐ مختلف حالات میں ہو کر گزرے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ کا تجربہ حاصل کیا۔ اور ان تمام حالات سے متعلق فرائض منصبی کو بھی بوجوہ احسن ادا کیا۔ اس لئے آپ بجا طور پر "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ حضور والاؐ کو طفل، نوجوان، متاہل انسان، تاجر، بیٹا، باپ، خاوند، سپاہی، سپہ سالار، مہاجر، مظلوم، مغلوب، غالب، قاہر، بادشاہ، ہمسایہ، فاتح، قاضی، مفتی، مقنن، مرشد، ہادی غرضکہ مختلف حیثیات سے دیکھیں۔ ہر حیثیت میں آپؐ بنی نوع آدم کے لئے "اُسوۂ حسنہ" ہی ثابت ہونگے۔ ان تمام حالات میں آپؐ نے یکساں طور پر شرافت ذاتی کا اظہار فرمایا۔ کبھی آپ کے مزاج میں تغیر اور تلون رونما نہ ہوا۔ نہ آپؐ کی طرز زندگی میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی۔ پس اُن ہادیوں کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے۔ جو اپنے آپ کو انسانیت کے معمولی درجہ سے بلند تر نہ ثابت کر سکے۔ خواہ ہم کسی طریق کار کے پابند کیوں نہ ہوں، آپؐ کی زندگی ہمارے لئے بہرحال سبق آموز ہے اور ہر پریشانی میں اُس سے رہنمائی اور تسلی مل سکتی ہے۔ نیز آپؐ کا یہ منشاء بھی نہیں کہ ہم اپنے افعال اور خیالات میں دوسروں کا غلامانہ اتباع کریں۔ آپؐ نے "آزادئ رائے" کی ہمیشہ عزت فرمائی ہے۔ اور اسی لئے آپؐ نے وسیع پیمانہ پر اخلاقی اصول قائم فرمائے۔ تاکہ ہم لوگ حسب ضرورت اُن سے اپنے موافق جزئیات مستنبط کر سکیں۔

آپؐ کی زندگی قرآن مجید کی جیتی جاگتی تفسیر ہے۔ ہمیں قرآنی احکام کی تفہیم کے لئے مختلف مفسرین کی کتب کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آپؐ کی زندگی میں ان سب کی مثالیں موجود ہیں۔ اوامر اور نواہی دونوں قسم کے احکام قرآنی پر آپؐ نے عمل پیرا ہو کر دکھا دیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جب کسی کو قرآن کی کسی آیت کا مطلب سمجھاتی تھیں۔ تو اُس کی تفسیر یا تائید آپؐ کے اقوال و

افعال سے کر دیتی تھیں - اور اگر کسی معاملہ میں نبی کریمؐ کے طرزِ عمل کو لوگ آپ سے دریافت کرتے تھے تو قرآن کی مخصوص آیات تلاوت فرما دیتی تھیں - اور ایک دفعہ انہوں ہی نے یہ فرمایا تھا "کان خلقہ قرآن" اور ان کی اتباع میں اکثر مفسرین نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور قرآنی اوامر و نواہی کی تفسیر کو آپؐ کے اقوال و افعال سے مؤید کیا ہے - قرآن میں پانچسو سے اوپر احکام پائے جاتے ہیں - لیکن ان سب کی مثالیں آپ کی زندگی میں مل سکتی ہیں -

جو مثالیں عفو کی اوپر بیان ہوئیں - وہ سچ مچ قرآنی آیات متعلقہ عفو کی تفسیر کہی جا سکتی ہیں اسی طرح قرآن میں غلاموں کو آزاد کرنے کے متعلق یہ حکم ہے "خدا کی محبت میں اپنی دولت اُن غلاموں کو آزاد کرنے میں صرف کرو جنہیں لڑائی میں گرفتار کیا گیا ہو" اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے دشمنوں سے محبت کرنے کا عملی سبق دیا ہے - اور حضورؐ نے سب سے پہلے اس آیت پر بھی عمل کر کے دکھا دیا - بخوفِ طوالت آیندہ صرف انہی قرآنی آیات کی عملی تصاویر دکھاؤں گا - جن پر عمل کرنے کے لئے غیر معمولی اور فوق العادت لیاقت ذاتی کی ضرورت ہونی چاہئے -

ایفائے عہد مومنوں کی شناخت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معاہدات کی پابندی کرتے ہیں اور جب وعدہ کرتے ہیں - تو اُسے وفا بھی کرتے ہیں - (قرآن مجید ۲۳ : ۸ و ۵ : ۱)

اگر اس حکم کی پابندی ہر شخص اپنا شعار بنا لیتا تو آج دنیا کا اور ہی نقشہ ہوتا - لیکن آنحضرت صلعم نے اس اصول پر بطرز احسن عمل کر کے دکھا دیا - اس کی چند ایک مثالیں پیش کی جا چکی ہیں، جو عیسائی مشنریوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں - اور اس لائق ہیں - کہ عیسائی حکومتیں اُن کو ہر دم سامنے رکھیں - تاکہ وہ اُن مواعید کا احترام کر سکیں - جن کی خلاف ورزی اُن کا شعار عام ہو چکا ہے آپؐ نے بھی بحیثیت بادشاہ دشمنوں سے معاہدات کئے - جنہوں نے آپؐ کے سامنے کڑی شرطیں پیش کیں - جو آپؐ کے مقاصد کو بے حد نقصان پہنچانے والی تھیں - لیکن آپؐ نے اُن کو تسلیم کیا اور ایسے نازک حالات میں ان کی پابندی کی - جبکہ مُدبرین یورپ کو اُن سے انحراف کرنے میں مطلق باک نہ ہوتا - جنگ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی - آپ کے دو ساتھی

پیچھے رہ گئے۔ انہیں دشمنوں نے روک لیا۔ اور اس شرط پر رہائی دی۔ کہ اُن کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں۔ جب یہ لوگ حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ تو آپؐ نے انہیں اہل مکہ کے مقابل شرکت جنگ سے ہمیشہ باز رکھا۔ حالانکہ اس وقت ایک ایک شخص ایک ایک دستہ کے برابر وقیع تھا۔

انصاف پسندی یہ امر ایفائے عہد سے بھی زیادہ مشکل ہوجاتا ہے۔ جب فریقین میں سے ایک فریق اپنا دشمن ہو۔ اور دوسرا دوست۔ لیکن قرآن فرماتا ہے "یقیناً اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے" "ایسا نہ ہو کہ کسی فریق کی معاندانہ روش تم کو جادۂ انصاف سے منحرف کردے۔ خبردار انصاف کو مدنظر رکھو۔ کیونکہ معدلت تقوے سے قریب ہے (قرآن مجید ۱۶: ۹۰ و ۵: ۸)

لیکن آنحضرت صلعم نے اس پر من وعن عمل کرکے دکھا دیا۔

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت علت سرقہ میں گرفتار ہوئی۔ اس کے اعزا نے اُسامہ ابن زیدؓ سے آپؐ کی خدمت میں سفارش کرنے کی درخواست کی۔ حالانکہ آپؐ ابن زیدؓ کا بہت خیال فرماتے تھے۔ لیکن اس موقعہ پر آپؐ نے فرمایا۔ اُسامہ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری خوشنودی کے لئے اللہ تعالےٰ کے احکام سے روگردانی کروں"۔ اس کے بعد آپؐ نے مجلس عام میں یوں تقریر فرمائی" تم لوگوں سے پہلے بہت سی قومیں صرف اسی وجہ سے تباہ ہوگئیں۔ کہ انہوں نے غریبوں کے معاملات میں قانون ملکی کو سخت طریقہ میں برتا۔ اور امیروں کے لئے اس کو ملائم کردیا۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ چوری کا ارتکاب کرے۔ تو اس کے ہاتھ بھی اسی طرح کٹوائے جائیں گے" (بخاری)

اپنی وفات سے چند روز پہلے آپؐ نے اعلان فرمایا۔ کہ اگر آپؐ کے ذمہ کسی کا کچھ آتا ہو۔ وہ بے تکلف طلب کرے، اگر کسی کو کبھی جانی یا مالی نقصان آپؐ کے ہاتھ سے پہنچا ہو۔ تو آپ کی جان اور مال دونوں اُس کی مرضی پر چھوڑ دیئے جائیں۔ کل جماعت خاموش تھی۔ ایک شخص چند درہم کا متقاضی ہوا۔ فوراً وہ رقم قلیل ادا کردی گئی (ابن اسحاق)

ایک مرتبہ آپؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک جماعت آپؐ کے گرد جمع تھی۔ اس اثناء میں ایک شخص نے اپنے بدن کا سارا بوجھ آپؐ پر ڈال دیا۔ آپؐ نے ایک پتلی سی چھڑی سے اُسے ہٹا دیا۔ لیکن چھڑی کی نوک سے اُس کے چہرے پر ایک خفیف سے خراش آگئی۔ آپؐ نے فوراً اُس سے فرمایا۔ مجھ سے انتقام لے سکتے ہو"۔ اس نے کہا "یا رسول اللہ! میں نے بطیب خاطر آپ کو معاف کیا"۔ (ابن داؤد)

آپ ہر شخص کے ساتھ خواہ وہ امیر ہوتا یا غریب اعلےٰ یا ادنےٰ خادم یا مخدوم یکساں سلوک فرماتے تھے۔ سلمانؓ، صہیبؓ اور بلالؓ یہ لوگ آزاد کردہ غلام تھے لیکن ان کے ساتھ وہی برتاؤ ہوتا تھا۔ جو کسی بڑے سے بڑے قریشی سردار سے۔ ایک مرتبہ سلمانؓ۔ بلالؓ اور ابوسفیان زعیم قریش تینوں ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمانؓ اور بلالؓ نے آپس میں کہا۔ کہ ہماری تلواروں نے ابھی تک ابوسفیان کو نیچا نہیں دکھایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُن سے کہا۔ تم لوگوں کو یہ جراُت کس طرح ہوئی۔ کہ سردار قریش کے حق میں ایسی بات کہتے ہو؟ اس کے بعد انہوں نے آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا "میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ تمہارے اس اعتراض سے اُن لوگوں کی دل آزاری تو نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی تو یقیناً تم سے خدا ناراض ہے"۔ ابوبکرؓ فوراً ان لوگوں کے پاس آئے اور کہا "بھائیو! کیا میرے اعتراض سے آپ کی دل آزاری ہوئی؟ انہوں نے کہا "نہیں ہم آپ سے مطلق ناراض نہیں ہیں، عفاک اللہ" (مسلم)

حج ادا کرنے سے پہلے قریش لوگ مزدلفہ نامی اِک جگہ پر قیام کرتے تھے۔ اور اس جگہ کو انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ کیونکہ بوجہ عُلُوِّ نسب عامتہ الناس کے ساتھ مل کر بیٹھنے کو معیوب جانتے تھے۔ نبی کریم صلعم نے اس امتیاز کو کبھی روا نہ رکھا۔ نبوت سے پہلے اور بعد میں بھی آپؐ عام لوگوں کے ساتھ ہی اس جگہ قیام فرماتے تھے۔ اور کبھی کوئی آرام دہ جگہ اپنے لئے مخصوص نہ فرمائی۔ آپؐ فرماتے تھے۔ کہ جو شخص مزدلفہ میں پہلے پہنچ جائے۔ اُسے اچھی سے اچھی جگہ منتخب کرنے کا حق حاصل ہے (مسند ابن حنبل) (از قلم مجاہد فی سبیل اللہ)

عیسائیت میں انحطاط

(ایک برطانوی مسلم کے قلم سے)

گرجوں اور عبادت گاہوں میں اتوار کے دن عبادت کی بجائے یا عبادت کے ساتھ سینما دیکھنے کا شوق عیسائی ممالک میں یوماً فیوماً بڑھتا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ بالڈاک کے عیسائیوں کا ایک جلسہ ہوا۔ (فرقہ یا جماعت کا نام نہیں بتایا گیا) اس میں صدر نے اپنی تقریر میں کہا "میں چاہتا ہوں۔ کہ اتوار کو گرجوں میں فلمیں دکھائی جائیں۔ ان کا اہتمام ہم خود کریں وہ فلمیں ہم خود بنائیں۔" سو تعجب نہیں کہ اب ایسی فلم کمپنیاں بن جائیں۔ جو صرف عبادت گاہوں کے لئے فلمیں بنایا کریں۔ یہی باتیں ہیں جن کے پیش نظر اب یہ سوال بارہا سننے میں آیا ہے۔ کہ کیا مذہب کا زوال شروع ہو گیا ہے؟

ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا ایک گرجا میں مذہبی سین دکھایا گیا۔ اس وقت اس امر کو مذہبی لوگوں نے بہت برا مانا اور اخباروں میں اس کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ لیکن ان دنوں میں ایسی کھیلوں کا پیش کیا جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں رہا۔ اب اگلا قدم یہی ہے کہ گرجاؤں میں مکمل طور پر ایک سٹیج قائم ہو اور اس سٹیج پر عبادت گذاروں کے لئے پوری لوازمات کے ساتھ کھیل پیش کئے جائیں۔ چھوٹے چھوٹے غیر آباد گرجے تو سینما گھروں میں تبدیل کئے جا رہے ہیں۔ سو اس سے قبل کہ یہ چھوٹے موٹے گرجے [illegible] جائیں یہ کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی فضا میں زندگی اور دلچسپی پیدا کر دی جائے۔ اس سے یہ ضرور ہو گا۔ کہ گرجوں کے منتظمین دیوالیہ ہونے سے بچ جائیں گے۔ مگر ساتھ ہی اُن کے اس ایمان کا دیوالہ بھی نکل جائے گا جس کے علمبردار وہ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ اس طرح سے گرجوں میں لوگوں کی حاضری بڑھ جائیگی۔ لیکن یہ لوگ عبادت گذاروں کی حیثیت سے نہیں بلکہ تماشہ بینوں کی حیثیت سے آئیں گے۔

راقم الحروف جہاں بیٹھا ہے۔ یہاں قریب ہی دو عمارتیں بے آباد پڑی ہیں۔ ان عمارتوں کا مصرف کیا تھا؟ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہر اتوار کے دن یہی عمارتیں عبادت کرنے والوں سے پُر ہو جاتی تھیں۔ اس سے

کچھ دور تک ایک اور عمارت نظر آتی ہے - اس میں دو ہزار نشستوں کا انتظام ہے - یہ مقام کبھی عبادت اور مذہبی سرگرمیوں کا مرکز تھا - لیکن اس وقت ایک سینما ہے - کیونکہ عبادت کی غرض سے لوگوں نے اس کی طرف رجوع کرنا ترک کر دیا تھا - اس سے ذرا آگے چلے جائیے تو مرکزی لندن کے ایک پُر رونق بازار میں پہنچ جائیں گے - تھوڑے ہی سال گذرے یہاں تین بڑی بڑی عبادت گاہیں تقریباً ساتھ ساتھ کھڑی تھیں ان میں سے ایک کی جگہ اب دوکانیں ہیں - اور ان دکانوں کے اوپر دفاتر ہیں - دوسری عبادت گاہ کی جگہ بجلی اور ریڈیو کے سٹور نظر آتے ہیں - اور ان کے اوپر رہائشی مکان ہیں - ٹیمز کے دوسرے کنارے پر جہاں ہم بس کے ذریعے چند لمحوں میں پہنچ سکتے ہیں - ایک بڑا گرجا ہے - یہ گرجا CAPWINIST جماعت کا صدر مقام تھا - یہاں کے مبلغ کا نام کئی ایک ممالک میں مشہور تھا - یہ اب بھی ایک مذہبی مرکز ہے - مگر یہاں اب یہودی لوگ اپنے مذہبی فرائض انجام دیتے ہیں - گویا یہودیوں کا عبادت گاہ ہے - اسی جگہ ایک اور بے آباد گرجا ہے - جو کسی زمانہ میں ادائیگی نماز کی ایک خاص صورت کی وجہ سے مشہور و معروف تھا - میں نے اس طرح کی کئی ایک اور مثالیں بھی سنی ہیں - لندن کے دوسرے حصوں میں بھی یہی حالت ہے - لیکن میں نے صرف وہ مثالیں پیش کی ہیں جن کے درست ہونے کے متعلق مجھے یقین کلی حاصل ہے - یہ مقامات میں نے دیکھے ہیں - یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہ گرجے سینما کی وجہ سے بے آباد ہوئے ہیں - جب خاموش فلمیں شروع ہی ہوئی تھیں - اُسی وقت گرجوں کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہو گئی تھی - مذہب میں یہ انقلاب کیوں رونما ہوا ہے؟ اگرچہ اس انقلاب کی حقیقت بہت روشن ہے - مگر پھر بھی اس کا اعتراف نہیں کیا جاتا حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ عیسائیت میں جو قوت جاذبہ کبھی ہوتی تھی - وہ اب مفقود ہو چکی ہے - اس کی طاقت اب انحطاط پذیر ہو چکی ہے - اور جب یہ انحطاط شروع ہوا - تو پہلے "سنڈے لیگ" کو اس کا ذمہ دار قرار دیا گیا - سنڈے لیگ اتوار کے دن سمندر کے کنارے تفریحی پروگرام مرتب کیا کرتی تھی - لوگ ریل میں بیٹھ کر باہر چلے جاتے تھے - اس کے بعد ایسی تفریحیں موٹروں کے ذریعے ہونے لگیں - لوگوں کی جماعتیں نہ صرف سمندر کی طرف بلکہ دیہات میں اتوار منانے کے لئے جانے لگیں - اور اب یہ دونوں باتیں ہوتی ہیں - یعنی اس کے ساتھ سینما بھی شامل ہے - مذہبی لوگ اب اس کی روک تھام کرنے سے عاجز ہیں

اب مخالفت کی بجائے تفریح کے مقابلہ میں تفریح کے سامان کی تجاویز کی جاتی ہیں - تاکہ کھلی ہوئی تباہی سے بچنے کی کوشش کی جائے -

کل میری ملاقات اپنے ایک پرانے دوست سے ہوئی - یہ صاحب چرچ آف انگلینڈ کے پادری رہ چکے ہیں - دوران گفتگو میں آجکل اور پچاس سال قبل گرجے کی زندگی کا ذکر آگیا - میرے دوست پہلے بھی کہا کرتے تھے اور اب بھی انہوں نے وہی بات دہرائی - کہ خدا کی عبادت کی بجائے اب مسیح کی پرستش ہوتی ہے - پھر گذشتہ مبلغوں کے متعلق ذکر آگیا انہوں نے کہا کہ اُس وقت یہ زوال شروع ہو چکا تھا - خدا ہی جانتا ہے کہ ہمارا انجام کیا ہونے والا ہے" وہ سچ کہتے تھے - یہ گھن اپنا کام کر رہا ہے - جو انجام سامنے نظر آتا ہے - وہ ایک خوفناک تباہی ہے - اب بھی اگر رہنما محسوس کریں کہ دراصل خدا ہے - جس سے انہوں نے اپنا تعلق توڑ دیا ہے - وہ خدا جس کے وہ حقیر بندے ہیں - تو شاید کسی بہتر انجام کی توقع ہو سکے - یہ عقدہ حل ہو سکتا ہے اور وہ یوں کہ وہ اپنے پیغمبر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تعلیم کا صحیح مطالعہ کریں - اس کو سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں - ان کی تعلیم میں سب سے زیادہ نمایاں بات جو تھی وہ یہ تھی کہ صرف ایک ہی خدا ہے جس کو ہم مسلمان اللہ کہکر پکارتے ہیں - اس اللہ کی عبادت کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام تاکید فرماتے تھے - اور یہی وہ ذات پاک ہے جسکی رضا پوری ہوتی رہی اور ہوتی رہیگی

حضرت محمد صلعم سماجی مصلح کی حیثیت سے

(از قلم جناب جے پارکنسن)

ایک متوسط یوروپین جب اس مضمون کی سرخی کو پڑھیگا - تو وہ غالباً اپنے کندھے اُچکائیگا - اور غرور سے مسکراتے ہوئے یہ خیال کرے گا - کہ محمدؐ بحیثیت انسان اور اصطلاح سوشلسٹ میں کوئی مناسبت نہیں ہے - تاہم علم معاشرت کے اصول جو حضرت محمدؐ صلعم نے سکھلائے اور اپنی توضیح آئین میں داخل کئے وہ اسلام کی سیاسی تعمیر میں کامل طور پر سرائیت کر چکے ہیں - درحالیکہ توسیع کا عالمگیر جذبہ جو

وراثتاً مسلمان کو ملا ہے۔ اُس نے مسلمان کو مغرب میں پیرینیز اور مشرق میں دریائے سندھ اور آکسیس تک پہنچا دیا۔ جہاں تک کہ مادی شان اور فاتحانہ دولہ کا تعلق ہے یہ اسلامی آئین کی معاشرتی ماہیت اور تاثیر کا طفیل ہے کہ جس نے عربوں کے تہذیب کی عمارت کو مضبوط بنایا۔ اور اُس کو برقرار رکھا۔ اور تمام تہذیب اور ساقہ سلطنتوں پر برتری دی۔ جس کی بدولت غرناطہ یورپ کا سرتاج شہر کہلایا۔ بغداد مشرق کے لئے فخر کا باعث ہوا سو دمشق صحرا کے موتی کے نام سے مشہور ہوا۔ اور قرطبہ دنیا کی سب سے بڑی عظمت کا سبب ٹھیرا۔ کسی قوم کو سربلند کرنے معاشرتی اور ذہنی ترقی دینے علوم خانہ داری اور سیاست میں نمایاں کرتے اور سائنیس علوم وفنون اور ادب میں صحیح معنوں میں متعلم بنانے کے لئے تمہارا یہ پہلا فرض ہے کہ اس قوم کے اخلاق اچھے بناؤ۔ اُن میں صحیح اخلاق کے جاننے کی صلاحیت پیدا کرو۔ قبل اس کے کہ تکمیل کے دوسری ھونوں پر عمل کیا جائے۔ اس لئے نبی صلعم کی پہلی سماجی اصلاح لوگوں کی اخلاقی درستی تھی۔ حقیقت میں اُن کی تمام تعلیم کا لب لباب اخلاق۔ علم اخلاق اور روحانیت تھا۔ جس پر تمام آئین کی بنیاد رکھنی چاہئیے۔

سلطنت افراد کے مجموعہ کا نام ہے اور سلطنت کو انتہائی ترقی پر پہنچانے کے لئے تمہارا یہ فرض ہے کہ ہر شخص کو ترقی دو۔ روحانی ترقی تمام مادی ترقی کی جڑ ہے۔ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔ کبھی ایک کا عروج ہوتا ہے تو کبھی دوسرے کا۔ لیکن روحانی ترقی ریاست کے تمام کل پرزوں کی خاص چُول ہے۔ اور ترقی اور تہذیب کی پیمائش کا خالص آلہ ہے۔

انسانی برادری

اس لئے نبی صلعم نے اسلامی برادری کے اعلےٰ تصور کو مسلمان سے اور سلطنت کو سلطنت سے باندھکر رواج دیا۔ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے انبیا نے بھی اپنے حواریوں کو برادری کے اصول سکھلائے۔ ہاں حواریوں کو۔ لیکن حضرت محمد صلعم نہایت کشادہ دل اور اولوالعزم تھے۔ اور انہوں نے اپنے دور میں صرف مسلمانوں کو ہی اپنے سینہ سے نہیں لگایا بلکہ تمام اولاد آدم کو۔ ایک خدا سا ایک قوم۔ ایک خالق اور ایک مخلوق کی روشن تعلیم کو عملی جامہ پہنایا۔

اسے ایک مسلمان ہو یا ایک یہودی۔ ایک عیسائی ہو یا ایک صابی۔ جو کوئی بھی خدا پر

ایمان رکھتا ہے۔جس کو روز آخرت کا یقین ہے اور نیک عمل بھی کرتا ہے۔اُس کا انعام خدا دے گا۔اُس کو کسی قسم کا ڈر یا غم نہیں ہونا چاہئیے۔یہ عقیدہ کہ ہر شخص کی جانچ اُس کے اعمال سے ہوگی یقیناً پچھلے عقیدوں سے بہتر تھا۔کہ خداؤں کو قربانی سے راضی کر سکتے ہو یا صرف اس عقیدہ پر کہ حیوانی۔انسانی یا ربانی قربانی میں اثر ہوتا ہے اُس کی نجات کا انحصار اُس کی محنت۔اُس کے عمل اور اس کے خیالات پر ہے

آزادی ایمان

مذہب کی تاریخ میں سوائے شاید بودھ مہاراج کے جو اس منزل میں اچھے خاصے حد تک کامیاب رہے اسلام کی توسیع اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ اُس کا رویہ ایک نرالی بات تھی۔اسلام نے منادی کی کہ مذہب میں سختی کی اجازت نہیں ہے۔تمہارا کام صرف ہدایت کرنا ہے۔اور بس۔اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مسلموں کو اُن کی طبیعت کے رجحان یا عقیدہ کے مطابق کامل آزادی رائے اور عبادت حاصل ہوگئی۔

احکام شرعی کی حکومت پر برتری

جہاں تک کہ مسلمان کا تعلق تھا۔احکام شرعی نے اس عقیدہ کو قطعی رد کر دیا۔کہ افراد کے اخلاق کے جانچ کا معیار ریاست یا قوم سے علیحدہ ہے۔حکومت کی جانچ اُسی آلہ سے کی جائیگی جس سے کہ افراد کی۔ایک حکومت اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی۔بلکہ حقیقت میں اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا ڈر ہے۔جب تک کہ اندرون خانہ مثل دو شخصوں کے درمیان انصاف بغیر رو رعایت کے نہ کیا جائے۔اسلام کے نبی کے سر یہ سہرا ہے کہ انہوں نے ایسا آئین بہم پہنچایا جس سے ناانصافی کا پتہ چل جائے اور چاہے اس میں امیر ہو یا غریب۔اعلےٰ ہو یا ادنےٰ اُس پر فتویٰ لگایا جا سکے۔

عورت کا مرتبہ بلند کیا

عورت کا مرتبہ اتنا اونچا کیا جتنا مشرق یا مغرب میں اس سے پہلے اُسے کبھی حاصل نہ تھا۔اُس کے حقوق کی قانون کی رو سے حفاظت کی اور اس کے شوہر کو اُس کی محنت کے پھل پر کوئی حق نہیں دیا اور نہ اُس کی ملکیت پر۔حالانکہ بیوی کی حیثیت سے اُسے چند قانونی حقوق اپنے شوہر پر حاصل تھے۔جن کو وہ

ترک نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اُس سے اُسے محروم کر سکتا تھا۔

غلام کا درجہ بھائی کے برابر کیا

غلامی کو نیست و نابود نہیں کیا لیکن غلامی کی سماجی حیثیت بالکل بدل دی یہاں تک کہ وہ خاندان کا ایک فرد بن گیا۔ اُس کے متعلق قانون ایسے بنائے کہ اگر مسلمان اُن پر عمل کرتے تو غلامی اسلامی ممالک میں صدیوں پہلے ختم ہو چکی تھی۔ میں یہاں یہ کہوں گا کہ ایک آدمی کو ایک مسلمان غلام صرف اُسی صورت میں بنا سکتا ہے۔ جبکہ وہ لڑائی میں بحیثیت قیدی کے ہاتھ آیا ہو۔ اور اگر وہ فدیہ دیکر اپنے کو چھڑا سکتا ہے تو وہ غلام نہیں بنایا جا سکتا یا جس قوم سے اُس کا تعلق ہو اُس کی ضمانت پر رہا کرا سکتی ہے۔

شراب خواری اور جوا

دوسری قیمتی سماجی اصلاح تمام قسم کے جوؤں کی منسوخی تھی جو آج موجودہ عیسائی دنیا کے لئے لعنت کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ دوسرے تیز شراب کی قطعی ممانعت کی جو مغرب کے لوگوں کی ذلیل ترین اور تباہ کن عادت ہے۔ یہ وہ برائیاں ہیں جو نسلوں سے یورپ کے مرد اور عورتوں کو کمزور اور عیش پسند بناتی چلی جا رہی ہیں۔ کسی مذہب نے سوائے اسلام کے ان برائیوں کے تنسیخ کی کوشش نہیں کی۔

دفینہ کی ممانعت

حضرت نبی صلعم کی تعلیم کے دو رخ سے تو موجودہ سوشلسٹ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے پہلا آپ کا سود خواری کو منع کرنا۔ روپے کو اس غرض سے گاڑ کر رکھنے کی کہ اُس کو سود پہ چلایا جائے اور بغیر محنت کئے ہوئے اُس پر گذارہ کرے ممانعت کی۔ ہر مسلمان کو اپنی قوت لایموت (غذا) کے لئے محنت کرنا چاہئے۔ اس قانون کی رو سے دولت کی تقسیم زیادہ برابر ہو گئی۔ اس قانون کی وجہ سے بہت سے مفلس قلاش ہونے سے رہ گئے اور چند لکھ پتی۔ خلیفہ عمرؓ نے اپنے آقا کی تعلیم پر یہاں تک عمل کیا کہ "خزانہ" عامرہ میں فاضل روپیہ رکھنے سے انکار کر دیا اور لوگوں کو اُن کی ضرورت کے لحاظ سے ہر جمعہ کو زائد رقم بانٹ دی جاتی تھی۔ دوسرا رخ۔ نبی صلعم کا غلہ کو کھیتوں میں چھپا کر رکھنے کو منع کرنا تھا۔ یعنی غلہ کی اجارہ داری بند کی جس سے قیمت میں اضافہ ہو سکے اور غریبوں کو تکلیف پہنچے۔ اگر اسلام کے چند قوانین کا رواج اس وقت انگلستان میں ہو جائے

تو بہت سے گھرانوں کو اُن کی فکروں سے نجات مل جائے -

کامل جمہوریت

اسلام کے سیاسی اصول کو یورپ کے زیادہ تر لوگوں نے اچھی طرح پر نہیں سمجھا ہے سیاسی حیثیت سے اسلام ایک برادری ہے اور اس لئے جمہوریت ہے - اسلامی حکومت کے ایک ادنےٰ سے آدمی کی بات جس کا تعلق حکومت یا مذہب سے ہو اسی طرح مانی جاتی ہے جیسے کہ اُس حکومت کے حکمران کی - اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں -

حضرت محمد صلعم نے ایک اسلامی ریاست کے افسر اعلےٰ کے لئے خطاب مقرر کرنے کے کوئی خاص قواعد نہیں بنائے کہ وہ ایک شخص ہو یا لوگوں کے ایک جماعت ہو - یہ مسئلہ تو لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا - جس کو اجتماع یا مسلمانوں کا آپس کا فیصلہ کہتے ہیں - وہ ایک بادشاہ ایک سلطان - ایک میر مجلس یا ایک پنچایت مقرر کر سکتے ہیں - لیکن اس سے کوئی غرض نہیں - جس کسی کا بھی تقرر ہو چاہے فرمانروائے صوبہ ہو یا حکمران جماعت - اُس کا یہ کام ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ جن قوانین کو محمد صلعم نے بنایا تھا - اُن کی تعمیل کی جاتی ہے اور یہ کہ کوئی تازہ قانون بالتفصیل جن کا تعلق ریاست کے انتظام سے ہو اُس مقنن اعظم کے اصولوں کے مطابق ہے -

افسر اعلےٰ کا یہ فرض تھا کہ وہ ریاست کے بیرونی اور اندرونی مفاد کی حفاظت اسلام کے قوانین کے مطابق کرے - اسلامی حکومت میں افسر اعلےٰ کی حیثیت صرف انتظامی اور ملکی ہے - کسی خلیفہ یا فرمانروائے صوبہ کو یہ آزادی نہ تھی نہ ہے کہ وہ عدالت انصاف کے فیصلہ کے خلاف کچھ کر سکے - انصاف کی عدالتیں آزاد تھیں جس میں امیر و غریب - سلطان اور نوکر برابر برابر - قاضی سماعت اور تحقیقات کرتا تھا - ایک بھکاری کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ بادشاہ کو عدالت میں طلب کرا سکے -

مزدوری

انگلینڈ میں بھی ابھی تھوڑا عرصہ ہُوا - کہ زمیندار لوگ محنت اور مزدوری کو ذلیل کام خیال کرتے تھے اور یہ خیال اب بھی ہے لیکن اس کی اہمیت کم ہوتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ معاشی - سیاسی اور سماجی

دبا ؤ جو دولت کا پڑ رہا ہے اُس سے یہ خیال معدوم ہو رہا ہے - برخلاف اس کے محمد صلعم نے مزدوری کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اس کو اونچے سے اونچا درجہ عنایت کیا - وہ خود ایک کام کرنے والے تھے - اور ایسے ہی اُن کے ابتدائی اور بہت جوشیلے پیرو —

کوئی تعلقداری نہ تھی

زمین ہمیشہ اسلامی ممالک میں بہت بڑی جائداد خیال کی جاتی ہے جس سے مالگزاری حاصل ہوتی ہے تمام زمین حکومت کی ملکیت تھی اور لوگوں کو پٹہ پر غیر مقررہ ٹیکس پر دے دی جاتی تھی - ٹیکس حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتا تھا - لیکن یہ خیال ہمیشہ رہتا تھا کہ اتنا زیادہ ٹیکس نہ لگایا جائے کہ لوگ بالکل مفلس ہو جائیں یا اُن کو اپنی زندگی دوبھر ہو جائے - اگر اُس قانون کی پابندی کی جاتی تو بڑے بڑے زمیندار اور دولتمند طبقہ پیدا نہ ہوتا - کسی شخص کے مرنے کے بعد اُس کی جائداد کی تقسیم قانون کی رو سے مقرر کی جاتی تھی - اور ایک خاص درجہ کے اندر تمام رشتہ داروں کو حصہ رسدی دے دیا جاتا تھا - اس طرح نہ بہت زمین اور نہ بہت دولتمند کسی ایک شخص یا کسی بزرگ خاندان کے پاس اکٹھا ہو سکتی تھی -

بڑھاپے کی پنشن

بڈھے اور کمزوروں کی ذمہ وار حکومت ہوتی تھی - اور حکومت اُن کی پرورش بھی کرتی تھی - بڑھاپے کی پنشن کا قانون اسلام میں صدیوں پرانا ہے -

ان واقعات کے ہوتے ہوئے ہم کو کسی منصوبے باندھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ نبی صلعم کا موجودہ سماجی معاملات میں کیا رویہ ہوتا - اگر اُن کے اصولوں کی پابندی سب کرتے تو آج ذاتیات کے جھگڑے نہ ہوتے - نہ کوئی مفلس ہوتا نہ دولت کے ٹھوس وزن سے تمام سوسائٹی کی عمارت پاش پاش ہو جاتی اور نہ کوئی اجارہ دار ہوتا - یہ تھا وہ دور اندیشانہ اور پُر مغز آئین اُس مرد واحد کا جس نے اپنی ذہانت کی روشنی اور اپنی وحی کی قوت سے ملک عرب کو جگمگا دیا -

اسلام کا مطالعہ کرو

دنیا کے بڑے مذہبوں میں اسلام سب سے نیا مذہب ہے - لیکن یہی صرف ایک پہلا مذہب

ہے جس نے تمام انسانی برادری کا بہترین تصور قائم کر کے دنیا کو یہ دلکش مژدہ سنایا - یہ بالکل قدرتی بات تھی - انسانی برادری کا تصور خدا کی وحدانیت اور اُس کے عام ربانیت کی دلیل ہے مسلمانوں کو چونکہ اللہ کی کامل وحدانیت کا پکا یقین ہے اس لئے وہ فطرتاً تمام انسانوں کی مساوات کے اصول کے سب سے بڑے حامی ہیں - اس واقعہ کی مثالوں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے - نبی صلعم جن پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں - اسی وجہ سے رحمۃ اللعالمین کہلائے اور وہ حقیقت میں اس لحاظ سے رحم کا مجسمہ تھے - اگرچہ اللہ کے نبی اور ملک عرب کے بادشاہ تھے انہوں نے اپنی زندگی ایک نہایت غریب عرب کی سی بسر کی اور اس طریقہ پر لاکھوں میں ایک عملی مثال قائم کرتے ہوئے دنیا کے سامنے مساوات کا صحیح نمونہ پیش کر دیا - آپ کی ذاتی پرتو کے اثر سے عرب کا ریگستان مثل کندن کے چمک اٹھا - جس کسی نے توحید کا سبق آپ سے پڑھا اُس نے خود بخود برادری کے اصول کو جان لیا - مغرور قریش - خونخوار بدو اور حبش کا ناچیز غلام سب نے اپنی پہلی فوقیت کو بھلا دیا اور اپنے آقا کے قدموں میں پہنچکر سب ایک سطح پر آگئے - یہ اسلامی برادری کی جان تھی جس نے حضرت عمرؓ خلیفۃ المسلمین کو جو اپنے وقت کے بڑے سے بڑے حکمرانوں میں سے تھے ترغیب دی کہ اُن کا غلام اپنے مالک کے اونٹ پر اُن کی جگہ بیٹھے اور اُس کا آقا اپنے اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لیکر پیدل چلے - یہ ایک اور رواداری کی مثال تھی جس کو اسلام نے بہت زیادہ مشرف بنا دیا تھا جس کی بدولت جو آج غلام تھا وہ کل شہنشاہ ہو گیا - ہر شخص کو اپنے مرتبہ پر پہنچنے کے لئے جو اسلامی برادری کا ماحصل ہے کامل آزادی کا حاصل ہونا چاہیے وہ روحانی ہو یا دنیاوی - ایک عادل کی پارس کی مثال ہے جس سے مس ہوتے ہی کرشمے ظاہر ہونے لگتے ہیں -

خدا کی وحدانیت کا عقیدہ اور محمدؐ کی رسالت کا یقین - عبادت - روزہ - حج اور زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان ہیں - اور یہ پانچوں ارکان ہم کو برادری کے اصول کی تلقین کرتے ہیں -

کلمہ

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ - یعنی کلمہ - جو مسلمان کے دین کا رکن ہے ایک ہی وقت میں خدا کی کامل وحدانیت اور تمام انسانوں کی ایک برادری کی تعلیم دیتا ہے - اس کا اردو ترجمہ یہ ہے -

سوائے خدا کے کوئی چیز عبادت کے لائق نہیں اور محمدؐ اُس کے رسول ہیں۔ صرف خدا ہی برتری اور شان کے قابل ہے اور خدا کے علاوہ سب آپس میں برابر ہیں اور اس سے کمتر ہیں۔ نبی اور اللہ کا ذلیل سے ذلیل بندہ۔ شہنشاہ اور گلی اور کوچہ میں پھرنے والا غریب بھکاری آپس میں برابر ہیں اور خدا سے ادنےٰ۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ایک دوسری کی پرستش کرے لیکن اُن میں سے ہر ایک کا یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کے آگے جو سب کا مالک ہے سر جھکائے۔

نماز

دوسرا رکن نماز ہے یا جس کو اسلامی طرز عبادت کہتے ہیں۔ نماز حقیقت میں انسانی برادری کے تصور کا جو کلمہ میں بیان کیا گیا ہے مظاہرہ ہے جس کا عملی ثبوت روزانہ زندگی میں پایا جاتا ہے۔ یہ حقیقت میں غیر مسلموں کے لئے عام طورؔ اور ذات پات کے ظلم کے مارے ہوئے مثل ہندوؤں کے خاص طور پر ایک سبق ہے۔ یہ کس قدر دلکش نظارہ ہے کہ گلیوں میں جھاڑو دینے والے مہتر کو یہ حق حاصل ہے کہ مسجد کی منبر اور محراب میں جلئے اور رب العالمین کے سامنے اعلےٰ سے سلطان کے کندھے سے کندھا ملائے نماز کے لئے کھڑا ہو۔ نہ یہاں کسی قسم کی نفرت ہے نہ چھوت چھات کا ڈر ہے۔ بلکہ جذبہ برادری کی بے نظیر مثال ہے۔

روزہ

تیسرا رکن روزہ ہے۔ روزہ سے بڑھکر کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے بھوک کی تکلیف کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ یہ تکلیف روزانہ ہمارے ہزاروں بھائیوں کو اُٹھانی پڑتی ہے۔ ایک بادشاہ اپنی بھوک سے مرنے والی رعایا کی حالت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے جبکہ وہ خود کھانے کے بغیر رہے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی روزہ کا مقصد بھی عام انسانی ہمدردی ہے۔

حج

چوتھا رکن حج یا مکہ کا سفر ہے۔ جس کو تمام دنیا کے لوگوں کی مجلس کہنا بجا ہوگا۔ یہ مجلس ہر سال ہوتی ہے۔ جہاں تمام دنیا کے مسلمانوں کو آپس میں تبادلۂ رائے۔ خیالات اور ہمدردی کا موقع آسانی سے

ملتا ہے۔حج کا سب سے بہتر اور افضل حصہ یہی ایک عام برادری کا مظہر ہے جس کا احرام کہتے ہیں۔جب کہ تمام حاجی معہ بادشاہ اور عام لوگ جمع ہوکر ایک ہی قسم کا لباس دو بغیر سلے ہوئے ٹکڑوں کا پہنتے ہیں۔

زکوٰۃ

پانچواں رکن زکوٰۃ ہے۔اسلام نے غریبوں کے حق میں اس کی تاکید کی ہے۔زکوٰۃ کے رکن سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اسلام امیروں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ غریبوں سے صرف زبانی ہی ہمدردی نہ کریں بلکہ اصلی قربانی کے لئے اپنی جیبیں خالی کریں۔کوئی مالدار آدمی اسلامی برادری میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوسکتا۔جب تک کہ وہ اس کے لئے تیار نہ ہوکہ وہ جو کچھ کہ خدا نے اُس کو دیا ہے اُس میں سے غریب برادری والوں کو بھی دے۔

اس طرح سے اگر تشریح کی جائے تو صاف ظاہر ہوجائیگا کہ اسلام کے تمام ارکان ہم کو عام برادری کا پسندیدہ اصول سکھاتے ہیں۔ایک مذہب جس کا مطمح نظر مساوات اور برادری کے اصول کے متعلق ایسا ارفع واعلےٰ ہو ہر انسان کا فرض ہے کہ اُس کا مطالعہ کرے۔

عید الضحٰے (۱۳۶۵ ہجری) شاہجہان مسجد ووکنگ میں

عید الضحٰے مسجد ووکنگ میں ۴ نومبر ۱۹۴۶ء کو منائی گئی

موسم اچھا تھا۔ تقریباً ۳۵۰ آدمی حاضر تھے۔ نماز عید مولانا ولیم بشیر پکرڈ نے جو ایک انگریز مسلم ہیں اور جو اپنی خدا پرستی اور زہد کے لئے مشہور ہیں پڑھائی۔ موسم سرما اور سفر کے اخراجات کے بڑھنے کا خیال کرتے ہوئے اور یہ کہ لندن ہی میں دو جگہ عید کی نماز پڑھائی جاتی ہے۔ ایک مشرقی کونہ میں اور دوسری رکینٹس لاج لندن مغرب نمبر ۸ میں جو اسلامی تہذیب کا مرکز ہے حاضرین کی تعداد مسجد کے ارکان کی امید سے زیادہ تھی۔ جیسا کہ دستور تھا ... ان میں تین مسلم قوم کے افراد تھے۔ جو ایک چھوٹے ... کا منظر تھا۔ خطبہ جو مولانا بشیر پکرڈ نے پڑھا ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

خطبہ عید الضحٰے ۱۳۶۵ ہجری

میرے بھائیو اور بہنوں۔ آج کا دن اُس پرانی قربانی کی یادگار ہے۔ وہ قربانی جو حضرت ابراہیم نے خدا کے سامنے ادا کرنی چاہی تھی۔ یعنی خاص بیٹے کی قربانی۔ جس قربانی کو رحم نے برطرف کر کے عمل کے بدلے ... کی خواہش کو قبول کرتے ہوئے دستور کے مطابق ایک بھیڑا قربان کر دیا۔

ہم صدیوں کے بعد یہاں جمع ہوتے ہیں۔ جو ایک بالکل مختلف ملک ہے تاہم ہم اُن باتوں پر آج غور کرتے ہیں۔ ہم اس واقعہ کو مشیت ایزدی کی کامل رضا جوئی تصور کرتے ہیں۔ ہم اس واقعہ کو اُس سب سے بڑے رحم کرنے والے کے رحم سے منسوب کرتے ہیں۔

ایسا خیال کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت میں ایسا ہی ہے۔ بلکہ اس بیسوی صدی میں اُس پرانے تاریخی واقعہ کی مسلسل یاد سے ہمیں کیا عملی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ لوبان جلانے اور قربانی کرنے کے دن یقیناً گذر چکے ہیں۔ پھر کیسے حضرت ابراہیم کی یاد اُنکے بیٹے اور انکی قربانی کو ہماری روزانہ زندگی سے کوئی نسبت ہو سکتی ہے وہ زندگی جو ہم میں سے ہر ایک کو اس بعد کے زمانہ میں بسر کرنی چاہیئے۔ جس کو صدیاں گذر چکی ہیں۔ اور

جوشل ایک مدافعت کرنے والے سمندر کے اگلے وقتوں اور اگلے طریقوں کو بہا لیگئی ہے۔

اتنی تیزی سے نہیں۔ ایسی بے اعتبار باتوں کے متعلق اتنے یقین کے ساتھ نہ کہو۔

میں جواب دینے کی کوشش کروں گا تاکہ تم دیکھو کہ حضرت ابراہیم کی قربانی کے دن کی یاد کو ہم سب کے روزمرہ کی زندگی سے کیسی زبردست نسبت ہے۔

تم کہتے ہو۔ صدیاں گذریں۔

میں کہتا ہوں۔ ذرا ہوشیار ہو۔ نظر وسیع کرو۔ اس معاملہ کا تعلق خدا سے ہے جو ہمیشہ سے ایک ہے۔ جس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں۔ جس کی نظر میں ہزاروں برس ایسے ہیں۔ جیسے کل جو گذر جائے۔ اس لئے صدیوں کے ختم ہو جانے سے صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

دوسرا سوال جو اٹھایا گیا ہے وہ قربانی کا ہے۔

تم کہتے ہو کہ قربانی کے دن اور طریقے سب پرانے اور بے ڈھنگے ہو چکے ہیں کوئی شخص آج اپنے بیٹے کی قربانی خدا کیلئے نہیں کریگا۔ خدا کی راہ میں قربانی کرنے والے پشیمان اور شکستہ دل ہیں۔

دنیا ابھی ایک تاریک اور خوفناک جنگ کے اثرات سے باہر نکل رہی ہے۔ اگر لڑائی نے اپنی چھ سالہ تکالیف ختیوں اور شدید خوف سے دنیا کے لوگوں کو کچھ سکھلایا ہے تو کیا یہ نہیں کہ فتح قربانی سے حاصل ہوتی ہے۔ قربانی کا تخیل ابھی تک مردہ نہیں ہوا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے مردہ ہو بھی سکتا ہے۔ قربانی سے تم زندگی حاصل کر سکتے ہو۔

آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں یہ بتلاؤں کہ قربانی کا ہم میں سے ہر ایک سے کیا تعلق ہے۔ قربانی کو ہم سے کیا نسبت ہے۔ ہم کو کیا قربانی کرنی چاہئے۔ اور اگر ہم قربانی کریں بھی تو قربانی سے ہم کو یا ہماری جماعت کو کیا فائدہ پہونچے گا۔

آپ مجھے کہنے کی اجازت دیجئے تاکہ میں اس بات کو آپ کے سامنے غور کرنے کے لئے پیش کروں کہ ہم میں سے ہر ایک کو اسی بڑی قربانی کرنی ہوگی جس کی حضرت ابراہیم نے قسم کھائی تھی۔ آج بھی وہی حضرت ابراہیم کا ایک اور دائمی خدا ہے اور صرف اسی کو قربانی دی جاسکتی ہے۔

اور وہ قربانی جو ہمیں کرنی چاہئے کیا ہے؟

یقیناً وہ زبردست قربانی ہے۔ہماری اپنی ذات کی قربانی ہے۔

حضرت عیسےٰ جن پر خدا کی رحمت اور برکت ہو اُن کی تلقین کو یاد کرو جس نے اپنی زندگی تلاش کی وہ اُس کو نہ پائے گا۔ اور جس نے اپنی زندگی میری خاطر کھوئی وہ اسے پائے گا۔ (متی کی انجیل باب ۱۰۔ آیت ۳۹)

سچائی کے لئے ہمیں خدا کی رضاجوئی درکار ہے۔ہم کو جان اور دل سے مسلمان ہونا چاہئے اور ہر چیز میں خدا کی رضاجوئی ضروری ہے۔ہم کو اس زندگی میں کوئی چیز۔کوئی چیز۔کوئی چیز خدا سے عزیز نہیں رکھنی چاہئے۔نہ بیٹا۔نہ بیوی۔نہ لڑکی۔نہ دولت۔نہ آرام۔اور نہ دنیاوی حشم۔بلکہ ہم کو زبردست قربانی کرنی چاہئے اور وہ ہماری ذات ہے۔مسلمان ہو کر۔اللہ کی کامل رضاجوئی کے بدولت ہم خدا کے پہچاننے کے در پر پہنچتے ہیں۔ہم اُس سے گذرتے ہیں اور اللہ کے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔ہاں اور حقیقت میں اس زندگی میں بھی زندگی کے بند ڈھیلے کر دیئے جاتے ہیں تاکہ ہماری روح آزاد رہے۔

یہاں تک ہم میں سے ہر ایک فرد کے لئے ہدایت ہے۔اب ہم کو اپنے خیالات مسلم قوم کی طرف منعطف کرنے چاہئے۔جو اس پریشان دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہے۔آجکل جن مشکلوں کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑ رہا ہے۔اُس کا حل وہ دنیا کے کسی حصہ میں رہتے ہوئے اسلامی تعلیم پر کاربند ہونے میں ملیگا۔بے شک صبر و استقلال اور برادرانہ رواداری کی ضرورت پڑیگی قبل اس کے کہ مختلف معاملات کا حسب دلخواہ حل ہو سکے۔لیکن یہ ہچکچاہٹ کیوں ہے۔کیا یہ صبر۔استقلال اور برادرانہ رواداری مسلمانوں کے حقیقی اوصاف نہیں ہیں۔

معاملات حل طلب فلسطین میں ہیں۔ہندوستان میں سیلون میں۔انڈونیشیا میں اور جنوبی افریقہ میں۔حقیقت میں آج دنیا میں ہمیں کوئی جماعت یا زمین کا چپہ ایسا نہ ملیگا جس کو شدید مشکلوں سے سامنا نہ کرنا پڑا۔

ان میں سے بعض سوالات پر ہمیں سچائی کے اصول کی روشنی میں غور کرنا چاہئے۔

فلسطین۔اصل معاملہ عرب اور یہودیوں کے درمیان ہے۔جو نسل شامی ہونیکے لحاظ سے بھائی بھائی ہیں۔دونوں ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔وہ بھائی جو صدیوں سے ساتھ ساتھ رہتے چلے آئے

ہیں۔ یقیناً ان باتوں میں دوستی اور مستحکم سمجھوتہ کے لئے بہت سے مسالے موجود ہیں۔ طاقتور اور غیر ہمدرد قوموں کے بیرونی دباؤ کو ناانصافی سے تسلیم نہ کیجئے۔

ہندوستان:۔ بیرونی صورت اس معاملہ کی بہتری ہے۔ زبردستی۔ دشمنی اور جہالت کی غیر قانون باتوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن اصولاً کیا کوئی کشادہ اور مستقل بنیاد محفوظ اور صلح سے رہنے کی نہیں ہے۔ ہم کو اس سوال پر غور کرنا چاہئے اور جو کچھ بھلائی اور خلوص سے اتفاق رائے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہندو ایک جل وملی کو نہیں مانتے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہندو زندگی کی یکتائی کو تسلیم نہیں کرتے ہیں یعنی مخلوق کی برادری۔ اور مسلمانوں سے میں پوچھتا ہوں کہ ہندوؤں کو کس نے پیدا کیا۔ سوائے اس ایک جل وملی کے۔ پھر بھلا انسانی برادری کیسے قائم ہو سکتی ہے۔ جس میں ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی اور دوسرے مذہب والے یا مذہب شامل نہیں ہیں۔ کیا مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ دوسری اقوام میں جو انبیاء بھیجے گئے وہ سب برابر نہیں ہیں۔ کیا یہ قرآن مجید کا ارشاد نہیں ہے کہ مذہب میں سختی نہ کرو۔ پھر رواداری کہاں ہے۔ پھر اختلاف کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم کو اسلام کے زندہ اصولوں کو کثرت کے ساتھ سمجھ کر اپنے عمل سے روشن کرنا چاہئے تاکہ دائمی امن کا دور دورہ ہو جائے۔

اب جنوبی افریقہ کو لیجئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں مسلمان اور ہندوؤں نے قومی تفریق کے عمل کی مخالفت یکجہتی کے اصول پر کی۔ یہ تفریق کیسے ہو سکتی ہے جبکہ جنوبی افریقہ کی سفید آبادی بھی اصلی آبادی نہیں ہے ہم کو دنیا کے ہر حصہ سے ہم آواز ہو کر اس قومی تفریق کی بدترین بیوقوفی کو مٹا دینا چاہئے۔ ہم کو اسلامی برادری کے رواج پر چلنا چاہئے۔ ہم کو صرف زبانی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر یہ جاننا چاہئے کہ بنی نوع انسان ایک خاندان ہے جس کا معاملات میں مطمح نظر صرف انسان ہے۔ نہ نسل کے لحاظ سے۔ نہ رنگ کی وجہ سے نہ قومیت کے سبب اور نہ مذہب کی بنیاد پر جہاں برادری کا تعلق ہے بلکہ اس ٹھوس غیر متزلزل انسانیت کی بدولت جو ہماری سب کی میراث ہے ہم کو ایک رائے ہونا چاہئے تاکہ امن اور خلوص تمام روئے زمین پر قائم ہو جائے۔

قصہ مختصر چونکہ یہ سالانہ تہوار جو حضرت ابراہیمؑ کی یادگار میں آج انگریزوں کے سرزمین پر منایا جا رہا ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں کچھ انگریزوں سے عرض کروں۔ اگر وہ پہلے ہی سے اسلام سے واقف ہیں۔ تو

اُن کو اسلام کی بہت سے خوبیاں پر غور کرنا چاہئے - اُن کو تسلیم کرنا چاہئے بلکہ سچائی کے نظارہ سے خوش ہونا چاہئے - جہاں کہیں بھی اُن کو دکھائی دے - اگر وہ اس وقت تک اسلام سے نا واقف ہیں اُن کو ہمت سے کام لیکر دین اسلام کا مطالعہ کرنا چاہئے اور جو کچھ علم حاصل ہوجائے اور سچائی نظر آئے اُن کو یہ چاہئے کہ تعصب جہالت اور غیر مانوسی کی تاریکی کو دور کریں جس نے یورپ میں اس مدت دراز تک اسلام کے شاندار چہرے کے خط وخال کو بگاڑ رکھا ہے - جس کی تعلیم کی بدولت یورپ والوں کی بہت سی تکلیفیں اور دنیا کے لوگوں کی بہت سی شکائتیں اس خالص اور اصلی برادری میں جذب ہوجائیگی - خدا ایسا ہی کرے -

ہاں آپ جو مسلمان ہیں اور جو اپنے دین کی باتوں میں یقین رکھتے اور ان سے ایسے خوش ہوتے جیسے کسی بڑی اچھی چیز کے پانے سے - اپنے مذہب کی پیروی کریں - دین کے لئے محنت کریں حالانکہ آپ مغربی ممالک میں رہتے ہیں - جہاں سرمایہ داری کی شدید برائیاں پرواز کر رہی ہیں - غیر معمولی محنت - خود غرضی اور لاپرواہی بہت زیادہ ہے یہ طریقے نہ دانشمندوں کے ہیں نہ راست بازوں کے - اور نہ صلح کے بلکہ اسلامی اصول ہی صلح کے اصول ہیں -

اس لئے اس صلح کے طریقہ کی پیروی کرو - جو یقیناً خدا تک پہونچاتا ہے - لیکن یہ یاد رکھو کہ زندگی اگر جہاد ہے اور موجودہ زمانہ امن صرف لگاتار کوشش سے حاصل ہوسکتا ہے - اسلام تم کو امن ہی برقرار رکھنے کا چاہے کیسے ہی سخت آزمائش کیوں نہ ہو - آنحضرت صلعم کی ذات کو یاد کرو جنہیں انتہائی کامیابی نصیب ہوئی - اُن کی زندگی بھی بغیر سختی اور تکالیف کے نہیں گذری بلکہ اکثر تو انہیں بہت سخت جد وجہد بدبختی - علانیہ ناکامی اور شکست کے خلاف کرنی پڑی - یہ بات یاد رکھو کہ سچائی کو ناکامی نہیں ہے - وہ مضبوطی سے قائم رہتی ہے - یقیناً سچائی کا وقت آگیا ہے اور جھوٹ غائب ہونے والی چیز ہے -

صبر کرو اور پھر کوشش کرو - اور خدا سے مدد مانگو تاکہ تم کو کامیابی نصیب ہو -

خدا کی رحمت اور برکتیں تمہارے ساتھ رہیں - آمین

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نماز و خطبۂ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتمآب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمےٰ کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) مشن کے آرگن ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

(۶) مشن کے تاثرات ۔ (۱) مشن کی اکیس سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض تو تہجد تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جد و جہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ میں اب دشمنانِ اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک روادارانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ بکثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شک و شکوک کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں معہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلانِ اسلام معہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۷) انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعتِ اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قائم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعتِ اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جد و جہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبرانِ سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آرا کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں لیکن انگریزی قوم میں **اشاعتِ اسلام** ہمارا اولین نصب العین ہونا چاہیئے۔

(۸) ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کُل مسلمانانِ عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ۔ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذبِ عالمِ اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانانِ عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ دارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورینو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ۔ بلاد اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

(۹) ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہوسکتی ہے

(۱) بحیثیت عطیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کردیں جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کار خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ۷؍ ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں اس کا حلقۂ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳؍ ہے اور ممالک غیر کیلئے ۴؍ ہے۔ (۷) ووکنگ مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ وامریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کراکر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جاسکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاویگی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک واحتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہوجاتا ہے نماز وخطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نو مسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کرکے غیر مسلمین یورپین احباب کو اُس شخصیت کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رُو سے اشاعت اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کار خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سُود اشاعت اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سُود صرف ہوسکتا ہے۔ اگر آپ سُود کی ان رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ [illegible] تو اسلام کی اشاعت وحمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنان اسلام کے ہاتھ چلی جاویگی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ۔ بھینٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ (ریزرو فنڈ)

ایک کارگر نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ کام اکیس سال سے بہ احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کررہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ وقائم رکھنے کے لئے مینجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایہ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہوکر آئندہ کیلئے کسی جیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کار خیر کیلئے فراہم نہ کرسکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم ونسق

یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینجنگ کمیٹی کی امانت ودیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔

(۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لندن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت واشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ دارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام

(۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں۔ تین کارکنان مشن کی موجودگی میں موصول ہوکر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور ودفتر ووکنگ انگلستان۔ امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں۔ (۳) آمد وخرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ داران ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد وخرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کردی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کردیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات۔ (۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط وکتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England :- The Imam, The Mosque, Woking, Surrey, England.

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور ولنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان) +

تمام خط وکتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب۔ ہندوستان) فرمائیں

MAY 1947. R. L. NO. 908.

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیران اعزازی

آفتاب الدین احمد بی۔ اے
مدیر اسلامک ریویو (انگریزی)

عبدالمجید ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی
امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مرتبہ
خواجہ عبدالغنی سیکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　**اللہ اکبر**　　　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ اور چاہئے تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو بُرا (ہی کیوں نہ) لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان　　　　　　　　مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ و کُل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) تشکیل مشن۔ ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد۔ (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ دارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک۔ (۱) مشن کی تبلیغ فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ دارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نمازمیں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ۔ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ہزار سے اوپر نفوس شامل ہوتے ہیں مسلمین و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمدنیت
عازنگ ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار
اشاعت ووکنگ مسلم کے ¼ اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۳ بابت ماہ مئی ۱۹۴۷ء نمبر ۵

(گیلانی الیکٹرک پریس [illegible] لاہور میں [illegible] شیخ محمد [illegible] باہتمام [illegible] چھپکر برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا)

شذرات

امام ووکنگ مسجد کا ورود مسعود لاہور میں

جناب مولانا عبدالمجید صاحب ایم۔اے جنہوں نے تبلیغ اسلام کا ولولہ سینہ میں لے کر ۱۹۲۴ء میں ہندوستان کو خیرباد کہا اور جولائی ۱۹۳۹ء میں ووکنگ مسجد کے اہم اور متبرک فرائض ادا کرنے کا چارج لیا تھا۔ بیس اکیس سال کے ایک طویل عرصہ کے بعد گذشتہ مارچ کے آخری ہفتہ میں وارد ہندوستان ہوئے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک ثم الحمدللہ۔ آپ نے جنگ عظیم کے دوران میں اپنے مقدس فرائض کو نہایت اطمینان اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ اور خدا کا شکر ہے آپ کی مساعی بہت سے گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کو صراط مستقیم پر قائم کرنے میں بار ور ہوئیں۔ بمبئی میں جہاز سے اترنے کے بعد آپ اپنے والدین اور دیگر اعزہ کو ملنے کے لئے سیدھے حیدر آباد دکن تشریف لے گئے اور گذشتہ اپریل کی ۳۰ تاریخ کو آپ لاہور وارد ہوئے۔ آپ کی تشریف آوری اور ملاقات سے آپ کے احباب کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔ مولانا موصوف نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ یورپ میں تبلیغ اسلام میں صرف کیا ہے اور اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ گویا یورپ کے باشندہ بن چکے ہیں۔

مولانا موصوف سے دوران گفتگو میں ہمیں یہ معلوم ہو کر بہت خوشی ہوئی کہ اب خدا کے فضل سے اہل انگلستان اس حقیقت کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا نظام ہے جو ان کی تمام ضروریات کا متکفل اور ضامن ہو سکتا ہے۔ اور یہی وہ مذہب ہے۔ جو ان کے قومی کیرکٹر کے لئے موزوں اور مناسب ہے۔ مولانا موصوف کی رائے ہے کہ برطانوی مسلمانوں کا ایک مدنی نظام اب بہت جلد قائم کر دینا چاہئے اور اس امر کے متعلق کوئی تساہل نہیں کرنا چاہئے۔ مولانا موصوف کی رائے ہے اور اس حقیقت پر آپ بہت زور دیتے ہیں کہ اسلام کو محض چند معتقدات کا مجموعہ ہی قرار دینا صحیح نہیں

بلکہ یہ ایک کامل نظام اور مکمل ضابطہ زندگی ہے۔ اور جب تک کہ برطانوی مسلمانوں کو باہمی معاملات میں اصول اسلام پر عمل کرنے کے قابل نہیں بنایا جائے گا۔ اس وقت تک ان کو قبول اسلام کی دعوت دینا چنداں مفید نہیں ہوگا۔ کیونکہ مغرب میں بسنے والے عیسائیوں کی تمام خرابیوں کا علاج انکے سوشیل معاملات اور زندگی کے عام زاویہ نگاہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک عرصہ دراز تک اسلام کی خدمات سرانجام دینے کے بعد۔ اور یورپ کے تمدن کے نشیب فراز اور وہاں کے سرد وگرم حالات کے تجربات کے بعد مولانا موصوف اپنے وطن مالوف میں کچھ عرصہ آرام کے لئے واپس تشریف لائے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ آرام آپ کی صحت کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ ہم آپ کو اپنے درمیان دیکھکر بہت خوش ہیں اور دلی جوش سے خیر مقدم کہتے ہیں۔ اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو خدمت اسلام کیلئے درازئ عمر اور صحت وطاقت عطا فرمائے۔ آمین

ہمارے ایک دوست نے "اخبار سیلون ڈیلی" کا ایک شذرہ بھیجا ہے اس میں ایک خبر شائع ہوئی ہے جو ہمارے احباب کے لئے موجب دلچسپی ہوگی۔ اور وہ یہ ہے کہ ہزاروں آدمیوں پر مشتمل ایک جلوس سیلون کے بڑے قصبہ میں سے گذرا۔ جس کے ساتھ سینکڑوں مویشی، چھوٹے بچھڑوں سے لیکر ہاتھیوں تک موجود تھے اور یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں پوسٹر تقسیم کرتے تھے جن میں گائے کے گوشت کھانے کی برائی پر بہت کچھ لکھا گیا تھا۔ آخرکار یہ جلوس اپلس پارک پہنچا جہاں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا گیا۔ کئی ایک اصحاب نے دھواں دھار تقاریر کیں جن میں گائے کا گوشت کھانا ایک مذموم امر قرار دیا گیا۔ اور حاضرین سے اپیل کی گئی کہ وہ اس کے استعمال سے اجتناب کریں جناب مسٹر تفیرو جو اس جلسہ کے صدر تھے۔ انہوں نے مویشیوں سے جو فائدے انسان کو حاصل ہوتے ہیں ان پر روشنی ڈالی۔ دوران تقریر میں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ گائے کے گوشت کے استعمال کا نتیجہ ہے کہ اس جزیرہ میں جرائم یوماً فیوماً ترقی پر ہیں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ فاضل مقررین نے گائے کے گوشت استعمال کرنے میں کونسی برائی یا قباحت پائی جاتی ہے۔ اور صاحب صدر نے کس طرح یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ گائے کے گوشت کھانے سے ہی جرائم میں دن

بدن ترقی ہو رہی ہے - کیا یہ محض توہم پرستی نہیں - جس کی کوئی اصلیت نہیں - کیا ہم یہ سمجھیں کہ ان اصحاب نے خوراک کی سائنس کے متعلق کوئی نیا انکشاف کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گائے کا گوشت ضرر رساں ثابت ہوا ہے - زمانہ قدیم میں جب ہندوؤں کے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا - یہی گائے کا گوشت ان کا ایک بہت من بھاتا کھانا تھا اور مہمان کی خاطر مدارت کے لئے ایک چھوٹی عمر کی گائے کا ذبح کرنا اور اس کا گوشت پکا کر کھلانا ضروری سمجھا جاتا تھا - لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ہندو لوگ گائے کا گوشت ترک کرتے گئے یہ معلوم نہیں کہ ایسا کب اور کیوں ہوا ؟ ہمارا قیاس ہے کہ یہ گوسالہ پرستی کی وجہ سے ہوا - جس کی محبت ہندوؤں کے دلوں میں بڑھتی گئی - گو اس کے لئے کوئی معقول وجوہ نہ تھے -

جیسا کہ بائیبل اور قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے - محض ہندو ہی گائے کی تعظیم اور پرستش نہیں کرتے تھے بنی اسرائیلوں میں یہ مرض گوسالہ پرستی کا اس قدر بڑھا ہوا تھا - کہ ہارون جیسا نبی بھی ان کو اس قبیح حرکت سے روک سکنے میں کامیاب نہ ہوا - ہاں حضرت موسےٰ علیہ السلام وہ زبردست انسان تھے جنہوں نے اس مرض کا اسرائیلیوں میں سے قلع قمع کیا یہ مذہبی کتب سے معلوم نہیں ہوا کہ آیا ہندوؤں میں یہ توہم پرستی دور کرنے کے لئے ہندوستان میں کیا مساعی عمل میں لائی گئیں - شاید اس قبیح توہم پرستی کے جاری ہو جانے کے بعد اس ملک میں کوئی خدا کا نبی مبعوث نہیں ہوا - اگرچہ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا خدا کا بندہ آیا ہو جس نے اس قوم کو اس حرکت سے روکا ہو مگر ان لوگوں نے اس کی نصیحت پر کان نہ دھرا ہو - اور اس طرح سے اس مرد خدا کی مساعی بے کار ثابت ہوئی ہوں - بہرحال ایک بات تو بیّن ہے - گائے کے گوشت کے استعمال کے متعلق جو توہمات پیدا ہو گئے ہیں - اس کی کسی اوتار یا خدا کے پیغمبر نے کبھی تعلیم نہیں دی اور آج اس تہذیب و تمدن کے زمانہ میں کسی سائینسدان نے بھی اس کی تائید نہیں کی - طب جدید نے بھی کہیں اس گوشت کے استعمال کے متعلق کوئی ایسا فتویٰ نہیں لگایا اقتصادی طور پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ہندوستان اور سیلون جیسے غریب ممالک میں لوگوں کی خوراک کا کام دیتا ہے - مسٹر تھیرو نے اپنی تقریر میں محض ایک ہی دلیل اپنے دعوے کے ثبوت میں دی ہے - اور وہ ایک بڑی بودی اور مضحکہ خیز دلیل ہے - آپ فرماتے ہیں کہ مویشی انسان کے لئے مفید ہیں - اور

انسان کی بڑی امداد کا ذریعہ ہے۔ وہ لوگ جو گائے کا گوشت کھاتے ہیں وہ بھی اس امر کا انکار نہیں کرتے کہ گائے انسان کے لئے بہت مفید ہے۔ اس کا ہل چلانا۔ اور چھکڑوں کا کھینچنا۔ اس کا دودھ اس کا چمڑہ اس کی ہڈی سب مفید ہیں۔ قرآن مجید میں عموماً اُن فائدوں کا جو ہم گائے اور دوسرے مویشیوں سے حاصل کرتے ہیں ذکر کرتا ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی ایک سورت کا نام ہی البقرہ یعنی گائے ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم اس کا گوشت ہی استعمال نہ کریں۔ خدا نے ہر چیز انسان کے استعمال اور فائدہ کے لئے بنائی ہے انسان کو چاہئیے کہ وہ اس کو اپنے بہترین مصرف میں لائے۔ جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے۔ اس کی یہ غرض تو نہیں کہ ہم اس کو پوجنے لگ جائیں۔ اگر آپ گائے کے گوشت کا استعمال بند کرنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ معقول وجوہ سے ثابت کریں۔ کہ یہ منع ہے محض جبر سے منوانے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔

تبلیغ اور علمائے وقت

یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جہیں صورت میں عیسائی مشنری جاپانیوں کو عیسائی بنانے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ خدائے واحد کے پرستار خواب خرگوش سو رہے ہیں۔ ایک چین میں ہی پچاس کروڑ مسلمان آباد ہیں اور مشرق بعید میں کروڑوں مسلمان پائے جاتے ہیں۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ ان پرستارانِ توحید کے دماغ میں تبلیغ کا خیال تک نہیں گذرتا۔ اور ان کے دلوں میں کچھ احساس پیدا نہیں ہوتا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ہمارے علمائے کرام کیا کر رہے ہیں؟ کیا ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان اس ضروری فریضہ کے متعلق کچھ نہیں سوچتے؟ ہمیں تعجب پر تعجب ہے کہ دنیا کی مسلمان سلطنتوں اور ریاستوں کے دماغ میں بھی تبلیغ کا خیال نہیں گذرتا۔ یہ عذر کہ ہم سیاسی زندگی اور خود ارادیت کی جنگ میں مصروف ہیں کوئی معقول عذر نہیں۔ تبلیغ اسلام کی عین جان ہے اور کسی حالت میں بھی اس سے غفلت نہیں کرنی چاہئیے۔ کلکتہ کے ایک ہمعصر نے علمائے کرام کو دعوتِ عمل دی ہے۔ اب زمانہ بدل چکا ہے۔ اب کسی قدر کام کی توقع ان حضرات سے ہوسکتی ہے۔ دیکھیں ہمارے معزز ہمعصر "محمدی" کی آواز کا کیا اثر ہوتا ہے اور علمائے کرام اس کا کیا جواب دیتے ہیں اور اس مقدس کام کے لئے کیا حرکت عمل میں لاتے ہیں۔

وقت کی اہمیت

جنگ سے قبل جاپان میں دو مساجد تعمیر کی گئی تھیں ایک کوب میں اور دوسری ٹوکیو میں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ آج کل وہ کس حالت میں ہیں۔ کوب مسجد میں جو سب سے پہلے خطبہ دیا گیا وہ مولانا آفتاب الدین احمد صاحب کی طرف سے تھا۔ جو ان دونوں میں ووکنگ میں امام تھے۔ لیکن کیا مسلمانوں کا فرض محض ایک خطبہ کے دیدینے سے ادا ہو گیا؟ ہمیں معلوم نہیں کہ جاپان کے لوگوں کے لئے ایک صفحہ بھی اسلامی لٹریچر کا ابھی شائع کیا گیا ہو؟ اور اس سے زیادہ قابل افسوس یہ امر ہے کہ اب جبکہ جاپان کے لاکھوں انسان اپنا مذہب تبدیل کر رہے ہیں ہم پھر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے اور ہم دیکھ رہے ہیں جس مذہب کو وہ اختیار کر رہے ہیں وہ بھی ویسا ہی شرک سے آلودہ ہے جیسا کہ ان کا قدیم مذہب تھا۔ اُن کے سیاسی زوال کے ساتھ اُن کا اخلاقی اور روحانی زوال پہلے سے بھی زیادہ خطرناک نظر آتا ہے۔ انہیں روحانی خوراک کی ضرورت ہے۔ انہیں وقت نہیں ملتا کہ وہ اس امر پر غور کر سکیں کہ کونسا مذہب اچھا ہے اور کونسا بُرا۔ جو ان کے سامنے آتا ہے وہ اس پر لبیک کہدیتے ہیں۔ اور اسی میں عیسائی مشنریوں کی کامیابی کا راز ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ اُن کے دماغ تبدیل مذہب کے لئے طیار ہیں۔ اسلام جو ان کو اصل اور حقیقی زندگی دے سکتا ہے اُن کے سامنے پیش نہیں کیا جاتا۔

بغیر توقف کام شروع کر دینا چاہیئے

ہمارے کلکتہ کے معاصر نے علما سے اپیل کی ہے۔ ہم بہت خوش ہوں گے اگر ہمارے علمائے کرام اس معاملہ میں کچھ حرکت کریں۔ لیکن کسی تعمیری کام کرنے کے متعلق جو جمود ہمارے علما میں پایا جاتا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر ہم درحقیقت کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ملک کے علماء اور مبلغین سے یہ اپیل کر دینے پر ہی مطمئن نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے علماء یا مولوی صاحبان میں سے کوئی بھی ہمارے ہمعصر "محمدی" کی اس اپیل پر متانت سے غور نہیں کرے گا۔ اور نہ اس کو کوئی

عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریگا - الاّ ماشاء اللہ

ممنوعات اور اسلام

اسلام سے پہلے عرب کی مہلک برائیوں میں سے شراب نوشی بھی ایک برائی تھی - اسلام نے تمام نشہ والی چیزوں کو ممنوع قرار دیا اور اُن کا اسلامی ممالک میں وجود نہیں پایا جاتا - بہت سی قوموں کو نشہ لانے والی رقیق چیزوں کے نقصان دہ ہونے کا یقین ہوگیا اور دوسرے مسکرات کا بھی مثلاً افیون - انہوں نے ممنوع قرار دیا لیکن فتح سے زیادہ کوئی چیز کامیاب نہیں ہوتی - امریکہ میں قانون کی رو سے شراب کو بند کردیا گیا - لیکن امریکہ کے لیڈروں کو یہ معلوم ہوکر نہایت رنج ہوا اور غصہ آیا کہ لوگوں نے اس قانون کے توڑنے میں زیادہ دلچسپی لی بجائے اس کے کہ اُس پر عمل کرتے - بالآخر انہوں نے قانون کو ہٹا لیا - آج کل دوسرے ملکوں میں بھی کوشش کی جا رہی ہے اور ہندوستان میں بھی -

شنگھائی کی ایک رپورٹ سے مظہر ہے :-

چین کی گورنمنٹ نے چینیوں کی صدیوں پرانی افیون نوشی کی عادت جڑ سے چھڑانے کے لئے نہایت سختی سے پوست کی کاشت کو دبانے اور بہت سے مخصوص علاج گاہ قائم کرنے کو اپنی نئی قومی تحریک میں شامل کرلیا ہے - بالخصوص اُن علاقوں پر جن پر جاپانی قبضہ کرچکے ہیں خاص توجہ کی جارہی ہے - کیونکہ وہاں مسکرات کے مریضوں کا نصف سرکاری شمار تین کروڑ بیس لاکھ کیا جاتا ہے -

مسلمان سے پڑھکر یہ دیکھکر کون خوش ہوگا - کہ دوسری قومیں اُن برائیوں کے دور کرنے کی کوشش کررہی ہیں - جن کے خلاف اسلام نے بہت قبل نبرد آزمائی کی جبکہ دنیا کے لوگوں کو اُن کے بُرے نتائج کا صحیح اندازہ بھی نہ تھا - متعلقہ گورنمنٹوں کو یہ بالکل خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ممنوعات سے خزانہ کو کس قدر نقصان پہنچے گا - گورنمنٹ کا وجود تو صرف لوگوں کی بہبودی کے لئے ہے اور گورنمنٹ کا ہمیشہ یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ لوگوں کے حقیقی فائدے اور انتہائی بھلائی میں لگی رہے - ہندوستان کے دوسرے صوبے بھی مدراس - صوبہ سرحد اور چین کی پیروی کیوں نہیں کرتے -

رہا سوال اُن کا جو مجوزہ ممنوعات کے شکار ہوئے ہیں - اور جن کو بُری عادت کے چھوٹنے میں دشواری ہو رہی ہے متعلقہ گورنمنٹوں کو ترکی طبیب حسن مساف کے تجربہ سے جو انہوں نے آرلنگٹن کیلینک سینٹوریم امریکہ میں کیا ہے فائدہ اٹھانا چاہئے - حال ہی میں یہ دریافت ہُوا ہے کہ ڈاکٹر مساف کو شرابیوں کو انسولین دیکر اُن کی عادت چھڑانے میں کامیابی ہوئی - اور اُن شرابیوں کی طلب ہمیشہ کے لئے جاتی رہی -

لیکن روحانی اصلاح ہماری رائے میں سب سے بہترین اسلامی تاریخ میں ایک مثال موجود ہے جیسے ہی کہ ایک وحی کے ذریعہ شراب کے حرام ہونیکا حضرت رسول صلعم کو علم ہوا لوگ شہر کے ہر گوشہ میں شراب کو ممنوع قرار دیتے پھرے - اور مدینہ کے مسلمانوں نے شراب کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ ہی نہیں دیا بلکہ شراب کے گھڑوں اور پیالوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیا - اس واقعہ کے بعد مسلمان جو پہلے شراب پیتے تھے - اُسکی طلب سے پھر کبھی بے چین نہیں ہوئے - یہ روحانی شفا تھی -

---

استفسارات وجوابات

استفسار - رمی الجمر یا شیطان پر کنکر پھینکنا کی کیا حقیقت ہے کیا یہ روحانی یا مذہبی حکم ہے؟

جواب - دوران حج میں بعض بعض جگہ چھوٹے چھوٹے پتھر یا کنکر پھینکنے کا حکم ہے انکو رمی الجمر کہتے ہیں یہ کوئی کورانہ تقلید یا رواجی بات نہیں ہے - ممکن ہے یہ امر ادائے حج میں قبل از اسلام ہی مروج ہو لیکن اسلام میں اسکو ایک گہری روحانی اہمیت حاصل ہے - حج انسانی ترقی کی آخری منزل ہے تاہم روحانی ترقی کے منازل میں اس سفلی زندگی کے جذبات رذیلہ کو قطعاً معدوم نہیں کر دینا چاہئے یہ رمی یا کنکروں کا پھینکنا شیطانی جذبات کی طرف توجہ دلاتا ہے اسلام کا پیغام کامل امن میں رہنا ہے لیکن جو شخص بدی یا شیطان کیساتھ صلح کرتا ہے جو شیطانی جذبات کا منبع ہے اسکو کوئی امن یا اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا کنکروں کے پھینکنے سے یہ مطلب ہے کہ انسان کو بدی سے نفرت سیکھنی چاہئے اور شیطان جو بدی کا محرک ہے اسکو اپنے سے دور رکھنا چاہئے تاکہ وہ غالب آسکے جس قدر انسان بدی کے قریب ہوگا اسی قدر زیادہ اس کا بدی کا مرتکب ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے بدی سے دور رہنا اور بدی کو دور رکھنا ہی ضروری ہے - رمی الجمر کو ایک روحانی جنگ بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے جو کہ انسان بدی کے خلاف لڑتا ہے

آستانۂ صداقت اسلام

(از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانئ مسلم مشن ووکنگ انگلستان)

(سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ اپریل ۱۹۳۷ء ملاحظہ ہو)

فی الجملہ عالم اخلاقیات میں بھی عالم جسمانیات کی طرح کوئی شے بذات خویش خیر و شر نہیں ہے "حدود" کا لحاظ رکھنا نیکی کہلاتا ہے اور ان سے تجاوز اختیار کرنا بدی ہو جاتا ہے۔ ہر جذبہ خواہ وہ ضعیف ہو یا شدید جب حدود مقررہ میں پایا جائے تو اخلاق کے ذیل میں شمار ہوتا ہے۔ قانون سازی دراصل حدود مقررہ کرنے ہی کا دوسرا نام ہے، لیکن صحیح حدود، ایک عالم الغیب ہستی ہی معین کر سکتی ہے چنانچہ قرآن شریف میں "حسنات" کو "شعائر اللہ" اور "حدود اللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"فمن اعتدیٰ بعد ذالک فلہٗ عذابٌ الیم" جو خدا کی مقررہ کردہ حدود سے تجاوز کریگا اس کے لئے سخت عذاب ہے (۲-۱۷۸) "ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین" خدا کی حدود سے تجاوز نہ کرو، تحقیق اللہ زیادتی (تجاوز) کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا (۲: ۱۹۵)

"الاعراب اشدّ کفراً ونفاقاً واجدر الا یعلموا حدود ما انزل اللہ علیٰ رسولہٖ واللہ علیم حکیم یعنی بدوی بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں، اور اس طرف مایل ہیں کہ نہ جانیں حدود اس چیز کی کہ اتاری ہے اللہ نے اوپر اپنے رسول کے اور اللہ علیم و حکیم ہے (۹: ۹۸) "تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعدّ حدود اللہ فاولٰئک ھم الظالمون" یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، پس ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظالموں میں سے ہیں (۲: ۲۳۰) "تلک حدود اللہ ۔۔۔۔ ومن یتعدّ حدودہٗ یُدخلہ ناراً خالداً فیھا ولہٗ عذاب مھین" یہ اللہ کی تجویز کردہ حدود ہیں ۔۔۔۔۔

اور اس کی حد بندیوں سے آگے نکلتا ہے۔ اسے آگ میں داخل کرے گا۔ اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے (۴ : ۱۴)

کائنات کے تمام پہلوؤں پر جن میں انسان بھی شامل ہے، نظر ڈالنے سے ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ کہ تمام اشیا بذات خود مفید ہیں لیکن ان کا فائدہ مند ہونا صرف مقررہ قوانین اور حدود کے اندر رہنے پر ہی منحصر ہے۔ اور اگر وہ اشیاء اپنی حدود سے متجاوز ہو جائیں تو مضر ہو جائیں گی۔ یہ قوانین اور حدود' ناقابل تبدیل ہیں، اور غیر قابل تغیر ہیں' اور اگر ہم اشیائے گرد و پیش کو اپنے حق میں مفید بنانا چاہتے ہیں اور ان کو بہترین طریق پر استعمال کرنے کے خواہشمند ہوں تو ہمیں ان کا صحیح علم حاصل کرنا لازمی ہے کیونکہ خالق فطرت نے ان سب کا اندازہ قبل از وقت معین کر دیا ہے۔ کائنات میں ہر جگہ قوانین اور انتظام کی حکومت پائی جاتی ہے۔ لیکن "قانون" ان خدائی مقرر کردہ اندازوں ہی کا دوسرا نام ہے۔ سائنٹیفک تحقیقات سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ سائنس کا کام صرف یہی ہے کہ ان اندازوں اور اصولوں کو دریافت کرے جن پر کارخانہ عالم چل رہا ہے، اور جن کی بدولت ساری اشیائے کائنات اپنے خواص مخفیہ کو ظاہر کرتی ہیں۔

یہ ہے اسلامی مسئلہ "تقدیر" جو اس "مقدر" یا "قسمت" کے تخیل سے بالکل متغائر ہے جس کی تعلیم انہا میں اس کے مشہور مسیحی عقیدہ کی رو سے دی گئی ہے۔ اسلام میں سچ پوچھو تو عقیدہ "جبر" یا نوشتہ قسمت" کوئی چیز نہیں اور نہ ان ہفوات کی تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن میں جو لفظ "تقدیر" استعمال ہوا ہے اور جس کو ڈاکٹر نکلسن جیسے مستشرق نے بھی غلطی سے "جبر" کا مترادف سمجھ لیا، اس کو دراصل "جبر" سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ وہ اس معنی کا متحمل ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ہم خود قرآن شریف کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ

تا سیہ روئے شود ہر کہ در و غش باشد

"والشمس تجری لمستقر لها ذالك تقدیر العزیز العلیم ۔ والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم"

ترجمہ - اور سورج اپنے مقرر رستہ پر چلتا ہے - یہ غالب علم والے کا اندازہ ہے - اور چاند کے لئے ہم نے کئی منزلیں مقرر کر دیں - یہاں تک کہ وہ پھر کھجور کی پرانی سوکھی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے (سورۃ یٰس ۳۹-۳۸)

پس قرآن مجید کی رو سے یہی مفہوم ہے "تقدیر" کا جس کے معنی مجملاً یہ ہیں کہ کائنات میں ہر شے قانون تقدیر کی پابند ہے - اور کون ہے جو اس حقیقت کا انکار کر سکے - انسان بھی فطرت کا ایک جزو ہے - اور بھی مثل دیگر اشیاء کے قانون کا پابند ہے جو خدا تعالے کے مقرر کردہ ہیں - میرا خیال ہے کہ اس حقیقت کی صراحت مطلق ضروری نہیں ہے - ہم مجبور ہیں کہ دیکھنے کے لئے آنکھ، سننے کے لئے کان اور سونگھنے کے لئے ناک کا استعمال کریں، اس کے خلاف نہیں کر سکتے - اسی طرح اخلاقی قوانین بھی ہیں جو ہماری فطرت کے روحانی پہلو پر حاوی ہیں - یہی مادہ کی حقیقت ہے اور یہ اصول اسلامی ایک سائنٹفک حقیقت بھی ہے - اور آزادیٔ عمل یا قوتِ اختیار کے کسی طور پر منافی نہیں ہے - آزادیٔ رائے کے معنی ہیں آزادیٔ اختیار لیکن اس آزادی کا مفہوم یہ نہیں کہ ہم قانون سے آزاد ہو جائیں اور قانون "تقدیر الٰہیہ" ہی کا دوسرا نام ہے ہم تقدیر کے ماتحت اور قانون کے پابند رہ کر بھی آزاد اور خود مختار رہیں - مثلاً چلنے کے لئے ہمیں اپنی ٹانگوں کو استعمال کرنا ضروری ہے یہ تقدیر الٰہیہ ہے، لیکن ان کا استعمال کرنا یا نہ کرنا یہ ہماری مرضی پر منحصر ہے، اور اسی کا نام قوتِ اختیار ہے - گویا قانون اور اختیار باہم متناقض نہیں ہیں - اور اسلام نہایت مناسب طور پر ان دونوں باتوں کی یکجائی تعلیم کرتا ہے - قرآن مجید کی رو سے خدا تعالے کسی شخص کو اپنی مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرتا یعنی ہر شخص اپنی قوتِ اختیار کے استعمال میں آزاد ہے "انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا واما کفورا" - یقیناً ہم نے انسان کو راہ دکھا دی ہے - اب یہ اس کا فعل ہے کہ وہ شکر گذار ہو یا ناشکر گذار" (سورۂ دہر آیت ۳)

"وعلی اللہ قصد السبیل ومنھا جائر ولو شاء لھداکم اجمعین" (نحل آیت ۹)

اور اللہ ہی سیدھی راہ چلاتا ہے - اور بعض راہیں ٹیڑھی ہیں - اور اگر وہ چاہتا -

تو ۔۔۔ تم سب کو ہدایت کرتا ۔

تقدیر

نظریۂ تسبیب، کو اسلامی اصطلاح میں نظریۂ تقدیر کہتے ہیں ۔ اور یہ نظریہ، اصول تعیین حدود، پر مبنی ہے ۔ اور یہ بات کہ فلاں فلاں اندازوں سے فلاں فلاں اثرات پیدا ہوں گے یا فلاں فلاں اسباب سے فلاں فلاں نتائج ظاہر ہوں گے، اسلامی زاویۂ خیال سے ایک حقیقتِ ماوقعہ ہے ۔ چنانچہ قرآن پاک ادعا کرتا ہے کہ "لن تجد لسنۃ اللّٰہ تحویلا" تم اللہ تعالےٰ کے طریق عمل میں کبھی ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے ۔ ہماری سرنوشت یا قسمت روز ازل ہی سے مقدر نہیں ہو چکی ہے، لیکن اُن اندازوں کے نتائج ضرور قبل از وقت معین کر دیئے گئے ہیں جو ہم اپنی زندگی کے مختلف شعبوں میں، اپنی قسمت کا ڈھانچہ طیار کرنے کے لئے اپنی مرضی سے منتخب کرتے ہیں ۔ گویا ہم خود ہی اپنے مقسوم کو بناتے ہیں اچھا یا بُرا سب ہمارا ہی فعل ہے ۔ اور جو طریق ہم اختیار کریں اس کے نتائج برداشت کرنے کے لئے ہمیں طیار رہنا چاہئے ۔

از مکافات عمل غافل مشو ۔ گندم از گندم بروید جو ز جو

کیونکہ نتائج، مقدر ہو چکے ہیں (یعنی اللہ نے مقرر فرما دیا ہے کہ جو شخص آگ میں کود پڑے گا وہ جل جائیگا، پس جو شخص ایسا کرے اُسے نتیجہ برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے) اور ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔

قرآنی لفظ "تقدیر" ایسا لفظ ہے، جس کا ترجمہ مشہور مستشرقین بھی غلط ہی کرتے ہیں ۔ میں پھر کہتا ہوں ۔ کہ تقدیر کے معنی اندھی قسمت یا جبر کے نہیں ہیں ۔ اس کے لفظی معنی ہیں "اندازہ کرنا" اور قرآن نے اس کا استعمال، ہی معنی میں کیا ہے ۔ خدا تعالےٰ نے پہلے ہی سے ہماری قسمت کا فیصلہ نہیں کر دیا ہے، اگر ایسا ہو تو پھر ہم ذمہ دار نہیں ٹھہرائے جا سکتے ۔ ہاں، ہماری قسمت کا فیصلہ اُن اندازوں کے انتخاب پر منحصر ہے، جو ہم اپنی زندگی کے مختلف شعبوں میں برتیں یا نہ برتیں ۔ اور جب ہم نے کسی خاص

طریق عمل کو اختیار کر لیا تو پھر اس کے نتائج ہمارے لئے مقدر ہو جاتے ہیں مثلاً سنکھیا' ایک مفید جوہر ہے لیکن اگر اندازہ سے زائد استعمال کیا جائے تو موت واقع ہونا یقینی ہے۔ یعنی وہ تعداد اپنے سے معین یا مقدر ہو چکی ہے جو انسان کے حق میں مہلک ثابت ہوگی۔ لیکن خدا تعالےٰ یا کوئی اور شخص کبھی بھی ہمیں مجبور نہیں کرتا کہ ہم اُس تعداد معینہ کو کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کریں۔ اگر ہم اُس مقدار سے 'جو جائز ہے' زاید کھا لینگے تو موت یقینی ہے۔

فی الجملہ ہر شے ' اگرچہ ہمارے فائدہ کے لئے بنائی گئی ہے۔ لیکن بعض حالات میں مُضر ہو جاتی ہے۔ اور وہ حالات بھی ہمارے لئے خدا ہی کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ لہذا ہماری شادمانی اور خوشحالی اُن حدود یا اندازوں یا حالات کے صحیح علم پر منحصر ہے' اور یہ علم' خواہ سائینٹفک انکشافات کی بدولت حاصل ہو یا خالق کائنات کے پیغامبروں (رسولوں) کی طرف سے۔ آخر الذکر ہی کو 'منظم صورت میں' "مذہب" کہتے ہیں' پس سائنس اور مذہب دراصل ایک ہی ہیں' یعنی ان دونوں کا مقصد انسان کو کائینات کی اشیاء کا علم عطا کرنا ہے۔ کیونکہ ان اشیاء کے افعال اور نتائج مقدر ہو چکے ہیں۔

باب پنجم

الہام' بنی نوع آدم کیلئے ایک ضرورت حقہ ہے

ہماری آسودگی اور فارغ البالی' قوانین آلہیہ کے علم پر منحصر ہے۔ یہ علم' ذاتی کوشش سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اور خدا' خالق کائنات اور مدبر خیر و شر کی طرف سے بھی آسکتا ہے اور یہ بات خدا تعالےٰ کی عنایت اور نوازش کے عین مطابق ہے کہ وہ ہمیں اپنے قوانین اور احکام سے مطلع فرمائے۔ چنانچہ اس نے 'قرآن مجید میں اس امر کی تصریح فرما دی ہے" وعلی اللہ قصد السبیل' ومنھا جائر ولو شاء لھداکم اجمعین" اللہ تعالےٰ نے راہ راست دکھانے کا ذمہ لیا ہے۔ بعض راہیں کج بھی ہیں'

اور اگر اس معاملہ میں وہ چاہتا تو سب کو ہدایت کر دیتا" (سورۃ نحل ع۹)

"فالھمھا فجورھا وتقواھا یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی دونوں کا الہام (عطا) کیا ہے" (سورۂ والشمس آیت ۸)

اس لحاظ سے سائنس اور مذہب میں کوئی تصادم نہیں ہو سکتا۔ انسانی تحقیقات کی بناء پر دریافت کردہ صداقتیں جبکہ ضابطہ کے ماتحت مرتب ہوتی ہیں تو سائنس کہلاتی ہیں اور اگر انہی صداقتوں کو، ایک فوق العادت طریق پر، الٰہی سرچشمہ سے حاصل کر لیا جائے تو اس کا نام "مذہب" ہو جاتا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے، اس لئے ضروری ہے کہ "علم" حاصل کرے تاکہ اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت کر سکے۔ اور یہ علم دونوں طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ ذاتی کوشش سے بھی اور الہام ربانی کے ذریعہ سے بھی، اول الذکر اصول خطرناک اور مشتبہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ "انسان ٹھوکریں کھا کھا کر سیکھتا ہے" اور اکثر ناقص مشاہدات اور خام قیاسات کی بناء پر غلط نتائج نکال لیتا ہے۔ اور انہی کو اپنے طرز عمل کی بنیاد قرار دے لیتا ہے۔ آئندہ تجربات، اس کے خلاف ہوتے ہیں اور ہماری زندگی میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ ناکامی، جانفشانی اور تقصیر کے بعد کہیں ہم جزوی صداقتوں پر آتے ہیں۔ لیکن اگر یہ کائنات جس میں انسان بہترین مخلوق ہے کسی ذی شعور ہستی کی بنائی ہوئی ہے اور کائنات کے جمیع مظاہر سے مسلمہ طور پر تجویز و مقصد صانع ظاہر ہوتا ہے، تو کیا یہ قرین عقل ہے کہ وہ صانع اول اس بات کو پسند کرے گا۔ کہ کائنات سے تغافل اختیار کرے اور اپنے مصنوعات کو تباہ ہو جانے دے محض اس وجہ سے انسان کا حاصل کردہ ناقص علم اور اس کی بے اعتدالی، اس بات کی ذمہ دار ہے یعنی کیا وہ اس بات کو روا رکھیگا کہ انسان کی عدم واقفیت کی بناء پر نظام کائنات اختلال پذیر ہو؟ یا وہ براہ کرم، انسان کو ایسا علم عطا کریگا جو اس کے جذبات و ہیجانات کو ضبط و اعتدال کے دائرہ میں رکھے اور اس طرح اس صانع اکبر کا مقصد تکمیل پا سکے؟ میرے خیال میں تو آخر الذکر صورت ہی مناسب اور قرین عقل معلوم ہوتی ہے اور مشیت الٰہیہ سے بھی عین مطابقت رکھتی ہے۔ علاوہ

بریں، قوت تمیز کے استعمال کے لئے ضبط کی بے حد ضرورت ہے - اگر انسان کو خیر و شر میں انتخاب کرنے کی قابلیت یا طاقت عطا کی گئی ہے، تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو ان دونوں باتوں میں امتیاز کرنے کا علم بھی عطا کیا جائے، بلکہ بغیر اس علم کے وہ قوت یا لیاقت، محض ایک بار گراں اور ظلم عظیم ہوگا، جو انسان پر روا رکھا جا سکتا ہے - اور جب نیک و بد کا علم ہی نہ ہو تو پھر غلطی یا جہالت کی بناء پر انتخاب "شر" کی پاداش میں مورد عذاب ہونا بھی قرین انصاف نہیں ہے - بلکہ قوت تمیز سے پہلے اس علم کا حاصل ہونا یا موجود ہونا اشد ضروری ہے - اور بغیر اس علم کے عطا کرنے کے، کسی کو عذاب دینا، سراسر ظلم ہوگا - چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کو خلاف ورزی ہدایت پر بہشت کی بابرکت زندگی سے محروم تو کیا مگر اس سے پہلے اُن کو یہ بھی تو بتا دیا تھا کہ فلاں درخت کے پاس مت جانا - اور قرآن مجید فرماتا ہے "ماکنا معذبین حتی نبعث رسولا" جب تک نبی نہ بھیجدیں، ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کیا کرتے - ہاں یہ ضرور ہے کہ جب ہم کو نیک و بد کا علم حاصل ہو جائے تو پھر بدی کو منتخب کرنا "گناہ" قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ عذاب ہوگا - افسوس ہے کہ یہ سیدھی سی بات سینٹ پال کی سمجھ میں نہ آئی اور نہ مسیحی کلیسا اس منطقی مغالطہ سے اپنا دامن آج تک چھڑا سکی - لوپوس کو قانون شریعت، لعنت نظر آیا، جسکی بدولت دنیا میں گناہ کا آغاز اور پولوس کی رائے میں اس گناہ سے نجات کی صورت صرف مسیح کا خون ہی ہے - حالانکہ قانون، گناہ کا باعث ہرگز نہیں ہے - گناہ تو قانون شکنی سے پیدا ہوتا ہے - قانون دراصل خیر یا نیکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور اس کی خلاف ورزی کا نام گناہ ہے - اور نیک و بد میں تمیز کرنے کی قوت انسان میں جبلی طور سے موجود ہے - بس اس بناء پر نیک و بد کا علم بھی ابتداً ہی سے ہونا چاہئے - اگر قوت تمیز ایک عطیۂ ربی ہے تو "علم" بھی عطیہ ہی کے رنگ میں ملنا چاہئے تاکہ اس قوت کو صحیح طور پر استعمال کیا جا سکے - کیا اللہ تعالےٰ یہ بات پسند کریگا کہ انسان اس کی عطا کردہ قوت تمیز کا غلط استعمال کر کے اپنے آپ کو مورد الزام بنائے، حالانکہ انسان کو اُس نے اشرف المخلوقات بنایا ہے - کیا تم پسند کرو گے کہ بچہ کے ہاتھ میں تیز چاقو دیدو؛ اور اُسے اس کے استعمال کا طریقہ نہ بتاؤ - اگر ایسا ہو تو تمہاری شیطنت میں کوئی شک نہیں ہوگا - بس

کیا یہی صورت قوتِ تمیز کے متعلق پیش نظر نہیں ہو سکتی؟ اگر خدا نے آدم کو قوت امتیاز دی تھی، تو نیک و بد کا علم بھی دیا تھا - اور اگر اشیاء کے استعمال کا علم، استعمال کرنے کی لیاقت سے پہلے موجود ہونا ضروری ہے تو "الہام ربانی" کی ضرورت عقلی طور پر ثابت ہے -

اگر الہام ربانی کا خاص مقصد، امتیازِ نیک و بد میں انسان کی رہنمائی اور اختیار مُضر و مفید میں قوت انتخاب کی امداد کرنا ہے تو خدا نے، کائنات کے کسی ذرہ کو بھی اس کی ارتقائی منازل کے ہر مرتبہ میں اس نعمت سے محروم نہیں کیا ہے یہ الہام، اُس شکل میں نازل ہُوا ہے جسے بعض لوگ "صلاحیت وقابلیتِ تعمیری" کے نام سے موسوم کرتے ہیں - اور یہ قوت غیر ارادی طور پر نشو و نما کے ہر مرتبہ میں عمل کرتی رہتی ہے - اور "دوست و دشمن" یعنی مُضر اور مفید اجزا میں امتیاز کرنا جانتی ہے - مادہ اور قوت کے اس انبارِ عظیم میں، جو کائنات کو محیط ہے، اور اس کے مختلف اجزائے ترکیبی کو خوراک بہم پہونچاتا ہے، ایسے ایسے عناصر پائے جاتے ہیں - جو ایک دوسرے کے بالکل منافی واقع ہوئے ہیں - مادہ کی ہر صورت اور ہیئت اجتماعی یعنی ہر مادی شے ایسے عناصر سے محدود اور محصور ہے جن میں سے بعض نشو و نما میں مفید اور بعض مُضرت رساں ہیں - گویا ہر شے دوستوں اور دشمنوں کی مخلوط جماعت میں محصور ہے - لیکن اس کے ساتھ ہی ہر شے میں مفید و مُضر اشیاء کے شناخت کرنے اور مفید اشیاء کو قبول کرنے اور مُضر اشیاء کو رد کرنے کی ایسی قابلیت موجود ہے، جو کبھی خطا نہیں کرتی - خواہ غیر عضوی اجسام کی نشو و نما کا سوال ہو یا عضوی اجسام کے استحالہ کا وہ قوت، جو مفید کو قبول اور مُضر کو رد کرتی ہے - ہمیشہ برسرکار رہتی ہے - نور الہی اشیاء کو جزو ذات بناتا ہے جو اس کی نشو و نما کے لئے مفید ہوتے ہیں اور غیر مفید اشیاء سے احتراز کرتا ہے - لیکن عضوی اجسام کی حالت اُس سے ذرا مختلف ہوتی ہے - بعض اوقات مُضر اشیاء بھی جسم عضوی میں داخل ہو جاتی ہیں - لیکن جسم اُن کو فعل استحالہ میں اپنے اندر سے خارج کر دیتا ہے - اور جسم انسانی سے جو مختلف رطوبات خارج ہوتی ہیں، اسی فعل کو انجام دیتی ہیں - غیر ضروری یا مُضر اشیاء کا خارج ہونا نہایت ضروری ہے - کیونکہ نظام جسمانی میں اُن کے لئے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی - خواہ انسان مفید کے ساتھ مُضر اشیاء بھی کھائے، لیکن معدہ صرف مفید اشیاء ہی کو قبول

کرے گا۔ جو بقائے جسمانی کے لئے ضروری ہیں۔ بقیہ خارج ہو جائیگی، کیونکہ وہ مفید بدن نہیں۔ اور فطرت، تو ناموافق مزاج اشیاء سے اس درجہ تنفر کرتی ہے کہ اگر وہ، اُن کو بذات خود خارج نہیں کرسکتی تو اُس کے تنفر کا نتیجہ ہمیشہ مرض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور کسی عمل جراحی یا مُسہل دوا کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تاکہ انسانی مزاج، اُن ناموافق عناصر سے یکسر پاک وصاف ہو سکے۔　　(باقی)

پنج ارکان اسلام

تیسرا رکن روزہ

(از جناب محمد صادق ڈڈلے رائٹ)

روزہ رکھنے کے لئے بحثیت ایک مذہبی قانون کے تمام لوگوں کو مشورہ نہیں دیا جا سکتا۔ چاہے وہ کتنے ہی دیندار بنیں یا وبن ابنے کی کوشش کریں۔ روزہ رکھنے کا زیادہ تر رواج کیتھولک اور یہودیوں میں بہ نسبت فرقہ منحرفین کے ہے۔ جن کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ زندگی میں جتنی زیادہ سے زیادہ اچھی چیزیں ہیں اُن سے لطف اٹھایا جائے بالخصوص اگر اُن کا مقصد بغیر کسی رکاوٹ کے حاصل ہو سکے۔ کیتھولک ہیں بعض، پادری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں خاص طور پر ٹراپیسٹیس اور کارتھوشنیس، تو تمام عمر روزہ رکھتے ہیں اور اُن کے چہرہ کو دیکھتے ہوئے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ناخوش ہیں مسلمان اگرچہ اسلامی سال کے نویں مہینے کو کسی قدر ہچکچاہٹ سے مانتے ہیں لیکن عام طور پر روزہ سختی سے رکھتے ہیں۔

چند سالوں تک مجھ میں اور جارج گریفتھ مرحوم میں جو مشہور سیاح اور ناول نویس تھے۔ اچھے تعلقات رہے۔ وہ اتفاق سے اگرچہ ایک دہریہ تھا تو وہ کسی زمانہ میں نیشنل سکیولر سوسائٹی لوکل برانچ

سکرٹری تھا لیکن اسلام سے ہمدردی رکھتا تھا۔ جس نے مشرق میں بہت سفر کیا تھا اور مسلمانوں سے
ملکر اُن کو بہت اچھا سمجھتا تھا کیونکہ مسلمان اپنے ارکان مذہب کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ اور
جس کو وہ اپنی زندگی کا جزو خیال کرتے تھے۔ ایک مثال جو اُس نے خاص طور پر بیان کی مجھے یاد ہے
اس نے اور اس کے ہمسفر سمتھ نے ایک مزدور کیا۔ یہ آدمی گریفتھ نے مجھے کہا ایسا دبلا اور کمزور
تھا کہ وہ اُسے دو بھاری بکس دینے سے ہچکچائے۔ لیکن مزدور نے اصرار کیا کہ وہ آسانی سے اُن بکسوں
کو لے جاسکے گا۔ ایسی آسانی سے کہ اُسے تکان بھی معلوم نہ ہوگی۔ چند دنوں تک وہ اُن کا یومیہ اُٹھانے
کا کام کرتا رہا۔ لیکن جس بات سے گریفتھ اور اس کے ساتھی کو رنج ہوا وہ یہ تھی کہ اُس نے کسی چیز کے کھانے
یا پینے سے انکار کیا۔ حالانکہ انہوں نے اُس کو اپنے پاس سے دام دیکر ناشتہ جس قسم کا وہ پسند کرے
رقیق یا ثقیل کھانے کو کہا۔ اُن کو اس کے مسلمان ہونے کا علم آخری دن سے پہلے نہ ہوسکا اُس
کا دن میں کھانے اور پینے سے اصرار کے ساتھ انکار کا سبب یہ تھا کہ اُس کو انہوں نے ماہ رمضان میں نوکر
رکھا تھا۔ جس مہینہ میں تمام قسم کے کھانے کیا بلکہ ایک گلاس پانی تک پینا بھی سورج نکلنے کے وقت
سے سورج کے غروب ہونے تک تمام مسلمانوں کو (سوائے چند استثناء کے) منع ہے

لیکن اسلام میں روزہ کا مقصد یہودیوں کے روزہ سے صرف کھانے اور پینے کے پرہیز سے بہت زیادہ
ہے۔ محمد صلعم نے اس کو ایمان کا چوتھا رکن قرار دیا ہے اور یہ دین میں داخل ہونے کا دروازہ ہے آپ
نے یہ بھی فرمایا ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے بھی زیادہ اچھی ہے۔ روزہ کی تین خوبیاں ہیں۔

(۱) بھوک پر قابو

(۲) جسم کے تمام اعضا کے آزادانہ استعمال سے پرہیز

(۳) دنیا کی فکروں سے دل کی برطرفی اور ہر خیال سے سوائے اللہ کے۔

(۴) حقہ پینے کے الیسی ہی ممانعت ہے

شاید اس پر زور دینا بے جا نہ ہوگا کہ اسلام میں روزہ کا اصول نظر سے نہیں ہے
جسم کی تذلیل اس خیال سے مقصد نکہ مادہ بُرا ہے بھوک اور خواہش نفسانی کی روک تھام اس

لئے کی گئی ہے کہ مسلمان زیادہ احتیاط سے غور کرے اور روحانی باتوں کو تمام و کمال حاصل کریں۔ برانگیختہ تصور کی حالت میں روحانی دنیا سے تعلق پیدا کریں اور یہ محسوس کریں کہ اُس کی روح کا تعلق روحانی دنیا سے ہے۔

عام طور پر رمضان کے مہینہ کے روزے تیس دن تک ہوتے ہیں - ایک چاند رات سے دوسری چاند رات تک۔ اگر نیا چاند ۲۹ کی شام کو نظر آجائے تو ایک روزہ کی کمی ہو جاتی ہے - اور اگر ۲۹ کو چاند نہیں ہوتا تو ۳۰ تاریخ کو روزے ختم ہوتے ہیں -

مسلمان ماہ رمضان کو روحانی تنظیم کے لئے ضروری سمجھتے ہیں مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور جھوٹ اور غیبت اُس کے ساتھ نہیں چھوڑتا ہے تو خدا کو اُس کی پرواہ نہیں -

ڈاکٹر مارکس ڈاڈس اپنی کتاب "محمد۔ بودھ اور عیسٰی" کے صفحات ۳۲-۳۳ میں لکھتے ہیں:-

مسلمانوں کے اپنے مذہب سے لگاؤ کی پہچان ماہ رمضان کے روزوں سے ہوتی ہے یہ روزے مذاق نہیں ہیں۔ گرمی کے موسم میں ثقیل کھانوں سے اس لئے پرہیز نہیں کیا جاتا ہے کہ نرم غذاؤں کے لئے اشتہا زیادہ کی جائے۔ لیکن یہ حقیقت میں اصلی پرہیز کھانے پینے کی چیزوں سے ہے - جو مسلمانوں کے روزے کے دنوں میں ہر روز سورج کے نکلنے سے سورج کے ڈوبنے تک کیا جاتا ہے رات کو ڈھائی بجے سے یا جب کبھی توپ بڑے شہروں میں چلتی ہے سورج کے ڈوبنے کے وقت تک جس کا نہایت بے چینی سے انتظار رہتا ہے گلے کے نیچے کوئی چیز نہیں اُترتی سخت محنت کرنے والا مزدور جلتی گلیوں میں یا مشرقی دوپہر کے گرم ہوا میں اپنی کمزوری اور تکلیف کو بغیر ایک گھونٹ پانی کے برداشت کرتا ہے سیاح ریگستان میں زرد آسمان [illegible] سے [illegible] ہے اور زمین چمکتے ہوئے ریت سے - وہ اپنے اونٹ کی پیٹھ پر سے گر سکتا ہے یا اپنی زمین پر بے ہوش بیٹھ سکتا ہے لیکن اُس کو کسی چیز کے چبانے کی اجازت نہیں ہے - اگر ممکن ہو تو چکھنے کے بھی نہیں اور نہ سونگھنے کی جس سے ایک لمحہ کے لئے بھی اُس کی گرنے والی طاقت میں جان آجائے بیماری میں بھی

روزہ رکھا جاتا ہے اگرچہ اس وقت فرض نہیں ہے۔

سر رچرڈ برٹن اپنی کتاب "سفر مدینہ و مکہ" (بون نسخہ صفحہ ۱ ولم ۷) میں لکھتے ہیں۔

"میں نے ایک مریض کو دیکھا کہ جس نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے کھانا کھایا۔ اور عام لوگوں میں سے گنہگار جو عادتاً شراب پیتے ہیں جس وقت کہ اُن کو عبادت کرنی چاہئے وہ روزہ رکھتے ہیں اور رمضان میں ریاضت کرتے ہیں"۔

لین بھی اپنی کتاب "جدید مصری" (صفحہ ۹۳) میں رقمطراز ہے:۔

جدید مسلمان رمضان کے روزوں کو اپنے مذہب کے دوسرے احکام سے زیادہ ضروری خیال کرتا ہے کیونکہ اُن میں سے بہت سے ایسے ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور وہ اپنی روزآنہ کی نماز ادا نہیں کرتے۔

کلام مجید کی سورۃ ۲- آیت ۱۷۹- ۱۸۳ میں ہم پڑھتے ہیں

اے ایمان والو- روزہ تمہارے لئے اسی طرح مقرر کیا گیا ہے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں کے لئے کیا گیا تھا تاکہ تم خدا سے ڈرو-

چند دنوں تک

لیکن تم میں سے وہ جو بیمار ہوگا یا سفر میں وہ بعد میں اُتنے ہی روزے رکھے گا- اور وہ جو روزہ رکھنے کے قابل ہیں اور پھر نہیں رکھتے تو اس کا کفارہ یہ ہوگا کہ وہ ایک غریب آدمی کو کھانا کھلائیں گے اور وہ جو اپنی خوشی سے ایک اچھا کام کرے وہ اس کا اجر پائے گا- اور تمہارے لئے روزہ رکھنے میں فائدہ ہے اگر تم اس بات کو مانو-

رمضان کے مہینہ کے بارے میں جس میں کلام پاک انسان کی رہبری کے لئے نازل ہُوا اُس رہنمائی اُس تجلی کے جواب میں جیسے ہی کہ تم چاند دیکھو روزہ رکھنے کی تیاری کرو- لیکن وہ جو بیمار ہے یا سفر میں ہے اتنے ہی دن بعد میں روزہ رکھے گا- خدا تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے نہ کہ مشکل تاکہ تم پورے دنوں روزے رکھو اور خدا کی رہبری کا شکریہ ادا کرو اور اُس کی شان کو

ندو بالا کرو۔

اور جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے پوچھیں تو میں اُن کے قریب ہوں ـــــ میں
س کی التجا کا انعام دونگا جو عبادت کریگا اور مجھ سے دعا مانگے گا۔ لیکن وہ میری بات سنیں اور مجھ
یں عقیدہ رکھیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

تم کو اجازت ہے کہ تم روزے کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جاؤ۔ وہ تمہارا لباس ہیں۔ اور
ورتم اُن کے لباس۔ اللہ جانتا ہے کہ تم اپنے کو آپ دھوکہ دیتے ہو اس لئے وہ تمہاری طرف مخاطب ہوتا
ورتم کو معاف کرتا ہے۔ تم اُن کے پاس خوشدلی سے جاؤ کیونکہ خدا نے تم کو اس کے لئے حکم دیا ہے۔ تم کھاؤ
ور پیٔو یہاں تک کہ تم دن نکلنے کے وقت دن کی سفیدی کو رات کی سیاہی سے دیکھ سکو۔ تب سختی سے
رات تک روزہ رکھو اور اُن کے پاس نہ جاؤ بلکہ اپنا وقت مسجد میں عبادت میں گذارو۔ یہ حدیں خدا کی مقرر
کی ہوئی ہیں۔ اس لئے تم ان کے پاس نہ جاؤ۔ خدا اس طرح اپنی علامتیں لوگوں پر ظاہر کرتا ہے تاکہ
وہ اس سے ڈریں۔

ذیل کا بیان ایک مورسمی محمدؐ کے مضمون سے اخذ کیا ہے جو اس نے ماہ رمضان کے متعلق تحریر کیا ہے
اولاً ہم کو اپنی زبان نفسانی خواہشات اور قوت دماغی پر پورے طور پر قابو حاصل کرنا چاہئے۔ اور
ہمارے چال چلن سے یہ بالکل نمایاں ہو جائے کہ ہم اپنے کئے پر پشیمان ہیں اور یہ کہ اپنی اندرونی اور
بیرونی صفائی کر رہے ہیں۔

اے عالم و دانا تو جو ہماری کمزوریوں سے اچھی طرح سے واقف ہے تو ہی ہمارا پشتیبان اور خبر
گیرا ہے اور ہر اُس چیز کا جو تو نے پیدا کی ہے۔ تو ہی ہماری نگہبانی کر ہم کو ہدایت دے اور اس قابل بنا
کہ ہم تیرے بنائے ہوئے قانون کی راہ میں چل سکیں تاکہ منحرف کافر کو بھی ہماری اچھی مثال سے ہمت اور
ترغیب ہو کہ وہ اس پاک وصاف دین کو قبول کرے۔

کسی کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ ہمارے اس باضابطہ روزہ کا مقصد صرف یہ
ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے سورج ڈوبنے کے بعد تک کھانے پینے اور اس قسم کی ہر چیز سے سخت

پرہیز کیا جائے - ہماری آنکھیں - ہماری زبانیں - ہمارے کان - ہمارے ہاتھ - ہمارے پیر - نہیں ہمارے خیالات تک کو لگام لگائے جائے - وہ سب کے سب اُس کی اطاعت میں لگے رہیں - جو زبردست بادشاہ ہے - اور جس کی بدولت اُن کا وجود ہے اُسی کی خدمت کرتے رہیں - اس وقت اور وقتوں سے زیادہ اُن کی قدرتی جذبات کو ختم ہو جانا چاہئے یا کم سے کم اُن کا سختی سے مقابلہ کرنا چاہئے - تمام بری باتوں کے میلان کو نہایت مستعدی سے روکنا چاہئے - کسی مومن کے دل میں ذرا بھی نہ تو کسی قسم کی لالچ کا خیال نہ کسی دوسرے کے مال کی خواہش کا گذر ہونا چاہئے - تمام قضیے - تمام جھگڑے - بغض - غصہ - حسد - نفرت - بدخواہی - دشمنی - تنگ نظری - جبر - طرفداری - مباحثہ اور فرقہ بندی کو یک لخت ایک طرف اُٹھا کر رکھ دینا چاہئے بلکہ بالکل بھلا دینا ضروری ہے - ہمارے دلوں کو چاہئے کہ وہ ہماری غلطیوں - گناہوں اور نا انصافیوں پر آہ وزاری کریں اور پشیمان دل سے ہم آیندہ کی اصلاح کا پکا ارادہ کریں - ہم کو شیطان کا مقابلہ کرنا چاہئے اور ایسا کرنے سے شیطان کی تکلیفیں بڑھ جائیں گی - جس سے ہر اچھے مسلمان کو خوش ہونا چاہئے اور اُس خدا کی تعریف وثنا کثرت سے کرنی چاہئے جو ایسا مہربان ہے کہ اُس نے انسان کو پیش بینی عطا فرمائی جس سے اُس کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو سکے جس میں اُس کا بے حد فائدہ اُس کے کٹر دشمن کی قربانی سے ہے -

فرقہ منحرفین نے کوئی قانون - کوئی حکم یا کسی قسم کی سفارش تک روزہ کے متعلق نہیں کی ہے - کیونکہ اُس میں کوئی مستند جماعت حکم دینے کے قابل نہیں ہے نئے عہدنامہ میں روزہ رکھنے کی بہت سخت سفارش کے باوجود اس فرقہ میں از خود روزہ رکھنے والوں کی کوئی مثال نہیں ملتی حالانکہ نیا عہدنامہ ہی فرقہ منحرفین کا مستند صحیفہ ہے - وہ غالباً فرقہ منحرفین میں سے ہوگا - جس نے یہ الفاظ کہے (شاید غیر معتبر) "میرا دین تو سور کے گوشت کی بھنی ہوئی بوٹی ہے" - اسی قسم کی لا مذہبی تو انگلستان کے فرقہ Established Church (فرقہ جس کا وجود از روئے قانون ہو) کے بوچرچ کے ممبران میں جاری ہے - جو عام طور پر یہ دعوے کرتے ہیں - کہ انہیں کو صرف Evangelical (انجیل کے مطابق) کہلانے کا حق حاصل ہے حالانکہ کسی حق سے اس کی کبھی تشریح نہیں کی گئی - ہیں

اپنی کم عمری میں فرقہ منحرفین سے بہت ملا ہوں اور خاص خاص موقعوں پر جو عمدہ دسترخوان بچھائے گئے ہیں اُن میں حصہ بھی لیا ہے۔ میں ایک بہت مشہور اصطباغی پادری کو جانتا ہوں جس سے میرے والدین کے گہرے تعلقات تھے جس کے پاس گاڑی تھی۔ لیکن وہ گھوڑوں کو سنیچر کے دن آرام کرانا تھا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ یہ بالکل درست ہے کہ جانور بھی ہفتہ میں ایک دن آرام کریں۔ وہ اتوار کے دن اپنے گھر میں کھانا تک پکانا پسند نہیں کرتا تھا اس لئے اُس دن وہ اپنے کسی گہرے دوست کے یہاں چلا جاتا تھا (اور بلاوے کی کوئی کمی نہیں تھی) جہاں اتوار کے دن کھانا پکانے کی کوئی پروا نہ تھی اور اُس کے پہنچنے کے وقت تک وہ اتوار کو باورچی خانہ میں کام کرنے والوں کے متعلق بھول جاتا تھا۔ مجھ کو پیسٹر کالج ٹونگٹن کے سالانہ شام کی چند دعوتیں یاد ہیں

اس کالج کو سی۔ایچ۔ سپرجن نے اصطباغی پادریوں کے تعلیم کے لئے قائم کیا تھا۔ جن کا فرض تھا کہ اُس مشہور تلقین کرنے والوں کے خیالات کو چند عبادت گاہوں میں مضبوطی سے پھیلائیں بہت سے طالب علم تاہم مخالف تحریک کی سازش میں پکڑے گئے اور میں معتبر اطلاع کے بنا پر کہتا ہوں کہ آج اُس کالج میں طالب علموں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ انجیل مقدس کے کمال اور وحی میں اپنا ایمان ظاہر کریں۔ میں بچپن میں ایک مرتبہ جو میزیں سالانہ تقریب کے موقع پر بچھائی گئی تھیں دیکھنے گیا تھا۔ میں نشیلی چیزوں سے پرہیز کرتا تھا اور شراب کے گلاسوں کی کثرت کو ہر پلیٹ کے پاس دیکھ کر مجھے حیرت تھی جس کی محمد صلعم نے کلام پاک میں برائی کی ہے۔ یہ کہنا واجب ہوگا کہ یہ Blue Ribbon تحریک سے پہلے تھا جس کی حمایت فرقہ منحرفین کے ہر خیال اور ہر قسم کے لوگوں نے نہایت سختی سے کی آج شاید ہی فرقہ منحرفین میں کوئی ایسی مثال ملے۔ جو بالکل متقی نہ ہو۔ لیکن عام طور پر اگر منکرین کو روزہ مذہبی پابندی کے ساتھ رکھنے کی سفارش کی جائے تو اُس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کہ جانوروں کی دنیا میں ایک لال جھنڈی کسی شریر بیل کو دکھا کر ہلچل پیدا کر دی جائے۔

بہشت اور دوزخ اسلامی نقطۂ نگاہ سے

(از حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم - اے - ایل - ایل - بی)

(۲)

اس امر کے ثابت کر دینے کے بعد کہ دوسری زندگی کے پھل جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے اِس دنیا کے مادی پھل نہیں ہیں - میں اب اس مضمون پر قرآن شریف کی دوسری آیات سے روشنی ڈالوں گا - جن میں اسی نظریہ کی مزید تشریح کی گئی ہے

قرآن مجید میں اچھے کلمات اچھے اعمال کو پھلدار درختوں سے تشبیہ دی گئی ہے - جن کی جڑیں پاتال کو پہنچی ہوئی ہیں - اور بُرے کلمات اور بُرے اعمال کو ناپاک درختوں سے تشبیہ دی گئی ہے - سورۃ ابراہیم میں مومنین کے بہشت میں داخل ہونے پر یوں ارشاد فرمایا -

وادخل الذین آمنوا وعملوا الصلحٰت جنٰت تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا باذن ربہم تحیتہم فیہا سلام (سورۃ ابراہیم آیت ۲۳)

ترجمہ :- اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے باغوں میں داخل کئے جائینگے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں - اپنے رب کے حکم سے انہیں میں رہیں گے - ان میں ان کی دعائے ملاقات سلام ہوگی -

اس کے بعد اس امر کی تشریح کے لئے کہ یہ باغات کیا ہیں اس سے دوسری آیت میں ارشاد فرمایا -

الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃً طیبۃً کشجرۃٍ طیبۃٍ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء - تؤتی اکلہا کل حین باذن ربہا و یضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یتذکرون

ترجمہ :- کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ نے اچھی بات کی مثال کس طرح بیان کی ہے (جو) ایک پاکیزہ

درخت کی طرح ہے اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل ہر وقت دیتا ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ (سورۃ ابراہیم آیت ۲۴)

اور پھر بطور تقابل کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ ن اجتثت من فوق الارض ما لھا من قرار

ترجمہ:۔ اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت کی طرح ہے۔ جو زمین کے اوپر سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اس کو کچھ بھی قرار نہیں۔ (سورۃ ابراہیم آیت ۲۶)

یہ ایمان کے درخت بہشت کے باغات ہیں۔ جو ہمیشہ اپنے پھل دیتے رہتے ہیں۔ اور جس طرح یہاں ایمان کے اچھے کلمات کو درختوں اور باغات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نیک اعمال کو قرآن شریف میں ایک دوسری جگہ چشموں اور دریاؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجھا کافوراً۔ عیناً یشرب بھا عباد اللہ یفجرونھا تفجیراً۔ (سورۃ الدھر ۵-۶)

ترجمہ:۔ نیک اس پیالے سے پیتے ہیں۔ جس کی ملونی کافور ہے۔ چشمہ (ہے) جس سے اللہ کے بندے پیتے ہیں وہ اسے پھاڑ کر بہا نکالتے ہیں۔

یہ امر کہ یہ آیت اس دنیا کے متعلق ہے سیاق وسباق سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں بغیر نفس مضمون کے بدلنے کے قرآن مجید بیان فرماتا ہے۔

یوفون بالنذر ویخافون یوماً کان شرہ مستطیرا۔ ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً واسیراً۔ (سورۃ الدھر آیت ۸-۹)

"نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں۔ جس کی مصیبت پھیل جانے والی ہے۔ اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

اس طرح سے نیکوکار لوگ اپنے ہاتھوں سے وہ دریا بہاتے ہیں جس میں سے وہ پیتے ہیں اور جوان

کے ایمان کے درختوں کو شاداب کرتے ہیں۔ کافورکا لفظ جو آیت بالا میں آیا ہے ذرا تشریح طلب ہے اس کا مادہ کفر ہے۔ جس کے معنی ہیں ڈھانکنا یا دبا دینا۔ اس سے مراد دنیوی خواہشات اور دنیوی شہوات کا دبا دینا ہے۔ کافور زہر کا تریاق ہے۔ اور روحانی کافور جو نیک لوگوں کو اس دنیا میں دیا جاتا ہے۔ وہ گناہوں کے زہر کا تریاق ہے۔

یہ امر کہ بہشت جو ایک نیکوکار انسان کو دی جاتی ہے یہ وہ بہشت ہے جسے خود انسان تیار کرتا ہے اور جس میں کلمۂ ایمان کو درخت سے اور نیک اعمال کو ہمیشہ بہنے والے دریاؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو ان اعمال کو سیراب کرتے ہیں۔ یہ امر صرف مندرجہ بالا آیات سے ہی ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس کی طرف پر ہر موقعہ پر جہاں مومنین کے لئے بہشت کا وعدہ دیا گیا ہے اشارہ کیا گیا ہے۔ الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لہم جنّٰت تجری من تحتھا الانھار۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو قرآن مجید میں بار بار آتے ہیں اور ان کا وعدہ یہ ہے کہ "وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجا لاتے ہیں۔ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں"۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ نیکوکار لوگوں کے لئے بہشت کا وعدہ انہی یا اس سے ملتے جلتے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ اس آیت کی رو سے جو کچھ انسان سے مطالبہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اُسے ایمان لانا چاہئے اور نیک اعمال بجا لانے چاہئے۔ اور جو کچھ اس سے وعدہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے لئے باغات ہوں گے جس کے اندر نہریں بہتی ہیں اس طرح سے ایمان کو درختوں اور باغات سے اور نیک اعمال کو نہروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

کانفرنس مذاہب میں بانئ تحریک احمدیت نے اپنے مشہور و معروف لیکچر میں ان روحانی رموز کا انکشاف مفصلہ ذیل روشن اور مدلل الفاظ میں فرمایا:۔

"یہ الفاظ ایک بہت گہرے راز کو کھولتے ہیں اور ان میں ان اس تعلق کی طرف اشارہ ہے جو ایمان اور عمل میں پایا جاتا ہے جس طرح درخت جبکہ ان کو پانی نہ دیا جائے مرجھا جاتے ہیں۔ اسی طرح ایمان بھی بغیر اعمال صالحہ کے مرجاتا ہے۔ ایمان بغیر اعمال کے بے سود ہے۔ اور نیک اعمال بغیر ایمان کے محض بے حقیقت ہیں۔ اسلامی بہشت ایمان اور نیک اعمال کی مظہر ہے ہر ایک انسان کی بہشت اُن اعمال

کی تصویر ہے جو اس نے اس دنیا میں کیئے ہیں - یہ کہیں باہر سے نہیں آئی - بلکہ خود انسان کے اندر سے ہی وجود میں آتی ہے - یہ خود اس کا ایمان اور اس کے اعمال ہیں - جو اس کے لئے بہشت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہتا ہے - اور اس کی خوشی اس دنیا میں ہی انسان محسوس کر لیتا ہے - ایمان کا درخت اور نیک اعمال کی نہریں یہاں بھی انسان محسوس کرتا ہے اگرچہ وہ نظر نہیں آتیں بلکہ دوسرے عالم میں وہ تمام پردے جو ان کو اب چھپائے ہوئے ہیں اٹھا دیئے جائیں گے - اور وہاں انسان ان کو بین طور پر محسوس کرے گا - خدا تعالےٰ کا سچا کلام ہمیں بتاتا ہے کہ خدا پر سچا خالص اور کامل ایمان اور اس کی صفات پر اور اس کے احکام پر پورا پورا یقین پھلدار درختوں کا ایک سرسبز اور دل خوش کن باغ ہے اور وہ نیک اعمال جو انسان کرتا ہے درحقیقت دریا ہیں جو اس باغ میں بہتے ہیں اور اس باغ کو شاداب کرتے اور اور اُن کو باردار کرتے ہیں "

میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ مضمون بالکل صاف ہے - جب قرآن مجید نے ہمیں اچھی طرح سمجھا دیا کہ وہ بہشت جس کا ہمیں وعدہ دیا گیا ہے وہ درحقیقت اس دنیا کے نیک اعمال اور ایمان کا ہی نقشہ ہے - تو بہشت کی نعما کے سمجھنے میں جو اشکال پیش آتے ہیں وہ رفع ہو گئیں - بہشت یا دوزخ درحقیقت ہماری اس زندگی کی روحانی حالت کی ہی تصویر ہے -

اگرچہ نعمائے بہشت کو جو نام دیئے گئے ہیں - وہ وہی ہیں جو اس دنیا کی نعمتوں کو دیئے ہوئے ہیں - لیکن یہ دونوں اپنی حقیقت میں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں - قرآن مجید ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ "کوئی انسان اُن نعما اور خوشیوں کو نہیں جانتا جو اس کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہیں" اگر ہم یہ خیال کریں کہ بہشت کی نعماء بھی وہی ہیں جو اس دنیا کی ہیں تو درحقیقت قرآن مجید کا مندرجہ بالا بیان صحیح نہیں ہو سکتا -

اس کی تائید میں ایک حدیث بھی ہے جو اس آیت کی گویا تفسیر ہے اور جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بہشت کی نعما ایسی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی نہ کانوں نے سنی - اور نہ انسان کے دل میں ان کا تصور گذرا " لیکن ہم یہ اس دنیا کی نعما کے متعلق نہیں کہہ سکتے - جنہیں ہم آنکھ سے دیکھتے اور

کانوں سے سنتے ہیں۔ دوسری بات جو ثابت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف مومنوں کے لئے دو بہشتوں کا وعدہ کرتا ہے- ایک تو اس دنیا میں- اور دوسری دوسری دنیا میں- اور دونوں کی اصلیت ایک جیسی ہی ہے- ہاں فرق یہ ہے کہ اس دنیا کی روحانی نعما جن سے مومنین اس زندگی میں بہرہ ور ہوتے ہیں- وہ دوسری زندگی میں ایک ظاہری شکل اختیار کر لیتی ہیں- بہشت کی نعما حقیقی اور اصلی ہیں- جو اس دنیا کی روحانی برکات نے ایک شکل اختیار کر لی ہے- اور اس لئے ان کی ماہیت اگرچہ ایک ہی ہے مگر اس دنیا کی اعلیٰ اور لذیذ چیزوں سے ان کی کچھ مشارکیت نہیں سوائے اس کے نام ایک ہی ہیں- یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ جب کبھی بہشتی لوگ ان نعما سے محظوظ ہوں گے وہ کہیں گے "ھذا الذی رزقنا من قبل" یعنی وہ پھل ہیں جو پہلے بھی ہم کو دیئے گئے تھے- اب یہ پھل سوائے ان نیک اعمال کے اور کچھ نہیں جو وہ اس دنیا میں بجا لاتے تھے- جب وہ اُخروی زندگی کی نعما سے متمتع ہوں گے تو خدا کی محبت کی برکات جنہیں وہ یہاں محسوس کرتے تھے ان کو یاد آ جائے گی یہی وہ پھل ہیں جن کی نسبت وہ کہیں گے کہ ہمیں پہلے بھی دیئے گئے تھے- ایک دوسرے موقعہ پر یہی قانون بہشت اور دوزخ کے متعلق قرآن مجید میں مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:-

وکل انسان الزمنٰہ طائرہٗ فی عنقہٖ ونخرج لہٗ یوم القیامۃ کتابًا یلقٰہ منشورًا

(بنی اسرائیل آیت ۱۴)

"اور ہر انسان کے عملوں کو ہم نے اس کی گردن کا طوق بنا دیا ہے اور ہم اس کیلئے قیامت کے دن ایک کتاب نکالیں گے- جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔"

اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے برے یا نیک اعمال کا نتیجہ جو کہ اس کا دوزخ یا بہشت ہے- اس کو اسی زندگی میں ہی محسوس ہونے لگ جاتا ہے- تاہم یہ ایک چھپا ہوا نتیجہ ہے- اور انسان کی آنکھوں سے اوجھل ہے-

لیکن قیامت کے دن یہی "طائر" (یعنی اعمال کا چھپا ہوا نتیجہ) ایک کھلی کتاب کے طور پر ایک ظاہری شکل اختیار کرے گا- بالفاظ دیگر اس زندگی کے روحانی حقائق جسے یہاں روحانی آنکھ ہی دیکھ

سکتی ہے۔ وہاں یعنی دوسری زندگی میں صاف صاف ظاہر ہو جائیں گے۔ اور سب کو بڑی صفائی سے نظر آ جائیں گے

پھر قرآن مجید فرماتا ہے :-

یوم تری المومنین والمومنات یسعیٰ نورھم بین ایدیھم وبایمانھم۔ (الحدید آیت ۱۳)

"جس دن تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھے گا۔ ان کا نور ان کے آگے دوڑ رہا ہوگا۔ اور ان کے داہنیں" پھر قرآن مجید

میں ہم پڑھتے ہیں۔ کہ مومنین کو اس دنیا میں ایک نور عطا کیا جاتا ہے۔ ان دونوں نوروں میں جو فرق ہے وہ ان کی ماہیت میں نہیں بلکہ وہ اس میں ہے کہ جو روشنی ان کو اس دنیا میں دی گئی ہے۔ وہ ایک چھپی ہوئی روشنی ہے۔ لیکن دوسری زندگی کی روشنی صاف صاف سب کو نظر آ جائے گی۔ اس کی وضاحت قرآن مجید کی دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے مثلاً فرمایا۔

یوم یقول المنٰفقون والمنٰفقٰت للذین اٰمنوا انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نوراً (الحدید آیت ۱۴)

"جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں انہیں کہیں گے جو ایمان لائے ہمارا انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے (روشنی) لیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کی روشنی اس دن کفار کو بھی نظر آ جائے گی جو ان سے اس کا سوال کریں گے۔ لیکن ان سے کہا جائے گا کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں اور اس کو تلاش کریں۔ اُن کو یہ کہنا کہ پیچھے چلے جاؤ اس سے یہ مراد ہے کہ اپنی گذشتہ زندگی میں روشنی تلاش کرو۔ کیونکہ اگر ان کی گذشتہ زندگی میں کوئی روشنی نہیں تھی تو وہ قیامت کے دن کوئی روشنی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کلیتاً اندھیرے میں گھیرا ہوا پائیں گے۔ اُن کے برے اعمال کی سیاہی نے ایک ظاہری شکل اختیار کر لی ہے۔ پھر آیت ذیل پر غور کرنا چاہئے جس میں بتایا گیا ہے کہ بہشت کے باغات اور نہریں بطور مثال کے بیان کی گئی ہیں۔

مثل الجنة التی وعد المتقون - فیھا انھٰر من مآء غیر اٰسن و انھٰر من لبن لم یتغیر طعمه و انھٰر من خمر لذة للشٰربین - و انھٰر من عسل مصفی - ولھم فیھا من کل الثمرات ومغفرة من ربھم - (سورۃ محمد آیت ۱۵)

"اس جنت کی (ایک) مثال ہے جس کا وعدہ متقیوں کو دیا جاتا ہے - اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بگڑتا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلتا اور شراب کی نہریں ہیں - جو پینے والوں کے لئے لذت ہے - اور صاف کئے شہد کی نہریں ہیں - اور ان کے لئے اس میں سب قسم کے پھل اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے -

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہشت موعودہ ان تمام چیزوں کے بحر بے کنار کا ایک مظہر عظیم ہے - زندگی کا پانی جو نیک لوگ اس زندگی میں پیتے ہیں ایک دریا کی صورت میں ظاہر ہوگا - وہ روحانی دودھ جس سے انسان اس زندگی میں روحانی طور پر ایک بچے کی مانند نشو ونما پاتا ہے - ایک دریا کا دودھ بن کر نظر آنے گا - خدا کی محبت کا روحانی شراب جس سے وہ اس زندگی میں مخمور رہتا ہے ایک ایسے دریا کی شکل اختیار کرے گا جس میں شراب بہتا ہوگا - اور ایمان کی غدوبت کا شہد جس سے وہ اس دنیا میں روحانی طور پر شیریں کام ہوتا ہے بہشت میں ایک ظاہری شکل میں بہتا نظر آئے گا - ہر ایک شخص کی روحانی حالت اس دن سب کو باغوں اور دریاؤں میں نظر آجائے گی - اور خداوند تعالےٰ بھی اُس دن اپنے پورے جلال اور جمال سے اپنے بندوں پر ظاہر ہوگا - قصہ کوتاہ روحانی کیفیات چھپی نہیں رہیں گی - بلکہ وہ نہایت بین طور پر ظاہر ہوجائے گی -

---

اسلام میں نظام جمہوریت

حکومت الٰہیہ

(از ایم - اے - سی - ایم صالح)

مسائل عالم کی گتھی کو سلجھانے کے لئے دنیا ایک جدید نظام کی تشکیل کے واسطے مضطرب نظر آتی ہے - دو بڑی جنگیں لڑی جا چکی ہیں - اور لاکھوں جانوں کا اتلاف ہو چکا ہے محض اس لئے کہ اب تحفظ مال وجان اور ایک پائدار امن وآشتی کی بنیاد کو استوار کرنے کا کوئی ایسا دستور العمل مرتب ہو سکے گا جس سے بنی نوع انسان کی ترقی اور ارتقا کی منازل طے ہو جائینگی لیکن ع

این خیال ست و محال ست و جنوں

مقام افسوس ہے کہ جنگ کے بعد بھی حالات آلان کما کان ہی رہے - موجودہ معیار ارتقا کی روشنی میں بڑے بڑے اصول زیر بحث لائے گئے اور ان کی تشریح وتوضیح میں بڑی کاوش کی گئی لیکن وہ دنیا جو سرتا سر مادیت میں گھری ہوئی ہے اور نور روحانیت سے قطعاً لابلد ہے ان مصائب کا حل معلوم کرنے سے عاجز رہی - لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ وہ پاک اصول جن میں ان کا حل مضمر ہے وہ محض ان لوگوں کے حصہ میں آئے ہیں جنہیں خدا نے نور بصیرت عطا فرمایا ہے اور تخلقوا باخلاق اللہ سے متصف اور مخلوق کی صحیح رہنمائی کے لئے شان اولیا جن کے اندر پائی جاتی ہے - فی زمانہ مذہب سے وہ سلوک روا رکھا گیا اور اس کی وہ درگت بنائی گئی کہ انسان کے روزمرہ کے لائحہ عمل میں اس کی حیثیت صفر کے برابر ہو گئی - اقوام یوروپ نے مذہب کے عنصر کو بالکل خیرباد کہدیا - اور انہیں یہ یقین حاصل ہے کہ جو ترقی انہوں نے کی ہے وہ مذہبی قیود سے آزادی کا نتیجہ ہے - فانا للہ وانا الیہ راجعون ان کے ہاں مذہب کا

تعلق محض دل سے ہے اور یہ ایک پرائیویٹ ادارہ ہے - ان کے نزدیک مادی جاہ وجلال ہی وہ معیار ہے جس پر تمام نتائج کا انحصار ہے - اور ان خیالات کی نشر و اشاعت کرکے عوام الناس کو مذہبی تاثرات سے محض ناآشنا رکھا جاتا ہے - اور مذہبی احکام سے اعراض کیا جاتا ہے - اور مقام حسرت و افسوس ہے کہ اُن کے ہاں روحانیت کو کوئی اہمیت کوئی قدر و قیمت حاصل نہیں ہاں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کوئی خطرہ سر پر آن پڑے تو اس وقت بعض لوگوں کے دلوں میں خوف کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں - لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے - جب وہ دیکھتے ہیں کہ اب انسانی سوسائٹی کا تار و پود بکھر کر رہ جائے گا - صرف ایسے وقت میں یہ لوگ مصائب کی تاریکی میں سے نکلنے کے لئے روحانیت کی شمع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور اپنے آرام کا علاج روحانیت کے مطب سے تلاش کرتے ہیں -

مذہب کی اساس پر حکومت کی داغ بیل ڈالنے کا تجربہ اُن کے ہاں ناکام ثابت ہوا ہے جس مذہبی عقیدہ یا اصول کو انہوں نے کسوٹی قرار دیا تھا - وہ معیار پر پورا نہ اتر سکا - اور اب یہ فقرہ زبان زد خلائق ہے کہ مذہب اور سیاسیات میں بعد المشرقین ہے - اور ان میں تطبیق وہ نتائج پیدا نہیں کر سکتی جن سے ایک اعلیٰ تمدن کی بنیاد پڑ سکے - اور معیار شہریت بلند ہو جائے - اور ہم شب و روز یہ الفاظ سنتے ہیں کہ سیاست ایک گھنونا مشغلہ ہے - اور تو اور ان الفاظ کے استعمال کرنے والے وہ طالب علم بھی ہیں جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے - اور جو عملی طور پر سیاست کے مطالب و مفہوم سے محض کورے ہیں - پس ان لوگوں کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ اندریں حالات ایک ایسی طرز حکومت کی تشکیل کے لئے جو جمہور کی فلاح و بہبود کی ضامن ہو اور جو شہریت کے بلند مقاصد کے حصول میں ممد و معاون ہو کسی مذہبی اساس کی کوشش لا حاصل ہے اور اس لئے قابل ترک ہے - اور نہ کوئی انسان اس کوشش میں کامیاب ہو سکتا ہے -

لیکن میں کہتا ہوں کہ اس باب میں کہ اُس لائحہ عمل اور اُن مساعی کو خیرباد کہہ دینا کمال عاقبت نااندیشی اور حماقت ہے جو بڑے بڑے انسان عمل میں لاتے رہے اور جو مذہبی اصولوں کی بنا پر القائے ربانی کے ماتحت ایک بے عدیل و بے نظیر حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے

بغیر کسی مذہبی جنبہ داری یا تعصب کے اور بغیر کسی مناظرانہ رنگ آمیزی کے ہم اس مسئلہ کا تجزیہ

اسلامی نقطۂ نگاہ سے کرتے ہیں- اس کے لئے ہمیں پیغمبر اسلام علیہ السلام کی بے نظیر کامیابی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنی چاہئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنی زندگی میں جزیرہ نمائے عرب کے اندر قبائلی مطلق العنانی کو جمہوریت میں تبدیل کر کے رکھدیا- اور یہ وہ مثال ہے جو تمام دنیا کے لئے بطور نمونہ کام دے سکتی ہے اور اس کی بدولت وہ جوہر جو فطرت انسانی میں مرکوز ہیں وہ منصۂ شہود پر آ جاتے ہیں- قرآن کریم کے سادہ اوامر و نواہی عمیق فلسفہ پر مبنی ہے- اور ان کے اندر اس قدر وسعت ہے جس قدر کہ خود نسل انسانی میں- معہذا اسلام کی سادہ تعلیم نے ایک ایسی حیرت انگیز متحدہ برادری کی تشکیل کی ہے کہ جس سے تمام روئے زمین پر ذات رب العالمین کی حکومت قاہرہ کا ڈنکا بج رہا ہے-

مذہب اسلام خلافت الٰہیہ کا نقشہ ہے- جو اس کے احکام پر گامزن ہونے سے پیدا ہوتی ہے- ایک مسلمان کو دن بھر میں پانچ دفعہ نماز ادا کرنی پڑتی ہے- بادی النظر میں ایک ناواقف شخص کو یہ نماز ایک رسم نظر آئیگی- جس میں رکوع و سجود کی حرکات پائی جاتی ہیں- وہ خیال کرے گا- کہ ان سے روحانیت کا کیا تعلق؟ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نماز سیاسی مفاد کے لئے زمین طیار کرتی ہے- سب سے پہلے ایک مسلمان کو اپنے دل کے اندر یہ احساس پیدا کرنا چاہئے کہ خدا حاضر و ناظر ہے- اور یہی احساس اس کو تزکیہ نفس اور اخلاق فاضلہ کے شاہراہ پر ڈالنے کے لئے اس کے اندر استعداد پیدا کرے گا- یہ گویا ایک ٹریننگ ہے- اس طرح وہ اپنی کمزوریوں کو محسوس کرنے اور غلط کاریوں کے گڑھے میں گرنے سے بچنے کے لئے پوری پوری جدوجہد عمل میں لائیگا-

نماز کا مقصد یہ ہے کہ انسان روزمرہ کی زندگی میں غلطیوں سے محفوظ و مامون رہے اور اس کے اندر انضباط- فرض شناسی- اور اس خدا کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا جوہر پیدا ہو- جو احکم الحاکمین ہے- نیز نماز کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے تمام معاملات کو سلجھانے کے لئے خدا کے قریب ہو کر اس کی تائید حاصل کر سکے- اور اس کے اندر خدا کی پھونکی ہوئی روح کام کرے-

ایک مسلمان کے لئے لازمی ہے کہ وہ سب سے یکساں سلوک اور سب کی یکساں عزت کرے اس طرح سے مساوات اور اخوۃ کے جذبات پروان چڑھتے ہیں- روزہ کے حکم میں بھی اسی قبیل کی خوبیاں

مضمر ہیں۔ اور زکوٰۃ جو اسلام کا ایک رکن ہے۔ انسان کی اقتصادی مشکلات کا حل ہے۔ اس سے سرمایہ داروں اور عام غرباء کے درمیان جو فاصلہ کھنچا نظر آتا ہے دور ہو جاتی ہے۔ اور آخری رکن حج ہے۔ اطاعت اور محبت کے جذبات جو خانہ کعبہ میں جمع ہونے والوں کے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں نسل انسانی کو دولت اتحاد کی دعوت دیتے ہیں۔ اس وقت تمام تفرقات ھباً منثوراً ہو جاتے ہیں اور متفرق اقوام اور متفرق ممالک کے لوگ ایک متحدہ جمعیت کی شکل میں اپنے مالک کے آستانہ پر جمع ہوتے ہیں۔ وہ مالک جو رب العالمین ہے۔ وہ جسے ہم اللہ پکارتے ہیں وہ جو سب کائنات کا خالق ہے۔

یہ تمام ارکان اسلام اتحاد اور یگانگت کی ایک مستحکم بنیاد قائم کرنے کے لئے جمہوریت کے مسلمہ اصول کے مطابق عمل میں لائے جاتے ہیں۔ اور ہم بلاخوف تردید کر سکتے ہیں کہ وہ حکومت جو ایسے اصولوں پر قائم کی جائے گی۔ وہ لازماً اُن نتائج غریبہ پر منتج ہو گی جو دنیا کا مطمع نظر ہے۔

قصہ کوتاہ یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اگر کسی ملک کی حکومت روحانیت کے سنہری اصولوں پر قائم نہیں ہو گی۔ اس کی مثال ایسی ہو گی۔ جیسے کہ ایک جسم ہو جس میں روح نہ ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حکومت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اس سے زندگی کے اعلےٰ مقاصد اور صحیح نصب العین حاصل ہو۔

اسلام کی تعلیم کے مطابق انسانی زندگی مرنے سے ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے بعد ایک دوسری زندگی شروع ہوتی ہے۔ مقتضیات زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے طریق حکومت کی داغ بیل ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ اسی ضمن میں یہ محفوظ خاطر ہونا چاہئے کہ رنگ و ذات و پات کی تمیز کے تباہ کن اثرات انسان کے اُن حقوق کو پامال کر دیتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کی پاک کتاب یعنی قرآن مجید میں منضبط ہیں۔ یہ بات ہر شخص کو سمجھ لینی چاہئے کہ مرنے کے بعد اس کو اپنے اعمال افعال کا حساب دینا ہے۔ اور اس کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مادی دنیا حصول مقصد کا ذریعہ ہے۔ فی نفسہٖ مقصود یا غایت نہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر ایک عمل ایک روحانی نقش ایک روحانی اثر رکھتا ہے۔ اس بات کو جاننے کے بغیر پورے طور سے مقصد حیات حاصل نہیں ہوتا۔ یہ امر امن و صلح کو ترقی دینے اور عامہ خلائق کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت قائم کرنے میں بہت بڑی اہمیت رکھتا

ہے - اگر تمام سلطنتیں اپنی پوری طاقت صرف کریں - وہ انسانی قتل وغارت کو روک نہیں سکتیں - کیونکہ انسانی کی طاقت سے بالاتر ایک اور طاقت ہے - اور وہ طاقت جو لوگوں کی حکومت میں مرکوز ہے وہ محض پاکیزگی کی خوشبو سے ہی معطر نہیں ہونی چاہئے - بلکہ اس میں روحانیت کے اجزا کا ہونا لازمی ہے تاکہ بنی نوع انسان اپنے کمال ارتقاء کو حاصل کر سکے - دنیوی طاقت کی ایک حدبندی ہونی چاہئے - اور یہ نیکی اور صبر وقناعت کا صراط مستقیم ہے - جس پر چل کر انسان اس دنیا میں اور عاقبت میں ان اعلےٰ مقامات کو حاصل کر سکتا ہے - جو انسانی زندگی کے اصل مقصد ہیں -

---

اسلام کی عالمگیر اخوۃ

(ایم - ایم شریف مجاہد کے قلم سے)

اسلامی اخوۃ اصل اصول مذہب ہے - اور یہ وہ سنگ بنیاد ہے - جس پر قصر اسلام کی تعمیر ہوئی اور جو اب تک قائم ہے - "المومنون اخوۃ" - تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں - خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں آباد ہو - ایک مسلمان خواہ اس کے حالات میں کتنا ہی بعد کیوں نہ ہو دوسرے مسلمان کا بھائی ہے - تمام مسلمان ایک ہی برادری - اسلامی اخوۃ کے ارکان ہیں - جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا - "مسلمان ایک دیوار کی طرح ہیں - ایک حصہ دوسرے حصہ کی تقویت کا موجب ہے - تمام مسلمان ایک جسم کا حکم رکھتے ہیں - اگر آنکھ دکھتی ہے - تو تمام جسم تکلیف اٹھاتا ہے - اور اگر پاؤں میں تکلیف ہے تو تمام جسم بے چین ہوتا ہے"

اخوۃ کیا چیز ہے ؟

اس موقعہ پر اس امر پر روشنی ڈالنی کہ اخوۃ کیا چیز ہے اور اس کا کیا مطلب و مفہوم ہے ضروری معلوم

ہوتا ہے - اخوۃ کا مطلب یہ ہے کہ علاوہ برادرانہ تعلقات کے ایک سوسائٹی یا قوم کے افراد کے مابین کسی نہ کسی رنگ میں اتحاد اور اتفاق پایا جائے -

اخوۃ کی بنا ایک مشترک عمل پر مبنی ہے جس میں اس برادری کے تمام افراد کو یکساں طور پر تمام آسانیاں اور موقعے میسر آنے چاہئیں تاکہ وہ اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق ایک وقت معینہ کے اندر اپنا مشترک مقصد حیات حاصل کر سکیں - اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ سوسائٹی یا قوم کے افراد کا زندگی کے متعلق ایک ہی زاویہ نگاہ ہو - کچھ مشترک مقاصد ان کے سامنے ہوں - اور وہ ایک دوسرے کے غم اور شادی میں یکساں شرکت کریں - ایک کا غم دوسرے کا غم ہو اور ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی ہو اور جس طرح ایک کنبہ کے افراد کے اندر اتحاد عمل پایا جاتا ہے - اسی طرح ان کے اندر بھی اتحاد فی العمل اور دلسوزی اور ہمدردی کے جذبات ہوں -

ایک درخشاں مثال

یہ فخر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے - کہ آپ ہی سب سے پہلے وہ نبی ہیں جنہوں نے عالمگیر اخوۃ کو ایک اصول بنایا اور بطور قانون اس کو مستحکم فرمایا - حضور صلعم نے پہلے مذہبی پیشواؤں کی طرح اس اصول کا محض اعلان ہی نہیں کر دیا بلکہ آپ نے بنفس نفیس اس کی ایک بے نظیر اور بے عدیل مثال قائم کی تاکہ آپ کے متبعین بھی آپ کے نقش قدم پر چلیں - اگرچہ آپ حقیقی طور پر تمام عرب کے شہنشاہ تھے لیکن دنیا کے بادشاہوں کی طرح کبھی آپ نے اپنا تحکم اور تفوق قائم کرنے کے لئے احکام اور قوانین صادر یا نافذ نہ فرمائے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہر کام میں اپنے متبعین کے دوش بدوش کھڑے ہیں - اور قرآن مجید کے احکام و قوانین کی اتباع میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں - بے شک یہ وہ عظیم الشان اساس تھی جس پر پیغمبر خدا صلعم نے اسلام کی عمارت کو کھڑا کیا - اسلام کے تمام اصول اور قرآن مجید کے تمام احکام اسی کے مؤید ہیں - کیونکہ یہی ایک طریق ہے جس پر خالص انسانی ترقی اور عروج اور حقیقی خوشی کا دارومدار ہے - عرب کے جنگجو قبائل اور خاندان جو اسلام کی آمد سے چند سال پیشتر تشتت اور افتراق کی حالت میں تھے

جو ایک دوسرے کے خلاف شمشیر بکف رہتے تھے۔ اور اس طرح سے سارے ملک میں ایک پراگندگی پریشان حالی اور خانہ جنگی کا دور دورہ تھا۔ جب وہ لوگ حضرت رسول کریم صلعم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے تو وہ ایک مضبوط متحدہ قوم بن گئے۔ اور ان کے تمام تنازعے ان کی فرقہ وارانہ خصومتیں اور عداوتیں ہباءً منثوراً ہو گئیں۔ اور نتیجہ یہ تھا کہ سارے ملک کے اندر امن اور خوش حالی کی روح افزا ہوا چلنے لگ گئی۔ یہی ایک واقعہ حضرت صلعم کی تعلیمات کے اثر کا شاہد ناطق ہے یہ انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ عرب کے متفرق قبائل میں برادرانہ تعلقات استوار ہو گئے اور تمام ملک میں اخوۃ کی فضا پیدا ہو گئی۔ اسلام کے اصولوں کا مقتضٰی یہی تھا۔ کہ قوم یا سوسائٹی کے اندر حقیقی تعلقاتِ اخوۃ مستحکم کئے جائیں۔ اور وہ ہو کر رہا۔

اسی عظیم الشان انقلاب کا ذکر قرآن مجید ان الفاظ میں فرماتا ہے۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً۔ یعنی اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ جب تم دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں یک جہتی پیدا کر دی اور محبت ڈال دی اور تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔ پس قبول اسلام کے ساتھ سب سے پہلی نعمت جو عرب والوں کو نصیب ہوئی اور جو ان کے عظیم الشان کارناموں اور بعد میں بڑی بڑی فتوحات کا پیش خیمہ تھی وہ یہی ایک متحدہ قوم بن کر سلکِ اخوۃ میں منہمک ہو جانا تھا۔

اسلامی مساوات

قرآن مجید نے بڑی شدت سے متنبہ فرمایا ہے کہ ایک مسلمان کا جان و مال دوسرے مسلمان کے لئے حرام ہے یعنی مسلمان کے لئے حرام ہے کہ وہ اپنے بھائی کے مال کو اپنے تصرف میں لائے یا اس کی جان لے۔ اس حکم کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ جو کوئی اس کے خلاف کرے گا۔ خدا اس کو قیامت کے دن سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ یہ وہ نور تھا جس نے اہل عرب کے دلوں کو منور کر دیا تھا۔ اور اخوۃ کے فوائد اور برکات سے اُن کو متمتع فرمایا تھا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب مہاجرین کو اپنا وطن مالوف چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ تو انصار نے کمال فیاضی اور دریا دلی کا ثبوت دیا۔ قرآن مجید کی تعلیم کی رُو سے تمام انسان مساوی ہیں۔

نیز مرد اور عورت میں بھی کمال درجہ کی مساوات قائم کی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں خاوند کے بھی کچھ حقوق اپنی بیوی پر ہیں لیکن بیوی کے بھی خاوند پر حقوق ہیں قرآن مجید نے بڑے صاف الفاظ میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔ کہ وہ عورتوں سے مساوی طور پر سلوک کریں۔ غلاموں کے بارہ میں بھی ایسا ہی حکم ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن مجید بڑے صاف الفاظ میں فرماتا ہے کہ دنیوی لحاظ سے انسان خواہ کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔ وہ خدائی نظروں میں یکساں ہیں۔ اور ان کا معیار ان کا تقویٰ ہے۔ اسی معیار سے وہ جانچے جائیں گے۔ دنیوی مال و دولت اور دنیوی جاہ و جلال کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔
ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ یعنی تم میں سے سب سے زیادہ وہ معزز ہے۔ جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

اسلام کی ایک بڑی خصوصیت جو دوسرے تمام مذاہب پر اس کو ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام ایک عملی مذہب ہے۔ حالانکہ دوسرے مذاہب محض پند و نصائح کا مجموعہ ہیں۔ انسان کی روزمرہ کی زندگی میں عمل کی طاقت پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ اپنے بعض دوسرے احکام کے ذریعہ اسلام بڑے بڑے مواقع نوع انسان کے لئے بہم پہنچاتا ہے۔ ان احکام کی تفصیل اس اخوۃ میں وسعت اور فراخی پیدا کرتی ہے اور جو انسانوں کے اندر اختلافات اور کمی بیشی پائی جاتی ہے اس کو دور کر دیتی ہے۔ ان مواقع کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (۱) مثبت مواقع (۲) منفی مواقع۔ نمبر ا کے تحت میں قرآن مجید کے مثبت قوانین و احکام آتے ہیں۔ جیسا کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور لازمی تعلیم۔ اور نمبر ۲ کے تحت میں وہ تمام احکام آ جاتے ہیں جو امتناعی ہیں جیسا کہ سود خوری۔ جوا اور شراب۔ علیٰ ہذا۔ پہلی قسم کے قوانین کے ضمن میں روزانہ پنجگانہ نماز اور جمعہ کی نماز نہایت ضروری ہیں۔ جن میں تمام مسلمان بغیر کسی امتیاز اور فرق کے ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح سے مسلمانوں کے لئے یہ منظر ایک وہ مساوات ہے۔ نماز میں غریب اور امیر۔ بادشاہ اور غلام۔ شہزادہ اور دہقان دوش بدوش کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں ان کو مساوات کا درجہ حاصل ہے اور نسل انسانی میں وہ کسی سے کم نہیں بلکہ ہر فرد برابر کا شریک ہے۔ اور امام بلحاظ نسب۔ یا منصب یا مال و دولت کے منتخب نہیں کیا جاتا بلکہ بلحاظ تقویٰ و طہارت کے منتخب کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حج آتا ہے جو سال میں ایک دفعہ ادا کیا جاتا ہے

جہاں تمام مسلمان بغیر کسی امتیاز کے ایک ہی قسم کے سفید لباس میں ملبوس ہو کر ایک ہی فریضہ کو ایک ہی طریق پر ادا کرتے ہیں۔ اور ان میں کوئی غیریت نہیں رہتی بلکہ وہ" ایک دوسرے سے ایسے برابر ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ تمام بنی نوع انسان موت کے وقت برابر ہوتے ہیں"۔ پھر رمضان کا مہینہ ہے۔ جو جہاد بالنفس کی ٹریننگ دیتا ہے۔ جس میں ہر مسلمان کو سوائے مریض اور مسافر کے سحری سے لیکر غروب آفتاب تک روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اس کے اندر بھی یہی فلسفہ ہے کہ تمام مدارج اور مراتب کے مسلمان ایک ہی سطح پر آکر ایک ہوں۔ حتیٰ کہ دونوں بادشاہ اور غلام متحد اللسان ہو کر پانی کے ایک جیسی معمولی چیز کے لئے خدائے بزرگ کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ رمضان کے مہینہ میں امیر و غریب دونوں بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اور اس طرح سے ان کے اندر اخوۃ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ اور لازمی تعلیم کے حکم کا بھی یہی مقصد ہے۔ یعنی تمام مسلمانوں کو ایک مضبوط قوم اور ایک خالص برادری قائم کرنے کا موقع بہم پہنچایا جائے۔ زکوٰۃ غربا کے لئے ٹیکس ہے جو خدا کے نام پر دیا جاتا ہے۔ خدا حکم دیتا ہے کہ جو کچھ بچتا ہے۔ اسے خدا کے رستہ میں خرچ کردو۔ تاکہ وہ روپیہ جو فالتو ہے وہ دوسرے ایسے مسلمان بھائیوں کی بہبودی میں صرف ہو جو غریب ہیں اور جن کے ذرائع آمد بہت کم ہیں۔ اگر زکوٰۃ باقاعدہ ادا کی جائے اور اس کو صحیح طور پر تقسیم کیا جائے تو مسلمانوں میں کوئی محتاج نظر نہ آئے اور اس سے ایسی حالت پیدا ہوگی جس سے امن اور ترقی کی راہیں کھل جائیں گی۔ علیٰ ہذا مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے لئے لازمی تعلیم کا حکم ہے تاکہ تمام مسلمانوں کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق ترقی کرنے کیلئے موقعہ دیا جائے۔

امتناعی احکام یا نواہی

اسلام کے امتناعی احکام یا نواہی کی بھی یہی حالت ہے۔ وہ تمام کام جو نسل انسانی یا سوسائٹی کے لئے مضر ہیں۔ جن میں ظلم و تعدی ہو یا جو برادرانہ فضا کو مکدر کرنے والے ہوں اسلام میں منع ہیں۔ سود اور قمار بازی یا اس قسم کے جو دوسرے کام ہیں وہ تمام اسی قبیل کے ہیں کہ کسی نہ کسی رنگ میں بنی نوع انسان یا سوسائٹی کے لئے سخت ضرر رساں ہیں۔ دوسرے کے مال پر بے جا تصرف کر لینا جو اسلام کے خلاف ہے

اخوۃ کے تعلقات پر کاری ضرب لگاتا ہے - اگر ان افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کیا جائیگا - تو ایک دوسرے میں عداوتیں اور خصومتیں پیدا ہو جائینگی - حتیٰ کہ ایک دوسرے کے ساتھ بجائے محبت کے نفرت کے جذبات دلوں میں جاگزیں ہو جائینگے - اور بجائے بھائی بھائی رہنے کے جو اسلام کی تعلیم ہے - ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے - لہذا ظاہر ہے کہ نواہی کے اندر یہی حکمت ہے کہ اسلامی اخوۃ کو ٹھیس نہ لگے - بلکہ اس میں ترقی ہو - اور تمام حالات اور اوقات میں یہ قابل قدر نعمت ہماری دمساز بنی رہے اور پوری شان و شوکت سے قائم رہے -

مسلمان کی حیثیت ایک قوم پرست سے بالاتر ہے

مسلمان ہونے کی وجہ سے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں - اسلام نسل و رنگ خاندان کی تمام حدود کو توڑ دیتا ہے - کیونکہ اسلام کے نزدیک تمام مسلمان ایک ہی واحد کنبہ کے افراد ہیں - اس لئے اس مذہب میں نہ تو جغرافیائی حدود کو کچھ قدر و منزلت حاصل ہے نہ نسلی یا خاندانی امتیازات کی قدر و قیمت ہے - پس مسلمان نیشنلیسٹ یا قوم پرست نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام کے مفاد کے سامنے وہ ملک کے مفاد کو اہمیت نہیں دے سکتا - یا یہ کہ ملک کے لئے وہ تقاضائے عدل و انصاف کو چھوڑ دے -

یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک مسلمان ہے یعنی قوم پرستوں سے اس کا مقام بلند ہے - کیونکہ اس کا زاویہ نگاہ بین الاقوامی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مذہب ایک عالمگیر مذہب ہونے کا حکم رکھتا ہے - اور وہ خاص ایک ہی ملک یا روئے زمین کے ایک حصہ تک ہی محدود نہیں - برخلاف اس تنگ و تاریک نکتہ نگاہ کے جو یوروپین ممالک میں قومیت کے متعلق پایا جاتا ہے - ایک مسلمان کا نکتہ نگاہ کسی طرح بھی کسی اور قوم کے فرد سے لگا نہیں کھا سکتا جو روئے زمین پر آباد ہیں - کیونکہ اس کی تمام زندگی ایک ایسے نظام پر واقع ہوئی ہے - جو اصولی طور پر دوسروں سے بالکل مختلف اور سوائے اسلام کے اس کی کوئی قومیت نہیں -

---

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نماز و خطبہ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) [illegible]
حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں
(۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ
میں جو غیر مسلم و نو مسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نو مسلمین کی ایک
جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمٰی کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) **مشن کے آرگن** ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام
لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے۔ جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی۔ اسی قدر
مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

(۶) **مشن کے تاثرات** ۔ (۱) مشن کی اکیس سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و
خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات۔
تاجر۔ مغربی مستشرقین و فوجی شہرت کے نو مسلمین ہیں۔ یہ نو مسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض تو تہجد
تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر
تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف
مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا
ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں
اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ
میں اب دشمنان اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک
روادارانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ بکثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد
ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف
قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کرکے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان
میں بمعہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلان اسلام بمعہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۷) **انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے** قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعتِ اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت
کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب
بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی
ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام
نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قایم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج
اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض
نہیں کہ ہم اشاعتِ اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں
جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار
کریں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی
قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں
ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جدوجہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت
نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبران سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آزار کریں یا اپنے حقوق
کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے
ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضہ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔
یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں۔ لیکن انگریزی قوم میں
اشاعت اسلام ہمارا اولین نصب العین ہونا چاہیئے۔

(۸) **ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے** دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کل مسلمانان عالم کو دلی محبت و
ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت
ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی
اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس
تحریک کے جاذب عالم اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانان عالم کا واحد مشن ہے
اسکو کسی فرقہ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔
اور اس غیر فرقہ وارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کرکے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں
اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ
بلاد اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

(۹) ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہو سکتی ہے

(۱) یکشت عطیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کر دیں۔ جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کار خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ۱۰ ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقۂ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳ ہے اور ممالک غیر کیلئے ۴ ہے۔ (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جا سکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاویگی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک واحتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جسمیں کوئی نہ کوئی نومسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کر کے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیت کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رُو سے اشاعت اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانۂ عید میں اس کار خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سُود اشاعت اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سُود صرف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ سُود کی اِن رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت وحمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنان اسلام کے ہاتھ چلی جاویگی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ بھینٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ (ریزرو فنڈ)

ایک کارکن نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ کام اکیس سال سے بہ احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے مینجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایۂ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے رو براہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہو کر آیندہ کیلئے کسی جیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کار خیر کیلئے فراہم نہ کر سکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم ونسق

یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام

(۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں تین کارکنان مشن کی موجودگی میں موصول ہو کر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان۔ امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں۔ (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ داران ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کر دی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات

(۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔ Address in England :- The Imam , The Mosque, WoKing, Surrey, England.

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام"۔ لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان)

تمام خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب۔ ہندوستان) فرمائیں

April 1947. R. L. No. 908.

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانیٔ ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیران اعزازی

آفتاب الدین احمد بی۔ اے
مدیر اسلامک ریویو (انگریزی)

عبدالمجید ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی
امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مرتبہ

خواجہ عبدالغنی سیکرٹری دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — اللہ اکبر — نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ اور چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ○

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان — مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) **تشکیل مشن۔** ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) **اغراض و مقاصد۔** (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ وارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) **تبلیغی مسلک۔** (۱) مشن کی تبلیغ فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقہ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) **مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع** (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ۔ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور مدفون مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں یک ہزار سے اوپر نفوس شامل ہوتے ہیں مسلمین و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمد بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ مذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مسلم کے لئے اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۳　　بابت ماہ اپریل ۱۹۴۷ء　　نمبر ۴

شذرات

مسٹر گاندھی اور قرآن مجید

ہندو قوم کی تنگ ذہنیت اور عدم رواداری کی ایک تازہ مثال حال ہی میں اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا تعلق مسٹر گاندھی کی پرارتھنا سے ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ متواتر تین دن تک مسٹر گاندھی بالمیکی مندر واقعہ دہلی میں اپنی پرارتھنا میں قرآن مجید کی آیات کی تلاوت سے محض اس وجہ سے رُکے رہے کہ بعض ہندوؤں نے اس پر اعتراض کیا تھا۔ گاندھی جی کی پرارتھنا کی مجلس کا عام طور پر یہ طریق ہے کہ ہر شام کو تمام مذاہب کی کتب میں سے کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو ہندو ذہنیت کا علم ہے۔ ان کے نزدیک ان معترضین کا یہ طرز عمل کچھ تعجب انگیز نہیں ہے۔ مسٹر گاندھی کے قرآن پڑھنے کی خواہ کچھ ہی غرض ہو۔ اور قطع نظر اس بات کے کہ اگر قرآن مجید بت پرست اقوام کے مجمع میں نہیں پڑھا جاتا تو اس سے اسلام کا کچھ حرج نہیں۔ اسرارکی ہرگز توقع نہیں رکھنی چاہئے مسلمان اپنی مقدس کتاب کو اس طریق پر سلوک کئے جانے پر خوش ہونگے جس میں قلب کا تعلق بہت کم ہو۔ قرآن مجید مسلمانوں کے نزدیک بلاشبہ خدائے واحد کا کلام ہے۔ اور اس کو ایسے قلب کے ساتھ پڑھنا چاہئے جو جذبات اطاعت اور عبادت سے لبریز ہو۔ اس کو اپنے پروگرام کا ایک حصہ بنانا اور اس کا دوسری کتب کے ساتھ پڑھنا جن کا ماخذ ہی مشتبہ ہے اور جن کی نسبت قطعی یقین نہیں ہے کہ وہ منزل من اللہ ہیں یا کیا در حقیقت قرآن مجید کی توہین ہے دہلی کے بت کدہ میں قرآن مجید کی تلاوت جبکہ اس کی اعلیٰ اور بے نظیر تعلیم کی عزت دل میں نہ ہو خود مسلمانوں کے حسیات کو ٹھیس لگاتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس کو اس طرح سے ایک تھیٹر کی چیز بنانا اور اپنے ہم مذہبوں کے اعتراضات کا نشانہ بنانا۔ وہ ہم مذہب جو اس کے خلاف صدائے احتجاج ہی بلند نہیں کرتے

بلکہ اس کی تلاوت پر باقاعدہ جنگ کرتے ہیں۔ یہ طریق نی الحقیقت حیات کو ہی ٹھیس لگانے والا نہیں بلکہ متہتک بھی ہے۔ اور زیادہ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ عبدالغفار خاں جیسا شخص جو خوب جانتا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں قرآن مجید کی کس قدر عزت اور عظمت ہے۔ وہ بھی قرآن مجید کے متعلق ایسے سلوک پر ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنا ہوا ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی اس ہتک میں حصہ دار ہے۔ مسٹر گاندھی کو چاہئے کہ براہ عنایت قرآن مجید کو ایک طرف ہی رہنے دیں اور اپنے پروپگنڈا کے لئے کوئی اور راہ اختیار کریں۔

سچائی اور محبت کی اشاعت

مسٹر اے۔ آر صدیقی کا قابل قدر پیغام ذیل میں درج کرکے ہم اپنے ناظرین سے استدعا کرتے ہیں۔ کہ وہ اس پر غور وفکر سے کام لیں:۔

آپ فرماتے ہیں:۔ یہ ہر ایک مسلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ یاد رکھے کہ سیاسی رہنما اور لیڈر کئی آئے اور کئی گئے۔ لیکن ایک ابدی قانون ہمیشہ قائم رہیگا۔ کہ ہم مسلمان اپنے مذہب پر پورے طور پر مستحکم ہیں اور مسلمان ہی رہیں گے۔ کوئی چیز ہمیں مذہب سے روگردان نہیں کرسکتی۔ ہم اُن لوگوں کی سی حالت میں جانا کبھی بھی قبول نہیں کرینگے جو اب تک پتھروں۔ گائیوں اور سانپوں اور درختوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اگر ہمارے آباؤ اجداد اسلام کا پیغام پوری تندہی سے پہنچاتے اور اس دین کی اشاعت کو اپنی پوری طاقت سے کرتے تو آج پاکستان اور ہندوستان کا سوال کبھی نہ اٹھتا۔

ہم مسٹر صدیقی کے اس پیغام کے ہر ایک لفظ کی تائید کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اب تک یہی ہمارے اندر اس ذمہ داری کے لئے پورا پورا احساس پیدا نہیں ہوا جس کا ذکر انہوں نے اپنے پیغام میں کیا ہے اپنی ہمسایہ قوموں میں اسلام کی روشنی پھیلانے کے متبرک کام میں اب تک ہم سہل نگاری سے کام لے رہے ہیں۔ ہم اپنے ہندو بھائیوں کی تنگ نظری اور عدم رواداری کا آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم سخت مصائب میں مبتلا ہیں۔ لیکن کیا اب بھی ہم اپنے مذہب کی روح سے ان کو

شناسا کرانے کی کوشش کر رہے ہیں، ہرگز نہیں اکثر ہندوؤں کے نزدیک خدا اور مذہب محض نام ہی نام ہیں۔ ان میں سے بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں سے سب سے زیادہ رواداری رکھنے والا مذہب ہے۔ شاید ابھی تک مسٹر گاندھی۔ پنڈت جواہر لعل نہرو۔ تارا سنگھ اور بابو شاما پرشاد مکرجی کو بھی معلوم نہیں کہ اسلام تمام مذاہب کی اور ان کے بانیوں کی عزت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور بیکہ رواداری اور ہمدردی بنی نوع انسان کا بہت بڑا علمبردار ہے۔ ہم نے پاکستان حاصل کر لیا ہے۔ یہ ہمارا پیدائشی حق ہے لیکن ہمیں اپنے مذہب کی عظمت کو نظرانداز نہیں کر دینا چاہئے اور ہمیں اس کی اشاعت کا فرض جو ہم پر عائد ہوتا ہے اس کو فراموش نہیں کر دینا چاہئے۔ ہمیں اُن قرن اولی کے فرزندان اسلام کے کارناموں پر سے پردہ اٹھانا چاہئے جنہوں نے پوری گرمجوشی کے ساتھ مذہب کے ذریعے دنیا کو فتح کیا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم غیر مسلم لوگوں کو اپنے مذہب کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ ان کے دلوں میں اعتماد پیدا کریں۔ ان کے دلوں میں جو اسلام کے متعلق غلط فہمیاں ہیں۔ ان کو اسلام کی وسیع رواداری کے ساتھ دور کریں۔ ایک مناسب اور مستحسن طریق پر ان کو اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو لازماً ان کی ذہنیتوں میں ایک انقلاب پیدا ہو جائے گا۔ اسلام ایک انقلابی طاقت ہے اور اس میں اس قدر قوت ہے کہ شیطان سے شیطان انسان کے اندر بھی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ہمیں ہندوؤں کی طرف سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ وہ ایک ذہین اور ترقی پسند قوم واقع ہوئی ہے۔ آپ ان کو اسلام کا پیغام پہنچائیں اور ان کے اندر اس سچائی اور محبت کا پرچار کریں جو اسلام میں پائی جاتی ہے۔

مسلمان بھائی بھائی ہیں

مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی نے جو ہندوستان کے غیر سرکاری اہل نظر متعلقہ عرب سفارت متعینہ فلسطین کانفرنس لنڈن ہیں۔ ذول یوروپ سے اپیل کی ہے کہ وہ اسلام کے باطنی اصول یگانگت اور مساوات کو سیکھیں۔

مسٹر صدیقی نے جو عرب لیگ لنڈن کے شام کے ایک دعوت کے موقع پر معزز مہمان تھے بتلایا کہ مغرب کی خونخوار قومیں جنہوں نے ایک دوسرے کے گردنوں پر خنجر چلائے ہیں۔ اسلام سے ایک سبق سیکھ سکتی ہیں۔

مسٹر صدیقی نے نہایت وثوق کے ساتھ بیان کیا کہ جب تک وہ طاقتیں جو دنیا میں آج امن قائم کرنے کی علمبرداری کا دعوے کرتی ہیں اُن اصول کو اختیار نہ کرینگی جنہوں نے اسلامی دنیا میں ایک روح پھونک دی تھی امن اُن سے دور ہوتا جائیگا۔

اسلامی دنیا کے استحکام پر زور دیتے ہوئے جس کا اظہار ہندوستان اور فلسطین کی جدوجہد میں ہو رہا ہے۔ مسٹر صدیقی نے اُس بہتان کی تردید کی کہ ہندوستانی مسلمان من حیث القوم مخالف وطن ہو گئے ہیں یا انگریزوں کے ہوا خواہ ہیں۔

آپ نے بتایا کہ اس سے بڑھکر ہندوستانی مسلمانوں پر دھبہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ہم نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے کہ ہم دوسرے لوگوں سے ملکر ایک حل تلاش کرینگے لیکن اگر آزادی حاصل کرنے کے لئے طاقت کی ضرورت ہوئی تو وہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہوگی۔ ہم کو ہندوستان کے کروڑوں آدمیوں کو مصیبت اور ذلت سے جس میں وہ آج ڈوبے ہوئے ہیں باہر لانا ہے۔ بغیر اُس کے سیاسی رہائی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

جمال بے حسینی سالار فلسطین عرب سفارت نے مسٹر صدیقی کی اُس مدد کا جو ہندوستانی مسلمانوں نے اس کانفرنس میں کی ذکر کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور درخواست کی کہ وہ ہندوستان کو عرب نمائندوں کا دلی شکریہ پہونچا دیں

امیر سیف الاسلام شہزادہ یمن نے اپنی تقریر میں اُس حقیقی دلچسپی کا جو ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے بیرونجات کے بھائیوں کے معاملات میں لی ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ ہم مسٹر صدیقی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مدد کا جو اس نازک موقعہ پر ہندوستانیوں نے اسلامی روایات کی کی تمام ہندوستانیوں کا شکریہ ادا کریں۔ ہم اپنا دلی شکریہ بالخصوص اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کے

خدمت میں پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنے معاملات سے زیادہ ہمارے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں۔ دنیائے عرب ہندوستانی معاملات سے بہت دلچسپی رکھتی ہے اور امید کرتی ہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنی مراد کو پہونچیں گے۔

مسٹر ایس۔ ڈی جان پریذیڈنٹ مسلم لیگ لنڈن برانچ نے مسٹر صدیقی اور اُن کے عرب مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی سیاسی نظر کو اپنے ملک کے چار دیواری (حدود اربعہ) کے اندر محدود کر کے نہیں رکھا۔ ہم نے اپنی سیاسی جدوجہد میں سب قوموں سے رواداری کی اور اگر آپ لفظ پان اسلامسٹ (Pan-Islamist) قبول کریں تو میں فخریہ کہوں گا کہ ہم سچے مسلمان ہیں۔ دوسرے ممالک اسلامیہ کے نازک زمانہ میں اگر ہماری مدد کی ضرورت ہو تو ہم اسی طرح تیار ہیں۔ جیسے کہ ہم اپنی جدوجہد میں ان کی مدد کے طالب ہیں۔

"اسلامی مشن۔ یورپ کیلئے خطرہ کا الارم" (سوئٹزرلینڈ پریس)

"مغرب میں اخلاقی تنزل اور انحطاط" (زعمائے کلیسا کے بیانات)

اسلام ہی ان تمام مصائب کا علاج ہو سکتا ہے

ہمارے وہ احباب جو ہمارے مسلم مشن ووکنگ اور تبلیغی سرگرمیوں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے لئے مندرجہ ذیل مضمون میں جو سوئٹزرلینڈ کے ایک اخبار۔ Schaffhausener Bote میں شائع ہوا ہے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ اس مضمون میں اس موضوع پر اظہار خیالات کیا گیا ہے کہ ان ممالک میں اسلامی مشنوں کا افتتاح یورپ کے لئے ایک خطرہ کا الارم ہے یہ مستقبل قریب میں ایک بہت بڑا عقدۂ لاینحل بننے والا ہے۔ (اس مضمون کا ترجمہ جرمن زبان سے اخبار سن رائز لاہور نے شائع کیا ہے۔) اس کے ساتھ ہی ہم یورپ کی اس اخلاقی تنزل اور انحطاط ہی کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا۔ کہ مادیت پرستی اس براعظم کو بداخلاقی کی اتھاہ گہرائیوں

ہیں لے جا رہی ہے۔ لیکن ان صورت حالات میں امید کی ایک کرن باقی ہے۔ جو ان کو اس نکبت اور زبوں حالی سے رہائی دے سکتی ہے اور وہ اسلام کی دولت ہے۔ اے۔پی۔اے کی رپورٹ مظہر ہے کہ زنا جو ام الخبائث ہے اس کو ایک پیشہ کے طور پر اور تجارتی رنگ میں منظم کیا گیا ہے۔ طلاق اور جرائم کا دور دورہ ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ ان تمام خرابیوں اور برائیوں کا علاج کہ اسلام کی تعلیم پر جو ازدواجی تعلقات پر اپنی نظیر نہیں رکھتی عمل کیا جائے اور زندگی کے اُن اخلاقی اصولوں کو اپنا لائحہ عمل بنایا جائے جو قرآن میں اور محض قرآن مجید ہی میں پائے جاتے ہیں۔ اور جس میں ایک زبردست طاقت اور زندگی پائی جاتی ہے۔

اسلامی مشن یوروپ میں

مسلمانوں میں تبلیغ کرنے کے لئے سوئٹزرلینڈ کی بہت سی پروٹسٹنٹ مشنری سوسائیٹیاں موجود ہیں۔ جو انٹرنیشنل مشنری کوارٹرز سے ملحق ہیں۔ انہی میں سے ایک مشن زیورچ میں کام کر رہا ہے مگر میرا سوال یہ ہے کہ اس مشن کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ پروٹسٹنٹ مذہب کی مسلمانوں کے اندر تبلیغ کی جائے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ضروری ہے کچھ عرصہ ہوا ہے کہ تیرہ ہندوستانی مسلمان یوروپ میں اسلام کی تبلیغ کے لئے آئے تھے ان میں سے تین زیورچ میں آئے —— انہوں نے اپنی زندگیوں کو اصول اسلام کی تبلیغ کے لئے وقف کیا ہوا ہے۔ اور اُن کو توقع ہے کہ وہ اسلام کو ایک عالمگیر تحریک بنائیں گے۔ لیکن دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مصر والوں نے سوئٹزرلینڈ کے مشنریوں کو اپنے ملک میں آنے سے روک دیا ہے۔ اور اس طرح ضمیر اور مذہب کی آزادی کو سلب کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ معاہدہ مانٹریو کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے۔ لیکن کیا سوئٹزرلینڈ کے لوگ اس غیر مساوی سلوک کو روا رکھیں گے۔ اور اگر آپ ان مشنریوں کی کامیابی کے متعلق سوال کریں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی وہ لوگ۔ یعنی مسلمان مشنری بعض انگریزوں کو دائرہ اسلام میں لانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں میں بڑی اعلے تعلیم اور بڑی حیثیت کے لوگ بھی شامل ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا میں ایسے

لوگ موجود ہیں۔ جو ہر نئی چیز پر فریفتہ ہوجاتے ہیں۔ کل جدید لذیذ۔ یہ مشنری تو ابھی پیش خیمہ ہی ہیں۔ سینکڑوں نوجوان مسلمانوں کو مشنری بننے کا ٹریننگ دیا جا رہا ہے۔ اب اسلام کے ساتھ مباحث ومناظر کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور ایک وسیع پیمانہ پر ایک روحانی جنگ چھڑنے والی ہے۔ بنا بریں یہ کس قدر ضروری ہے۔ کہ تمام عیسائی ممالک کو ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے کھڑا ہو جانا چاہئے اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ پچاس سال کے عرصہ سے جو کامیابی عیسائیت کو اسلام پر ہو رہی ہے۔ اس کو تقویت پہنچیگی۔ سوئٹزرلینڈ کے evangelical missionaries بھی مصروف عمل ہے۔ اور وہ ۱۹۳۶ء سے قاہرہ اور شمالی مصر میں مسلمانوں کے اندر تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ ایک پائیدار اور اصلی کام انگریزی مشنوں کے ڈائرکٹر نے جن کا نام ڈاکٹر گراٹن گائینر تھا ۱۹۱۰ء میں قائم کیا تھا۔ اس مشن کے موجودہ صدر کا نام ڈاکٹر فرنسز بلینگ ہے۔ اور سوئٹزرلینڈ کے تمام پروٹسٹنٹ حلقے اس کمیٹی کے نمائندے ہیں۔

یہ اسلامی مشن زمانہ مستقبل میں ایک بہت بڑا معمہ اور ایک عقدۂ لاینحل بن جائیگا۔ تیرہ سو برس گذرے کہ اسلام نے عیسائیت کی زندگی کو تلخ بنا دیا اور اس کی رگِ حیات کو ایک سخت چرکہ لگایا۔ اور ترک ویانا اور روم میں ۴۰۰ برس تک دندناتے رہے۔

کیا عیسائی ممالک اسلام کی اس بڑھتی ہوئی رو کو جو روحانی ہتھیاروں سے مسلح ہے روکنے کے لئے کسی ہمت اور طاقت کا ثبوت بہم پہنچائیں گے۔

رسالہ اشاعت اسلام کی توسیع اشاعت بہترین اسلامی خدمت ہے۔ جس قدر بھی اس کا حلقۂ اشاعت وسیع ہوگا۔ اسلام کی اشاعت کے اس عظیم الشان کام کی مالی تقویت کا موجب ہوگا۔ جو گذشتہ پنتیس ۳۵ سال سے مسلم مشن ووکنگ انگلستان کے ذریعہ تمام دنیا بھر میں ہو رہا ہے۔

سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن

آستانۂ صداقت اسلام

تقدیر آلہیہ یا قانون ارتقا

ازقلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام
(سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ مارچ ۱۹۴۷ء ملاحظہ ہو)

تمام کائنات ایک مقدر اور معین شے معلوم ہوتی ہے۔ نقاط ایثری مختلف اندازوں میں مختلف صفات اور خواص ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان کی آیندۂ نشوونما بھی مزید انتظام اور ترتیب سالمات ہی پر منحصر ہے، جو مقررہ تناسب کے ماتحت عمل میں آتی ہے۔ اور تمام منازل ارتقائی میں یہی اصول مدنظر رہتا ہے۔ اور تناسب کے اختلاف ہی سے ان کو مفید یا مُضر کہا جاسکتا ہے۔ ایک مقررہ اندازہ خیر ہوتا ہے دوسرا مقررہ اندازہ شر۔ مفصلہ ذیل حقایق جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئے اسی حقیقت کبریٰ کا اعلان کرتے ہیں۔

(۱) والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالےٰ یعنی نیک وبد کا اندازہ اللہ تعالےٰ ہی کا مقرر کردہ ہے

(۲) سبح اسم ربك الاعلی الذی خلق فسوی والذی قدر فھدیٰ

ترجمہ۔ اپنے رب بہت بلند کے نام کی تسبیح کر جو پیدا کرتا پھر کامل بناتا ہے۔ اور جو اندازہ کرتا پھر ہدایت دیتا ہے۔

(۳) ربنا الذی اعطی کل شئ خلقہٗ ثم ھدیٰ

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو صورت اور اندازہ بخشا۔ بعد ازاں اسے (منزل

مقصود تک پہنچنے کے لئے) ہدایت عطا کی۔

یہ الفاظ اپنے معانی کی تعیین میں نہ مبہم ہیں نہ مستور اور نہ یہ حقایق عالیہ کنایتاً بیان کئے گئے ہیں، جن کی تفسیر کے لئے کسی جدید خیال کے شخص کو تاویلات رکیکہ کی ضرورت لاحق ہو، تاکہ کسی نیم متیقن اور مشتبہ سائینٹفیک اصول سے مطابقت ثابت کی جا سکے۔ مذکورہ بالا الفاظ نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ اُس حقیقت کا اعلان کرتے ہیں، جسے غلطی سے جدید سائینس کی برکات والوار، تصور کر لیا گیا ہے۔ ان میں سے آخری آیت یعنی "ہمارا خدا وہ رب ہے جس نے ہر شئے کو صورت اور اندازہ عنایت کیا، بعد ازاں ہدایت عطا کی" نہایت روشن اور غیر مبہم طریق پر اُس حقیقت کا اثبات کرتی ہے، جسے ارباب سائینس " غیر ذی عقل استعداد فاعلی " سے تعبیر کرتے ہیں۔

میں نے اس جگہ اصلی عبارت اسی لئے نقل کر دی ہے کہ اس کے الفاظ بالکل صاف ہیں۔ اور ان میں سائینٹیفک تحقیقات کا خلاصہ موجود ہے۔ اور ان الفاظ کے لغوی معانی پر غور کرنے سے مزید تصریح حاصل ہو سکتی ہے۔ "رب" کے معنیٰ ہیں وہ ذات جو کسی شئے کی اس طرح ربوبیت کرتی ہے کہ وہ مختلف منازل ارتقائی طے کرتی ہوئی مرتبۂ کمال کو پہنچ جائے۔ اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت میں ہر چیز اس طرح بنائی گئی ہے کہ اپنے دائرہ استعداد میں رہکر تدریجی طور پر مرتبہ کمال حاصل کر سکتی ہے۔ اس کے لغوی معنیٰ صرف تخلیق اور ربوبیت ہی کے نہیں ہیں بلکہ انتظام اور کمال عطا کرنے کے بھی ہیں، جس کی بدولت، ہر شئے اپنی ابتدائی حالت سے ترقی کرتی ہوئی، بلند ترین مرتبہ کمال کو پہنچ سکتی ہے۔ لفظ "خلق" کے معنیٰ عموماً "پیدا کرنا" کئے جاتے ہیں۔ اس لفظ کے لغوی معنیٰ ہیں "اندازہ کرنا" اس کے بعد "شکل و صورت عطا کرنا" عربی میں "پیدا کرنے" کے لئے ایک اور [illegible]ی ہے یعنی "فطر" یہ دو لفظ "فطر" اور "خلق" دراصل تخلیق کے طریق کو پورے طور سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ "فطر" کے معنیٰ ہیں نیست سے ہست کرنا۔ اور "خلق" کے معنیٰ ہیں ہست شدہ شئے کو صورت عطا کرنا اور اس کا اندازہ مقرر کرنا۔ بلحاظ تعلقات فیما بین مختلف اشیاء میں تاثیر

منفعت یا مُضرت، مختلف اندازوں اور مقداروں ہی کی بناء پر پیدا ہوتی ہے۔ اور تخلیق اور ارتقاء کا سارا سلسلہ اولاً تقدیر و اندازہ اور ثانیاً تعیینِ صورت پر مبنی ہے۔ اور عربی میں "خلق" کے یہی معنیٰ ہیں۔

"سوّیٰ" جو "خلق" کے بعد آتا ہے دراصل وزن یا مساوی کرنے کے معنیٰ دیتا ہے۔ اور تخلیق کے بعد توازن تو قدرتی طور پر ضروری ہے۔

دوسری آیت میں دو لفظ ہیں "قدر" اور "ہدیٰ" "قدر" کے معنیٰ ہیں ناپنا، اندازہ کرنا، اور یہ لفظ قرآن پاک میں بضمن "خیر و شر" اکثر استعمال ہوا ہے۔ اور کسی شے کے اندازہائے مختلفہ کے نتائج حسنہ یا قبیحہ دونوں کے اظہار کے لئے مستعمل ہے" ہدیٰ" کے معنیٰ ہیں کسی شے کی منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرنا۔ اور اس لفظ سے، مطلب بالکل عیاں ہو جاتا ہے۔ بلحاظ منطوقِ قرآنی، مادہ صرف مخلوق ہی نہیں کیا گیا ہے اور اس کی مختلف طبقات ہی تقسیم ہی نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس کی مزید نشو و نما کے لئے، اور انجام کمال حاصل کرنے کے لئے، ہدایت کا عطا کرنا بھی ضروری تھا تاکہ وہ تکمیل منازل کرنے کے بعد منزل مقصود کو پہنچ سکے۔

ان صاف الفاظ میں، قرآن پاک نے، فطرت میں طریق تخلیق کا پورا پورا بیان فرما دیا ہے، اور ایک "علت مدرکہ" کے وجود پر نہایت خوبی سے استشہاد کیا ہے جو بحیثیت "رب" جس کے معنی خالق، قیوم، منتظم اور مربی کے ہیں، مادہ کو اس کی تخلیق کے بعد مختلف مقادیر میں مرتب فرماتی ہے، تاکہ اُن سے مختلف نتائج ظاہر ہو سکیں۔ اور وہ چیزوں کو پیدا ہی نہیں کرتی بلکہ اُن کی ربوبیت درجۂ کمال تک فرماتی ہے۔ اور ہر شے کی تدریجی ترقی کی راہیں مقرر کر کے، ان کی طرف اس کی رہنمائی کرتی ہے اُس نے مادہ کی ہر صورت میں اور ہر شکل میں، ترقی کی فطری صلاحیت ودیعت فرمائی ہے تاکہ وہ مقررہ راہوں پر گامزن ہو سکے۔ اور معینہ اندازوں کے مطابق عملدرآمد کر سکے۔ سالمات مادہ کے صدور کے بعد، ان کی آیندہ ترقی، ان تراکیب در تراکیب مختلفہ پر منحصر ہے۔ جن کی وجہ سے مختلف نتائج مرتب ہوتے ہیں، اور وہ مفید یا مُضر ہو جاتے ہیں۔ اُن کے نظم و نسق کے لئے مختلف اندازے معین ہیں۔

اور جملہ منازلِ ارتقائی میں یہی صورت قائم رہتی ہے۔ یہ بحث، کہ مذکورہ بالا عربی الفاظ، جو حقائق علمیہ سے اس درجہ لبریز ہیں، ان معانی میں اس وقت استعمال ہوئے جبکہ عربوں نے بداءِ اسلام کے بعد اقلیم حکمت میں محیر العقول موشگافیاں شروع کر دی تھیں یا یہ خیال آفرینی اور جامعیت معانی ان میں پہلے سے موجود ہے۔ جیسا کہ ادبیات ماقبل اسلام سے ظاہر ہوتا ہے، اور جس کی بناء پر یہ نتیجہ قرین عقل ہے کہ تاریخی زمانہ سے پہلے بھی، عربوں کا معیار علم و حکمت نہایت بلند رہ چکا ہے، یا یہ کہ عربی زبان، دراصل الہامی زبان ہے، جیسا کہ اس کتاب کے مؤلف کا خیال ہے، اور اسی لئے اس کے الفاظ، ان اشیاء کے خواص مخفی کو بھی ظاہر کر سکتے ہیں، جن کے لئے وہ استعمال ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے جب اُن کی طرف عالمانہ توجہ مبذول ہوگی تو اسرار کائنات کو بے نقاب کرنے میں اُن سے بہت مدد ملیگی۔ فی الجملہ یہ بحث، اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ جس پر میں فی الحال خامہ فرسائی کر رہا ہوں۔ لیکن با ایں ہمہ ایک بات بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ الہام قرآنی کی بدولت علوم جدیدہ کو بے حد تقویت پہنچی ہے۔ اور اگر اس مقدس کتاب نے اکثر حقائق کو ہمارے سامنے عیاں کر دیا ہے۔ جو اس سے پہلے پردۂ خفا میں مستور ہے، اور ناظرین کی توجہ اور سرگرمئ عمل کو مناسب راہوں کی طرف منعطف کر دیا تو چنداں جائے تعجب نہیں ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات میں ہر ذرہ مقررہ قوانین کی پابندی کر رہا ہے، اور مفید و مضر عناصر سے واقف ہے۔ اور اپنی ساخت اور نشو و نما کے لئے، مادہ ضروریہ کے انتخاب میں، قوت تمیز استعمال کرتا ہے اور اصول معینہ سے سرمو انحراف نہیں کرتا۔ یعنی اُس ہدایت پر کاربند ہے جو فطرتی طور پر اس میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ اور اسی عطائے ہدایت و دستور العمل کو "عطائے الہام للسالمات" کہا جا سکتا ہے۔

"ربنا الذی اعطیٰ کل شیءٍ خلقہ ثم ھدیٰ" (القرآن)

"اخلاق" منضبط جذبات کا دوسرا نام ہے

فی الجملہ، مخصوص اندازوں میں ہر شے کسی حد تک نیک یا بد ہو سکتی ہے۔ اور یہ بات جس

طرح عالم جسمانیات میں ثابت ہے۔ اُسی طرح عالم اخلاقیات میں بھی بلکہ ہر عالم میں۔ انسانی گفتگو بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہے، مختلف اندازوں میں آواز نکالنے سے تلفظ پیدا ہوتا ہے۔ اور مختلف حروف مختلف اندازہائے صوتی کے قائم مقائم ہوتے ہیں۔ اور ان کے امتزاج مختلفہ سے مختلف الفاظ وضع ہوتے ہیں۔ اور ان مرتب اور مجتمع اندازہائے الفاظ کو یاد کرنے سے ہم کسی زبان سے واقف ہو سکتے ہیں۔ قرآن پاک، ناظرین یا قارئین کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرتا ہے یعنی "تقدیر" کے بنیادی اصول کو پیش کرتا ہے جس کی بدولت اس کائنات میں ہر شے نظام پذیر ہوتی ہے۔

الرحمٰن، علم القرآن، خلق الانسان، علمہ البیان، الشمس والقمر بحسبان والنجم والشجر یسجدان، والسمآء رفعها ووضع المیزان، الا تطغوا فی المیزان، واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان، والارض وضعها للانام فیها فاکهة والنخل ذات الاکمام والحب ذو العصف والریحان، فبای الاء ربکما تکذبان (رحمٰن ۱-۹)

ترجمہ۔ رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا کیا اسے بیاں سکھایا۔ سورج اور چاند حساب کے نیچے ہیں۔ اور بوٹیاں اور درخت فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور آسمان کو بلند کیا اور میزان کو قائم کیا۔ تاکہ تم میزان میں سرکشی نہ کرو۔ اور وزن کو انصاف سے قائم کرو۔ اور تول میں کمی نہ کرو اور زمین کو مخلوق کے لئے رکھا۔ اس میں پھل ہے۔ اور گابھوں والی کھجوریں اور بھس والا دانہ اور خوشبودار پھل۔ تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

اگر کائنات کی مختلف اشیاء، جو انسان کے گردوپیش موجود ہیں۔ اور خود اس کی گفتگو (زبان) سب چیزیں، مقررہ ضوابط اور اندازوں کو ملحوظ خاطر رکھنے ہی سے، صورت اور ترقی پذیر ہوتی ہیں تو کیا خود انسان کو اسی قسم کے اصول وضوابط کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں ہے۔ جس کی بدولت وہ اپنے جذبات واحساسات کو قابو میں رکھ سکے اور ان کو اخلاق فاضلہ، حکمت اور مذہب جیسے

وقبیح خصائل میں مبدل کر دیتے ہیں۔ انسانی جسم، بہرکیف، سالمات کے امتزاج خصوصی کا ہی نتیجہ ہے جس سے شعور اور تمیز پیدا ہوتا ہے اور چند ہیجانات یا احساسات، اور جذبات وخواہشات بھی ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جب ہم ان تحریکاتِ باطنی کو، چند مقررہ اصولوں کے ماتحت لے آتے ہیں۔ تو انہی کا نام "اخلاق" ہوجاتا ہے۔ اور یہی اخلاق، ترقی پاکر "روحانیت" میں مبدل ہوجاتے ہیں۔ پس اُن اندازوں کا علم حاصل کرنا ہی کی پابندی سے، ہماری خواہشات ردّیہ" اخلاق فاضلہ میں مبدل ہوجائیں اور "شعور" کا نام "ضمیر" ہوجائے، ہمارا فرض اولین ہے اور ہونا چاہئے۔

" اُس نے "میزان" قائم کی تاکہ تم میزان میں زیادتی نہ کرو، اور میزان کو عدل کے ساتھ قائم رکھو اور میزان میں کمی بیشی نہ کرو" پس جذبات کو صحیح طریق پر استعمال کرنے کے لئے ہمیں "میزان" یعنی اندازہ سے واقف ہونا ضروری ہے۔ عالم اخلاقیات میں کوئی شے بنفسہ، خیر یا شر نہیں ہے چنانچہ اس کی طرف ماسبق میں اشارہ ہوچکا ہے۔ اعلیٰ اخلاق، جذباتِ طبعی کو معدوم یا مفلوج کر دینے سے حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کو مخصوص اندازوں پر قائم کرنے، ایک شخص، اخلاق فاضلہ اور روحانیت سے متصف ہوسکتا ہے۔

چنانچہ، وہ تمام مذاہب جنہوں نے جذبات طبعی کو یکسر معدوم کر دینے کی تلقین کی ہے۔ موجودہ زمانہ میں ناکارہ ثابت ہوچکے ہیں۔ آج کوئی شخص بدھ کے تلقین کردہ اصولوں پر کاربند ہونے کے لئے طیار نہیں ہے، اور مسیح کا وعظ کوہی تو ایک ایسی خواب پریشان ہے جس کی تعبیر کسی زمانہ میں مل ہی نہیں سکتی۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی جمیع اقسام سے، دنیا کو نفع کم اور نقصان بہت زیادہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ ان اصولوں پر کاربند ہونے کی وجہ سے بنی نوع آدم نے اپنے جذبات طبعی کو مفلوج کر دیا جس کا نتیجہ اُن کے حق میں ہمیشہ نہایت زبوں نکلا۔ نظام تجرّد کی بدولت، انسان میں لابُد، نفس پرستی کے رجحانات پیدا ہوتے ہیں اور ان کا نتیجہ ہمیشہ خرابئ اخلاق کی شکل میں رونما ہوا ہے۔ قرآنی الہام ہی نے سب سے پہلے یہ حقیقت انسان کے سامنے آشکار کی کہ تمام طبعی ہیجانات، انسانیت کے اجزائے ضروریہ ہیں۔ ہاں ان میں

توازن قائم کرنا لازمی امر ہے۔ صحیح معنوں میں انسان کہلانے کے لئے اُن جذبات اور خواہشات کو قوانین مقررہ کے ماتحت لانا چاہئے۔ مثلاً "رحم" کا اگر غلط استعمال کیا جائے تو یہی خوبی "ظلم" میں مبدل ہو جائیگی۔ اور اگر غضب کو اصول کے ماتحت لایا جائے تو اس سے وہ باقاعدگی پیدا ہو سکتی ہے جو ارتقائے تمدن کے لئے ازبس مفید ہے۔ معدلت گستری بھی، اسی صفتِ غضب کی اصلاح یافتہ صورت کا نام ہے۔ اسی طرح اگر قاتلوں پر رحم کیا جائے تو سوسائٹی کو نقصان عظیم پہنچ جائیگا۔ فی الجملہ، یہی اصولِ توازن، عالم اخلاقیات میں بھی کارفرمائی کر رہا ہے۔

جس طرح، عالم جسمانیات میں، ایک ہی مادہ سے، مختلف تراکیب کی بدولت مختلف شکلیں ظہور پذیر ہو کر مختلف صفات ظاہر کرتی ہیں، اُسی طرح، ایک ہی جذبات و احساسات سے، جو مختلف اندازوں میں جبلی طور پر مخصوص ہئیت حاصل کرتے ہیں، مختلف اخلاق، ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ایک ہی جذبہ مختلف سانچوں میں ڈھلکر، مختلف ناموں سے موسوم ہو جاتا ہے۔ اور ایک جذبہ، جو ایک شکل میں اچھا ہوتا ہے، دوسری شکل اختیار کرنے پر بُرا ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح تبدیلی حالات کی وجہ سے مذموم باتیں محمود ہو جاتی ہیں۔ مثلاً استقلال اور سرکشی، یا ثابت قدمی اور تمرّد کی اصل ایک ہی ہے لیکن مرتبۂ کمال کو پہنچکر اُن کے مظاہر ایک طرف "انابت" تو دوسری طرف شیطنت کا آئینہ بن جاتے ہیں۔ طاعت اور غلامی، انکسار اور بُزدلی، رواداری اور عفو، شجاعت اور تہوّر، فیاضی اور فضول خرچی، رشک اور حسد، بلند حوصلگی اور ہوس، آرزو اور حرص، وغیرہ وغیرہ اصل کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔ مختلف صورتوں میں ایک ہی قسم کی خواہشات کے مظاہر ہیں۔ حیوانی جسم میں آکر سالمات مادہ، شعور میں منتقل ہو جاتے ہیں، اور انسانی شعور، اُن ہیجانات اور جذبات سے عبارت ہے، جو عموماً انسان اور حیوانات میں پائے جاتے ہیں۔ اور جب ان جذبات کا اظہار مناسب محل پر ہوتا ہے، تو انہی کا نام اخلاق فاضلہ ہو جاتا ہے۔ مقررہ حدود میں رہکر، ہر جذبہ، ایک مرغوب صورت اختیار کر لیتا ہے جسے نیکی کہتے ہیں، اور ان حدود کی تعیین کرنا جو در اصل اعتدال سے عبارت ہے، مذہب اور علم الاخلاق کا فرض منصبی ہے۔ اور ان حدود سے تجاوز کرنا ہی گناہ یا بدی ہے، شر یا گناہ

اس دنیا میں، ایک متمیزہ اور متفردہ حقیقت کے طور پر داخل نہیں ہوا، جیسا کہ بعض مذاہب کا خیال ہے۔ اور نہ "گناہ" انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ بلکہ گناہ اور عوارض دونوں باتیں ان چیزوں کے غلط استعمال سے پیدا ہوئیں جو ہماری جسمانی اور اخلاقی نشوونما کے لئے ضروری ہیں۔ اگر نیکی اعتدال سے وابستہ ہے تو ترک اعتدال کا نام گناہ ہوگا۔ ہر عالم میں "خیرالامور اوسطہا" پر عمل ہو رہا ہے، اور یہی قرآن کا فرمان ہے۔ اس موقعہ پر میں پھر عربی زبان کی خصوصیت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اس نے گناہ کے مفہوم کو ظاہر کرنے والے الفاظ کے انتخاب میں ملحوظ رکھی ہے۔ ان تمام الفاظ کے لغوی معنی میں "خلاف ورزی" اور "تجاوز عن الحدود" کا مفہوم مضمر ہے۔ ذنب۔ جُرم اور اثم کے معنی ہیں۔ قصور، جرم اور گناہ۔ "ذنب" میں تجاوز عن الحدود کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس کے معنی "دُم" کے بھی آتے ہیں۔ "جُرم" کے لغوی معنی "کاٹنا" قطع کرنا ہیں، یعنی وہ شے جو خلاف محل ہو "جناح" کے معنی ہیں "برطرف ہونا"۔ غرضکہ "گناہ" کے جس قدر مترادفات قرآن پاک میں استعمال ہوئے ہیں سب میں خلاف ورزی حکم عدولی، زیادتی اور تجاوز عن الحدود کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ پس یہ الفاظ بذات خود "بدی" یا "شر" کے قرآنی تخیل کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں کہ ہم ان الفاظ یا ہمچو ازیں قبیل دیگر مسائل ہمہ کے لئے کسی مولوی یا فاضل ادب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ تاکہ ہمیں ان الفاظ کے معانی سے آگاہی دے صرف، لغت کی کسی کتاب کی طرف رجوع کرنے سے یہ دشواری حل ہو سکتی ہے، عربی لفظ "توبہ" جس کے معنی ہیں پچھتانا یا افسوس کرنا بھی لغوی اعتبار سے اس منشا، کو ظاہر کر سکتا ہے یعنی اس کے لغوی معنی واپس آنے کے ہیں اگر حدود مقررہ سے تجاوز کرنا گناہ ہے تو "حدود" میں واپس آنا "توبہ" ہے۔ اور درمیانی یعنی اوسط طریق بہرحال بہترین طریق ہے۔ لہذا "وسط" جس کے معنی "درمیانی" کے ہیں، "خوب ترین یا بہترین" لئے بھی مستعمل ہے۔ یعنی "وسط" کے معنی "بہترین" کے بھی ہیں۔

فی الجملہ عالم اخلاقیات میں بھی عالم جسمانیات کی طرح کوئی شے بذات خویش خیر یا شر نہیں ہے۔ "حدود" کا لحاظ رکھنا نیکی کہلاتا ہے اور ان سے تجاوز اختیار کرنا بدی ہو جاتا ہے۔ (باقی)

پنج ارکان اسلام

دوسرا رکن نماز

(از مسٹر محمد صادق ڈڈلے رائٹ ڈاکٹر آف فلاسفی ایف - زیڈ - ایس)

اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے - ایک مسلمان دن کو شروع بھی نماز سے کرتا ہے اور ختم بھی نماز سے کرتا ہے - پھر ان دونوں اوقات کے درمیان دن میں تین دفعہ متعینہ وقفوں کے بعد خواہ اس کو کتنی ہی معروفیت کیوں نہ ہو - خواہ وہ کسی دنیوی کام میں مشغول ہو یا کوئی خوشی کی تقریب ہو سب مشاغل سے منہ موڑ کر نماز کے لئے خدائے واحد کے حضور کھڑا ہو جاتا ہے - لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ پانچ نمازیں جو مقررہ اوقات پر مسجد میں با جماعت ادا کی جاتی ہیں - ایک مسلمان کی عابدانہ زندگی کی تمام فروع پر مشتمل اور حاوی ہیں - مسلمان کی نماز کوئی ایسی پوشاک نہیں جسے ہفتہ میں ایک دن کے لئے زیب تن کر لیا جائے یہ وہ لباس نہیں جسے خاص تقریب کے ایام میں عام معمولی کام کاج کی پوشاک کو بالائے طاق رکھکر بطور ایک تفنن یا تفریح پہن لیا جائے - اور نہ ہی ایک مسلمان کی عبادت جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے - دن کے اوقات معینہ تک محدود ہے - اسلام جو بالفاظ دیگر خدائے بزرگ کی رضا کے سامنے سر جھکانے کا نام ہے - ہماری زندگی کے ہر لمحہ میں نظر آنا چاہیئے - گویا ہمارا ہر فعل رنگ عبودیت میں ڈوبا ہونا چاہیئے نہ یہ کہ گاہے گاہے اوقاتِ متفرقہ پر ہم سر نیاز خم کر لیں اور بس - صحیح معنوں میں مسلمان ہونے کا یہ مطلب ہے - کہ اس کے تمام اوقات اور اس کے تمام کاروبار میں عبودیت ہی عبودیت جلوہ گر ہو - اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے جس کا نماز ایک ضروری اور لابدی جزو ہے - مسلمانوں کے نزدیک ہفتہ کے تمام ایام یکساں اہمیت رکھتے ہیں - ہاں جمعہ کے دن ہر ایک مقامی جماعت کے افراد مسجد میں جمع ہو کر ایک اجتماعی رنگ میں اللہ تعالےٰ کی عبادت بجا لاتے ہیں - اس

کی ایک بڑی غرض مسلمانوں کا اجتماع ہے - یہ قرآن مجید میں "یوم الجمعۃ" کی نماز ہے - جس کے متعلق یوں ارشاد وارد ہے :- یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع - ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ہ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون - واذا راوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا وترکوک قائماً - قل ما عند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ واللہ خیر الرازقین - یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو جمعہ کے دن جب نماز کی اذان دی جائے - خدا کے ذکر کی طرف جلدی سے لپکو اور کام کاج بیع وغیرہ چھوڑ دو - تمہارے حق میں یہی بہتر ہے - اگر تمہیں علم ہو تو اور جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل کو تلاش کرو اور خدا کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ لیکن (عام لوگوں کی یہ حالت ہے کہ) جب وہ کسی تجارت کو یا کھیل تماشہ کو دیکھ پاتے ہیں تو بس پھر اس کی طرف لپک پڑتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں - لیکن ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس تجارت اور کھیل تماشہ سے جو اللہ تعالےٰ کے پاس ہے وہ بدرجہا بہتر ہے اور خدا بہترین رزق دینے والا ہے "

ان الفاظ کی روح اور حقیقت وہی ہے - جو مسیح علیہ السلام کے ذیل کے الفاظ میں پائی جاتی ہے

"تم پہلے خدا کی بادشاہت اور اس کی نیکی ڈھونڈو - پھر تم کو سب کچھ دیا جائیگا"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے میں ایک تصنع یا دکھاوا پایا جاتا ہے - اس قسم کا اعتراض پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ کیتھولک کے خلاف اور Non Conformists لوگ کلیسائے انگلستان کے خلاف بھی کرتے ہیں مگر اس اعتراض میں کوئی جان نہیں ہے - ایک بہت بڑے عیسائی عہدہ دار اور مصنف نے مسجد میں باہیئت کذائی نماز ادا کرنے کے متعلق اپنی تصنیف "محمد - بدھ اور کرائسٹ" میں لکھا ہے اور خوب لکھا ہے کہ

"مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں تصنع کا شائبہ ہے اس کامل سکون اور متانت کے بالمقابل کچھ حیثیت نہیں رکھتا جو اہل اسلام کی مساجد میں پائی

جاتی ہے۔حتیٰ کہ اگر ایک اجنبی کسی مسجد میں جہاں مسلمانوں کے گروہ در گروہ نماز پڑھتے ہوں داخل ہو تو وہ ایسا سمجھے گا کہ مسجد خالی پڑی ہے"

ڈاکٹر ماڈرائیڈن شاہی اپنی کتاب *Problem of Palestine* میں رقمطراز ہیں

کہ عبادت کے معاملہ میں جس قدر ایک مسلمان متشدد واقع ہوا ہے دنیا کے کسی اور مذہب کا پیرو اس سے کوئی سبقت نہیں لے جا سکتا۔مانا کہ محمد (صلعم) کے متبعین کو ان انبیائے بنی اسرائیل کی عزت حاصل نہیں جو مخلوق خدا کی مذہبی تربیت کرتے تھے۔لیکن جہاں تک خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلانے کا سوال ہے یہ لوگ یسعیاہ اور یرمیاہ سے کم پلہ کے لوگ نہیں ہیں"

یہاں تک میرا ذاتی خیال ہے یہ باجماعت نمازیں اس عبادت کا پہلا زینہ ہیں۔جسے عبادت استغراق کہنا چاہئے۔اور حضرت امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں اس عبادت استغراق کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ دوسرے کو اس تک رسائی نہیں ہو سکتی۔آپ فرماتے ہیں۔یہ عبادت نماز کا مغز ہے۔اس کی کیفیت یہ ہے کہ جس کو پکارا جاتا ہے یعنی خداوند تعالےٰ دعا کرنے والے کی روح کو اپنے میں جذب کر لیتا ہے۔اور دعا کرنے والے کی روح خدا میں جذب ہو جاتی ہے اور جب دعا انتہا کو پہنچتی ہے تو دعا مانگنے والے پر ایک ایسا عالم بے خودی طاری ہو جاتا ہے کہ انسان کی روح اور خدا کے درمیان ایک پردہ کا فرق باقی رہ جاتا ہے حضرت امام ممدوح علیہ الرحمتہ کے الفاظ بالا کے معانی اگر عہد نامہ جدید کے ایک پیرا کی روشنی میں دیکھے جائیں تو شاید زیادہ اچھی طرح سے سمجھ میں آ جائیں لوقا باب ۶ آیت ۱۲ میں ہے کہ ایک موقعہ پر جناب یسوعؑ رات بھر خدا سے دعا مانگتے رہے۔آیت کی اصلی اور قدیم عبارت معانی کی رو سے زیادہ پُرشوکت اور پرزور ہے۔اور محض ایک حرف کے ردّ و بدل کی ضرورت ہے۔چنانچہ اصل آیت کی رو سے فقرہ یوں ہونا چاہئے۔وہ تمام رات" خدا کی دعا" میں معروف رہے۔جس کا ماحصل یہ ہے کہ خدا ان کی دعا کو سنتا ہی نہیں تھا۔بلکہ خود ان کو بتاتا تھا کہ یوں دعا کرو۔

تقدس مآب ڈی۔ایم راس نے جو ایک عیسائی پادری ہیں ارض مقدسہ کے سفر کے حالات

پر ایک دلچسپ اور پراز معلومات کتاب لکھی ہے جس کا نام Cradle of Christians ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۲۵ پر آپ نے مسلمانوں کے نماز ادا کرنے کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ :۔

"ہم نے دیکھا کہ ایک غریب کسان اپنے دبلے پتلے بیلوں سے کھیت میں ہل چلا رہا ہے۔ ہل چلاتے چلاتے یک لخت اس نے اپنے بیلوں کو کھڑا کر دیا۔ اپنی عبا کو گھاس پر بچھایا۔ مکہ کی طرف رُخ کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ایسا کہ گویا اپنے خیالات میں محو تھا۔ پھر جھکا اور ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنا ماتھا زمین پر رکھ دیا۔ اس طرح سے اس نے اپنی نماز بکریوں کے گلہ میں ایک چٹان پر ادا کی غروب آفتاب کے وقت ہم خفتہ کے گاؤں کے قریب سے گذرے اور ہماری آنکھوں نے یہاں بھی اس منظر کو دیکھا ہم نے دیکھا کہ دو چار دیہاتی دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر پہاڑی کے پہلو میں گاؤں کے نزدیک فریضہ نماز ادا کر رہے ہیں"

کئی سال ہوئے مجھے ایک نظم پڑھنے کا اتفاق ہوا جو مسلمانوں کی نماز کے متعلق تھی۔ مجھے وہ اس قدر پسند آئی کہ اس کو میں نے اپنی کتاب Prayer میں درج کیا۔ جو ۱۹۱۰ء میں اشاعت پذیر ہوئی تھی۔ افسوس ہے کہ میں اس نظم کے ماخذ کو یا مصنف کو نہیں جانتا۔ مارکس ڈاوز نے بھی اپنی کتاب محمد بدھ اینڈ کرائسٹ میں درج کیا ہے۔ لیکن اس کے ماخذ یا مصنف کا ان کو بھی علم نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ نظم ہر ایک شخص کے لئے دلچسپی کا موجب ہوگی۔ اُس کا ترجمہ یہ ہے :۔ نماز ادا کرنے والوں کی ہزار عزت۔ جن کی مسجد ہر جگہ اُن کے اندر ہے۔ خوشی کی تقریبوں کے شور و شغب میں جنگ کی سخت ترین بندشوں میں بہتے ہوئے جہازوں پر جگمگا دالے بازاروں میں۔ اجنبی ممالک میں خواہ کتنے ہی دور ہوں۔ اور خیالات۔ اخلاق و عادات۔ لباس اور زبان میں خواہ کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ دغرض کہ وہ کہیں ہوں اور کسی حالت میں ہوں) مکہ کی طرف منہ پھیر کر خاموشی سے اپنا جائے نماز بچھا دیتے ہیں۔ اور اردگرد سے آنکھیں بند کر کے اور ہر ایک آواز سے بہرہ بنکر اپنی سادہ زبان میں خدائے ذوالجلال کی عبادت بجا لاتے ہیں۔ اُن کی روح آستانۂ الٰہیہ کا طواف کرتی ہے۔ اور نماز کے وقفوں

میں وہ آرام کرتے ہیں۔ گویا خدا کے جمال وجلال سے متاثر ہو کر وہ دنیا و مافیہا سے منقطع ہو کر ان کی روح عالم علوی کی سیر کرتی ہے"۔

فلپ ویون جو ایک رشنیلسٹ مصنف ہیں۔ اور جن کی تصانیف رشنیلسٹ پریس ایسوسی ایشن نے شائع کی ہے۔ اپنی کتاب *The churches & the modern thought* کے صفحہ ۱۳ پر عیسائیوں کے حجاب کے متعلق جو ان کو اپنے مذہبی اعتقادات کے اظہار کے وقت ہوتا ہے ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہندو مسلمان اور پارسی اس معاملہ میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرتے اظہار عقائد کے بارہ میں خاموش رہنا ان کے ہاں ضروری نہیں۔ وہ ہر موقعہ اور ہر جگہ اس کا اظہار کر دیتے ہیں یہ ان کی ہر روز کی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔

ممکن ہے کہ نماز شروع شروع میں ایک بیگار معلوم ہو اور بیگار بھی ایسی جو تکلیف دہ ہو۔ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ انسان اس کو ایک بڑی با برکت چیز سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور اگر ایک طرف اس کے دل میں تنہائی میں نماز ادا کرنے کی خواہش موجزن ہوتی ہے تو دوسری طرف باجماعت نماز کی تڑپ اس کو بے چین کئے دیتی ہے۔ اس طرح سے نماز ایک عبادت بن جاتی ہے۔ اور عبادت بھی ایک راسخ عبادت کہ پھر انسان اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ ایک مستقل نمازی بالآخر سمجھ جاتا ہے کہ نماز صرف سہل ہی نہیں بلکہ اس کی فطرت کا لازمہ ہے اور اس طرح سے وہ سٹاپ فورڈ اے بروک کے الفاظ میں "بلا ناغہ نماز ادا کرنے والا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صاحب موصوف کہتے ہیں۔

"لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمیشہ دو زانو ہونا (یعنی نماز پڑھنا) ناممکن ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ نماز محض ظاہری ہیئت کا ہی نام نہیں گو ہم زبان سے نماز کے لفظ ادا کرتے ہیں۔ لیکن اس کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہے۔ کیا آپ اپنے ہر روزہ کے کام کاج میں خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا گہرا نقش دل پر لئے ہوئے اس کو ہمیشہ پکارتے رہتے ہیں! اپنی تمام مشکلات میں اپنے تمام خیالات وجذبات میں اپنے تمام معاملات بیع وشرا میں اپنی تنہائی کے لمحوں میں۔ دوستوں کو خیر مقدم

کہنے اور ان کی خاطر مدارت میں۔ احباب کی مجالس میں۔ گھر کی مصروفیتوں میں اوقات تفریح میں آپ اپنے سے سوال کریں کہ کیا میں اپنی زندگی خدا کی رضا کے مطابق بسر کرتے ہوئے خدا کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے ہوں؟ اگر یہ صورت ہو تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی زندگی ایک نمازی کی زندگی ہے، اور آپ "بلاناغہ نماز ادا کرنے والے ہیں"۔

۲۴۔ستمبر ۱۸۵۶ء میں اپنے ایک دوست کو مخاطب کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں "جب آپ پرنسز سٹریٹ میں چہل قدمی کر رہے ہوں یا اپنے بستر پر دوزانو ہوں کیا اس وقت وہ ذات پاک جو ہمیشہ ہر ایک کے نزدیک ہے موجود نہیں ہے؟

تم کہتے ہو کہ تم خدا سے راز و نیاز کی باتیں کرتے ہو۔ کیا یہ دعا نہیں ہے؟ اور کیا یہ سب سے اعلیٰ دعا نہیں ہے؟ میں اپنے بستر پر ہی خدا سے چپکے چپکے باتیں کر سکتا ہوں یہ خاموش دعا اگرچہ دوسرے لوگ نہیں سن سکتے مگر خدا سن سکتا ہے۔ خدا سے دل ہی دل میں باتیں کرنا دعا کی اعلےٰ قسم ہے محض زبان سے الفاظ کا ادا کرنا ہی دعا نہیں"۔

سال آئندہ کی ۱۷۔جنوری کو ڈاکٹر بردک نے ایک دوست نامہ نگار کو ایک خط میں تحریر کیا کہ "نماز خدا کے ساتھ پیوند کا نام ہے۔ اس میں کسی التجا یا درخواست کا زیادہ حصہ نہیں۔ نماز میں خدا اپنی محبت اور سلامتی کو ہم پر ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے آپ کو ایک دفعہ بتایا تھا۔ دعا کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی رضا کو بدل دیا جائے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی رضا کو خدا کی رضا میں بدل دیں۔ "میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی" اس دعا کو یوں بدل ڈالنا کہ "تیری مرضی نہیں بلکہ میری مرضی" ہمارے لئے خطرات سے خالی نہیں"۔ ہمیں فوری جوش یا جوش سے پرہیز کرنا چاہئے جو دراصل ایک وقتی اور آنی چیز ہوتی ہے اور محض ایک دل کا اُبال نہیں ایمان کی مستحکم بنیاد پر کھڑا ہونا چاہئے"۔

"وہ جو تمہارے پاس ہے فنا ہو جائے گا مگر وہ جو خدا کے پاس ہے وہ باقی رہیگا۔ (قرآن مجید)

" بہشت ہر ایسے شخص کے قریب لائی جائے گی جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے احکام پر چلتا ہے۔" (قرآن مجید)

برادر لارنس جو کارمی لائیٹ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جو ایک مشہور اور خیالات میں قیمتی اضافہ کرنے والی کتاب The Practice of the Presence of God کے مصنف ہیں لکھتے ہیں۔

" خدا کے حضور میں بار بار حاضر ہونا اور اس کا ذکر و فکر۔ اس سے انسان کی روح کو خدا کا اس قدر گہرا علم حاصل ہوتا ہے کہ گویا بغیر حجاب کے خدا کے دیدار سے مشرف ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کی تمام زندگی خدا کی مسلسل عبادت میں خدا پر توکل۔ اس کی حمد و ثنا دعا اور نماز میں گذرتی ہے۔ اور بعض اوقات تو ایسا معلوم ہے کہ زندگی کے تمام لمحات ہی اس کی حضوری میں بسر ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔"

جناب سید امیر علی صاحب مرحوم و مغفور نے Critical Examination of life and Teachings of Muhammad میں حضرت نبی کریم صلعم کی یہ دعا لکھی ہے جس پر ڈاکٹر مارکس ڈاڈز نے ان تمام لوگوں کو غور کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ جو اسلامی نماز پر اعتراض کرنے کے عادی ہیں۔ وہ دعا یہ ہے :-

" اے خدائے بزرگ و برتر! میں تجھ سے استقامت فی الدین اور صراط مستقیم کی التجا کرتا ہوں تو مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیرا شکر گذار بندہ بنوں۔ اور ہر حسن طریق پر تیری عبادت بجا لاؤں۔ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے ایک ایسا معصوم قلب عطا فرما کہ جس میں معصیت کا رجحان نہ رہے۔ میں تجھ سے لسان صدق مانگتا ہوں۔ اور اس نیکی کی توفیق مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے۔ اور ان خطاؤں کی معافی مانگتا ہوں جس کا تجھے علم ہے۔ اے میرے حافظ و ناصر! مجھے طاقت عطا فرما کہ میں تجھے یاد کروں اور تیرا شکر کروں۔ اور جہاں تک میری وسعت ہے تیری عبادت کروں۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین۔"

نماز جذباتی ہیجان کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اور یاس کی صورت میں بہترین مونس۔ جذبات کے تلاطم کے وقت نماز ہی انسان کو صحیح راستہ سے بھٹک جانے سے بچالیتی ہے۔ جیساکہ قرآن مجید کی سورۂ فاتحہ کی دعا سے بھی سبق حاصل ہوتا ہے۔

اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و الضالین۔ یعنی اے خدا تو ہمیں سیدھے راستہ پر چلا۔ ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تیری نعمتیں ہوں۔ نہ ان کا جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ ان کا جو صحیح راستہ سے بھٹک گئے۔

گناہ کس کو کہتے ہیں۔ مرکزی نقطہ سے ادھر ادھر ہو جانا یا سیدھے راستہ سے جو خدا نے تجویز کیا ہے بھٹک جانا۔ پال اپنے متبعین کو یہ جملہ یاد کرایا کرتا تھا۔ Walk in the spirit
یہ جملہ ایک فوجی اصطلاح سے لیا گیا ہے جس کا مفہوم محض march Keeping time ہے۔ (اس مثال سے یہ غرض ہے۔ کہ مذہب میں انسان مرکزی نقطہ سے ادھر ادھر نہ ہو ورنہ گمراہ اور خاطی قرار پائے گا) کیا روئے زمین پر کوئی ایسا شخص ہے جس نے غم و یاس کی حالت میں خدا کو پکارا اور پھر اس کے دل کے اندر اطمینان اور تسلی کی لہر نہ دوڑ گئی ہو؟ کیا کوئی شخص ہے جس نے مصیبت کے وقت دعا کی طرف رجوع کیا ہو اور پھر اس کے لئے ایک روشنی نمودار نہ ہو گئی ہو؟ یہ بہت ممکن ہے کہ ہم کسی لالچ میں پھنسکر گمراہی کے عمیق گڑھوں میں جا گریں۔ اس لالچ میں پھنسنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جس امر کے لئے ہم گناہ کے مرتکب ہوئے وہ بھی حاصل نہ ہوا۔ اور ہم بے نیل مرام بھی رہے پھر اس کے بعد ہمارے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو تباہ کر لیا ہے ہم گناہوں کی آلائش سے ملوث ہو گئے ہیں۔ اور شکوک و شبہات کے دلدلوں میں پھنس گئے ہیں۔ اور اور ضلالت اور الحاد کے کناروں پر جا کھڑے ہیں۔ اور ایک عالم یاس ہم پر طاری ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب ہمارے پاؤں ایمان کی مضبوط چٹان پر گڑ نہیں سکتے اس حالت یاس و اضطرار میں ہماری زبان سے ایک دعا نکلتی ہے۔ کہ اے میرے خدا میرے اندر ایک پاک دل پیدا کر دے اور میرے اندر ایک صحیح جذبہ بھر دے"۔ جب یہ کیف ہو گی۔ تو

آپ دیکھیں گے کہ آپ کی دعا قبولیت کا شرف حاصل کرے گی۔ اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا رحمان اور رحیم ہے۔ اور اس کے وعدہ میں تخلف نہیں جس قدر پکارنے والے کی تڑپ زیادہ ہوگی۔ اسی قدر دعا میں خلوص زیادہ ہوگا۔ انسان آلام و مصائب میں گرفتار ہو اور اس کے دل و دماغ پر غم کے بادل چھائے ہوئے ہوں لیکن دعا کی قبولیت کے بعد اس بعد اس کی روح میں ایک سرور اور اطمینان کی لہر دوڑ جائیگی اور خدا کے رحم و کرم پر اس کو یقین کامل حاصل ہو جائیگا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا پر بڑا زبردست ایمان رکھتے تھے۔ ابھی آپ خلعت نبوۃ سے سرفراز نہیں ہوئے تھے اس وقت بھی آپ فرمایا کرتے تھے کہ دعا بے نظیر چیز ہے۔ آپ کی طاقت اور قوت کا اصل راز کیا تھا؟ یہی دعا اور نماز جو فوق العادت طاقت آپ کو حاصل تھی وہ دعا پر استقامت اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ گہرے تعلق کا نتیجہ تھا۔ نبوۃ سے پہلے بھی آپ کی عادت تھی کہ آپ دنیا و مافیہا سے الگ ہو کر غار حرا میں جاکر خدا کی عبادت بجا لاتے اور دعائیں مانگتے۔

سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں۔

"محمد (صلعم) اب اپنی عمر کے چالیسویں سال میں قدم رکھ رہے تھے اگرچہ اس سے پہلے بھی آپ غور و فکر میں زندگی بسر کرتے تھے لیکن اس عمر میں آکر آپ زیادہ غور و فکر میں اور پہلے سے زیادہ تنہائی میں رہنے لگے۔ غور و فکر آپ کے دل و دماغ پر مستول تھا۔ آپ اپنی قوم کی حالت پر غم و رنج کھاتے تھے۔ یہودیت کی تعلیم کے دھندلے نقوش ان لوگوں کی تسلی کا باعث نہ ہو سکتے تھے بلکہ اس سے ان کے دلوں کے اندر شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ اور محمد صلعم کو یہ امر بے چین رکھتا تھا کہ صحیح راستہ مذہب کا کونسا ہے۔ اس جذبہ کو سینے میں لئے ہوئے جو امر آپ کی تسکین کا باعث ہو سکتا تھا۔ وہ غار حرا میں جاکر ذکر و فکر تھا۔ اسی پہاڑی کو نور جبل بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں محمد (صلعم) پر سب سے پہلے وحی نازل ہوئی۔"

مقام نبوۃ پر فائز ہونے کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز اور ذکر و فکر کو پہلے سے بھی زیادہ اہمیت دینے لگے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بُرائی سے احتراز اور خدا سے پیوند جوڑنے اور اس کی عبادت میں دل لگانے کی آواز ہر انسان کو اپنی زندگی میں کم از کم ایک دفعہ تو ضرور آتی ہے

اگر اس آواز کو سن لیا جائے اور اس کی متابعت کی جائے تو انسان کے اخلاق و نظریات میں ایک خاص تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اسی کو بعض وقت انگریزی میں conversion کریا تبدیلی کہتے ہیں (اور اسی تبدیلی کی وجہ سے ایسے لوگ ابدال کہلاتے ہیں.) بہرحال یہ آواز ضرور آتی ہے۔ لیکن یہ انسان کی اپنی مرضی ہے کہ وہ اس کے آواز کو سُننے یا رد کر دے۔ اگر رد کرے گا تو اس کے لئے نقصان کا موجب ہوگا۔ اور اگر قبول کرے گا تو خود اس کے لئے موجب برکت ہوگا۔ اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود باعث برکت ہوگا۔ یہ آواز عابدانہ زندگی اختیار کرنے کی آواز ہے جن پر یہ حالت وارد ہوتی ہے اُن کے قلوب میں ایک صحیح تڑپ اور جذبات رقت پیدا ہو جاتے ہیں اور اگر اخلاق میں پختگی اور عادات میں تاثیر اس حالت کے وارد ہونے کا نتیجہ ہو سکتے ہیں تو یہ صرف نماز سے یا خدا سے تعلق جوڑنے سے ہی ہی حاصل ہو سکتے۔ مصائب و آلام کے وقت دعا ایک بہت بڑی طاقت کا کام دیتی ہے۔ یہ انسان کو اُن دلفریب اور دھوکہ دینے والے مشوروں سے بچا لیتی ہے جو بعض اوقات اُن لوگوں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں جنہیں ہم محبت کرتے ہیں اور جو ہم سے محبت رکھتے ہیں۔

جناب ابوطالب نبی کریم صلعم کے چچا تھے۔ یعنی آپ کے والد جناب عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے اور آپ کی سفارش سے ہی آپ صلعم خدیجہ کی ملازمت میں داخل ہوئے تھے۔ وہی خدیجہ جنہیں بعد میں حضور کی سب سے پہلی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ جب آنحضرت صلعم مقام نبوت پر فائز ہو گئے تو قریش نے ابوطالب کو آنحضرت کی خدمت میں یہ پیغام دیکر بھیجا کہ آپ دین حق کی تبلیغ و اشاعت سے رک جائیں۔ چنانچہ جناب ابوطالب آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور قریش کا پیغام دیا۔ اس کے جواب میں جناب رسالت مآب نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ " اے چچا! اگر قریش میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور میرے بائیں ہاتھ پہ چاند بھی رکھدیں۔ تو میں اپنے فرض منصبی سے رک نہیں سکتا "

اگرچہ جناب ابوطالب نے اسلام قبول نہ کیا۔ لیکن انہوں نے اپنے بھتیجے کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا

ہوا تھا۔ اور آپ کے فرزند ارجمند جناب علی مرتضیٰ نے تو نہایت جرأت سے آنحضرت کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

اشاعت اسلام کے لئے آنحضرت صلعم کی سرگرمیاں یوماً فیوماً بڑھتی گئیں۔ لیکن تاہم آپ وقتاً فوقتاً غار حرا میں تشریف لے جاتے۔ آپ کے جانی دشمنوں میں سے ایک شخص عمر تھا۔ وہی عمر جس نے بعد میں اشاعت قرآن مجید میں ایک نمایاں حصہ لیا۔ اپنی بہن کے گھر جا رہے تھے جبکہ آپ نے سنا کہ آپ کی بہن اور بہنوئی دونوں آنحضرت صلعم پر ایمان لے آئے ہیں۔ آپ نے ان کو قرآن مجید پڑھتے سُن لیا پھر کیا تھا آگ بگولہ ہو گئے۔ اور اپنی بہن اور بہنوئی کو خوب پیٹا کہ خون بہنے لگ گیا۔ لیکن کچھ وقفہ کے بعد آپ کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی اور آپ نے ان سے کہا کہ مجھے بھی قرآن مجید سناؤ۔ قرآن مجید کا سننا تھا۔ کہ آپ فی الفور ایمان لے آئے۔ آپ کی یہ تبدیلی ایسی ہی آناً فاناً ہوئی جیسی کہ عیسائیوں کے "پال" رسول کی بیان کی جاتی ہے۔ اور آپ کا نام تاریخ اسلام میں ایک نہایت ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ آپ اسلام کے ایک بہت بڑے پہلوان ثابت ہوئے اور اشاعت اسلام میں آپ سے کارہائے نمایاں وقوع میں آئے۔

آنحضرت صلعم کو خدا سے حکم ہوا کہ یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللّٰہ یعصمک من الناس۔ ان اللّٰہ لا یھدی القوم الکافرین۔

یعنی اے رسول! جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تیرے پر اتارا گیا ہے پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔ (سورۃ مائدہ آیت ۶۷)

پھر فرمایا۔

وقل انی انا النذیر المبین۔ کما انزلنا علی المقتسمین۔ الذین جعلوا القران عضین۔ فوربک لنسئلنھم اجمعین۔ عما کانوا یعملون۔ فاصدع بما

وَاعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (سورۃ الحجر آیت ۹۴)

ترجمہ ۔ اور کہو میں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں ۔ جس طرح ہم نے قسمیں کھانے والوں پر اتارا یعنی عذاب نازل کیا ۔ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۔ سو تیرے رب کی قسم ہم ان سے پوچھیں گے جو وہ عمل کرتے تھے ۔ سو کھول کر کہدے جو تجھے حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں کا خیال نہ کر ۔

آج کل اکثر عیسائی پادری وہ تعلیم نہیں دیتے جو حضرت مسیح علیہ السلام دیتے تھے ۔ بلکہ وہ اس انجیل کی تعلیم دیتے ہیں ۔ جس میں انہوں نے پال کی تعلیمات اور انسانی تحریفات کو داخل کر دیا ہے ایک بہت بڑی نمایاں تحریف جو کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں بجائے توحید کے تثلیث کو داخل کر دیا ہے ۔ حالانکہ عہدنامۂ عتیق میں بار بار یہ تعلیم موجود ہے ۔ اور جناب یسوع نے بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے اس پر نہایت زور دیا ہے کہ " وہ مالک جو ہمارا خدا ہے وہ ایک ہی ہے "

تثلیث اور اسی قسم کی دوسری تعلیمات جو ذات الہی کے لئے بہت ہتک ہے ۔ اور جن کے متعلق جناب مسیح علیہ السلام کی تعلیم میں جیسا کہ عہدنامہ جدید میں موجود ہے اس کی کوئی سند کوئی حوالہ نہیں پایا جاتا تمام عیسائی دنیا میں نہایت کثرت کے ساتھ اشاعت پذیر ہو چکی ہیں ۔ موجودہ عیسائی ایسے ہی بت پرست ہیں ۔ جیسا کہ عام مشرکین حالانکہ دوسری طرف ان کے مذہب کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے اور بُرا سمجھتے ہیں ۔ پال نے ایکدفعہ " تیموتھی " کو لکھا تھا ۔

" میں نے اچھی لڑائی لڑی ہے میں نے اپنا زمانہ ختم کر دیا ۔ میں نے مذہب کو محفوظ رکھا "

لیکن حقیقت نفس الامری اس کے خلاف ہے اس نے جو کچھ کہا کیا نہیں ۔ اس نے مذہب میں بہت سے ایسے اضافے کئے جن کی کوئی سند نہیں ۔ اس کی تعلیمات اُس صداقت کے خلاف ہیں جو جناب یسوع پر کھولی گئیں ۔ اس نے اس کو توڑ موڑ دیا ۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے کسی پیغام میں اضافہ کرنا بھی اتنی بڑی تحریف ہے جتنا کہ کسی حصہ کو حذف کر دینا ۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار لوگ پال کے متبع اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں ۔

نماز روحانی زندگی کے حصول کا پہلا قدم ہے ۔ یہ روحانی زندگی کے قیام کا باعث اور اس کی

تکمیل کا موجب ہے۔ ایک مسلمان شاعر نے منظری کی مشہور مناجات کے تغیر الفاظ یوں کہا ہے۔

نماز مسلمان کی روح رواں ہے

یہ انسان کے لئے ایسی ہی ابدی ہے جیسا کہ انسان کی زندگی کے لئے ہوا

یہ دعا موت کے دروازوں پر مسلمان کے لب پر ہوتی ہے

وہ دعا کے ساتھ بہشت میں داخل ہوتا ہے

دعا کرتے وقت ہمارے تمام خیالات خداوند تعالےٰ پر مجتمع ہونے چاہئیں اور محض اسی ذات پاک کو ہی مخاطب کرنا چاہئے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ زبان سے تو ہم دعا کریں اور ہمارے خیالات کسی اور طرف چکر لگا رہے ہوں۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ جب تک حضور قلب نہ ہو تو دعا کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اور عربی میں ایک مشہور مثل ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کا سر تو قبلہ کی طرف ہے۔ لیکن پاؤں خس وخاشاک میں پھنسے ہوئے ہیں

اور مولانا روم فرماتے ہیں ؎

برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر　　　این چنین تسبیح کے دارد اثر

اور شکسپیر نے لکھا ہے۔

میرے الفاظ اوپر کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ لیکن میرے خیالات نیچے ہی رہتے ہیں۔ الفاظ بغیر خیالات کے آسمان کی طرف کبھی نہیں جا سکتے"۔

دعا کسی مخلوق چیز یا کسی انسان کو مخاطب کر کے نہیں کرنی چاہئے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نہیں کرنی چاہئے نہ کسی ولی پیر یا فقیر سے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید کی پہلی سورۃ کو لیجئے اس میں صاف ارشاد موجود ہے کہ دعا کے لائق صرف ایک ہی ذات پاک ہے یعنی خداوند جل شانہ چنانچہ وہ سورۃ یوں ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین

انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین - اس میں الفاظ ایاک نعبد و ایاک نستعین خاص طور پر قابل غور ہیں - یعنی اے خداوند تعالےٰ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں - اور خاص تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں -

دعا یا نماز کی حالت میں دل پورے طور سے خدا کی طرف متوجہ ہونا چاہئے - ایسے بھی موقع آسکتے ہیں جب کہ الفاظ اظہار خیالات کے لئے روک بن جاتے ہیں - اس وقت انسان اظہار خواہش سے خاموش رہتے ہوئے خدا کے قرب کے نور سے منور ہوتا ہے - تب دعا اپنے پورے اوج پر پہنچ جاتی ہے - اور خدا سے اتصال کلی نصیب ہو جاتا ہے - اسی حالت میں الفاظ کا استعمال بے محل اور دخل در معقولات کا مصداق ہوتا ہے (اس کیفیت کو وہی اصحاب سمجھ سکتے ہیں جو ان مراحل میں سے گذرے ہوں - مترجم)

کیا آپ کا چھوٹا بچہ کبھی آپ کے گھٹنوں پر نہیں بیٹھ جاتا اور اپنی بازوؤں کو آپ کی گردن میں نہیں ڈالتا اس کی اس قسم کی حرکت کا کیا آپ یہ کہکر کبھی جواب نہیں دیا کہ اچھا پیارے بچے تم کیا چاہتے ہو؟ اور کیا آپ نے کبھی یہ جواب نہیں سنا کہ میں کچھ نہیں چاہتا - محض یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں - یہ ہے اتصال کلی - جب نماز یا دعا میں ہم اس بلند مقام پر پہنچتے ہیں تو ہم ازلی ابدی خدا کی گویا رضا حاصل کرتے ہیں (جو اصل مقصود زندگی ہے - مترجم) اور اس سے دل کے اندر وہ اطمینان اور راحت پیدا ہوتی ہے جس سے تمام شکوک و شبہات ھبا منثورا ہو جاتے ہیں - لیکن یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم اس معیار پر پورے نہ اتریں جو اسلام نے قائم کیا ہے - یعنی من کل الوجوہ اللہ تعالےٰ کی منشا اور اس کی رضا کے سپرد اپنے آپ کو کر دینا - بلیٰ من اسلم وجہہ للہ - میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کے دل میں برے خیالات یا بری خواہشات پیدا ہو کر آپ کے سکون قلب کو درہم برہم کرتی ہیں؟ اس مصیبت سے رہائی حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ نماز ہے - اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :-

واقم الصلوٰۃ طرفی النہار و زلفا من الیل - ان الحسنات یذھبن السیات

وذالك ذكرىٰ للذّاكرين۔ (سورۃ ہود آیت ۱۱۵)

دعا مادی اور دنیوی ضروریات کے لئے درخواست کا نام نہیں۔ بلکہ یہ ایک مدامی بلند پایہ کا جذبہ ہے جسے مستقل اور شعوری طور پر خدا کی رضا کے ماتحت لانا ہے اس کی غرض دل کو اور خواہشات کو پاک وصاف کرنا۔ اور بدی کو نیکی سے بدل دینا ہے۔ اور کیا بلحاظ خیالات کے اور کیا بلحاظ افعال کے خدا کے ساتھ اس قدر متّصل رہنا ہے کہ سامسٹ کے تجربات ہماری زندگی میں پھر عود کر آئیں اور داؤد کے ہمنوا ہو کر ہم کہہ سکیں" تیری ہی حضوری میں کامل راحت ہے۔ اور تیرے ہی دائیں ہاتھ میں دائمی خوشیاں ہیں"

اگر ایک انسان پاک وصاف زندگی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُس کو دعا سے کام لینا چاہئے دعا کے بغیر انسان کا قلب صاف نہیں ہوسکتا اور طہارت اور پرہیزگاری پیدا نہیں ہوسکتی

لا ٹمیئی سن نے کہا ہے :۔

دعا روح انسانی کی سب سے بلند پرواز ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک بہت بڑے دریا کا بند کھول دیا جائے اور اس کا پانی چھوٹی چھوٹی نہروں میں بہ نکلے یا سمندر کا پانی مجتمع ہو کر اپنے پورے زور سے تموج پیدا کر دے۔

حق کی دولت محنت مشقت اور نماز اور دعا سے نصیب ہوتی ہے یہ دعا اگر الفاظ میں ظاہر کی جائے تو ہماری خواہش کے لئے بطور تکملہ کام دیگی۔ التجا کرنے سے پہلے جستجو اور کھٹکھٹانا جس کے ساتھ خواہش کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ایک لازمی امر ہے۔ اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ حق کا متلاشی حق پالیگا اور پھر حق کی دولت دوسروں میں بھی تقسیم کرے گا۔ لیکن یہ جستجو جاری رہتی ہے۔ اور ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ ابھی تو اس معدن کا ایک حصہ ہی کھودا گیا ہے۔ وُہ حصہ جو ملا ہے اور جو اس قدر قیمتی ہے۔ وہ ان جواہرات کا ایک بہت قلیل حصہ ہے جو اس معدن میں پائے جاتے ہیں اور ابھی تو اس سے بھی زیادہ قیمتی جواہرات اس معدن کے نیچے کے طبقوں میں پڑے ہیں جو کچھ اب تک دستیاب ہُوا ہے وہ تو وہ ہے جو دروازہ پر سے ملا ہے۔ یہ تو ابھی ابتدا ہے

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ؟

گئی ایک عیسائی خدا کو دنیوی ضروریات اور آرام و آسائش کے حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور اس خیال کی تائید میں متعدد کتب لکھی گئی ہیں۔ لیکن ایک مسلمان کا یہ زاویہ نگاہ نہیں ہے۔ خدا سے دعا کا تو یہ مطلب ہے کہ اس ذات واجب الوجود کے اس کی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق مانگی جائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی بھی آخری دعا یہی تھی جسے صحیح معنوں میں "خداوند کی دعا" سمجھنا چاہئے وہ کیا دعا تھی۔

"تاہم نہ اس طرح جس طرح میں چاہتا ہوں بلکہ اسی طرح جس طرح تو چاہتا ہے" یعنی اے باری تعالےٰ تیری مرضی پوری ہو نہ کہ میری مرضی۔ یہ ہے حقیقی دعا۔ باقی رہا دنیوی ضروریات کے لئے دعا مانگنا کیا ہمارے عیسائی دوستوں نے متی باب ۶۔ آیت ۹ اور لوقا باب ۱۹ آیت ۲۹ ۳۱ میں نہیں پڑھا؟۔

"مت ڈھونڈو جو تم کھانا چاہتے ہو یا پینا چاہتے ہو اور نہ دل میں شکوک کو جگہ دو۔ کیونکہ دنیا کی قومیں یہ چیزیں تلاش کرتی ہیں۔ اور تمہارا باپ جانتا ہے کہ تمہیں ان چیزوں کی ضرورت ہے لیکن تم پہلے خدا کی بادشاہت کو ڈھونڈو۔ اور یہ تمام چیزیں تم کو دی جائینگی"۔

"لائف آف کارڈی نل ووگن" میں لکھا ہے کہ اس کی ماں کبھی دنیوی چیزوں کے لئے دعا نہیں کیا کرتی تھی۔

سٹاپ فورڈن بروک اپنی کتاب The Gospel of Joy مطبوعہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۳ میں لکھتے ہیں۔

سلامتی کی راہ کیا ہے؟ "ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا"۔

پھر ایک ہی خواہش دل میں رکھنا یعنی خدا کی مرضی پر عمل کرنا۔ ایک ہی مقصد پیش نظر

یہ دعا کی کامل صورت ہے اور اچھے لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو تمام خواہشات اور ضروریات سے بالاتر ہیں۔ بقیہ نوٹ کیلئے دیکھو صفحہ ۱۲۹

رکھنا خدا کی مرضی کی اطاعت میں زندگی بسر کرنا۔ کیونکہ ایسی حالت میں ہی ہمارے تمام قویٰ ایک حاکم کے ماتحت ایک تربیت یافتہ فوج کی طرح ایک فتح کے لئے آگے بڑھیں گے اور وہ فتح کیا ہے سلامتی۔ امن۔"

یہ وہ سلامتی ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے چاہتا ہے۔ چنانچہ جب ملتے ہیں۔ تو ایک اسلام علیکم کہتا ہے اور دوسرا وعلیکم السلام کہتا ہے۔

السلام علیکم کا مطلب یہ ہے کہ تم پر سلامتی ہو۔ اور وعلیکم السلام کا مطلب یہ ہے کہ تم پر بھی سلامتی ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کی رضا کے مطابق کرنا ہمارے بوجھ کو گھٹا دیتا ہے بڑھاتا نہیں۔ دعا ہمیں ایسی طاقت عطا کرتی ہے کہ ہم اپنے بوجھوں کو بطیب خاطر برداشت کرتے ہیں بلکہ ان بوجھوں کے برداشت کرنے میں ایک لطف آتا ہے۔ درحقیقت دعا ان بوجھوں کو ایسا ہلکا پھلکا کر دیتی ہے کہ ہم ان بوجھوں کو بوجھ سمجھتے ہی نہیں۔

بہت سے مذہبی لوگ جن کے چہروں پر ملال کے آثار نمایاں ہیں اپنے آپ کو فلاسفر کہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ مذہب کا فلسفہ تو ہے۔ مگر فلسفہ کے متعلق ڈاکٹر جوڈ کا نظریہ یہ ہے کہ یہ ایک خشک مضمون ہے۔ (ڈاکٹر جوڈ وہ شخص ہے جسے اس کا علم ضرور ہونا چاہئے۔)

بقیہ صفحہ ۱۲۸

عہ ان لوگوں کے لئے جو روحانیت کے اس بلند مقام پر فائز نہیں ہوئے۔ اسلام ہر ایک چیز کے واسطے دعا مانگنے کی اجازت دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے اقتصادی جدوجہد کی جو حیوانی حس ہمارے اندر ہے وہ روحانیت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے یہ ظاہر ہے کہ ہماری اقتصادی کوششوں کے ساتھ ساتھ دعاؤں کی شمولیت نہیں ہے تو ہر ایک کامیابی پر جو ہمیں اس سلسلہ میں ہوگی ہم میں انانیت پیدا ہو جائیگی اور یہ طریق ہماری روحانی بیداری کے رستہ میں ایک بہت بڑی روک ثابت ہوگا۔ خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو پس ایسی دعا کی حالت میں جس میں کوئی غیر مطلوب نہ ہو یعنی وہ دعا جس کا مقصد محض اپنے وجود کو کلی طور پر خدا کے حضور پیش کر دینا ہے ہم کو اپنی معروضات ایسی ترتیب سے عرض کرنی چاہئے جس سے ہماری ضمنی روحانی کیفیات ہمارے ہاتھ سے نہ چلی جائیں۔ ترجمہ

میں نہیں جانتا کہ آیا ڈاکٹر جوڈ کے اس نظریہ کا یہ مطلب ہے کہ اتنے مذہبی لوگ جو اپنے آپ کو فلاسفر کہتے ہیں کیوں اس قدر عبوسا قمطریرا نظر آتے ہیں۔ لیکن ایک مسلم بھی آپ کو بمشکل نظر آئے گا جو اس قدر یبوست زدہ ہو۔ ظاہری طور پر تو یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک مسلمان ایک عیسائی کے مقابلہ میں زیادہ ہشاش بشاش ہے اور اُسے وہ طریق معلوم ہے کہ کس طرح اپنے مالک یعنی خدا کے ساتھ وہ خوش وخرم رہ سکتا ہے۔ بہرحال فلسفہ ایک غیر مستقل چیز ہے یہ ایک دائمی حرکت کی حالت میں رہتا ہے اور اسے کوئی مستقل قرار اور سکون حاصل نہیں فلسفہ اور مذہب کے درمیان اتنا ہی بُعد ہے جتنا کہ مذہب اور مذہب کی سائنس میں۔ مذہب زندگی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص ہر ایک مذہبی نظام کا جو اس دنیا میں پایا جاتا ہو واقف ہو پھر بھی ذاتی طور پر اس میں مذہب کا شائبہ بھی نہ ہو۔ ممکن ہے کہ مذہبی سائنس کے عالم ہونے کی حیثیت میں آپ بڑا عالمانہ لیکچر دے سکتے ہیں اور موجودہ اور گذشتہ ہر مذہب کے اصول پر نہایت صحیح اور طویل وعریض تنقید کر سکتے ہیں تاہم مذہب کی ایک رتی بھی آپ کے اندر نہ ہو۔ ممکن ہے کہ آپ ہر ایک فلسفہ کے اصول و فروع پر عبور حاصل کر لیں۔ لیکن اگر آپ کا دماغ اس تمام مشقت کا متحمل بھی ہو جائے مگر آپ عملی رنگ میں مذہب سے بے بہرہ ہوں۔ تو آپ کی یہ سب تحصیل بے سود اور بے فائدہ ہوگی۔ مذہب وہ چیز ہے جس کا زندگی سے تعلق ہے محض خیالی چیز نہیں ہے۔ درحقیقت یہ وہ زندگی ہے۔ اور خواہ آپ ہندو یا بدھ یا عیسائی یا مسلمان یا کسی اور مذہب کے قائل ہیں تو جو بھی مذہب آپ کا ہے اس کو اپنی زندگی اور اسی کو اپنے تمام خیالات اور افعال کا سرچشمہ بنانا چاہئے۔

لیکن آپ کہہ سکتے ہیں کیا یہ تمام مذاہب کا نقطہ نگاہ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ضرور ہے۔ سوال ہو سکتا ہے کہ پھر اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر کیوں فوق دیا جاتا ہے۔ اس کا جواب بہت سہل از رسادہ ہے۔ اسلام کا یہ دعوے ہے کہ یہ تمام توہماتی خدوخال سے پاک وصاف ہے۔ اور دوسرے ادیان کی نسبت انسان کو زیادہ سہل قدرتی اور موثر طریق سے خدائے ازلی ابدی سے ملا دیتا ہے۔ اسلام میں خدا کو ملنے کا رستہ زیادہ صاف اور سادہ ہے اسلام میں اس کی رضا کی اطاعت

زیادہ سہل اور قدرتی بنادی گئی ہے۔ یہ اطاعت برضائے اللہ اسلام کا اصول ہے۔ اور دائمی طور پر نماز ادا کرنے سے ایک مسلمان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس اصول پر اس رستہ کے ہر قدم پر عمل پیرا ہو جو اس کو خدا کی طرف لے جاتا ہے۔

اسلام میں بہشت و دوزخ کا تخیل

(از حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

قرآن مجید کی متعدد آیات پر ایک عمیق نگاہ ڈالنے سے بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس مقدس کتاب کو تمام دوسری کتب پر جنہیں آسمانی کتب ہونے کا ادعا ہے ایک خاص برتری اور فوقیت حاصل ہے یہ برتری اور فوقیت محض اس وجہ سے نہیں کہ اس نے اُن نعمائے جنت کی اصل حقیقت کو واشگاف کیا ہے جن کا وعدہ متقیوں کو دیا گیا ہے۔ بلکہ اس وجہ سے بھی ہے کہ ان کو ایسے آسان اور سہل طریق پر بیان کیا ہے کہ انسان بخوبی سمجھ سکے۔ یہ ایک ایسا امر ہے جو اسلام کو تمام اعتراضات سے پاک وصاف ہی نہیں کرتا بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صرف یہی ایک مذہب ہے جس کی اتباع سے انسان نجات حاصل کرسکتا اور نعمائے جنت سے لطف اندوز ہوسکتا ہے دوسرے تمام مذاہب نے دنیوی زندگی اور زندگی مابعد الموت کے درمیان ایک ناقابل عبور حد فاصل قائم کر دی ہے لیکن اسلام کی رو سے آخرۃ کی زندگی اس دنیوی زندگی کا ایک تسلسل ہے۔ اور موت کے ساتھ انسانی زندگی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا بلکہ موت ایک دروازہ ہے جس سے انسان جس حالت میں وہ ہو گذر کر دوسری دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اسلام انسان کو موت کے بعد ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں ہی بہشت کا وعدہ دیتا ہے۔ اور اس طرح سے اُن تمام الجھنوں کو جو نعمائے بہشت کے سمجھنے میں پیش آتی ہیں۔ سلجھا دیتا ہے۔ اس امر کو قرآن مجید بڑی وضاحت سے بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمایا من کان

فی ھذہٖ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا۔ یعنی جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرۃ میں بھی اندھا ہوگا اور سیدھے رستہ سے بہت دور بھٹکتا ہوگا۔ زندگی مابعد الموت کا اندھا پن ظاہر کرتا ہے کہ ایسا شخص بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا اور اس کو بہشتی زندگی نہیں مل سکتی۔ پس یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ جو شخص اس دنیا میں اپنے آپ کو بہشت میں نہیں پاتا۔ وہ مرنے کے بعد بھی بہشت میں راہ نہیں پائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی رو سے اس دنیوی زندگی میں ہی بہشتی زندگی کی بنیاد پڑتی ہے۔ آیت بالا میں اندھا پن کو دوزخ سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اور یہ ایک بڑی پر حکمت بات ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوزخ کی زندگی وہ زندگی ہے جو گناہوں کی آلائش میں بسر ہوئی اور جو نتیجہ میں روحانی برکات سے اندھا ہونے اور خدا کا چہرہ دیکھنے والی آنکھوں سے بے بہرہ ہونے کا۔ اسلام کی رو سے بہشت کی نعمت عظمیٰ لقاء الٰہ یا رؤیت باری ہے اور یہ وہ اعلےٰ نعمت ہے جو آیت بالا کی رو سے انسان کو اس زندگی میں حاصل کر لینی چاہئے اور اگر وہ اس زندگی میں اسے حاصل نہیں کریگا تو دوسری زندگی میں بھی بے نیل مرام رہیگا۔ آیت مذکورہ کے الفاظ صاف طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ انسان اس زندگی میں ہی خدا کا چہرہ دیکھ لیتا ہے اور اس طرح سے بہشت کی سب سے بڑی نعمت کو حاصل کر لیتا ہے۔ غرض اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ عالم اُخروی کی بہشتی زندگی کی حقیقت اس دنیا کی بہشتی زندگی سے مختلف نہیں۔ اس دنیا کی اور اس دنیا کی بہشتی زندگی کی نوعیت ایک ہی رنگ کی ہے وہ دونوں صورتوں میں دیدار الٰہی کی مترادف ہے جو ضد ہے اندھا یا بے بصر ہونے کی۔

قرآن مجید کی کئی ایک دوسری آیات سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے ایک اور دوسرے موقعہ پر اللہ جل جلالہٗ فرماتے ہیں۔ ولمن خاف مقام ربہ جنتان یعنی جو شخص اللہ تعالےٰ سے ڈرتا اور اس کے جلال اور عظمت سے خائف ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں (ایک اس دنیا میں اور دوسری دوسری دنیا میں) ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ اس جنت کی کیا حقیقت ہے۔ جو انسان کو اس زندگی میں دی جاتی ہے۔ اس کی تشریح کیلئے ایک آیات میں موجود ہے چنانچہ سورۃ

الفجر میں ہم پڑھتے ہیں یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی - یعنی اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ وہ تجھ سے خوش اور تو اس سے خوش - پس میرے بندوں میں داخل ہوجا - اور میری بہشت میں داخل ہوجا - اس آیت کی رو سے جو شخص اپنے خدا سے خوش ہے وہ درحقیقت اس دنیا میں ہی بہشت میں ہے اور دوسری زندگی میں بھی جنت کا مستحق ہے - خدا کے ساتھ کامل طور پر مطمئن ہوجانا اور اس ذات میں اپنی تمام راحت اور خوشی محسوس کرنے کی حالت بہشتی زندگی کی کیفیت ہے یا بالفاظ اسی کا نام بہشت ہے - علیٰ ہذا القیاس ایک دوسرے موقعہ پر اللہ تعالےٰ کی رضا کے سامنے جھک جانے کو بہشتی زندگی قرار دیا ہے - جیسا کہ فرمایا - بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون - یعنی وہ جو خدا کے سامنے جھک جاتا ہے اور نیکی کے کام کرتا ہے اس کو خدا سے اجر ملیگا اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہے نہ حزن - ایسے لوگ جو خدا کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اپنی تمام خواہشات کو اس کی رضا کے سامنے قربان کردیتے ہیں ان کی نسبت ایک اور جگہ فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے اندر دین کی محبت سرایت کرگئی ہے اور ہر ایک قسم کی بدی اور احکام خداوندی کی نافرمانی سے ان کو نفرت ہوجاتی ہے - حتیٰ کہ بدی کے ارتکاب کے لئے ان کے دلوں میں کوئی رجحان نہیں رہتا یہ ہے اس دنیا کی بہشت اور دوسری دنیا کی بہشت کی حقیقت اس سے مختلف نہیں - جو مذہب یہ تعلیم دیتا ہو کہ جب تک انسان تمام معاصی سے پاک و صاف نہ ہو نجات ممکن نہیں اس پر یہ الزام لگانا کہ اس کے ہاں بہشت ایک سفلی جذبات کا گہوارہ ہے مقام تعجب ہے - میں پوچھتا ہوں کہ جس صورت میں اسلام کی رو سے کوئی شخص نجات کا مستحق نہیں جب تک کہ وہ تمام سفلی جذبات کو کچل نہ ڈالے تو کیا وہ ایسی بہشت کو پیش کرسکتا ہے - جس میں سفلی جذبات کی آبیاری کا سامان ہو؟ اور کیا مسلمان اپنی بہشت کو ایک سفلی بہشت مان سکتے ہیں - جب کہ ان کا ایمان یہ ہے کہ اس بہشت میں داخل ہونے سے پہلے ضروری یہ ہے کہ انسان تمام اخلاق رویہ ذمیمہ سے پاک و صاف ہو - جذبات ذمیمہ قبیحہ پر پورا پورا قابو پانا اسلامی

بہشت میں داخل ہونے کا پہلا قدم ہے۔ حالانکہ بہشت کے اعلیٰ نام کے حصول کے لئے اعلیٰ قسم کے اعمالِ صالحہ کی ضرورت ہے۔ اگر اسلامی بہشت کا حصہ کسی ایسے عقیدہ پر ہوتا جیسا کہ کفارہ کا ہے جس کی رو سے ایک فاسق فاجر انسان جس نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا (لیکن چونکہ وہ کفارہ کو مانتا ہے) مرنے کے ساتھ ہی فوراً بہشت میں جا پہنچتا ہے۔ تو اس صورت میں اسلام پر الزام لگایا جا سکتا تھا کہ یہ ایک سفلی بہشت کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن جب حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی رُو سے بہشت میں جانے کے لئے انسان کے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ گناہوں سے پاک وصاف ہونا ہے اور جس صورت میں بروئے اسلام اس دنیا میں بہشتی زندگی کا حصول دوسری دنیا میں بہشت حاصل کرنے کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ تو یہ انتہا درجہ کی حماقت ہو گی کہ اسلامی بہشت کو ایک سفلی بہشت قرار دیا جائے۔

بہشت جیسا کہ ہر ایک قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے وہ منتہائے مقصود ہے۔ جس کی طرف اسلام انسان کو لے جاتا ہے۔ اور اگر اس کی ماہیت کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ ذریعہ یا راستہ جو اس منتہائے مقصود کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس شک کو دور کر سکتا ہے۔ یہ ذریعہ صفائی قلب ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ ذریعہ پاک وصاف ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ منزل مقصود بھی ناپاک نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص جس کے دماغ میں عقل ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک ناپاک مقصد کے لئے پاک ذرائع کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ذرائع ہوں گے ویسے ہی نتائج بھی ہوں گے کیونکہ ذرائع ہی نتائج کو پیدا کرتے ہیں۔ رضائے الٰہی کی کامل اتباع۔ کامل صفائی قلب۔ جذبات سفلی اور خواہشات نفسانیہ پر کامل تسلط۔ بے داغ نیکی۔ کوئی ہمیں بتائے کہ ان میں سے کونسی بات ہے جو سفلی بہشت کے ساتھ تطبیق پا سکتی ہے ایسی بہشت کی ماہیت کے متعلق تو شکوک کا پیدا ہونا از بس ممکن ہے۔ جس میں فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے اصحاب داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب تک انسان کے سر میں عقل کارفرما ہے۔ وہ کبھی ایسی بہشت کے پاک وصاف ہونے پر شک نہیں کر سکتا۔ جس میں صرف وہی لوگ دخل پا سکتے ہیں۔ جو قلب صافی

رکھتے ہیں۔

قطع نظر امور بالا کے قرآن مجید بڑے واضح الفاظ میں ہمیں بتاتا ہے کہ اعمال حسنہ کے کیا نتائج ہوں گے؛ چنانچہ فرمایا:-

وبشر الذین امنوا وعملوا الصالحات ان لہم جنات تجری من تحتہا الانہار کلما رزقوا منہا من ثمرۃ رزقاً قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل واتوا بہ متشابہا ولہم فیہا ازواج مطہرۃ وہم فیہا خالدون (البقر)

یعنی ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ بجا لانے والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب ان کو پھلوں سے رزق دیا جائے گا وہ کہیں گے یہ وہ پھل ہیں جو ہمیں پہلے دیئے گئے تھے۔ اور یہ پھل ان پھلوں سے مشابہ ہوں گے جو اس دنیا میں ان کو دیئے گئے تھے۔ اور ان کے لئے اس بہشت میں پاک ساتھی ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ مسلمان کس قسم کی بہشت مانتے تھے یا مانتے ہیں۔ اس میں ہمیں بتایا گیا ہے۔ کہ جب وہ بہشت میں پھل دیئے جائیں گے۔ تو وہ کہیں گے کہ یہ وہی پھل ہیں جو انہیں پہلی زندگی میں دیئے گئے تھے۔ اگر وہ یہ سمجھتے کہ بہشت کی اعلیٰ چیزیں درحقیقت اس دنیا کی ہی چیزیں ہیں جیسا کہ اسلام کے معترضین کہتے ہیں تو وہ فوراً سمجھ جاتے کہ بہشت میں بھی ان کو سوائے ان چیزوں کے کچھ نہیں ملے گا جو وہ پہلے لے چکے ہیں۔ ایسی بہشت میں ان کے لئے کیا کشش ہو سکتی ہے۔ جہاں انہیں سوائے چند قسم کے پھلوں کے جنہیں وہ اس دنیا میں بھی کھا چکے ہیں۔ اور کچھ نہیں ملے گا۔ علاوہ ازیں بہت سے مومن مسلمان غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں کیا ان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ زندگی ما بعد الموت میں بھی ان کو کوئی پھل نہیں ملے گا۔ کیا کوئی شخص کبھی ایسے مسلمان سے ملا ہے جس نے یہ ظاہر کیا ہو کہ دوسری زندگی میں اس کو وہی پھل ملیں گے۔ جو وہ اس زندگی میں کھا چکا ہے۔ آیت کے الفاظ بڑے صاف ہیں۔ کلما رزقوا منہا من ثمرۃ رزقاً یعنی جتنی دفعہ ان کو کسی قسم کا پھل دیا جائیگا وہ کہیں گے " یہ پہلی زندگی میں بھی ہم کو دیا گیا تھا " اس

سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن پھلوں کا اس آیت میں ذکر ہے وہ اس دنیا کے پھل نہیں ہیں - بلکہ وہ اعمال حسنہ کے پھل ہیں - جو ان پھلوں سے بالکل مختلف ہیں - جو زمین پر اُگنے والے درختوں میں لگتے ہیں اور اگر بہشت کے پھل اس دنیا کے پھلوں سے مختلف ہیں تو لازماً دوسری چیزیں بھی جن کا ذکر آیت بالا میں ہے - اس دنیا کی چیزوں سے مختلف ہیں - مزید برآں یہ پھل ایسے ہوں گے جنہیں مومنین یہاں بھی کھا چکے ہیں - یہ ایک ایسی بات ہے جس سے مزید ثبوت ملتا ہے کہ اُس بہشت کی ماہیت جو مومنین کو بعد الموت ملے گی - اس بہشت کی کیفیت سے مختلف نہیں جو اس دنیا میں ان کو ملتی ہے -

---

رجوع الی الاسلام

کچھ عرصہ ہوا ہندوؤں کے تمام فرقوں میں قانونی طور پر خلع حاصل کرنے کا بل بمبئی گورنمنٹ گزٹ میں شائع ہوا تھا - اُس بل کی رو سے ہندوؤں کو حق پہنچ سکتا ہے کہ وہ مفصلہ ذیل حالات میں خلع پر عمل کریں -

(۱) عدم رجولیت کی حالت میں -

(۲) خاوند کا سات سال کے عرصہ تک عورت کو چھوڑے رکھنے یا اس عرصہ تک مفقود الخبر یا غائب ہو جانے کی صورت میں -

(۳) دیوانگی یا جذام کی حالت میں جو سات سال کے عرصہ تک ممتد ہو -

(۴) جب خاوند دوسری شادی کرے تو پہلی بیوی کو طلاق حاصل کرنے کا حق ہوگا

دوسری بیوی یا اس کے بعد آنیوالی بیوی خاوند سے طلاق حاصل کرنیکی اس بنا پر مجاز نہیں ہوگی کہ شادی کے وقت اسکی دوسری بیوی موجود ہے - خواہ اس نے اس امر کو پردۂ اخفا میں ہی رکھا ہو کہ اسکی پہلے بھی ایک بیوی موجود ہے جذام کی صورت میں اگر بیوی چاہئے تو قانونی طور پر علیحدگی حاصل کر سکتی ہے (اس صورت میں اسکا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ ہوگا) مذہب اسلام میں نکاح یا بیاہ کو بڑا تقدس حاصل ہے یہ زندگی بھر کا ایک میثاق یا مقدس عہد ہے تاہم یہ مذہب فطرت اپنی پاک کتاب میں ایسے مخصوص حالات کے اندر جبکہ کوئی اور چارہ نہ ہو اور زندگی وبال جان بن جائے طلاق یا خلع کے ذریعے خاوند اور بیوی کے درمیان علیحدگی کو جائز قرار دیتا ہے - باوجود بعض نقائص کے جو اس بل میں پائے جاتے ہیں ہم اس امر کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں کہ ہندو تدریجاً اسلامی شریعت کی طرف جو انسانی زندگی کا کامل ضابطہ ہے رجوع کر رہا ہے - اسلام انسانی مذہب فطرت ہے - دنیا [illegible]

[illegible] ادا کئے جاتے ہیں۔ [illegible] عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتمآب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ اُن کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمےٰ کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) **مشن کے آرگن** ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے۔ جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی۔ اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

(۶) **مشن کے تاثرات** ۔ (۱) مشن کی اکیس سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں بعض تو تہجد تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ اُن میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ اُن کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ میں اب دشمنانِ اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک روادارانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں بمعہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلانِ اسلام بمعہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۷) **انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے** قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعتِ اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قائم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعتِ اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آئندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جدوجہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبرانِ سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آرا کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں لیکن انگریزی قوم میں اشاعتِ اسلام ہمارا اولین نصب العین ہونا چاہئیے۔

(۸) **ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے** دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کُل مسلمانانِ عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ۔ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذبِ عالمِ اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانانِ عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ وارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ، بلادِ اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

۹. ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ۱۰ ... نفوس سے امداد ہو سکتی ہے

(۱) بحیثیت عطیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کر دیں۔ جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کار خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ۱۲ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں اس کا حلقہ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳ہے اور ممالک غیر کیلئے ۴ہے۔ (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جا سکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاویگی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جسمیں کوئی نہ کوئی نومسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کر کے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیت کاملہ سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رو سے اشاعت اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کار خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سود اشاعت اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سود صرف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ سود کی ان رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنان اسلام کے ہاتھ چلی جاویگی جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ خیرات۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ (ریزرو فنڈ) ایک کارآمد نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ کام اکیس سال سے بحسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے مینیجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ بطور محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے بروئے کار ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہو کر آئندہ کیلئے کسی جیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کار خیر کیلئے فراہم نہ کر سکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینیجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام (۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں تین کارکنان مشن کی موجودگی میں موصول ہو کر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان پر سب کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں بھیجی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سیکرٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ داران ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کر دی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات۔ (۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England :- The Imam, The Mosque, WoKing, Surrey, England

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان)

تمام خط و کتابت بنام سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب۔ ہندوستان) ہونی چاہیئے

JUNE 1947. R. L. No. 908.

۱۹۱۳ء

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیران اعزازی

آفتاب الدین احمد بی۔ اے
مدیر اسلامک ریویو (انگریزی)

عبدالمجید ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی
امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مرتبہ
خواجہ عبدالغنی سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　**اللہ اکبر**　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ- اور چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ- وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ووکنگ انگلستان

مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) **تشکیل مشن۔** ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) **اغراض و مقاصد۔** (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ وارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) **تبلیغی مسلک۔** (۱) مشن کی تبلیغ صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقہ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) **مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع** (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں یورپ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے۔ (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور علاوہ ازیں مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چائے سے تواضع کی جاتی ہے۔ (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ہزار سے اوپر نفوس شامل ہوتے ہیں مسلمین و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمد بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مسلم کے ½ اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۳　بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء　نمبر ۶

رحمۃ للعالمین

(نتیجۂ فکر عالی جناب نواب سر نظامت جنگ بہادر)

ہم پیام و ہم پیمبر ہر دو مارا رحمت است
حکمت او مذہب است و مذہب او حکمت است

حکمت او سوے ایماں عقل را راہے نمود
عاقلاں را راہِ ایماں مقتضائے فطرت است

عقل بیند نقش قدرت بر سماء و بر زمیں
ہر اشارہ چشم دل را اہل دل را آیت است

سنت ما قبل ایں و سنت ما بعد ایں
رحمت است ایں مومناں را منکراں را لعنت است

اے کہ گوئی کعبہ ہست از سنگ و آہک یک مکاں
ایں مکاں ہم گر تو دانی یک نشان رحمت است

عہ زمانہ حج ۱۳۵۶ء میں ایک روز دار الایتام مکہ معظمہ سے مجھے .... ایک خوشنما طغرے کی شکل میں یہ آیہ شریفہ وصول ہوئی -

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

اس پر نظر پڑتے ہی ایک عجیب اثر میرے دل پر ہوا ایک لفظ زبان سے نہ نکل سکا - لیکن دوسرے روز تہجد کے لئے جب اٹھا - تو یکایک یہ اشعار دل میں آنے لگے - جو اوپر درج کئے گئے ہیں - نظامت جنگ

شذرات

ایک مکتوب

مذہب کا مقام

ہمیں اپنے نبی مکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ اور تعلیمات سے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے جس سے ہماری دنیوی اور روحانی زندگی جادۂ صواب پر آجائے۔ خداوند کریم نے حضور صلعم کو اپنا آخری نبی بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا ہے۔ آپ خاتم النبین یا نبیوں کی مہر ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام مبارک میں فرمایا ہے۔ ما کان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبین ۵ حضور صلعم جو پیغام لے کر آئے وہ کسی مخصوص قوم یا طبقہ کی طرف نہیں تھا بلکہ کل بنی نوع انسان کی طرف تھا۔ حضور کو جو آخری نبی فرمایا گیا ہے تو اس کے نیچے کیا حقیقت ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے ساری کی ساری دنیا بلا استثنا راہ راست پر آجائیگی؟ اور دنیا سے بدی کلیتہً نیست ونابود ہوجائیگی؟ اگر کوئی شخص ایسا خیال کرتا ہے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ موجودہ نام نہاد تہذیب نے دنیا میں ایک قیامت برپا کر رکھی ہے۔ دنیا میں بدی کا دور دورہ ہے۔ مختلف قسم کی خرابیاں موجود ہیں۔ اور افعال قبیحہ کا ارتکاب کھلے بندوں کیا جا رہا ہے۔ دنیا ایک رزمگاہ بن رہی ہے۔ جنگ وجدال کا بازار گرم ہے۔ قومیں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزمائی کر رہی ہیں۔ اور بڑے بڑے اہم مسائل اُن کے پیش نظر ہیں۔ یہ بین الاقوامی اضطراب اور افراتفری جو آج ہم دیکھ رہے ہیں یہ آنیوالے مصائب کا پتہ دیتی ہے جبکہ انسان اپنی محبوب چیزوں اور اپنے مال ومتاع سے ہاتھ دھو بیٹھیگا۔ براعظم یورپ میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں اُن سے یہ لازمی خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ اس خوبصورت اور عظیم القدر قصر کی خیر نہیں جس کی تعمیر مذہبی پیشواؤں کی

تعلیمات کی منت کش ہے۔ مذہب عوام الناس کے دل ودماغ سے رخصت ہو چکا ہے اور اب مادیت ہی مادیت اس کی جگہ لے رہی ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس تلخ حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ جب کبھی مذہب کو پس پشت پھینک دیا جائے اور اس طرح سے دوسری طاقتیں اس کی جگہ لے لیں تو انسان کی تباہی کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں بہت سے ممالک کی حالت اسی قسم کی ہے۔ اسلامی سلطنت کے عروج وزوال کے مدوجزر نے ہمیں یہ قیمتی سبق دیا ہے کہ خود دنیوی امور کے اندر مذہب کو بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی سلطنت کی توسیع کے لئے مسلمان جنگیں کرتے رہے۔ چونکہ اُن کے دلوں کی الواح دنیوی ہوا وحرص سے پاک تھی۔ جہاں کہیں وہ گئے فتح وظفر نے اُن کے پاؤں چومے۔ لیکن خلافت اسلامیہ کے بعد کے جانشین رنگ روحانیت کھو چکے تھے۔ اُن کے دلوں میں دنیوی مفاد اور دنیوی طاقت کی خواہش کا اثر اسلامی سلطنت پر الٹا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک مختصر سے عرصہ کے اندر اندر ان کے بہت سے مقبوضات دشمنوں کے ہاتھ میں چلے گئے۔ حاصل کلام دنیوی اقبال وجاہ ہو یا روحانی مقاصد دونوں صورتوں میں مذہب کو ایک بہت نمایاں جگہ دینی چاہئے۔ اس جگہ ہم مسلمانوں کے رہنماؤں کو ان کا فرض یاد دلانا چاہتے ہیں کہ دوسری باتوں کو چھوڑ کر مذہب کے تحفظ اور اس کو زندہ رکھنے کا اہتمام اور سعی کریں۔ مسلمانوں کے لئے وقت ہے کہ تمام بے سود خیالات کو اپنے دماغ سے نکال دیں۔ اور اس عالم سفلی کے لگاؤ سے جو بدیاں ان کے اندر آگئی ہیں اُن سے اپنے آپ کو پاک وصاف کریں۔ ہمیں اپنی مشکلات سے رہائی حاصل کرنے کے ذرائع تلاش کرنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن پاک کی نصائح پر عمل کریں اور جہاں تک ہماری طاقت ہے ہم اپنے نبی متبوع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ مذہب خدا کا قانون ہے اور یہی وہ ذریعہ ہے جو اطمینان کا ضامن ہے۔ اسلام تمام لوگوں کے لئے اور تمام زمانوں کے لئے یکساں طور پر موزوں ہے۔

ایچ۔ اے رحمٰن

اتحاد - اتحاد - اتحاد

اتحاد فی الملت کی اہمیت

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً

(جناب ایم ایم شریف مجاہد کے قلم حقیقت رقم سے)

ملت اسلامیہ کے تمام اجزا میں اتفاق اور اتحاد - یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے - سلطنت اسلامیہ مغلیہ کے مٹ جانے کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں میں کسی زمانہ میں اتفاق اور اتحاد کی اس قدر ضرورت محسوس نہیں ہوئی جس قدر کہ اب - کیونکہ اس حقیقت سے ہر خورد و کلاں آگاہ ہے کہ اب وہ خطرناک زمانہ آگیا ہے کہ جس براعظم کو چک میں مسلمانوں نے تقریباً ۸ سو سال تک بڑے جاہ و جلال کے ساتھ سلطنت کی اُسی سرزمین میں اب ان کی ثقافت اور تہذیب بلکہ خود اُن کی زندگی کا چراغ ٹمٹماتا نظر آتا ہے -

فلیبکِ علی الاسلام من کان باکیا

تاریخ اپنے آپ کو دھرا رہی ہے - اور اغیار کے عزائم وہی ہیں جو کسی زمانہ میں ان کے بزرگوں سیوا جی اور پیشواؤں کے تھے یعنی مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا - یا کم از کم اُن کو معمولی خدمت کے کام کرنے والوں کی جماعت میں تبدیل کر دینا جیسے کہ لکڑ ہارے یا سقے -

ایک تاریخی صداقت جو بڑی دردناک ہے وہ یہ ہے کہ مخالفین اسلام کسی زمانہ میں اور کسی جگہ اسلام پہ ایسی کاری ضرب نہیں لگا سکے جیسی کہ مسلمانوں نے خود اپنے ہاتھوں سے لگائی ہے - ابن سعود نے ایک دفعہ بجا کہا کہ مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کے علاوہ اور کسی کا خوف نہیں - جس قدر میں مسلمانوں سے خائف

ہوں۔ اس قدر میں کسی اور سے خائف نہیں ہوں" الغرض یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہل اسلام کو جو صدیوں سے نقصان پہنچ رہا ہے وہ خود مسلمانوں کی طرف سے ہی پہنچا ہے۔ اور اسلام کی ترقی میں خود مسلمان ہی سد راہ بنکر کھڑے ہوئے۔

دیکھتے ہیں یہ دن اپنی ہی غفلت کی بدولت
سچ ہے کہ بُرے کام کا انجام برا ہے

آپ اسلام کی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ کریں اور آپ کو بلا شبہ یہ منظر اچھی طرح نظر آجائے گا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک جنگ جمل میں ہی جو حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان واقع ہوئی۔ اس قدر مسلمان قتل ہوئے کہ اُن کی تعداد اُن تمام شہداء سے بھی بڑھ گئی جنہیں دشمنان اسلام کے خلاف عربستان اور افریقہ کے صحراؤں۔ شام و فلسطین کے میدانوں غرضیکہ مشرق میں خراساں سے لے کر براعظم افریقہ کے آخری حدود بحر اوقیانوس کے سواحل تک غزوات کرنی پڑیں۔ خلیفہ ثالث کے بعد بلکہ خود ان کی زندگی میں ہی ان ذاتی اختلافات اور معمولی تنازعوں کے بھوت نے اپنا سر اٹھایا۔ جس کا پہلا وار حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت میں ظاہر ہُوا۔ مگر یہاں تک ہی نہیں تمام اسلامی تاریخ میں یہ بھوت اپنے بھیانک کارنامے اور تباہی اور بربادی کے مناظر پیش کرتا نظر آتا ہے۔ کبھی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ کرواتا اور سرزمین کربلا میں اہل بیت رسول اللہ کا خون بہاتا ہے۔ کبھی ہسپانیہ میں طارق اور موسیٰ بن ناصر کے مابین تنازعے برپا کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یورپ میں آئندہ فتوحات کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ اور مغرب میں اسلام کی ترقی کی رو مسدود ہوجاتی ہے۔ پھر یہی بھوت بغداد میں معتصم باللہ اور آخری عباسی خلیفہ اور اس کے وزیر اعظم ابو کلیجی کے درمیان محاربہ قائم کرتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکو خاں کے ہاتھ سے بغداد کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہاں یہی بھوت کبھی پلاسی کے میدان میں اپنے مہیب کارنامے سرانجام دیتا نظر آتا ہے جس سے برطانوی اقتدار ہندوستان میں قائم ہوجاتا ہے۔ اور کبھی جنوبی ہندوستان میں ٹیپو اور اس کی فوجوں کو تہ و بالا کرتا ہے۔ اور کبھی جنگ عظیم کے دوران میں مشرق وسطیٰ میں، عربوں اور ترکوں کے درمیان دشمنی کے بیج بوتا ہے۔ جس سے سلطنت عثمانیہ

کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ اور تمام اسلامی دنیا کو مغربی طاقتوں کے سامنے سربسجود کر دیتا ہے۔ حاصل کلام وہ بلا جس نے اسلام کو کھالیا وہ ان کی آپس کی نا اتفاقی اور آپس کے تنازعے اور جھگڑے ہیں اور ان کے نیچے جو جذبہ کام کر رہا تھا۔ وہ ذاتی اغراض اور ذاتی منفعت تھا۔ ہم نے اسلام پر اپنی ذاتی اغراض کو مقدم کیا اور یہی مصیبت تھی جس نے اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ اپنی روپہلی سنہری اغراض کے لئے اپنے ہی بھائیوں کے ساتھ معرکہ جنگ وجدل برپا کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوم وہ عظیم الشان قوم جو دنیا کے نصف حصہ کی مالک تھی وہ کفار اور مغربی استبدادیت کے سامنے سربسجود ہو گئی۔ فانا اللہ وانا الیہ راجعون

گرینیڈا اور کارڈووا کی تسخیر۔ مکہ اور مدینہ کے متبرک شہروں کی تاخت و تاراج (عبدالمالک کے زمانہ میں) بغداد اور دمشق کی لوٹ مار۔ افریقہ کی مسلم سلطنت کی بربادی۔ سلطنت عثمانیہ کا تجزیہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا زوال اور شرق وسطیٰ کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر برطانیہ کے پاس چلے جانا یہ وہ مثالیں ہیں جو مسلمانوں کیلئے درس عبرت ہیں۔ اور ان کے لئے جو مسلمانوں میں نا اتفاقی کا بیج بوتے ہیں۔ ان میں زبردست انتباہ ہے۔ اور یہ مثالیں بآواز بلند اعلان کر رہی ہیں کہ جس راہ پر وہ گامزن ہیں وہ ملت کو تباہی کے گڑھے میں لے جانے والا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ؏ مرادِ ما نصیحت بود گفتیم

ووکنگ مشن کی تبلیغی جدوجہد

امام ووکنگ کے نام قدر دانی اور شکریہ کے خطوط

(۱)

پیارے جناب!

میں آپ کی دلچسپ گفتگو اور مہمان نوازی کا (اس عریضہ کے ذریعے) شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جو آج تیسرے پہر ہمیں آپ کے ہاں میسر آئی

مجھے مذہبی امور سے بہت دلچسپی ہے۔ امید ہے کہ آپ از راہ عنایت عنقریب کسی چہار شنبہ یا یک شنبہ کے دن سہ پہر کے وقت پھر ملاقات کا موقعہ دینگے۔

آپ کا صادق
جے۔ ایم۔ ایف

ایگھم سرے
۱۹-۳-۴۷

(۲)

ڈیئر ڈاکٹر عبداللہ!

کل سہ پہر جو آپ نے ہمارے لئے اہتمام فرمایا اس کے لئے میں اپنی طرف سے اور اپنے تمام رفقائی طرف سے ہدیہ تشکر پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

آپ سے ملاقات کرنے والوں میں سے ہر ایک نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ آپ سے اس امر کا اظہار کیا جائے کہ ہمیں آپ کی ملاقات سے اور اس گفتگو سے جو آپ نے اسلام کے متعلق فرمائی بہت خوشی حاصل ہوئی اور ہماری معلومات میں اضافہ ہوا لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوں یا نہ ہوں اور نہ آپ اس کا چنداں خیال فرمائیں لیکن اس امر کے جاننے سے آپکو اطمینان ہوگا کہ آپ کی گفتگو سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگیا۔

ہمارا خیال ہے کہ ہم لوگ آپ کو اپنے کالج میں دعوت دینے کا اہتمام کریں۔ سر دست ہم آپ کی سہ پہر کی عنایات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

آپ کا صادق
جے۔ آر
کو پیرہل
۲۰۔ $\frac{۳}{۴۷}$

(۳)

ڈیئر ڈاکٹر عبداللہ

گذشتہ سہ شنبہ کے دن ووکنگ میں آپ نے ہمیں جس گرمجوشی اور محبت سے مدعو فرما کر مشکور فرمایا میں تہ دل سے اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

ہمارے طلباء نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس سے وہ بہت محظوظ ہوئے اور انہوں نے دلچسپی کا اظہار کیا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ہماری یہ ملاقات اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے میں ہم سب کیلئے بڑی ممد و معاون ہوگی بحیثیت ایک مذہبی لیکچرار کے میں خصوصیت سے اس انداز کی بڑی قدر کرتا ہوں جس میں آپ نے ہم سے گفتگو کی اور آپ نے جو اسلامی عقاید پر روشنی ڈالی میں اس کو بھی بڑی قدر و منزلت سے دیکھتا ہوں۔

ہمیں توقع ہے کہ میں کسی دن طلباء کے ایک دوسرے گروہ کے ساتھ آپکو پھر مل سکونگا

آپ کا صادق
جی۔ ایچ۔ بی
لندن کونٹی کونسل
۲۱-۳-۴۷

آستانۂ صداقت اسلام

نفس ناطقہ یا "روح" یعنی ذی شعور قوتِ فاعلی

(از جناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام)

سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ مئی ۱۹۴۷ء ملاحظہ ہو

جسم انسانی میں روح کے فعل پر غور کرنے سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے - روح انسانی، اگر خواہشات نفسانی میں گرفتار نہ ہو، تو ہمارے اجسام میں بطور ایک ذی شعور قوت فاعلی کے کام کرتی ہے یعنی ادنیٰ جذبات کو اخلاق فاضلہ اور روحانیت میں مبدل کر دیتی ہے - جذبات کے فنا کر دینے یا خواہشات کے انتفاء کا نام، اخلاق نہیں ہے - بلکہ یہ جوہر انسان میں، اُن جذبات و احساسات کے انقیاد و انضباط سے پیدا ہوتا ہے، اور اُن کے استعمال کے صحیح موقعہ اور محل کا نام ہے - یہ کام "روح" یا نفسِ ناطقہ سے متعلق ہے - پس "روح" ایک تخلیقی قوت کا نام ہے، جو حیوان کو واقعی انسان بنا دیتی ہے، اور اس کا فرض منصبی یہ ہے کہ ہمارے جذبات کے مفید اور مضر پہلوؤں میں ہمیشہ صحیح طور پر امتیاز کرے -- اول الذکر کو اختیار کرے اور آخر الذکر سے احتراز - تاکہ ہماری نشوونما و توسیع پذیر ہو سکے - پس جو کام، حیوانات میں، حیات کرتی ہے وہی کام انسان میں، روح کرتی ہے - جس طرح ہماری طبیعت کے جسمانی پہلو کو نشوونما دینا حیات کا فرض ہے اسی طرح ہمارے اخلاقی اور روحانی پہلو کو ترقی دینا، روح کا - گویا فرض دونوں کا ایک ہی نوعیت رکھتا ہے ہاں فرق اگر ہے تو اُس مادہ میں، جو یہ دونوں قوتیں اپنے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرتی ہیں - یہ دونوں، حیوانی اور

گیلانی پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبدالغنی پرنٹر پبلشر چھپکر عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا -

انسانی قالبوں میں، عمل تخلیق کرتی رہتی ہیں - ہاں اگر ایک قوت، بلا ارادہ عمل کرتی ہے تو دوسری (روح) بالارادہ، کیونکہ حیات، جس مادہ پر عمل کرتی ہے وہ غیر ذی شعور ہے اور روح کی بنیاد ہی شعور انفرادی پر مبنی ہے - فی الجملہ حیات، اور روح، انسانی ساخت کے لحاظ سے، اُس قوت فاعلی کے دو مختلف نام ہیں، جو مفید اور مُضر اشیاء متعلقہ میں امتیاز نام کرتی رہتی ہے - ہم جانتے ہیں کہ کوئلہ اور الماس، دونوں ایک ہی مادّہ سے پیدا ہوتے ہیں - اور دونوں کا تعلق عالم غیر عضوی سے ہی ہے - اور ان کا نشو و نما استحالہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ امتزاج پر، لیکن جو مادّہ ان کی ساخت میں مستعمل ہوتا ہے اس کے اختلاف تناسب کی وجہ سے، دونوں مختلف صورتیں اختیار کر لیتے ہیں - اسی طرح مرغی، خنزیر اور انسان کا بچہ، تینوں ایک ہی مادّہ سے پیدا ہوتے ہیں لیکن یہاں بھی اختلاف صور کی بناء، وہ مادی تناسب ہی ہے، جو ان تینوں کی ہیئت انفرادیہ میں علی الترتیب ملحوظ رکھا گیا ہے کائنات میں تمام مادّہ من حیث مجموعہ، غیر منظم یا ھیولاتی شکل میں موجود ہے، لیکن غیر ارادی قوت فاعلی جو ہر مادی قالب سے مختص ہوتی ہے، مفید تناسب کے قبول اور مُضر کے رد کرنے میں نہایت احتیاط کے ساتھ امتیاز عمل کرتی ہے - علی ہذا القیاس، تمام انسانوں میں جذبات کی نوعیت یکساں ہی ہوتی ہے - اور انبیاء اور بدمعاش لوگ باعتبار ساخت جسمانی ایک ہی سے ہوتے ہیں - اور ان میں ایک ہی نوعیت کے جذبات بھی پائے جاتے ہیں (مثلاً خوشبو ایک نبی کو بھی اچھی معلوم ہوتی ہے اور ایک چور کو بھی، دونوں کو محبت اولاد ہوتی ہے، دونوں کو بھوک لگتی ہے، رنج و راحت کا دونوں پر یکساں اثر ہوتا ہے) لیکن انسانی قوت فاعلی یعنی "روح" انبیاء میں بمقابلہ بدکاروں کے زیادہ مضبوط ہوتی ہے اور اس لئے انبیاء انسانیت کے لحاظ سے کامل اور بدکار اس پہلو سے ناقص ہوتے ہیں - اور بدکاروں کے ناقص انسان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی "روح" یا نفس ناطقہ کو ترقی کا موقعہ نہیں دیا - یہی حال، ادنیٰ درجہ کی مخلوقات میں بھی پایا جاتا ہے، اگر مختلف قوتیں، حیات کے منازل ارتقائی میں مُزاحم ہو جائیں تو اُس کی نشو و نما رُک جاتی ہے -

غرضکہ، حیات، روح، اور قوت فاعلی، یہ تینوں اُس ایک عامل کے مختلف نام ہیں - جو

مختلف حالات اور نشوونما کے مادی کے مختلف منازل میں کارفرمائی کرتا ہے۔ اسلامی فلاسفہ اور حکماء نے اس مسئلہ پر نہایت صراحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، انہوں نے مادہ کی ہر صورت نوعی میں ایک قسم کی "روح" کے وجود کو تسلیم کیا ہے، مثلاً روح جمادی، روح نباتی، روح حیوانی، اور روح انسانی، یہ سب مختلف نام انہوں نے اُسی ایک فاعلی قوت کو عطا کئے ہیں، جو ان مختلف عالموں میں کام کرتی رہتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ روح کے متعلق ہماری معلومات نہایت ہی محدود اور قلیل ہیں لیکن ہم "حیات" اور اُس "قوت فاعلی" کے متعلق بھی اس سے زیادہ نہیں جانتے۔ بلکہ کائنات میں بہت سی چیزیں ایسی موجود ہیں جن کا وجود ہمارے لئے سربستہ معمہ ہے۔ نہ ہم ان کی صورت نوعی سے آگاہ ہیں نہ ان کی تاثیر سے خبردار مثلاً برق، نفس ناطقہ یعنی "روح" بھی حیات کی طرح ایک رازِ سربستہ ہی ہے۔ ان دونوں کے متعلق ہمارا علم، صرف اُن کی تاثیر تک محدود ہے اور وہ یہ کہ یہ دونوں قوتیں، اپنی اپنی جگہ نیک و بد میں امتیاز کرتی رہتی ہیں، اگر حیات، غیر ارادی طور پر، تعمیر جسم کرتی ہے تو روح، ارادی طور پر روحانیت پیدا کرتی ہے۔

اس اختلاف کی وجہ ظاہر ہے۔ وہ یہ کہ جس شے پر حیات عمل کرتی ہے، وہ شعور سے عاری ہوتی ہے، لیکن جس مادہ کو نفس ناطقہ روحانیت میں مبدل کر دیتا ہے وہ خود انسانی شعور، ہی ہوتا ہے، جو دراصل اُن خواہشات اور جذبات کے مجموعہ کا نام ہے جس کو روح اخلاق فلسفہ اور مذہب کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہے۔ روح، جس وقت بیدار ہوتی ہے یعنی جس وقت اُس میں قوت بالیدگی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ انسانی جسم میں تخلیقی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ کیونکہ انسان کے لئے، حیوانات کی سی زندگی بسر کرنا، مقدر نہیں ہے بلکہ مشئیت الٰہی یہ ہے کہ وہ روز بروز منازل ارتقائی طے کرتا چلا جائے اور یہ مقصد عالیہ، روح کے نیک و بد عناصر میں امتیاز صحیح سے حاصل ہوتا ہے۔ پس روح، اگرچہ ہمارے لئے ایک معمہ ہے لیکن اپنے افعال اور تاثرات کی وجہ سے بجا طور پر آئینۂ احکام الٰہی، کہلا سکتی ہے جس کے ماتحت انسان اپنی مخفی استعدادوں کو بروئے کار لاکر درجہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔

لفظ "رب" کے معنی، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے اور جو خدا تعالیٰ کا ایک نام ہے، اور اس کے معنی ہیں، پیدا کرنے والا، پالنے والا، اور ترقی عطا کرنے والا - پس اپنے "رب" کے حکم کے ماتحت، انسان کے لئے لازمی ہے کہ اُن استعدادوں کو بروئے کار لائے، جو "رب" نے اس میں ودیعت کی ہیں، اور اس حکم کی تعمیل "روح" کا فرض منصبی ہے -

انسان کو یہ حقیقت، قرآن شریف کی اس آیت سے معلوم ہوئی :-

" یسئلونک عن الروح ، قل الروح من امر ربی ، وما اُوتیتم من العلم الا قلیلا "

ترجمہ - اور تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں - کہو روح میرے رب کے حکم سے ہے - اور تمہیں تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہے - (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۵-)

الغرض حیات اور روح، دونوں انسانی جسم میں تخلیقی عمل کرتی ہیں - اول الذکر ہماری نطرت کے جسمانی پہلو کو آراستہ کرتی ہے اور آخر الذکر روحانی پہلو کو - لیکن یہ چیزیں، خارج سے نہیں داخل ہوتیں بلکہ مادہ کی ارتقاء کی ایک خاص منزل میں پیدا ہو جاتی ہیں - اور حقیقت یہ ہے کہ وہ جوہر جس سے انسانی روح طیار ہوتی ہے، مادہ کے ہر ذرہ میں موجود ہیں - اور یہ بات قرآن شریف کی ان آیات سے بخوبی ثابت ہے :-

ولقد خلقنا الانسان من سللۃ من طین - ثم جعلنٰہ نطفۃ فی قرار مکین - ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظما فکسونا العظم لحما ثم انشانٰہ خلقا اخر، فتبٰرک اللہ احسن الخالقین - ثم انکم بعد ذالک لمیتون ہ

ترجمہ :- اور ہم انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کرتے ہیں پھر ہم اسے ایک مضبوط ٹھہرنے کی جگہ میں نطفہ بناتے ہیں پھر ہم نطفہ کو لوتھڑا بناتے ہیں اور لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بناتے ہیں اور گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں ہڈیاں بناتے ہیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں - پھر ہم اسے ایک اور پیدائش دیکر اٹھا کھڑا

کرتے ہیں۔ پس اللہ بابرکت ہے۔ (جو) سب بنانے والوں سے بہتر (ہے) پھر تم اس کے بعد یقیناً مرنے والے ہو۔ (سورۃ المؤمنون آیات ۱۲ تا ۱۵)۔

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جسم زمین کی مٹی کے ست سے بنایا گیا ہے، اور یہ ست، جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ مرقوم ہے، مختلف غازوں (گیسوں) کے جلنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح احادیث نبوی میں آیا ہے کہ ابتداءً ہماری زمین رقیق حالت میں تھی۔ چونکہ اس مبحث پر خامہ فرسائی کرنا، گویا نفس مضمون سے صریحی اعراض کرنا ہوگا۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ بفحوائے ارشاد قرآن ہماری زمین، اُس مادّہ کی ارتقائی منزل کی موجودہ صورت ہے جو غاز ملتہب (جلتی ہوئی گیس) سے پیدا ہوتا رہتا ہے، اور انسان بھی بعض لاحق ارتقائی تراکیب ہی کا نتیجہ ہے۔ مختلف منازل ارتقائی کا ذکر کرتے ہوئے، قرآن مجید نے دو حروف عاطفہ "ثم" اور "ف" استعمال کئے ہیں جن کے معنیٰ ہیں "پھر" یا "پس"۔ پہلا حرف وہاں استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ کسی فعل کی دو منازل میں کوئی وقفہ لاحق ہو، اور دوسرا حرف، وہاں استعمال ہوگا۔ جہاں مختلف منازل پے درپے واقع ہوتے ہیں۔ چنانچہ اقتباس بالا میں حرف "ثم" مٹی کے ست اور لطیفۂ حیات کے مابین استعمال ہوا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن لطیفۂ حیات کے پائندہ ہونے کے بعد، مختلف منازل کو حرف "فا" سے مربوط کیا گیا ہے، حتیٰ کہ منزل لحمی آجاتی ہے۔ اس کے بعد پھر "ثم" آیا ہے جہاں لطیفۂ حیات کے صورت لحمی وعظامی اختیار کرنے کا مذکور ہوا ہے، اور اس منزل سے جدا پڑا ہوا ہے۔ جبکہ انسانی "روح" پورے طور سے اس میں سرایت کر جاتی ہے۔ قرآن مجید کے یہ الفاظ کہ "تب ہم ہی نے اس کو ایک دوسری مخلوق بنا کھڑا کیا" دراصل ایک "نئی طرز حیات" کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو ایک معین عرصہ کے بعد لاحق حال ہو جاتی ہے۔ بہرحال یہ یقینی ہے کہ "روح" کہیں باہر سے آکر ہمارے اندر داخل نہیں ہوتی بلکہ ہماری فطرت میں بالذات موجود ہوتی ہے۔

جسم انسانی' دراصل "روح" کی پرورش گاہ ہے

حیات کی ابتداء اور مادی جسم میں 'روح' کا ظہور' یہ دونوں باتیں ابھی تک پردۂ راز میں ہیں - ہمارا طبیعی کیمیاوی سائنس ابھی تک فوری اور عجیب ترکیب کی معقول تشریح سے قاصر ہے اور چونکہ بادی النظر میں' روح اور مادہ دو مختلف اشیاء معلوم ہوتی ہیں - اس لئے "ثنویت" کے حامی یہ کہتے ہیں کہ یہ دو مختلف چیزیں ہیں - علاوہ بریں روح' جبکہ ارتقائی منازل طے کر لیتی ہے تو جسم پر حکمرانی کرتی ہے یعنی جسم انسان میں لطیفۂ حیات - اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ضرور جسم سے مختلف ہو گی - لیکن یہ زندگی بخش جوہر جسے حیات کہتے ہیں ، ہر نظام عضوی میں یکساں عمل کرتا ہے - اگر روح' جسم پر حکمرانی کرتی ہے - تو حیات بھی بے جان مادہ کو کامل طور سے اپنا محکوم بنا لیتی ہے - جب حیات ظہور پذیر ہوتی ہے تو نظام جسمانی میں ہر شے کی منضبط اور منتظم ہو جاتی ہے ، لیکن وہ خود' روح' کی اطاعت کرتی ہے پس اگر کوئی قائل ثنویت یہ کہے کہ 'روح' خارج سے آکر داخل ہوتی ہے' تو دوسرے لوگ 'حیات' کے متعلق یہی نظریہ پیش کر سکتے ہیں - اور یہ خیال اس وجہ سے اور بھی قرین عقل معلوم ہوتا ہے کہ جب مادہ بظاہر بے جان حالت سے جاندار ہستی میں منتقل ہوتا ہے تو اس کی "طبیعت" میں ایک فوری انقلاب رونما ہو جاتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ جوہر حیات اُسی مادہ میں سے پیدا ہوتا ہے' جس میں کارفرمائی کرتا ہے ، اور جس پر حکمران ہوتا ہے - پس مذکورہ بالا خیال کے صحیح تسلیم کرنے میں چند دشواریاں ضرور لاحق حال ہوتی ہیں - بجلی کا ظہور اس کی نہایت عمدہ مثال ہے - جب دو مخصوص دھاتوں اور ایک خاص رقیق مادہ کو باہم ترکیب دی جاتی ہے تو فی الفور بجلی پیدا ہو جاتی ہے - اور ظاہر ہوتے ہی' اُن مادوں پر تصرف کر لیتی ہے ، جن کی بدولت اس کا ظہور ہوتا ہے - اس طبعی مظہر سے یہ بات حتمی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ بعض اشیاء گرچہ اپنے عناصر ترکیبی سے بلحاظ صورت و نوعیت ، بالکل مغایر ہوتی ہیں لیکن درحقیقت ' اپنے عناصر سے یگانگت اور اتحاد رکھتی ہیں -

ارتقاء کی جملہ منازل میں ایک بات اور بھی ظاہر ہوتی ہے - ہر مادی عضوی جسم کی

نشوونما ہی ادنیٰ جسم پر منحصر نہیں بلکہ وہ اس پر متصرف بھی ہوتا ہے۔ ہر عضوی جسم میں دو ارتقائی منازل ہوتی ہیں۔ اپنے سے ادنیٰ جسم پر متصرف ہوتا ہے اور اُسے اپنی غذا بناتا ہے اور خود اپنے سے اعلیٰ جسم کا ماتحت ہوتا ہے اور اس کی غذا بنتا ہے۔ مثلاً نظام جسمانی کا ہر فرد غیر عضوی جسم کو اپنی خوراک بناتا ہے اور اس کا انتظام بھی کرتا ہے۔ لیکن جب یہ غیر عضوی جسم، حیوانی جسم میں منتقل ہوتا ہے تو اس میں مختلف ہیجانات اور جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور جوہر حیات کو زیر اثر لے آتے ہیں، اور اس اثر کے ماتحت وہ جوہر حیات، ادنیٰ درجہ کے جملہ حیوانی عضوی اجسام کو، اپنی ہستی کو برقرار رکھنے اور نشوونما حاصل کرنے میں استعمال کرتا ہے۔ یہ ہیجانات، جن کے فرائض، ابتدائی منزل میں بالکل محدود ہوتے ہیں، انسانی جسم میں آکر، خواہشات اور میلانات خاطر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور مختلف ارتقائی تراکیب میں منتقل ہو کر تکمیلی رنگ حاصل کر کے، "روح" کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ یہ روح جو اس طرح پیدا ہوتی ہے، انہی جذبات اور احساسات پر متصرف ہو جاتی ہے جن سے پیدا ہوئی تھی اور وہ جذبات وغیرہ کائنات کے دیگر عضوی اجسام پر حکمرانی کرتے ہیں۔ محض چند ارتقاء یافتہ اشکال کو دیکھ کر جو بظاہر باہم دگر مختلف ہوتی ہیں، یا اُس نئے انقلاب کو دیکھ کر جو مادہ میں رونما ہوتا ہے، یا ہیولیٰ میں قبیل دیگر علامات کو مشاہدہ کر کے، یہ فیصلہ کرنا محض جلدبازی پر محمول کیا جائیگا کہ عضوی اجسام میں کوئی شئے غیر جنس خارج سے داخل ہوتی ہے یا یہ کہ اس عضوی جسم کی نئی صورتیں سابقہ صورتوں پر مبنی نہیں ہیں۔ ایسا خیال کرنا، ہمارے فقدان معلومات کی دلیل ہوگی۔ لیکن قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ آئندہ نسلوں کے سائنس دان اسی راز کا انکشاف کر سکینگے جو سردست تمام کائنات کو محیط ہے۔

مادہ اپنے نشوونما کے سلسلہ میں، ہر قابل تذکرہ انقلاب پر نئے خواص حاصل کرتا رہتا ہے۔ جوہر حیاتی، ہیجانات، اور خواہشات جن کو عام گفتگو میں، حیات، شعور اور روح کے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے اس انقلاب کا طغرائے امتیازی ہوتے ہیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ ان کا ظہور یکایک ہو اور طبیعی کیمیادی اصطلاحات میں ان کے صدور کی تشریح نہ ہو سکے، لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ ایک ہی مادہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اگر ہم حیات یا روح کو خارجی کوئی شئے قرار دیں، جو عضوی اجسام سے سرزد نہیں ہوتی، تو پھر اُن ہیجانات کے

متعلق کیا فیصلہ کیا جائیگا، جو حیوانی عضوی جسم میں پہلی مرتبہ نمودار ہوتے ہیں؟ اپنے خواص میں تو وہ بھی حیات اور روح سے جداگانہ ہوتے ہیں - وہ دونوں پر حکمرانی کرتے ہیں اور حیات کے فرائض اور امتزاجات میں معاونت کرتے ہیں کیا پھران چیزوں کو بھی خارجی سمجھا جائے؟ کیونکہ ان میں بھی وہی خواص موجود ہیں جن کی وجہ سے لوگوں نے روح کو ایک امر خارجی قرار دیا ہے - اب تک تو کسی شخص نے یہ نظریہ پیش کیا نہیں، یعنی عموماً ہر شخص جذبات اور خواہشات کو جسم ہی سے پیدا شدہ تسلیم کرتا ہے - انسانی جذبات اور حیوانی خواہشات میں اگر فرق ہے تو مراتب کا، نوعیت اور فطرت دونوں کی یکساں ہوتی ہے - یہی فطری ہیجانات جب جسم انسانی میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو ان کا نام "شعور انفرادی" ہوجاتا ہے - اور کیا یہ شعور انفرادی، انسانی "قوت تمیز" کا ماخذ نہیں ہے؟ اور یہی قوت روح انسانی طغرائے امتیاز ہے -

ہذا، اگر قوت تمیز کا ماخذ، انفرادی شعور کو قرار دیا جاسکتا ہے جو دراصل انسانی جذبات کا مجموعہ ہے، اور ہمارے جذبات اپنے اصل کے لحاظ سے، جسے ہیجانات حیوانی کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ان مختلف عضوی اور غیر عضوی اجسام سے سرزد ہوتے ہیں، جو حیات کے ماتحت اختصاص پذیر ہیں، تو کیا جسم انسانی، روح کا مولد و منشا نہیں ہے؟

اس ایک نظریہ کی بدولت، کہ جسم اور روح، ایک ذات نہیں ہیں بلکہ دو مختلف اور مغائر الوجود ہستیاں ہیں، تمام مذاہب اور فلسفیانہ تعلیمات میں، صدہا زاویہ ہائے نگاہ ایسے پیدا ہوگئے جن کی وجہ سے انسان کی بہبودی میں دشواریاں حائل ہوگئیں - ازیں قبیل مسئلہ تناسخ اور ارواح بھی ہے - ان عقائد کی وجہ سے لوگ صدیوں تک "یوگ" "کفارہ" "رہبانیت" "نفس کشی" اور بہت سی دوسری رسوم باطلہ میں مبتلا رہے ہیں، اور اسی بناء پر انہوں نے یہ خیال کیا کہ روح اور جسم میں کوئی شے مشترک نہیں، بلکہ "روح" جسم میں مقید ہے، اور حقیقی نجات حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ اُسے اس قید گراں سے رہائی دی جائے - اسی لئے نفس کشی اور انتفائے جذبات کو مستحسن قرار دیا جاتا تھا - اور یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا میں رہبانیت اور ترک لذات کی صدہا مختلف صورتیں رائج ہوگئیں - (باقی باقی)

پنج ارکان اسلام

چوتھا رکن زکوٰۃ

(از جناب محمد صادق ڈڈلے رائیٹ)

اسلام کا چوتھا رکن زکوٰۃ ہے جسے خیرات سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے -

نئے عہدنامے میں ایک آیت ہے - جو پادریوں کی نظروں میں بے حد مقبول ہے اور جسے اکثر پادری دوسری آیات کے مقابلے میں زیادہ مرتبہ تقریباً ہر مجلس اور تبلیغی محفل میں بار بار پیش کرتے ہیں یہ آیت جب کبھی پڑھی جاتی ہے تو صرف چار لفظوں پر مشتمل ہوتی ہے - لیکن کہنے والے کے لئے اس کے مطالب بہت وسیع ہوتے ہیں - وہ چار لفظ یہ ہیں "اب خیرات کے متعلق" یہ الفاظ ہر قسم کے چندہ جمع کرتے وقت کہے جاتے ہیں - ایک فرقہ جو اپنی مجالس کے اشتہار بہت زیادہ شائع کرتا ہے اس بات میں ممتاز ہے کہ وہ اپنے ہر اشتہار کے نیچے موٹے حروف میں یہ الفاظ لکھتا ہے کہ "چندہ نہیں ہوگا" آپ مسجد میں کبھی روپے پیسے کی جھنکار نہ سنیں گے - یہ اس لئے کہ ہر مسلمان اپنے ذاتی خیراتی کاموں کے علاوہ اپنی سالانہ آمدنی کا اڑھائی فیصدی حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرتا ہے جو غریبوں کی امداد اور اشاعت مذہب پر خرچ کیا جاتا ہے - زکوٰۃ دینا ہر مسلمان پر فرض ہے - جس کا ذکر قرآن مجید کے نویں سورت میں ہے :-

انما الصدقات للفقرآءِ والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہِ وابن السبیل - فریضۃ من اللّٰہ - واللہ علیم حکیم - (سورۃ توبہ آیت ۶۰)

"زکوٰۃ کے حقدار صرف غریب اور حاجتمند ہیں اور وہ لوگ جو اس کے لئے کام کریں (یعنی وہ لوگ

جو زکوٰۃ جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے کام پر مقرر ہوں) (اور اس کا مصرف) تالیف قلوب ہے (اور اس کے حقدار) قیدی ہیں اور مقروض اور جو جادۂ حق پر گامزن ہیں اور مسافر۔ یہ اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ احکام ہیں۔ اور وہ سب کچھ جانتا ہے اور دانا ہے۔"

زکوٰۃ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن اس کے علاوہ مسلمان اپنے آپ پر ایک ٹیکس اور بھی عائد کرتے ہیں اور وہ خیرات ہے۔

اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اپنے پیروؤں سے خیرات کو قانون کی شکل میں نافذ کیا۔ زکوٰۃ ہر سال ماہ رمضان سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں خیرات کے متعلق مندرجہ ذیل آیات بھی موجود ہیں :-

آمنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ۔ فالذین آمنوا منکم و انفقوا لہم اجر کبیر (سورۃ الحدید)

"خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا نے جو مال و دولت تمہیں دے رکھا ہے اس کا ایک حصہ خیرات کیلئے الگ کر دو۔ کیونکہ ایمان لانے والوں اور خیرات دینے والوں کو بہت بڑا اجر دیا جائے گا۔

وانفقوا خیرا لانفسکم۔ ومن یوق شح نفسہ فاولٓئک ہم المفلحون۔ ان تقرضوا اللہ قرضاً حسناً یضٰعفہ لکم ویغفر لکم۔ واللہ شکورٌ حلیم۔ (سورۃ التغابن ۶۴)

"خیرات دینے میں خود تمہاری بھلائی ہے۔ کیونکہ طمع سے بچنے والے ہی فلاح پائیں گے۔ اگر تم خدا کو قرض دو گے تو وہ اس سے دوگنا تمہیں عطا کرے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کرے گا۔ کیونکہ خدا بڑا قدردان ہے۔ اور حلم والا ہے۔

وما اٰتیتم من ربًا لیربوا فی اموال الناس فلا یربو عند اللہ۔ وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٓئک ہم المضعفون۔ (سورۃ روم آیت ۳۹)

"جو کچھ تم دوسروں کے مال سے حاصل کرنے کے لئے سُود پر لگاؤ گے خدا اس میں برکت نہیں

دے گا...... لیکن جو کچھ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خیرات میں دوگے اسے خدائے تعالےٰ دگنا کر دے گا۔

اگرچہ آنحضرتؐ کی حدیث ہے کہ روپیہ پیسہ کی خیرات کرنا خدائے تعالےٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل ہے لیکن خیرات دینے کے کئی اور طریقے بھی ہیں۔ مدینے میں سب سے پہلی مسجد کے ساتھ جو آنحضرتؐ نے زیادہ تر خود اپنے ہاتھوں سے تعمیر کی تھی ایک صحن بھی تھا۔ جس میں نہ صرف مسلمانوں کے اجلاس منعقد ہوتے تھے بلکہ یہ صحن اُن مسلمانوں کی رہائش کا کام بھی دیتا تھا جن کے اپنے گھر نہ تھے۔

ایک مسلمان کے نزدیک خیرات کے معنی بہت وسیع ہیں۔ یہ اس عقیدے کا نتیجہ ہے کہ مسلمان ہر امر کو اللہ کی رضا پر محمول سمجھتا ہے۔ اور یہی عقیدہ سچے مذہب کی جان ہے۔ خیرات کی عادت کو نیکی سمجھ کر بڑھانا چاہیئے۔ کھیل سمجھ کر نہیں، جیسا کہ کلاڈ کہتا ہے:۔

"میں بڑے آدمیوں کی طرح اپنے دسترخوان پر بیٹھتا ہوں
اور جب سیر ہو کر کھا چکتا ہوں تو جوٹھے ٹکڑے غریبوں کو عنایت کرتا ہوں۔
اس سے نہ صرف مجھے اپنی امیری کا احساس اور مسرت ہوتی ہے
بلکہ وقتاً فوقتاً ایسی خیرات کرنے کا لطف بھی حاصل ہوتا ہے"

یہ خیرات نہیں ہے بلکہ خود غرضی کی تصویر ہے۔

اگر ہم اپنے ہمسایوں کے متعلق جھوٹی سچی کہانیاں مشہور کرتے پھریں جو اُن کے دل کو دکھ دیں تو یہ بات خیرات کے منافی ہے۔ یہ بات بھی خیرات کے منافی ہے۔ اگر ہم دوسروں کی برائیاں اپنی باریک بین نگاہوں سے ڈھونڈتے پھریں خواہ ہم ان برائیوں کو مشہور کریں یا نہ کریں۔ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے اعمال کے ذریعے خیرات کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم راستے میں سے کیلے کا چھلکا، کوئی سبزی کا ٹکڑا یا گیلا کاغذ ہٹا کر بدرو میں پھینک دیں کہ اس پر سے کوئی نابینا یا بے پروا راہرو پھسل نہ جائے تو یہ بھی ایک خیرات ہے۔ دوسرے کیلئے دروازہ کھولنا، کسی کے لئے کرسی سرکا دینا اور اسی قسم کے کئی چھوٹے چھوٹے افعال زندگی کو پُر مسرت بنانے میں معاون ہوتے ہیں۔ اور خیرات میں گنے جاتے ہیں۔ آں حضرت

نے فرمایا ہے :-

" ہر نیک کام خیرات ہے - اپنے مسلمان بھائی کو مسکراتے ہوئے ملنا
خیرات ہے - لوگوں کو نیک اعمال کی تلقین کرنا خیرات ہے - اندھے کو راستہ دکھانا
خیرات ہے - راستے میں سے پتھر کانٹے اور دوسری رکاوٹیں دور کرنا
خیرات ہے - پیاسے کو پانی پلانا خیرات ہے "

اس بات کا اعتراف ہے کہ پولوس نے صدقات کو بہت اہمیت دی - لیکن جہاں تک اس کی تعمیل کا سوال ہے متبعین پولوس کے دلوں میں انقباض اور انجماد بقدر کثیر پایا جاتا ہے اور وہ فراخ صدر جو صدقات کے لئے ہونا چاہئے مفقود ہے - معلوم ہوتا ہے کہ پولوس کے زمانہ میں دوسری اقوام میں خیرات کا وجود بالکل کالعدم نہ تھا مگر پولوس اقوام کا رنتھیس اور گلاسی انیز کو خیرات کے لئے زیادہ سرگرمی اور مستعدی کی تاکید کرنا تھا -

آج کل یہ کہنے کا رواج ہو گیا ہے کہ لفظ خیرات سے صحیح مفہوم ظاہر نہیں ہوتا - اس کی جگہ "محبت" کا لفظ استعمال ہونا چاہئے - اس تصحیح پر ہمیں اعتراض تو کوئی نہیں سوائے اس کے کہ انگریزی زبان لفظ محبت (LOVE) کا جتنا غلط استعمال ہوتا ہے اور شاید کسی لفظ کا نہیں ہوتا - یہ تصحیح صرف ایک بہانہ ہے جس کے پردے میں وہ ہاتھ روکا جاتا ہے جسے روپے پیسے سے غریبوں اور حاجت مندوں کی امداد کرنا چاہئے تھی - خاوند اور بیوی یا عاشق و معشوق کو ایک دوسرے کے لئے اظہار محبت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو تحائف پیش کریں جو روپے ہی سے خریدے جاتے ہیں - لیکن وہ لوگ جو خیرات سے محبت کا مفہوم لینے پر اتنا زور دیتے ہیں - جب ان سے کسی قسم کے عطیہ کی درخواست کی جائے تو فوراً جواب دیتے ہیں - کہ " خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے " مجھے ایسی بے شمار مثالیں معلوم ہیں جہاں ایسے ہی بلند خیال لوگوں کے برتاؤ سے گھریلو زندگیاں برباد اور ناقابل برداشت ہو چکی ہیں - یہ صحیح ہے کہ خیرات کی ابتدا گھر ہی سے ہونی چاہئے لیکن کسی مذہب میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے جس میں گھر سے باہر خیرات کرنے کے لئے منع کیا گیا ہو - اس مقولے کو مزے لے لے کر بیان کرنے والے کا اصل

مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا روپیہ اپنے جیب ہی میں رکھنا چاہتا ہے یا صرف ایسی جگہ صرف کرنا چاہتا ہے۔ جہاں اس کا ذاتی مفاد ہو یا اس کی حیوانی لذات کو تسکین پہنچتی ہو حقیقی خیرات میں ذاتی مفاد کو مدنظر نہیں رکھا جاتا بعض لوگ صرف ایسی خیرات کرتے ہیں جس میں انہیں کسی قسم کے فائدے کی امید ہو۔ وہ خیرات کو بھی ایک کاروباری نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور اصل مع منافع کے دوبارہ کاروبار پر لگانے کی امید رکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ عمل خیرات کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

اطباء ہمیں بتاتے ہیں کہ مرض سرطان کی ایک ایسی قسم بھی ہوتی ہے جس میں مریض کو بیماری کا احساس تک نہیں ہوتا یہاں تک کہ مرض بڑھتے بڑھتے معالج کے بس کی نہیں رہتی۔ سرطان کی جسمانی بیماری کی طرح ایک روحانی سرطان بھی ہے جو بغیر احساس کے اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ انسان اس سے کسی طرح مخلصی نہیں پا سکتا۔ یہ خودغرضی کا سرطان ہے

پال کی طرح ڈکنز، ماری کوریلی اور دوسرے مصنفوں نے بھی اس مرض کو زوردار الفاظ میں افسانوں میں بیان کیا ہے۔ لیکن یہ مرض لاعلاج نہیں ہے۔ بلکہ ہر موقع پر اسے روکا جا سکتا ہے۔ اگرچہ جتنا پرانا یہ مرض ہو، علاج میں اتنی ہی دیر لگتی ہے۔ اس کا علاج صرف ایک ہی ہے، اور وہ ہے خیرات۔ اسے خیرات ہی کہیے یا محبت کے لفظ سے تعبیر کیجئے۔ کیونکہ محبت خیرات کا سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مسلسل اور متواتر خیرات کرتے رہنے سے وہ خود بخود محبت میں تبدیل ہو جائیگی۔

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ہمسائے سے ویسی ہی محبت کرو جیسی خود اپنے آپ سے کرتے ہو۔ سوال کیا کیا گیا کہ ہمارا ہمسایہ کون ہے؟ حضرت مسیح نے سمجھایا کہ ہمسایہ سے مراد وہ نہیں ہے جو کسی جغرافیائی حدود کے اندر رہنے والا ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کسی کے ساتھ رحم و کرم سے پیش آیا جائے۔

خیرات میں کشادہ دستی سے کام لینا۔ یہاں تک کہ اسراف کی حد تک پہنچ جانا اس سے بہتر ہے۔ کہ انسان بخل سے کام لے۔

قرآن میں آیا ہے۔

"تجھ سے پوچھتے ہیں کہ خیرات میں کیا دیا جائے کہو کہ وہی جو تم اپنے والدین، رشتہ داروں اور یتیموں

اور مسافروں کی بھلائی میں خرچ کرتے ہو۔ اور جو بھلائی بھی تم کرتے ہو۔ اللہ اس کو جانتا ہے۔

ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ " دینا لینے سے زیادہ بہتر ہے " لیکن سب سے زیادہ برکات اس شخص پر نازل ہوتی ہیں جو دوسروں کو بہن یا بھائی سمجھ کر ان سے رحم و کرم کا برتاؤ کرتا ہے۔ موجودہ زمانے میں خیرات بہت حد تک انجمنوں اور منظم جماعتوں کے ذریعے سے دی جاتی ہے۔ لیکن ان لوگوں کو اس مسرت کا احساس نہیں ہے جو براہ راست خیرات دینے والے لینے والے کو محسوس ہوتی ہے۔ عید کے روز بچوں کے تحائف اگر انہیں ماں باپ کے بجائے ڈاک کے ذریعے موصول ہوں تو عید کی خوشی آدھی بھی نہ رہے گی۔ وہ اختیار اور جذبہ جو براہ راست خیرات دینے میں کارفرما ہوتا ہے کسی انجمن کے ذریعہ سے دینے میں ضائع ہو جاتا ہے۔ خیراتی انجمنوں کا طریقہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ ان میں سے اکثر بجائے خیراتی اداروں کے کاروباری ادارے بن گئے ہیں اور وہ اپنے جھوٹے ناموں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

پرانے زمانے میں رومن اپنے مردوں کی قبروں پر ان کے نیکی کے کام لکھ دیا کرتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانے میں لوگ اپنی زندگی ہی میں چندے کی فہرستوں میں اپنا نام شائع کرانا فخر سمجھتے ہیں۔

خیرات کسی خاص مذہب کا اجارہ نہیں ہے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ جب نیرو کے دور حکومت میں ایک تماشہ گاہ یکایک گر گئی اور پچاس ہزار آدمی اس کے نیچے دب گئے تو دولت مند رومیوں نے حکیموں کو مع ہر قسم کی ادویات کے ان کی امداد کے لئے بھیجا۔ اور زخمیوں کو اپنے گھروں میں جگہ دی عیسائیت کے ابتدائی دور میں تمام بڑے بڑے رہنماؤں نے لوگوں کو خیرات کے لئے تاکید کی اور خدا کے راہ میں خرچ کرنے کو منافع رساں کاروبار سے تعبیر کیا۔ سیسارلیس نے کہا ہے:

" روزہ رکھنا نیکی کا کام ہے لیکن خیرات کرنا اس سے بھی بڑی نیکی ہے۔ اگر کوئی شخص دونوں پر عمل کر سکے تو اچھا ہے لیکن اگر یہ نہ ہو سکے تو خیرات دینا دونوں میں بہتر ہے "

قرآن مجید میں آیا ہے:۔

" جو لوگ اپنی ملکیت صبح و شام خیرات میں دیتے ہیں چاہے وہ چھپا کر دیں یا ظاہرہ طور پر، اللہ اس کا اجر ضرور دے گا۔ ان کے لئے کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ حزن و ملال کا شکار

ہوں گے۔"

قرآن میں دولت جمع کرنے کے متعلق کوئی ممانعت نہیں ہے۔ لیکن اسلامی قانون انسان کو دولت کا عارضی محافظ سمجھتا ہے اس لئے اسے بے جا اسراف کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کا صحیح مصرف یہ ہے کہ اسے خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے اور مصیبت زدوں کی امداد کی جائے۔

لیکنشیس یہ بھی کہتا ہے کہ:۔

"رحم اور انسانیت عابدوں اور زاہدوں کی صفات ہیں۔ فلسفہ اس معاملہ میں خاموش ہے۔"

ایک خاص شعبہ ایسا ہے جہاں خیرات کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ پال کے اس مقولے پر عمل کرنا پہلے کے مقابلے میں آج زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ "محبت میں ہمیشہ سچ بولو" ہمیں خوشی ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے کسی مذہبی بحث کے موقع پر جو جھگڑے اور جھڑپیں ہو جایا کرتی تھیں آج ان کا امکان بہت کم رہ گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ ایسی انجمنیں بن گئی ہیں جہاں مختلف مذاہب کے ممبر ایک جگہ بیٹھ کر دوستانہ طریقے پر مخالف اور موافق آراء کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔ مجھے خود ایسی ایک انجمن میں شمولیت کا موقع ملا ہے جس میں ہم بارہ رکن تھے۔ ہمارے اجلاس ایک ایسے یہودی کے دسترخوان پر منعقد ہوتے تھے۔ جو دولت و ثروت کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور تھا اور مذہبی طور پر علماء میں شمار ہوتا تھا۔ ہماری انجمن کے دو یہودی رکن ربی تھے اور ایک عیسائی رکن پیدائشی طور پر یہودی تھا۔ وہ حقیقت میں کاہن تھا لیکن ہر شخص اسے پسند کرتا تھا کیونکہ وہ بغیر کسی رد و رعایت کے نہایت آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر دیا کرتا تھا۔ آج سے پچاس سال پہلے اس بات کا گمان تک نہ ہو سکتا تھا۔ میں دو ایسے یہودیوں کو جانتا ہوں جو آج رومن کیتھلک ہیں اور دو ایسے رومن کیتھلک میرے دوست ہیں جو آج مسلمان ہو چکے ہیں۔

جب لوگ مذہبی اختلافات کا ذکر کرتے ہیں تو میرے خیال میں قدرتی طور پر ان کا ذہن "زمانہ آزمائش" کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ٹوئٹر، ہس اور ریڈلے کی طرف اور ان بے شمار مردوں اور عورتوں کی طرف جو شہدا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ لیکن انہیں شہدا کے وہ الفاظ نہیں بھول جاتے ہیں

جو وہ یہودیوں کے متعلق استعمال کرتے رہتے ہیں۔

مختلف مذاہب کے عقیدوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمیں ان کے آپس میں اختلافات کو زیر بحث نہیں لانا چاہتے بلکہ ایسے موضوعات پر بحث کرنا چاہئے جو آپس میں مطابقت رکھتے ہوں۔ یہ بھی ایک طرح کی خیرات ہے۔ مطابقت رکھنے والے عقائد ایسی سچائی پر منطبق ہوں گے جن میں کسی شبہ کی گنجائش نہ ہوگی۔ یہی سچائیاں ہیں جو کسی مذہب کو وقت کی فنا کر دینے والی تلوار سے محفوظ رکھتی ہیں۔ ہم نے کئی ایسے مذہب دیکھے ہیں جنہوں نے وجود میں آکر ایک ہیجان پیدا کر دیا اور بے شمار پیرو بنالئے لیکن تھوڑے ہی عرصے میں ریت کے قلعے کی طرح سب کچھ ڈھے گیا اور اب ان کے کھنڈر بھی دیکھنے میں نہیں آتے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر کوئی ٹھوس مواد نہ تھا۔

ثبات صرف سچائی ہی کو ہے۔ اس لئے ہر مذہبی بحث کا مقصد تلاش حق ہی ہونا چاہئے۔ تقریباً پچاس سال گذرے ۱۸۹۱ء میں میکس ملر نے گلاسگو یونیورسٹی میں ایک لیکچر کے دوران میں کہا:

ہم ہر وقت اُن اختلافات کو کیوں زیر بحث لاتے ہیں جنہوں نے رومن کیتھولک یونانی اور پراٹسٹنٹ فرقوں کو الگ الگ کر رکھا ہے اور پھر ان فرقوں میں مختلف خیالات رکھنے والی بے شمار جماعتوں کو دیکھ کر ہم مایوس کیوں ہو جائیں کیا وہ عقائد جن میں ہمارا اتفاق ہے اُن عقائد سے بہت زیادہ نہیں ہیں جن میں ہمیں اختلاف ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان اختلافات نے جن کی ہم اچھی طرح تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ ہم میں تفرقہ ڈال رکھا ہے حالانکہ وہ عظیم الشان سچائیاں جو ہم سب کو یکساں طور پر ورثہ میں ملی ہیں ہم نے یکسر پس پشت ڈال رکھی ہیں۔ عیسائیت جو ایک زمانے میں مذہبی رواداری کا نمونہ تھی آج سب سے زیادہ متعصب ہے اب ہمارا یہ وطیرہ نہیں رہا کہ "جو شخص ہمارے خلاف نہیں ہے وہ ہم میں سے ہے" بلکہ آج ہم یہ کہتے ہیں کہ "جو ہمارے ساتھ نہیں ہے وہ ہمارے خلاف ہے۔"

آج جس چیز کی کمی ہے وہ خیرات ہے۔ لیکن میں میکس مّلر سے بھی ایک قدم آگے جانا چاہتا ہوں اُس نے بت پرستوں کے مذہبوں کی تحقیق بہت کاوش سے کی ہے اور اُن سچائیوں پر بحث کی ہے جن کی یہ مذاہب تعلیم دیتے ہیں لیکن "وحشی مذاہب" کی تحقیق کیوں نہ کی جائے۔

کیونکہ ایک عقیدہ جس پر یہودی، عیسائی اور مسلمان سب متفق ہیں یہ ہے کہ کائنات کی تاریخ میں کوئی وقت ایسا نہیں آیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کا کوئی نہ کوئی شاہد موجود نہ رکھا ہو۔ یہ ایک ایسی خدمت ہے جسے بطور خیرات ضرور سرانجام دینا چاہئے۔ یہ ایک ایسی چیز ہوگی جس سے بہت سے تعصب دور ہو جائیں گے جب مکالے ایڈمبرا میں پارلیمنٹ کی ممبری کیلئے بطور امیدوار کھڑا ہوا تو پادریوں نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کردی۔ وہ جاننا چاہتے تھے۔ کہ بعض متنازعہ فیہ عقائد میں وہ ان کا ہمنوا ہے یا نہیں۔ جب سب پادری اپنے طویل سوالات کر چکے تو میکالے نے جواب دیا:-

"حضرات! اگر آپ نے بھی میری طرح کچھ سال ایسے ملک میں گذارے ہوتے جہاں انسان گائے کی پرستش کرتا ہے، تو آپ ایسی معمولی باتوں کو اتنی اہمیت نہ دیتے"

جیسا کہ میکس مُلر نے کہا ہے:-

"مذہب کے لئے جو عقائد لازمی ہیں۔ وہ تقریباً ہر مذہب میں موجود ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے مذہب میں بھی موجود ہیں جو گائے کی پرستش کرتے ہیں"

شہنشاہ ہند اشوک نے کہا ہے:-

"جو کوئی اپنے مذہب کی برتری ظاہر کرنے کیلئے دوسروں کے مذہب کی تضحیک کریگا وہ خود اپنے مذہب کو نقصان پہنچائے گا"

اشوک نے مذہب کی بنیاد آپس کی رواداری اور خصوصاً زبان پر پابندی رکھنے پر قائم کی ہے اور یہ دونوں کام خیرات کے ہیں۔

اسلام تیرہ یا چودہ سو سال کے بعد آج بھی اُن الزامات سے بری ثابت ہو رہا ہے جو اس کی تعلیم اور تبلیغ کے متعلق عاید ہوتے رہے ہیں یہ ثبوت ہے اس سچائی کا جو اس کے پیشواؤں کا شیوہ رہی اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔

بہشت اور دوزخ کا تخیل اسلام میں

از حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم-اے- ایل ایل-بی

سلسلہ کیلئے رسالہ اشاعت اسلام ماہ مئی ۱۹۳۷ء ملاحظہ ہو

(۳)

دوزخ کی حقیقت کے متعلق محض چند الفاظ ہی کافی ہونگے۔ بہشت کی اصل حقیقت جو پہلے بیان کی جا چکی ہے اس سے دوزخ کی حقیقت کا پتہ بھی چل جاتا ہے۔ کیونکہ زندگی کی یہ دونوں حالتیں یعنی بہشتی زندگی اور دوزخی زندگی ایک دوسرے کے متضاد واقع ہوتی ہیں۔ اور جیسا کہ بہشتی زندگی اسی دنیا میں شروع ہو جاتی ہے اسی طرح دوزخی زندگی بھی اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے۔ دوزخی زندگی کی اصل گناہ ہے اور یہ حقیقت خدا کا غضب ہے۔ چنانچہ قرآن مجید دوزخ کے متعلق فرماتا ہے۔

نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ

یعنی یہ خدا کے غضب کی آگ ہے جو (گناہوں کی وجہ سے) دلوں پر بھڑکتی ہے ایک گناہگار آدمی اسی دنیا میں اپنی دوزخ تیار کرتا ہے۔ لیکن وہ اس کو دیکھتا نہیں۔ لیکن قیامت کے دن وہ اس کو کھلا کھلا دیکھ لیگا۔ بہشت کی طرح دوزخ بھی انسان اپنے ہاتھوں سے تیار کرتا ہے۔ قرآن مجید اس کے متعلق بڑے صاف الفاظ میں فرماتا ہے۔

الھٰکم التکاثر۔ حتیٰ زرتم المقابر۔ کلا سوف تعلمون۔ ثم کلا سوف تعلمون۔ کلا لو تعلمون علم الیقین۔ لترون الجحیم۔ ثم لترونھا عین الیقین۔ ثم لتسئلن یومئذٍ عن النعیم۔ (سورۃ التکاثر)

یعنی تمہاری گوناگوں خواہشات اور جذبات خدا سے تم کو منحرف کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ تم قبر میں

جا پڑتے ہو تحقیق تم جلدی جان لو گے (کہ تم نے اپنے سے ایک دوزخ تیار کی ہے) پھر ہم کہتے ہیں کہ جلدی تم جان لو گے تحقیق بے شک اگر تمہیں اپنے اعمال کے نتائج کا علم ہوتا اور یقینی علم ہوتا تو تم اسی جگہ ہی اس دوزخ کو دیکھ لیتے۔ (لیکن ہم کہتے ہیں) کہ تم مرنے کے بعد اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے "

ان آیات کے رو سے انسان کی خواہشات اور جذبات وہ ماخذ ہیں جن سے اُس کی دوزخ ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن مرنے سے پہلے وہ اپنے ان افعال کے بُرے نتائج سے آگاہ نہیں ہوتا۔ دوسری زندگی کی دوزخ یہاں ہی ظاہر ہوتی ہے مگر انسانی آنکھ سے اوجھل رہتی ہے لیکن ان لوگوں کو جنہیں علم یقینی حاصل ہے وہ اس کو یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ دوزخ کی تکالیف کی ابتدا ایک جگہ قرآن مجید میں اس طرح سے بیان کی گئی ہے

وحیل بینھم وبین ما یشتھون (السبا)

یعنی ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان ایک اوٹ ڈالدی جائیگی۔ جو اُن کے دلوں کے اندر آگ بھڑکائیگی۔ جیسا کہ بہشت کی نشوا کو اس دنیا کے نیک اعمال کے روحانی پھلوں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ دوزخ کا عذاب اس زندگی کے بُرے اعمال کے نتائج کا نقشہ ہے۔ قرآن مجید کی سورہ الحاقہ میں ہے۔

خذوہ فغلوہ۔ ثم الجحیم صلوہ۔ ثم فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعاً فاسلکوہ۔

" یعنی اس کو پکڑو۔ (یعنی شریر گناہ گار کو) اس کی گردن میں زنجیریں پہناؤ پھر اس کو دوزخ میں ڈالو کہ وہ جلے پھر اس کو زنجیر میں جکڑو جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ اُس کو دھکیلو "

بانی تحریک احمدیہ کے الفاظ میں۔ "جو زنجیر یہاں بیان کی گئی ہے یہ اس دنیا کی خواہشات ہیں جو انسان کے سر کو زمین کی طرف نیچے جھکائے رکھتی ہیں۔ اور یہی خواہشات ہیں جو قیامت کے دن زنجیروں کی شکل اختیار کر لیں گی علےٰ ہذا القیاس اس دنیا کی الجھنیں قیامت کی زنجیریں ہیں جو پاؤں میں پڑینگی اس دنیا کی سوزش قلب یا دل کی جلن بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں نظر آئیگی "۔

اس زنجیر کو ستر ہاتھ فرمایا گیا ہے کیونکہ عام انسانی زندگیوں کی لمبائی ۷۰ برس ہوتی ہے۔ گویا ہر ایک ہاتھ بدی کے ایک سال کو ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ قرآن مجید فرماتا ہے " بے شک ان لوگوں کے لئے جو صداقت اور نیکی

کو رد کرتے ہیں۔ زنجیریں ہیں اور طوق ہیں اور جلتی ہوئی آگ ہے۔ یہ چیزیں ان کے اس دنیا کے مشاغل کو ظاہر کرتی ہیں۔ یعنی ان کا اس دنیا کی ادنیٰ چیزوں پر جھکے رہنا اور آسمان کی طرف نظر نہ اٹھانا اور سفلی جذبات سے ان کے دلوں کا جلتے رہنا۔ یہی قیامت کے دن طوق زنجیر اور آگ بن جائیگی۔ برا اعمال انہوں نے اس دنیا میں کئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ان تمام چیزوں کو تیار کیا۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

"اے گروہ اشرار! تین شاخوں کے سایہ کے نیچے چلے جاؤ۔ جو تم کو گرمی سے بچا نہیں سکتا۔ اور نہ دوزخ کی آگ کے شعلوں کے سامنے تمہارے کچھ کام آسکتا ہے" یہ تین شاخیں جو بیان کی گئی ہیں وہ بہیمیت۔ غیظ و غضب یا ظلم و تعدی اور شہوات نفسانیہ ہیں۔

قیامت کے دن یہ تین اخلاق ذمیمہ تین شاخوں میں ظاہر ہونگے۔ جن میں پتے نہیں ہونگے اور اس لئے گرمی سے بچانے کے لئے کچھ کام نہیں دے سکیں گے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بہشت اور دوزخ قرآن مجید کی رو سے محض خوشی یا غم کی جگہ ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے اندر کچھ اور بھی حقیقت ہے۔ بہشت تو انسان کے روحانی ارتقاع کے لئے ہے اور دوزخ روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے ہے۔ انسان انسان ہے اور انسان ہی رہیگا۔ وہ اپنے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتا۔ اور فرشتہ یا خدا نہیں بن سکتا لیکن ترقی جو وہ اپنے حلقہ کے اندر کر سکتا ہے وہ غیر محدود ہے۔ چنانچہ آن کی بابت جو بہشت میں ہوگی خدا کا کلام کہتا ہے۔

والذین امنوا معہ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم و بایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علیٰ کل شیئ قدیر (التحریم)

یعنی وہ لوگ جو اس دنیا میں نور ایمان رکھتے ہیں یہ نور قیامت کے دن ان کے سامنے اور ان کے دائیں طرف دوڑتا نظر آئے گا۔ اور وہ کہیں گے اے خدا ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہمیں اپنی حفاظت میں لے لے۔ کیونکہ تو تمام چیزوں پر قدرت رکھتا ہے۔"

اتمام نور یا تکمیل کی یہ خواہش اور تڑپ صاف ظاہر کرتی ہے کہ بہشت میں ترقی لامتناہی ہوگی

کیونکہ جب وہ ایک بلند مقام حاصل کرلیں گے - تو وہ وہاں ہی نہیں ٹھہرے رہیں گے - وہ اس سے بھی زیادہ بلند مقام دیکھ کر خیال کریں گے کہ جو مقام انہوں نے حاصل کیا ہے وہ نامکمل ہے اور اس لئے وہ اس سے بھی اعلےٰ درجہ کے مقام کی خواہش کرینگے اور جب وہ اس بلند مقام کو حاصل کرلیں - تو وہ اس سے بھی زیادہ بلند مقام دیکھیں گے - اور اس طرح سے وہ ایک اعلےٰ مقام سے دوسرے اعلیٰ مقام تک پہنچنے کے لئے دعا کریں گے - تکمیل کی یہ لامتناہی خواہش ظاہر کرتی ہے کہ وہ لامتناہی طور پر بلند مقامات حاصل کرتے جائیں گے اس طرح سے متقی لوگ بہشت میں ترقی کرتے جائیں گے اور ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے - اور نہ وہ کبھی نعمائے و برکات جنت سے محروم ہونگے - اور کسی مذہب نے بہشت کا یہ نظریہ پیش نہیں کیا - یعنی اس امر کو بیان نہیں کیا کہ بہشت دائمی ترقی کی جگہ ہے - آریہ سماج کا عقیدہ اس کے بالکل برعکس ہے ان کے نزدیک بہشت ترقی کی جگہ نہیں ہے - بلکہ ایسی جگہ ہے جہاں بجائے ترقی کے تنزل رونما ہوگا - وہ ارواح جو ہزاروں سال کے بعد امن کی جگہ یا بہشت میں داخل ہونگے ان کو جلد وہاں سے تناسخ کا ایک دوسرا دور بھگتنے کے لئے باہر نکالا جائیگا - عیسائیوں کے نزدیک بھی بہشت ترقی کی جگہ نہیں ہے - نیک لوگ اس میں محض خوشی دیکھیں گے یا لذیذ چیزیں کھائیں گے - لیکن قرآن مجید آریہ سماج کے اصول کی محض یہ کہکر ہی تردید نہیں کرتا کہ وہ جو اس میں داخل ہوگئے ہیں وہ کبھی باہر نہیں نکالے جائیں گے - اور کہ یہ بہشت ایک دائمی نعمت ہے بلکہ یہ ایک دائمی ترقی کی جگہ بھی ہے - اگر انسان کے روح کو ایک لامتناہی ترقی کی گنجائش نہ ہوتی تو اس کا غیر فانی ہونا اس کے لئے بجائے راحت کے دکھ کا موجب ہو جاتا - کیونکہ اگرچہ ہم یہ کہتے ہیں کہ بہشت میں انسان اپنے کمال کو پا لیتا ہے مگر یہ کمال ایک انتہائی چیز نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کمال اس کو حاصل ہونے کا امکان ہے - پس ظاہر ہے کہ انسانی ترقی بہشت میں مسدود نہیں ہوجائیگی - دوزخ بھی جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں انسان کی ترقی کے لئے ہے - جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک عمل نہیں کئے بلکہ مختلف قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو ملوث کیا ہے دوزخ ان کو ان گناہوں سے پاک صاف کردے گی گویا دوزخ ان کی آن برائیوں کا علاج ہے جو وہ اس دنیا میں کرتے رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی رو سے دوزخی لوگ بالآخر وہاں سے نکال لئے جائیں گے کیونکہ جب ان کا علاج

ہوگیا تو وہ اس قابل ہونگے کہ دوزخ میں سے نکالکر ان کو بہشت میں داخل کیا جائے تاکہ وہاں ان کی ترقی کا اہتمام ہو سکے اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید میں گناہ گاروں کے لئے بیان کیا گیا ہے کہ وہ دائمی طور پر اس میں رہیں گے - اور ان کے لئے ابد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے - جس کے معنی عام طور پر ہمیشہ کے ہیں - لیکن اس لفظ کا مفہوم یہاں تک ہی محدود نہیں - کیونکہ لفظ ابد کے معنے طول عرصہ کے بھی ہیں - لہذا ایسے الفاظ "کان ھذا فی اباد الدھر" جس کا ترجمہ ہے "اس کو عرصہ گذر گیا" اور اسی طرح سے ابدالابد یا ابدالآباد کا استعمال لامتناہی زمانہ کے لئے ہوتا ہے (دیکھو اریبک انگلش لیکسی کون مصنفہ لین صاحب) علاوہ ازیں خود قرآن مجید میں اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ دوزخی بالآخر دوزخ میں سے نکالے جائینگے - چنانچہ دوزخیوں اور بہشتیوں کا مقابلہ جو قرآن مجید میں کیا گیا ہے - اس سے اس امر پر کما حقہ روشنی پڑتی ہے چنانچہ فرمایا :-

"وہ لوگ جنہوں نے بُرے اعمال کئے - ان کی جگہ آگ ہے - وہاں وہ چیخیں گے اور چلائیں گے - وہاں وہ رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین ہیں ہاں اگر تیرا خدا اس کے خلاف چاہے (تو یہ الگ امر ہے) کیونکہ تیرا خدا جو چاہے اس کے کرنے پر قادر ہے اور نیکوکار لوگ ان کی جگہ بہشت ہے وہاں وہ رہیں گے - جب تک زمین اور آسمان قائم ہیں سوائے اس کے کہ تیرا خدا چاہے - لیکن بہشت ایک دائمی اور لامتناہی نعمت ہے"

اب دیکھنا چاہیے کہ بہشتیوں اور دوزخیوں کے اس مقابلہ میں اگرچہ ان کا بہشت اور دوزخ میں رہنا دائمی طور پر بیان کیا گیا ہے لیکن ہر ایک صورت میں ایک استثنا قائم کیا گیا ہے - "ہاں اگر تیرا خدا اس کے خلاف چاہے تو الگ امر ہے" لیکن اس استثنا سے ایک غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ جس طرح دوزخی دوزخ میں سے نکال دیئے جائیں گے - اسی طرح بہشتی بھی نکال دیئے جائیں گے تو اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے بہشت کے متعلق یہ الفاظ بڑھائے کہ "یہ ایک دائمی اور لامتناہی نعمت ہوگی" اگر یہ مطلب ہوتا کہ دوزخی دوزخ میں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے تو جس قسم کے الفاظ بہشت کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں - یعنی یہ ایک پائیدار چیز ہوگی - دوزخ کے متعلق بھی استعمال کئے جاتے لیکن ایسے الفاظ کی بجائے ہمیں ان الفاظ میں ایک امید افزا یقین دلایا گیا ہے کہ "خدا جو چاہے کرنے

بھی قادر ہے"۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اگر اس استثنا کے ساتھ ملائے جائیں "ہاں اگر تیرا خدا اس کے خلاف چاہے تو الگ امر ہے" اس مفہوم کو ادا کرتے ہیں کہ وہ لوگ جو دوزخ میں ہیں وہ بالآخر اس میں سے نکال لئے جائیں گے۔ ایک حدیث بھی اس کے متعلق پائی جاتی ہے جو صحیح مسلم میں ہے اور وہ یہ ہے کہ دوزخ پر ایک زمانہ آئے گا جب اس میں کوئی بھی نہیں ہوگا اور ٹھنڈی ہوا (خدا کے رحم کی) اس کے دروازوں کو کھٹکھٹائیگی"۔

فی الجملہ دوزخ ایک علاج کی جگہ ہے جس میں انسان تمام آلائشوں سے پاک صاف کیا جاتا ہے تاکہ وہ اس لامتناہی ترقی کے قابل بن سکے۔ جو اس کو بہشت میں جاکر کرنی چاہئے۔

رواداری اور غیر اقوام سے حسن سلوک کی اسلامی روایات

(از قلم جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ اسلامک ریویو)

یہ صحیح ہے کہ آجکل کے مسلمان وہ مسلمان نہیں رہے جنہوں نے تہذیب انسانی کا علم سب سے پہلے بلند کیا تھا۔ ان کے موجودہ تنزل کا سبب مذہب سے بے پروائی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بعض اخلاقی اوصاف کے اظہار میں وہ ابھی تک دوسری اقوام سے ممتاز ہیں۔ اور یہی وہ اوصاف حسنہ ہیں جن کے متعلق قرآن مجید کی تعلیمات میں سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے ان میں سے ایک وصف جنگ میں ان کا طرز عمل ہے مسلمان خونریزی کے لئے جنگ نہیں کرتا اور نہ ملک و مال حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے۔ مسلمان صرف اپنی حفاظت کے لئے مدافعتی جنگ لڑتا ہے اور مذہبی آزادی کیلئے جھگڑتا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

"خدا کے راستے میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے جنگ کرتے ہیں"۔

بعض ایسی وجوہات کی بنا پر جنہیں ہم یہاں زیر بحث نہیں لانا چاہتے ہندوستان کے ہندو اور مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ہم خلوص دل کے ساتھ یہی چاہتے ہیں کہ یہ جنگ نہ ہوئی ہوتی اور ہم تہ دل سے اس بات کے خواہشمند ہیں کہ جو لوگ اس کے ذمہ دار ہیں وہ جلد اپنی غلطی کو محسوس کریں اور ایک ایسے ملک کو تباہی سے بچا لیں جو نہایت پرانی مذہبی روایات کا حامل ہے۔

یہ معلوم کر کے ہماری امیدیں پھر بندھ گئی ہیں کہ باوجود اس نفرت اور دشمنی کے جو طرفین میں محسوس کی جا رہی ہے مسلمانوں نے اپنی اس روایتی شرافت کو ہاتھ سے نہیں دیا جس کی تعلیم اُن کے واجب التعظیم پیغمبر نے انہیں دی ہے۔ یہ امر نہایت حوصلہ افزا ہے کہ اب بھی اگر دشمن ان سے عفو و رحم کی درخواست کرے تو وہ کبھی انکار نہیں کرتے۔ مسلمان کا ادنیٰ ترین شیوہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے وعدے کی پاسداری کرتا ہے۔ اور جب کبھی دشمن کو امان دیتا ہے تو اس پر قائم رہتا ہے۔

ان جھگڑے کے دنوں میں ملک کے طول و عرض میں ایسے بے شمار واقعات پیش آتے ہیں جن کی تفصیلات ہندو اور مسلم دونوں کے اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں لیکن ہم ذیل میں صرف تین ایسے واقعات درج کرتے ہیں جن کا ہمیں ذاتی طور پر علم ہے۔

(۱)

عظیم سٹریٹ۔ برانڈرتھ روڈ، لاہور کے ہم ہندو باشندے نہایت شکر گذاری کے ساتھ اپنے مسلمان ہمسایوں کے متعلق اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے موجودہ جھگڑے کے دنوں میں ہر طرح کا آرام اور سہولتیں مہیا کیں۔

یوں تو اپنے ان ہمسایوں کے ساتھ ہمارے ہمیشہ سے برادرانہ تعلقات رہے ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ آجکل وہ ہماری ادنیٰ سے ادنیٰ ضروریات کا خیال رکھتے رہے ہیں اور روزمرہ کی ضروریات مہیا کرنے میں انہوں نے کبھی تامل نہیں کیا۔

ان حالات کے پیش نظر ہم اپنے محلے کے مسلمانوں کا پبلک طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

بے شک انہوں نے سچی اخوت اور برادرانہ سلوک سے حق ہمسائیگی ادا کیا ہے اور دوسروں

کے لئے ایک مثال قایم کی ہے۔ ہم تہ دل سے ہندو مسلمان اور سکھ بھائیوں سے استدعا کرتے ہیں کہ اس شریفانہ مثال کی پیروی کریں اور فرقہ وارانہ نفرت کو دلوں سے نکال دیں امن صرف اس صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ سارے صوبے کے لوگ ہماری طرح رہنا سیکھیں۔ مورخہ ۱۳

دستخط مدن لال مہرہ	دستخط کاہن چند
" موہن لال مہرہ	" وشوا ناتھ
" روپ لال مہرہ	

(۲)

کوچہ میلا رام اندرون بھاٹی دروازہ لاہور کے ہم مندرجہ ذیل ہندو باشندے ان حالات کی مذمت کرتے ہیں جو سابقہ وزارت کے مستعفی ہونے کی وجہ سے خونریزی اور آتش زنی کی صورت میں ۳ مارچ ۱۹۴۷ء سے ہندو مسلمان اور سکھوں کے سیاسی اختلافات کی آڑ میں رونما ہو رہے ہیں۔ ہم اپنے مسلمان ہمسایوں کے ممنون ہیں جنہوں نے اپنے علاقوں میں ہماری حفاظت کی حالانکہ ہماری تعداد وہاں بہت کم ہے۔ ہماری ضروریات کے ضمن میں وہ ہمیں ہر طرح کی امداد بھی دیتے رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آئندہ بھی وہ اپنی کشادہ دلی کا ثبوت دیتے رہیں گے۔ ہم اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں سے استدعا کرتے ہیں کہ جن علاقوں میں وہ اکثریت میں ہیں وہ بھی مسلمان اقلیتوں کی اسی طرح حفاظت کریں۔ اس قسم کا طرز عمل نہ صرف قوم کے لئے مفید ہوگا بلکہ ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں میں اتحاد کا باعث ہوگا اور اس طرح ہمارے صوبے کی ترقی میں ممد و معاون ہوگا۔

دستخط منوہر لال	دستخط مدن گوپال
" بنارسی لال	" جھنڈو رام
" رام رتن آنند	" سرداری لال چڈا
" وشوا شوری	" رام لبھایا سوری
	" مول چند وغیرہ وغیرہ

(۳)

"انہوں نے دوسروں کے لئے ایک مثال قائم کی" اس عنوان کے ماتحت لاہور کے ہندو روزنامہ "ٹربیون" مورخہ ۸ مارچ ۴۷ء میں حسب ذیل مضمون شائع ہوا:-

فرقہ وارانہ جنون وتعصب کے اس غیر معمولی طوفان غضب میں، جس نے شہر لاہور اور صوبہ پنجاب کو بری طرح جھنجوڑا ہے، نواں کوٹ اور اس کے نواحی علاقوں کے مسلمان باشندوں کی انسانی ہمدردی اور رواداری تمام پنجابیوں کے لئے قابل تقلید ہے جنہوں نے جنگ نگر کے ہندو اور سکھ بھائیوں کے جان ومال کی حفاظت کی۔

اس علاقہ کے معزز سکھ اور ہندو اصحاب نے اپنے دستخطوں کے ساتھ ایک بیان اشاعت کے لئے بھیجا ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مسلمان بھائیوں نے اس تمام علاقے میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر غیر مسلم اقلیت کی دن رات حفاظت کی۔

ایک ایسے ماحول میں جہاں پردہ نشین عورتوں اور شیر خوار بچوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا۔ ایسا شریفانہ طرز عمل اُن روایات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جن پر اگرچہ صدیوں کی اخلاقی پستی کے پردے پڑے ہوئے ہیں لیکن بعض نورانی کرنیں اب بھی چھن چھن کر نکل آتی ہیں۔ جس سے امید ہوتی ہے کہ اگر اب بھی انہیں عملی جامہ پہنایا جائے تو بنی نوع انسان کے متخاصم فریقوں میں امن وصلح پیدا ہو سکتی ہے اس ذکر سے ہمیں اسی موضوع پر قرآن مجید کی ایک آیت یاد آگئی ہے جو شاید بہت سے مسلمانوں کو شعوری طور پر صدیوں سے بھولی ہوئی ہے۔ وہ آیت یہ ہے:-

"اور اگر وہ صلح کی طرف راغب ہوں تو تم (بھی) آمادہ ہو جاؤ اور اللہ تعالےٰ پر بھروسہ رکھو۔ یقیناً وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے —— اور اگر ان کی نیت دھوکا دینے کی ہے —— تو یقیناً خدا تمہارے لئے کافی ہے۔"

ہمیں معلوم ہے کہ اس تعلیم پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو بہت قربانی کرنا پڑیگی۔ جیسا کہ زمانہ ماسبق میں ہوا تھا لیکن یہ ایسی قربانی ہے جو ہمیں اس دنیا میں اپنی روحانی فتح کے لئے ضرور دینا پڑے گی

یہ نتیجہ تمام مذاہب پر اسلام کا تفوق ثابت کرنے میں آخری اور قطعی ہوگی۔

اسی اصول پر ہمارا مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا اُن لوگوں پر جو اہنسا کے قائل ہیں ثابت کردیگا کہ مسلمان باوجود اس کے کہ وہ اہنسا کے قائل نہیں ہیں تمام بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ امن پسند لوگ ہیں۔

مراسلات

۴۸ وڈسائیڈ پارک ایونیو

لنڈن ای ۷

نومبر ۱۸، ۱۹۳۶ء

مکرم بندہ - میری عادت ہے کہ میں سفر میں اخبارات و رسائل کا ایک پلندہ ضرور اپنے ساتھ لے جاتا ہوں پچھلے دنوں ایک ایسے ہی سفر میں آپ کا رسالہ بھی نظر سے گذرا جس میں میرے متعلق دوستانہ رنگ میں کچھ نقطہ چینی کی گئی تھی۔

آپ نے میری ایک تحریر کا ذکر کیا ہے جو میں نے ہندوستان میں فروری کے مہینے میں لکھی تھی یعنی "اگر میں اسلام لے آؤں . . . . تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جزیزہ وائٹ کے اسلامی بھائیوں کے لئے مشتعل ہوجاؤں گا" آپ اس کے آگے لکھتے ہیں کہ میں اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتا کیونکہ آجکل کے عام انگریزوں کے لئے مذہب اپنی عملی اہمیت بالکل کھوچکا ہے . . . . وہ مذہب کو صرف ایک رسمی اور رواجی چیز سمجھتا ہے وہ اس امر کا اندازہ ہی نہیں کرسکتا کہ مذہب کو انسان کی تہذیب اور معاشرت سے بھی کوئی تعلق ہے" وغیرہ وغیرہ (اسلامک ریویو بابت جولائی و اگست)

آپ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کیونکہ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے لیکن یہ بات صرف انگلستان سے ہی مخصوص نہیں بلکہ خود ہندوستان اور ٹرکی پر بھی صادق آتی ہے - آجکل اکثریت ایسے ہی نام

نہاد عیسائیوں، مسلمانوں اور ہندوؤں کی ہے جنہیں مذہب سے دور کی مناسبت بھی نہیں۔ ظاہر ہے نہ میرے مندرجہ بالا بیان کے مطابق آپ نے مجھے بھی اسی زمرے میں شامل کر دیا ہے میرا ذکر کرنے اور اس پر اظہار رائے کرنے کی یہی وجہ ہوئی ہے۔

آپ نے میرے متعلق ایسا کیوں فرض کر لیا ہے؟ حالانکہ اس کے بالکل برعکس، میں صرف اپنے مذہبی خیالات کے پیش نظر ہمیشہ اس بات پر زور دیتا ہوں کہ ہمارے مذہب کو ہماری معاشرت اور قومی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ بعض لوگ جو مذہبی عقائد کے ایسے پابند بھی نہیں ہوتے مگر اس کے باوجود وہ معاشرتی اور قومی معاملات میں بہت زور و شور سے حصہ لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر مسٹر جناح کو لیجئے۔ کیا وہ عقائد اسلامی کے سختی کے ساتھ پابند ہیں؟ جہاں تک مجھے علم ہے (اور ممکن ہے میری معلومات اس معاملے میں صحیح نہ ہوں) اس کا جواب نفی میں ہے لیکن جس جوش اور محبت سے وہ اپنے پیش نظر اصولوں کے لئے کوشش کر رہے ہیں اس پر کوئی حرف گیری نہیں کی جاسکتی اس کے برخلاف مولانا آزاد علم و فضل کے لحاظ سے مسلمانوں میں ممتاز حیثیت رکھنے کے باوجود سیاسی معاملات میں مسٹر جناح سے مختلف نتائج پر پہنچے ہیں جو شاید اسلامی عقائد میں اتنے راسخ نہیں ہیں۔

میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ مذہبی عقائد کے اظہار کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ یہودیوں کے مطالبۂ فلسطین میں اور عربوں کی اسی امر میں مخالفت میں ایک ہی جذبہ کارفرما ہے اسی جذبے کے ماتحت مسلمانوں کا ایک گروہ "پاکستان یا موت" کا اصول کار مرتب کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ دوسرا گروہ پاکستان کا مطالبہ تو کرتا ہے لیکن اس کے حاصل نہ ہونے کی صورت میں موت کا فیصلہ نہیں کرتا۔ ایک تیسرا گروہ شروع سے ہی پاکستان کا مخالف ہے۔ کسی جذبے کی عملی ترجمانی میں یہ اختلافات دیکھکر مندرجہ ذیل سوال پیدا ہوتے ہیں

۱ - یہ کون فیصلہ کرے کہ ان میں سے کون صحیح راستے پر ہے؟

۲ - اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک حَکم اعلےٰ اس کا فیصلہ کرسکتا ہے تو پھر کیا اس انسانی فیصلے

میں غلطی کا امکان نہ ہوگا؟

۳۔ کیا ایسی ہی مختلف تاویلات شیعہ اور سنی کے تاریخی اختلافات کی طرح لابدی نہ ہونگی؟

۴۔ اس صورت میں کیا ہم سوسائٹی میں اکٹھے رہتے ہوئے رواداری، اخوت اور خیر خواہی خلائق جیسے اصول اخلاقِ مذہبی پر عمل پیرا نہیں ہوتے؟

میرا ایمان ہے کہ مندرجہ بالا اخلاقی اوصاف کی انتہائی کمی ہے اور اسی لئے مجھے شک ہے کہ کوئی ایسی حکومت کامیاب نہیں ہوسکتی جس کی بنیاد کسی خاص فرقے یا مذہب پر قائم کی گئی ہو۔

ایک دفعہ مختلف اقوام کو رومن کیتھلک عیسائیت کی آغوش میں سنبھالنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن لیکن اس کا نتیجہ خوفناک ظلم وستم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ایک دفعہ پھر کالون (calvin) نے جینوا میں اپنے خاص ڈھب کی پراٹسٹنٹ عیسائیت کو جاری کرنا چاہا لیکن اس کا نتیجہ بھی خونریزی میں ظاہر ہُوا۔

اس کی وجوہات ظاہر ہیں۔ اگر مذہب کا کوئی مخصوص عقائد رکھنے والا فرقہ اپنی ایک الگ خودمختار حکومت بنانا چاہتا ہے۔ تو اس کے پیرو اپنے عقائد کو اتنی اہمیت دیں گے کہ ہر اُس شخص کے ساتھ صدقِ دل سے دشمنی کریں گے جو ان کا ہم خیال نہ ہو۔ یا اُن کے سے پختہ عقائد نہ رکھتا ہو یہی وجہ ہے کہ ریاست ہائے متحدہ روسیہ اپنے متصورہ مارکسی خیالات کے علاوہ کسی اور فرقے کے خیالات کو اپنے ملک کی حدود میں برداشت نہیں کرتیں۔ ان کے عقائد منطقی نقطہ نظر سے بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں لیکن روحانی نقطۂ نظر سے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

میں اپنے مذہبی عقائد پر پختہ ایمان رکھتا ہوں۔ میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے ساتھ رواداری، اخوت اور ہمدردی ہی معاشرتی تعلقات کو رکھ سکتے ہیں۔ اس لئے میرے سیاسی خیالات کے متعلق آپ کی رائے بالکل غلطی پر مبنی ہے۔ میں اپنے مذہبی عقیدے کی وجہ سے مجبور ہوں کہ دو مختلف خیالات رکھنے والے مذاہب میں تفریق نہ کروں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے مفاد کی خاطر ان کی طرف ہمدردی اور امداد کا ہاتھ بڑھاؤں اور ہر مذہب کے قابل تعریف عقائد کی تائید کروں جن میں اسلام بھی شامل ہے۔

آپ کی خیریت کا خواہاں اور

آپ کا مخلص

آر۔ سورنسن (ایم۔ پی)

(ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ آپ یا آپ کے ہم خیال دوسرے انگریز اصحاب مذہب میں دلچسپی نہیں لیتے۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ تھا کہ عیسائی مذہب کو سیاسیات کے ساتھ ملحق کرنے کی جتنی کوششیں بھی آج تک کی گئی ہیں سب بے کار ثابت ہوئی ہیں۔ کیونکہ موجودہ زمانے کا پُرامن اور ترقی پسند عیسائی یہ سمجھ ہی نہیں سکا کہ مذہب کس طرح سیاسی زندگی کی بنیاد بن سکتا ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جو آپ نے بھی ایسے عمدہ طریقے سے نہایت واضح الفاظ میں بیان کی ہے۔ اگر ہم اپنے اعتراض کو ذرا واضح الفاظ میں بیان کر سکتے تو یقیناً نادانستہ طور پر آپ کی ناراضگی کا موجب نہ بنتے۔

ہمارا خیال ہے کہ مشرق میں لامذہبیت کی یہ چڑھتی ہوئی آندھی پرتو ہے مغرب کی مذہبی حالت کا۔ جو اس وقت تہذیب کا علمبردار بنا ہوا ہے اور معلوم نہیں دنیا کو بھلائی کی طرف لے جا رہا ہے یا برائی کی طرف اس کی رہبری کر رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر مغرب آج اپنی یکطرفہ ترقی سے مایوس ہو کر اور ایک ایسے مذہب کو پا کر جو اس کی معاشرتی ترقی کا بھی ضامن ہو مذہبیت کی طرف راغب ہو جائے تو مشرق اس مذہبی نیند سے یکدم جاگ اٹھے۔

آپ کا مطلب غالباً یہ ہے کہ ہماری معاشرتی اور قومی زندگی میں مذہب کو بہت دخل ہے۔ لیکن اس کے باوجود بعض مفید معاشرتی تحریکیں ایسے لوگوں کے ذریعے سے بھی جاری ہو جاتی ہیں جنہیں مذہب سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہوتا۔ بلکہ آپ کا خیال تو یہ ہے کہ مذہبی خیالات کے آدمی کو حکومت کی باگ ڈور سونپنا سخت غلطی ہے کیونکہ اس صورت میں تعصب اور ظلم و ستم کا دور دورہ ہونے کا احتمال ہے ہماری رائے ہے کہ اس موقع پر کسی خانقاہ کے تعلیم یافتہ عالم دینیات اور ایک سادہ مگر روشن خیال عالم دین کے درمیان تمیز کر لینی ضروری ہے۔ یعنی ایک آتشناک فقیہہ اور ایک راسخ الاعتقاد انسان کے درمیان جس کی زندگی مذہب کا نمونہ ہو۔

اسلام نے ہمیشہ ایسے سادہ صاحب ایمان کو سراہا ہے اور ایسے عالم دینیات کی مذمت کی ہے جس میں رحم وکرم کی صفات مفقود ہیں، جس میں انسانیت اور تہذیب کا مادہ موجود نہ ہو اور جو زندگی کے عام فیصلہ طلب امور کو نہ سمجھ سکے۔ (ملاحظہ ہو قرآن ۷ : ۱۰۷ : ۱۷۷ : ۲)

آپ نے انسانی فیصلوں میں غلطی کے احتمال کا خیال ظاہر کیا ہے۔ اسلام نے بھی ہمیشہ یہی کہا ہے، ہاں مگر اس صورت میں کہ اسے پیغمبرانہ الہام کی روشنی عطا کی گئی ہو۔ ہمارے مذہب نے ہمیشہ "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" کے مقولے پر عمل کیا ہے۔ اور مذہبی معاملات میں جبر سے صریح الفاظ میں منع کیا ہے ("لا اکراہ فی الدین") اسی لئے اسلام کی تاریخ عیسائیت کی تاریخ سے بالکل مختلف ہے "مذہبی عدالت" اور "اصلاح مذہب" کے نام سے اسلام میں خوفناک ظلم وجور کبھی نہیں ڈھائے گئے۔ اسلامی حکومتوں کے ماتحت ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کو ہر قسم کی مذہبی آزادی رہی۔ شیعہ اور سنیوں کے اختلافات کی رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ کے اختلافات سے دور کی مناسبت بھی نہیں مسلمانوں کے ان دو فرقوں کے درمیان عبادت اور اعتقادات میں کہیں اختلاف نہیں۔ جھگڑا صرف آنحضرت کی وفات کے بعد خلافت کے حق پر ہے۔ اور اس کی وجہ زمانۂ جہالت کے وہ حسد ہے جو بنو امیہ اور بنو ہاشم میں موجود تھا۔ یہ جھگڑے بہت تند اور طویل رہے ہیں لیکن غیر مسلموں کے لئے یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ان دو فرقوں کا اتفاق بھی تاریخ مذاہب میں یکتا ہے۔ سنی بارہ اماموں کی ویسی ہی عزت کرتے ہیں جیسی خود شیعہ کرتے ہیں۔ شاید آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ قائداعظم مسٹر جناح شیعہ ہیں حالانکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت سنیوں پر مشتمل ہے۔ ہندوستان میں مغلوں کی طویل شاندار حکومت شیعہ اور سنی اتحاد کی بہترین مثال ہے جنہوں نے مل کر ایک دوسرے کی مدد سے اسلامی تہذیب اور معاشرت کو ترقی دی۔

اسلام کی گذشتہ یا موجودہ تاریخ میں آپ کو ایسا کوئی واقعہ نظر نہ آئے گا جس سے ہندوستان کی اسلامی حکومت کے متبرک رومن حکومت کی پیروی کرنے کا احتمال ہو۔ اسلامی حکومتیں ہمیشہ جدید طریقوں پر چلتی رہیں اور راہب پطرس جیسے لوگوں کے رحم وکرم پر کبھی نہیں چھوڑی گئیں۔ اس کی

وجہ یہ ہے کہ اسلام اور عیسائیت کا موازنہ اگر مذہبی حیثیت سے کیا جائے تو دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔دین عیسوی بین الاقوامی حیثیت سے نہیں آیا۔ یسوع مسیح صرف قوم یہود کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور ان کا کام صرف یہودیوں تک ہی محدود تھا۔ آپ حضرت مسیح کے اپنے الفاظ پر غور کیجئے:۔

"میں بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں"

"یہ مناسب نہیں ہے کہ میں بچوں سے روٹی لے لوں اور اسے کتوں کے آگے ڈال دوں۔"

یہ ظاہر ہے کہ کتوں سے مراد غیر مسیحی تھے۔اس ضمن میں عیسائیوں کا معاشرتی زاویہ نگاہ کبھی تبدیل نہیں ہوا۔اس کے علاوہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسیحیت معاشرتی اور سیاسی امور میں بالکل خاموش ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر دوسرے مذاہب کے لوگوں کے متعلق کوئی معاشرتی فرائض عائد نہیں ہوتے۔سوائے اُن توجیہات کے جو "آقا" کے گول مول الفاظ سے توڑ مروڑ کر پیدا کی جاتی ہیں۔اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ عہد نامہ قدیم کے متعصبانہ اور ظالمانہ جذبات، انسانی دماغ کی پریشان خیالی اور اوہام کے ساتھ ملکر بار بار عیسائی اقوام کی تاریخ کو داغدار کرتے رہے۔لیکن اسلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے اس میں بین الاقوامی اور فرقہ وارانہ فرائض کی تعلیم صریح الفاظ میں کی گئی ہے۔

ان ضوابط کو توڑنے والے مسلمان کے لئے مجوزہ قانون موجود ہیں۔ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی مسلمان کبھی غلطی کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔اس کے برخلاف ہمیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ ہمارے مذہب کی تاریخ میں سے ایسی متعدد فروگذاشتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔لیکن ان تمام امور کے باوجود ہمیں ناقابل انکار امتیاز حاصل ہے کہ ہم ایک ایسے قانون کے وارث ہیں جس کو کبھی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اور وہ ہر زمانے کے لئے یکساں طور پر کارآمد ہے اس کی بنیاد ایسے مذہب اور ایمان پر قائم کی گئی ہے جو ہر قسم کی نکتہ چینی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔یہاں تک کہ موجودہ زمانے میں بھی جسے آزاد ترین اور رواداری کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔کوئی شخص اس پر انگشت نمائی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔کسی دوسری قوم میں ایسے قانون کی غیر موجودگی چاہے وہ مذہبی خیالات کی قوم ہو یا آزاد خیالوں کی، اس کی حیثیت کو ناقابل اعتبار بنا دیتی ہے۔

(۹) **ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہو سکتی ہے** (۱) بیت حقیقی کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمدنی سے کچھ ... ماہ بماہ مشن کو پہنچتا ہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کارِ خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ۷ ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام (ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو) کی خریداری فرمائیں اس کا حلقہ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳ ہے اور ممالک غیر کیلئے ۴ ہے (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ ان تک پہنچتا رہے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جا سکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاوے گی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نو مسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کرکے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیت کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک معتبر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رو سے اشاعت اسلام کا کام زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید ... کارِ خیر کو مقبول لیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سود اشاعت اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سود صرف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ سود کی ان رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنانِ اسلام کے ہاتھ چلی جاوے گی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر و نیاز۔ صدقہ خیرات۔ زکوٰۃ عشر وغیرہ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) **ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ (ریزرو فنڈ)** ایک کامیاب نظام کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ... جس وجہ سے یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے ووکنگ مسلم ٹرسٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایہ محفوظ میں جمع کیا جائے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے بروئے کار ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہو کر آئندہ کیلئے کسی چندہ کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کارِ خیر کیلئے فراہم نہ کر سکینگے۔

(۱۱) **ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق** یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران منیجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔

(۱۲) **مشن کا مالی انتظام** (۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں تین کارکنانِ مشن کی موجودگی میں موصول ہو کر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ دارانِ ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کر دی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳) **ضروری ہدایات**۔ (۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England :- The. Imam , The Mosque, WoKing, Surrey, England.

... لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان) +

... سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب ہندوستان) فرمائیں

JULY 1947. R. L. No. 908.

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیران اعزازی

آفتاب الدین احمد بی۔ اے | عبدالمجید ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی

مدیر اسلامک ریویو (انگریزی) | امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مرتبہ خواجہ عبدالغنی سیکریٹری دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اکبر

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ اور چاہیئے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و لو کرہ المشرکون

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو بُرا (ہی کیوں نہ) لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) تشکیل مشن۔ ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد۔ (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ وارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک۔ (۱) مشن کی تبلیغ فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقہ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نو مسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع۔ (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نو مسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نو مسلمین مسلمین و مسلم طلباء۔ کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ہزاروں نفوس شامل ہوتے ہیں مسلمین و نو مسلمین کے علاوہ غیر مسلمین ناظرین بھی اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

یہ بڑی نیکی ہے کہ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمدنی بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار کی اشاعت ووکنگ مسلم مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے ۔

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۳ بابت ماہ جولائی ۱۹۴۷ء نمبر ۷

([illegible])

شذرات

نظریہ میں تبدیلی

یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ کچھ عرصے سے اسلامی دنیا کا عموماً اور ہندوستانی مسلمانوں کا رجحان خصوصاً مذہب کی طرف ہو گیا ہے شاید گذشتہ کئی صدیوں کے دوران میں اسلامی سیاسیات میں مذہب کی طرف اتنا رجحان دیکھنے میں نہ آیا تھا مسلمان گویا گہری نیند سے یکدم چونک پڑے ہیں۔ ابھی نصف صدی بھی نہیں گذری کہ جب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے مغرب میں تبلیغ اسلام شروع کی تو اسے دیوانہ پن سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اور اس کی ہنسی اڑائی جاتی تھی۔ مسلمان جو خود اپنی جماعت میں مذہبی بیداری سے مایوس ہو چکے تھے غیر مسلموں میں تبلیغ کی کامیابی کا گمان بھی نہ کر سکتے تھے۔ لیکن آج ایسے آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ اسلامی دنیا ایک دفعہ پھر مذہب کی آغوش میں آنے کے لئے بیتاب ہے۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ مختلف خیالات کے لوگوں کو مختلف فرقوں سے تعبیر کیا جاتا تھا اور ہر فرقہ ایک دوسرے سے برسرپیکار تھا۔ احباب کو یہ سن کر تعجب ہوا ہے کہ مسجد ووکنگ میں شیعہ۔ سنی اور اہل حدیث نے ایک ہی امام کی پیشوائی میں نماز ادا کی ہے۔ اس عقیدے کو کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے بدعت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ لیکن اب خیالات قطعی طور پر بدل چکے ہیں۔

اسلامی سلطنت

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور آپ کے رفقا نے جب تبلیغ اسلام کیلئے دعوت دی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی پکار صدا بصحرا ثابت ہوئی ہے۔ صرف مٹھی بھر آدمی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور باقی تمام مسلمان من حیث القوم شکست خوردہ سپاہیوں کی طرح نہ صرف ہمت توڑ بیٹھے بلکہ اس کے عملی اقدام کی مذمت کرنے لگے۔

لیکن پرانے خیالات اب تبدیل ہو رہے ہیں۔ آج ہمارے سیاسی پیشوا بھی اپنے مذہب پر

فخر کر رہے ہیں۔ ہمارے رسالوں اور اخباروں میں نہ صرف مذہبی موضوعات پر مضامین ہی ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر اخبارات قرآن کی آیات سے شروع ہوتے ہیں۔ ہمارے اکثر لیڈر اس بات کا کھلم کھلا اعلان کر چکے ہیں کہ پاکستان کی خود مختار حکومت اسلامی حکومت ہوگی اور اس کے قوانین کی بنیاد قرآن مجید کے احکام پر رکھی جائے گی۔

احساس تذبذب

ہمیں اس بات کا رنج ہے کہ ہمارے بعض لیڈر مذہب کا نام کھلم کھلا لینے سے ہچکچاتے ہیں اور اس بات کا اعلان کرنے میں متذبذب ہیں کہ پاکستان ایک قرآنی سلطنت ہوگی۔ یقین جانئے کہ اس تذبذب سے کوئی بڑا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ اگر کسی کو اتنا معلوم ہو جائے کہ مذہب اختیار کر لینا مفید ہے تو پھر پورے جوش کے ساتھ اور علی الاعلان اختیار کرنا چاہئے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اسے چاہیئے کہ مذہب کو اپنے دوستوں اور ملکی بھائیوں کے سامنے پیش کرے تاکہ وہ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ ہمارے سیاسی پیشواؤں کے لئے یہ امر اور بھی ضروری ہے کہ وہ اسلام کو ہر شخص کے سامنے پیش کریں۔ کیونکہ ہر غیر مسلم ایسے مفید مذہب کا محتاج ہے۔ اسلامی رسائل اور اخبارات کو چاہیئے کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ مذہب کے موضوع پر مضامین شائع کریں۔

غلط خیال

اگر ہمارے بعض لیڈر اس امر کا اعلان کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں کہ پاکستان مسلمان اکثریت کی حکومت نہیں بلکہ اسلامی حکومت ہوگی، اس خیال سے کہ غیر مسلم خوف زدہ نہ ہو جائیں تو یہ ان کا غلط خیال ہے۔ اپنے ہندو اور سکھ اور دوسرے ہمعصروں کو بتا دو کہ پاکستان ایک اسلامی حکومت ہوگی جس کے تمام قوانین کی بنیاد قرآن حکیم پر ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتا دو کہ دنیا میں کوئی ایسی مذہبی کتاب نہیں ہے جو رواداری سکھانے میں قرآن کی برابری کر سکے۔ خالی الفاظ سے غیر مسلموں کے دلوں میں اطمینان پیدا نہ ہو سکے گا۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی رواداری اپنے اعمال سے دکھانی ہوگی۔ غیر مسلموں کو مسلم اکثریت والے علاقوں میں انصاف سے کچھ زیادہ دکھانا ہوگا۔ اسلام اپنے پیروؤں کو انصاف یا عدل ہی نہیں سکھاتا بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ۔ وہ احسان اور ایتاءِ ذا القربیٰ کی تعلیم دیتا ہے۔

عدل کے معنی ہیں نیکی کا بدلہ نیکی سے دینا۔ احسان کا درجہ اس سے اونچا ہے اگر آپ اپنے ہمسائے کے ساتھ نیکی کریں قطع نظر اس کے کہ اس نے آپ کے ساتھ کوئی نیکی کی ہو یا اگر آپ اس کی نیکی سے زیادہ اس کا بدلہ دیں تو یہ احسان ہے

اعتبار پیدا کرو

مندرجہ بالا طریقوں کو آج ہی سے سچے مسلمان کے مخلص دل کے ساتھ اپنے غیر مسلم ہمسائیوں پر استعمال کرنا شروع کردو اور ان کے دلوں کو فتح کر لو۔ اس طرح ممکن ہے ان کے شکوک وشبہات رفع ہو جائیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے دینا ترک کردو۔ اس کے بجائے دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرو۔ ممکن ہے اسی طرح ان کے دل مفتوح ہو جائیں۔ انہیں اس بات کا یقین دلا دو کہ اسلام مذہب کے معاملہ میں جبر کی اجازت نہیں دیتا۔ پُر امن طریقوں پر تبلیغ ہو سکتی ہے۔ غیر مسلم اپنی رضاء و رغبت سے اسلام قبول کر سکتے ہیں۔ لیکن خدا اور مذہب کے معاملے میں کسی شخص پر دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا۔ اپنے اعمال سے یہ باتیں موجودہ نسل پر ثابت کردو اور ان کے دلوں کو مسخر کر لو۔ تاریخی حقائق کو مسخ شدہ صورتوں میں پیش کرکے اور جھوٹی باتوں کو رنگ دے دے کر خود غرض لوگوں نے غیر مسلموں کے دلوں میں زہر بھر دیا ہے۔ آج حقیقی تاریخ کو اُن کے سامنے پیش کردو اور اس کی تائید اپنے اعمال سے کرو تو وہ آپ پر اعتبار کرنا سیکھ جائیں گے۔

"ووکنگ پروپگنڈا کا خطرہ"

ووکنگ مشن کی تبلیغ نے دنیائے عیسائیت کو لرزہ براندام کر رکھا ہے

مسلمانوں کیلئے لمحہ فکریہ۔ مشن کو زیادہ مضبوط اور مستحکم کرنے کی ضرورت

مسیحی ماہنامہ رسالہ موسومہ "مسلم ورلڈ" جو ہارٹ فورڈ امریکہ سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے جنوری ۵۲ء کے مطبوعہ میں سال رواں کے لئے مسلمانوں کی دعاؤں کا ایک سلسلہ شائع کیا گیا ہے۔ جس

کو مرتب کرنے اور منظر عام پر لانے کا کام "نیوشپ آف فیتھ فاردی مسلم" نے سرانجام دیا ہے۔ اِن دعاؤں میں سے سب سے زیادہ دلچسپ وہ دعا ہے۔ جو مہینہ کی بائیسویں تاریخ کے لئے تجویز کی گئی ہے اور جس کا ایک حصہ یوں ہے:-

"دعا کرو کہ جو پروپاگنڈہ ووکنگ مشن کی طرف سے ہو رہا ہے اُس کا ردعمل ہو اور اسلام اپنی اصلی حقیقت میں ظاہر ہو"

ان لوگوں کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ ووکنگ مشن سے اسلام اپنی اصلی حقیقت میں پیش نہیں کیا جا رہا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ مشن کی طرف سے اسلام کی اصلی اور حقیقی شکل کا مظاہرہ ہے جس نے دنیائے عیسائیت کو سخت در آتش بنا رکھا ہے۔ ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جب تک اسلام منظر عام نہیں آیا تھا۔ اُس وقت تک معاندین نے اس کے ساتھ جو سلوک چاہا روا رکھا۔ اس کی جو بری سے بری تصویر چاہی کھینچی اور سادہ لوح مغربی اقوام کی نگاہوں میں اس کو جس قدر گھنونا بنا کر پیش کرنا چاہا کیا۔ لیکن ع

زمانہ دگر گونہ آئیں نہاد

اب حالات بدل چکے ہیں۔ اور مطلع صاف ہو چکا ہے۔ برطانوی گورنمنٹ کی رواداری اور فراخیٔ قلب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور اس کو بنظر استحسان دیکھتے ہوئے ہم اس حقیقت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ برطانیہ کی سرزمین اب دین اسلام کا گھر بن چکی ہے اب برطانیہ کے لوگ بغیر کسی توسط کے براہ راست دین اسلام کے متعلق تمام معلومات حاصل کر سکتے ہیں اور ذاتی تعلقات کے ذریعہ سے ایک مسلمان کے اعمال و اخلاق کا جائزہ لے کر اپنا اطمینان کر سکتے ہیں۔ نظر برآں برطانیہ میں اسلامی مرکز کا وجود ان تمام معاندانہ مساعی کا جواب ہے۔ جو دین حنیف کو غلط طور پر پیش کرنے یا ممالک غربیہ میں اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو روکنے کے لئے عمل میں لائی جاتی ہیں۔ ووکنگ مشن کے تبلیغی اثرات کے ردعمل کے لئے ہمارے عیسائی مشنریوں کے لئے ایک ہی رستہ کھلا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کے حکم سے اس مسجد کو بند کرا دیا

جائے اور اسلامی مبلغین کو بیک بینی و دو گوش نکال دیا جائے۔ یہ کام وہ دو طریق سے کر سکتے ہیں وہ حکومت برطانیہ کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ پھر اُن ایام سلف کی یاد تازہ کرے جبکہ مذہبی رواداری کو جرم سمجھا جاتا تھا۔ اور اگر اس میں ناکامی ہو تو عیسائیوں کے مذہبی جذبات کو بدرجہ غائیت مشتعل کیا جائے۔ ہمارا خیال ہے کہ اوّل تو دونوں ورنہ کم از کم ایک عمل کی طرف تو اس دعا میں جو اوپر درج کی گئی ہے ضرور اشارہ کیا گیا ہے لیکن ہم ان کم فہم متعصبین کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اب وہ دن گئے۔ مذہب کے نام پر وہ کافی سے زیادہ شرانگیزی کر چکے۔ وہ خدائے بزرگ و برتر جو صداقت کا حامی ہے دنیا کو اب ان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:-

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

توہم پرستی کے دن جنہوں نے حقیقت حال پر پردہ ڈال رکھا تھا اب ختم ہوئے۔ بنی نوع انسان کے دل اب صداقت کی روشنی کو قبول کرنے کے لئے مستعد ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت۔ کوئی تدبیر۔ کوئی گمراہ کن نام نہاد دُعا سچائی کی رو کو مغرب میں روک نہیں سکتی۔

لیکن اس کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ مسلمانوں کا عزم راسخ ہے۔ جزائر برطانیہ میں ہمارے وجود اور ہمارے اثر و رسوخ کو مٹانے کے لئے صداقت کے دشمن جس قدر زور لگائیں اسی قدر ہمیں اپنے آپ کو مضبوط بنانا چاہئیے اور اپنے استحکام کو محسوس کرانا چاہئیے۔ اس حقیقت کے ماننے سے ہمیں انکار نہیں کرنا چاہئیے کہ جو کوشش ہم نے کی ہے وہ ہمارے پیدا کردہ اثر کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور جو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ نشانات ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب ہم خدا تعالٰے کے اس وعدہ کو برای العین مشاہدہ کرلیں۔ جو قرآن مجید میں ان الفاظ میں منضبط ہے۔

ویدخلون فی دین اللہ افواجاً۔

ہمارے مخالفین کے کیمپ میں ہلچل پڑ چکی ہے۔ آئیے ہم اپنی مساعی کو زیادہ قوت دیں۔ اور اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ہر ایک بہی خواہ اسلام سے ہر ایک اس شخص سے جس کے دل میں اسلام کے لئے درد ہے۔ ہماری یہ دردمندانہ اپیل ہے کہ جہاں آپ ذاتی ضروریات پر شب و روز زر کثیر صرف

کر رہے ہیں آپ کا فرض ہے کہ آپ اسلام کے اس جہاد میں بھی حصہ لیں جو اس وقت مخالفین اسلام
سے درپیش ہے یہ جہاد ہماری دنیوی اغراض سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اس کے نتائج من حیث
القوم زیادہ شاندار اور درخشاں ہیں۔ دشمن نے جس خطرہ کا اعلان کیا ہے اس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہئے
ہم نہایت واضح الفاظ میں احباب کی خدمت میں عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ یورپ کی روحانی فتح کے پروگرام
کو باحسن وجوہ پورا کرنے کے لئے ایسے مخیر اور درد دل رکھنے والے اصحاب کی ضرورت ہے جو باقاعدہ اور مستقل طور
پر مشن کی مالی امداد کرنے والے ہوں۔ آپ کافی لمبے عرصہ سے اس مشن کی امداد کر رہے ہیں۔ لیکن اب
ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ ایک مستقل رقم ماہوار یا سالانہ مقرر فرما دیں اور نہایت باقاعدگی کے ساتھ
ارسال فرماتے رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ بر کریماں کارہا دشوار نیست

زکوٰۃ کا بہترین مصرف

قرآن مجید کی رُو سے زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مرد اور عورت پر فرض ہے۔ زکوٰۃ ان فرائض میں سے ہے
جن کو دین اسلام میں اولیّت حاصل ہے۔ زکوٰۃ ایک عملی ثبوت ہے اس ایمان کا جو آپ کے دل کے اندر
ہے۔ زکوٰۃ کو قرآن مجید نے ہمارے ایمان کا محک قرار دیا ہے۔ زکوٰۃ کے بغیر ہم لاکھ دعوے ایمان کریں
بے کار ہے۔ اگر آپ زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے آپ خدا کی سلطنت کے باغی سمجھے جائیں گے۔ اور حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد زکوٰۃ دینے سے انکار
کر دیا تھا جنگ کیا تھا۔ اور اس کو جاری رکھا جب تک کہ زکوٰۃ کی ایک ایک پائی بیت المال میں نہ آگئی
برخلاف گورنمنٹ کے ٹیکسوں کے زکوٰۃ کے اندر ایک عمیق تمدنی اور اخلاقی فلسفہ مرکوز ہے۔ اسلام
کی نظر میں دنیا کی دولت بہت سی اخلاقی اور تمدنی خرابیوں کا موجب ہے۔ دولت کا انبار در انبار جمع کرنا
انسان کے اخلاق اور سوسائٹی کے مفاد کے لئے اکثر ضرر رساں ثابت ہوتا ہے۔ زکوٰۃ وہ چیز ہے جس سے انسان
اور انسانی سوسائٹی عیوب و نقائص سے پاک و صاف ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ کے معنی ہی پاک کرنا ہے۔ علاوہ
ازیں زکوٰۃ کے مفہوم میں نشوونما کے لئے پودوں کا کاٹ چھانٹ کرنا ہے۔ پودوں کو اُن کے موسم میں کاٹنا
چھانٹنا پودوں کے نشوونما کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہی ایک واحد علاج ہے جس سے پودے پھولتے پھلتے

اور بڑی عمر پاتے ہیں۔

یہی کیفیت زکوۃ کی ہے۔ زکوۃ دینے سے نقصان نہیں ہوتا بلکہ فائدہ ہوتا ہے۔ مال میں کمی نہیں ہوتی بلکہ زیادتی ہوتی ہے۔ جس طرح پودے کاٹ چھانٹ سے پورے نشو و نما حاصل کرتے ہیں اسی طرح مال میں سے زکوۃ دینے سے آپ کے مال میں برکت ہوگی۔ اگر آپ اپنی دولت کے پودے کو ہرا بھرا دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ زکوۃ دیں۔ زکوۃ کا دوسرا فائدہ ہے وہ شخص جو زکوۃ دیتا ہے اس کا تزکیہ نفس ہوتا ہے اور اس کے مال میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور جس کو زکوۃ دی جاتی ہے اس کا بھلا ہو جاتا ہے اور اس کی امداد ہو جاتی ہے غرضکہ زکوۃ دینے والے کو بھی فائدہ اور لینے والے کو بھی فائدہ۔

لیکن زکوۃ کے معاملہ میں ایک ضروری امر کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے۔ اور وہ امر یہ ہے کہ زکوۃ کو صحیح مصرف پر لگانا چاہئے۔ ایک بڑا نقص جو آجکل ہم میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ زکوۃ کے صحیح مصرف کو نہیں سمجھتے۔ بے احتیاطی سے اپنا روپیہ ادھر ادھر پھینک دیتے ہیں اس قسم کی غیر محتاط زکوۃ بجائے فائدہ کے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

زکوۃ کا اصل مقصد اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ اس کو اس کے صحیح مصرف پر استعمال کیا جائے یہ زکوۃ کے دن ہیں۔ اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اپنی زکوۃ بلا تامل نکال دیں۔ اللہ تعالےٰ کے تمام احکام بڑی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں ان کے اندر بڑا عمیق فلسفہ پنہاں ہے جس میں انسان کی فلاح و بہبود مرکوز ہے۔ آپ زکوۃ ادا کریں لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے صحیح مصرف کا پورا پورا اہتمام کریں۔ ہماری قوم میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جو سخت مالی مشکلات میں مبتلا ہیں۔ پھر اس قوم میں محتاجوں مسکینوں یتیموں اور بیواؤں کی کمی نہیں یہ سب زکوۃ کے مال کے مستحق ہیں۔ اور اس خدائی انتظام کے حصہ دار ہیں۔ لیکن ایک اور یتیم بھی ہے جو زکوۃ کے مال کا سب سے زیادہ مستحق ہے اور وہ یتیم اسلام ہے۔

تمام ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ ٹرسٹ

عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ (مغربی پاکستان)

آستانۂ صداقت اسلام

از حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام

سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ جون ۱۹۲۷ء ملاحظہ ہو

اور جو تعلیم مہاتما بدھ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اُس میں بھی بڑا نقص یہی ہے کہ اُس کی رو سے جذبات وخواہشات دنیوی کو فنا کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ دنیا سے یکسر قطع تعلق کر لیا جائے ۔ کیونکہ صرف اسی صورت سے "جنت" میں جانے کا "پاسپورٹ"[1] حاصل ہو سکتا ہے ۔ تصفیۂ روحانی صرف علایق دنیوی کو خیرباد کہدینے سے حاصل ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تعلیم سراسر خلاف فطرت ہے ۔ پس اس اعتقاد نے کہ روح اور جسم دو مختلف چیزیں ہیں، درویشی اور ریاضت کی مختلف صورتیں پیدا کر دیں اور روح کے فائدہ ہی کی خاطر خانقاہوں کی طرز زندگی اختیار کی گئی، اور تجرد کو اس طرز حیات کی شرط اولین قرار دیا گیا ۔ لیکن واضح ہو کہ ان اداروں اور اُن کی نفس کُشی کی تعلیمات نے بنی نوع آدم میں عمدہ اخلاق کبھی ہرگز پیدا نہیں کئے، بلکہ اس کے برعکس ان کی بدولت اخلاقی عیوب عام ہوئے اور تمدن کی ترقی میں صدہا دشواریاں حائل ہو گئیں ۔

بعض جانوروں کے گوشت سے احتراز کا فلسفہ

آمدم برسر مطلب ، مادہ اپنے نشو و نما کی ہر منزل میں اُس صورت ارتقائی کا محتاج ہوتا ہے جو مرتبہ

---

[1] پروانۂ راہداری

میں اُس سے دوسرے درجہ پر ہو۔ جس طرح نباتات، حیوانات کی خاص غذا ہے، اُسی طرح حیوانات، مختلف صورتوں میں، انسانوں کے دسترخوانوں پر پہنچنے جاتے ہیں تاکہ وہ اُن کی غذا بن کام آئیں گویا ہر عالم ادنیٰ عالم اعلیٰ کے ظہور کی بنیاد ہوتا ہے، خاصکر اس مادہ میں جو اول الذکر کو اپنے سابق سے متمیز کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہی چیز جو اُن دو نشوونما پانے والی صورتوں کو جو نسبتاً ادنیٰ یا اعلیٰ ہوتی ہیں، ایک دوسری سے جدا کرتی ہے، ان کی آئندہ نشوونما میں معاون ہوتی ہے۔ آئندہ ترتیب میں یہ نیا عنصر، اُسی چیز سے پیدا ہوتا ہے، جو نظام ادنیٰ کو اس کے سابق سے ممتاز کرتی ہے۔ جب نباتات ارتقا پذیر ہوتی ہے تو اس میں حرکت ظاہر ہوتی ہے اور یہ حالت عالم حیوانات میں پہونچکر اپنی انتہائی ترقی کو حاصل کر لیتی ہے۔ لیکن عالم حیوانات کا طغرائے امتیاز شعور ہے، جو اُن جذبات اور ہیجانات سے عبارت ہے جو حیوانات اور انسان دونوں میں مشترک ہیں۔ یہ ہیجانات حیوانی اجسام عضوی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، اور عالم حیوانات کو عالم نباتات سے ممتاز کرتے ہیں، اور حیوانی جسم کے انسانی جسم میں ترقی حاصل کرنے کے لئے بطور مواد تعمیری کام آتے ہیں۔ یہ ہیجانات بعض حیوانات میں نہایت واضح طور پر موجود ہوتے ہیں، لیکن حیوانیت کو انسانیت میں مبدل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کا توازن اور ترکیب، اعتدال کی حدود میں کیا جائے۔ بکری "بزدل" ہوتی ہے لیکن اُس کی یہ خصلت، اخلاق حسنہ پر مبنی نہیں بلکہ فطری تقاضا ہے، جس کو خُلق فاضلہ میں مبدل کرنے کے لئے، توازن کی ضرورت ہے گوشت خور جانور، عموماً خونخوار اور دلیر ہوتے ہیں، اور سبزی خور جانور حلیم اور بزدل ہوتے ہیں۔ اونٹ میں کینہ کا جذبہ پوری قوت کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے اور گائے میں فطری ہیجان موجود ہوتا ہے کہ اگر اُسے معتدل حالت میں ظاہر کیا جائے تو حلم اور حیا کا بہترین نمونہ ہو سکتا ہے۔ خنزیر، خواہشات نفسانی کا مجسمہ ہوتا ہے۔ اور سرتاپا غلاظت پسندی کا مظہر۔ لیکن یہ سب حیوانات ایک ہی مادہ کی مختلف تراکیب کا ظہور ہیں۔ یہ فرق اور اختلاف، جو ان کی طبائع میں پایا جاتا ہے، اس اندازہ اور تناسب کی بناء پر ہے، جس کے مطابق، اُن کے عناصر ترکیبی، باہم امتزاج پذیر ہوئے ہیں۔ پس حیاتِ حیوانی میں اختلافِ عناصر ترکیبی کی وجہ سے مختلف جذبات پیدا ہوتے ہیں، اور یہ مرکبات جہاں کہیں جائیں گے (یعنی جس شے کا جزو بدن ہونگے

اپنے خواص بھی ساتھ لے جائیں گے، اسی لئے ان جانوروں کا گوشت کھانا جو بظاہر خواص وجذبات ردیہ ہیں، طبی رو سے ممنوع ہے۔ کیونکہ جن حیوانات کو ہم جزو بدن بنائیں گے اُن کے خواص ہمارے اندر پیدا ہونا یقینی ہیں۔ اور اسی لئے بعض مذاہب میں بعض حیوانات کے گوشت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

فی الجملہ ان جذبات اور ہیجانات کی بدولت، جو اجسام حیوانی میں ارتقا پذیر ہوتے ہیں، اور پھر اخلاق عالیہ میں منتقل ہو جاتے ہیں، نہ صرف نظام تمدنی پیدا ہوتا ہے بلکہ اصلی انسانیت جو اپنی انتہائی ترقی یافتہ صورت میں آئندہ ترقی کی بنیاد ہو جاتی ہے جو حیات بعد الموت کے بعد ہوگی۔ لیکن ارتفاع اخلاق کا یہ طرز عمل ہمارے "اندازہ اعتدال" سے واقف ہونے پر منحصر ہے اور یہی وہ خوبی ہے، جس نے مختلف صورتوں میں نقاط ایثری سے لیکر جسم انسانی تک، جملہ ذرات عالم کی رہنمائی کی ہے۔ امتیاز نیک و بد جب تک "غیرارادی قوت فاعلی" نے اس اندازہ کو پیش نظر رکھا، اس وقت تک کوئی دقت لاحق نہیں ہوئی، کیونکہ جسم انسانی تک مادہ کی ترقی، غیرشعوری رنگ میں ہوتی ہے۔ لیکن انسانیت، ایک نئے باب کا افتتاح کرتی ہے۔ اور چونکہ اس منزل میں "شعور" سے ارتقا پاکر ایک خاص شئے کا ظہور لازمی ہے اس لئے "قوت فاعلی" کو بالارادہ کام کرنا ضروری ہے نیز رہنمائی کی ضرورت ہے مثلاً خدا کی طرف سے الہام کا آنا۔ اگر مادی نظام جسمانی کی نشوونما کے لئے آسمان سے بارش کا آنا ضروری ہے، اور یہ نظام، انسانی جسم میں آکر اپنے منتہائے عروج کو پہنچتا ہے، تو اس کی آئندہ ترقی یعنی ذہنی اور روحانی ارتقاء کے لئے بھی روحانی بارش کی ضرورت ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید نے' الہام کو بارش سے تشبیہ دی ہے۔

پس ہم کو دو امور میں اور بھی اعتقاد رکھنے کی ضرورت ہے۔

(۱) خدا کی نازل کردہ کتابوں میں، جن میں اس کے احکام مندرج ہوتے ہیں۔

(۲) خدا کے فرستادہ رسولوں میں، جو اُن احکام کو خدا سے حاصل کرتے اور مخلوق تک پہنچاتے ہیں گویا لفظاً خدا کے پیغام بر ہوتے ہیں۔

میں ناظرین سے ان امور پر غور کرنے کی استدعا کرتا ہوں۔ اگر آپ صاحبان کسی ایسے مذہب پر اعتقاد رکھتے ہیں جس میں زندہ خدا اُس کے پیغامات اور بشارتوں، وغیرہ پر ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

جو ہماری ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہیں اور یہ کہ ہماری زندگی، موت کے بعد بھی علی حالہ قایم رہے گی، تو براہ کرم مجھے بتائیے کہ اسلام کے علاوہ آپ کا مذہب اور کیا ہو سکتا ہے؟ ہمیں اس بات کا کیا حق حاصل ہے کہ ہم اپنے انبیاء کو تو خدا کی طرف سے مانیں اور دوسروں کے انبیاء کو اس عزت کا مستحق نہ جانیں؛ ہمارے آباؤ اجداد کا خدا تعالےٰ سے کوئی خاص رشتہ یا تعلق نہ تھا، وہ خدا تو سب کا "رب" یا "اللہ" ہے۔ اگر اُس نے ہماری رہنمائی کے لئے کسی نبی کو بھیجا تو دوسری اقوام کی رہنمائی کے لئے بھی اُس نے انبیاء بھیجے ہونگے علاوہ بریں جب اس کی فرستادہ کتب اپنی اصلیت اور صحت کو ضائع کر بیٹھیں، اور یہ وہ بات ہے جو آج تقریباً تمام کتب پر صادق آتی ہے، تو اس نے اپنا آخری پیغام عظیم یعنی القرآن اور آخری رسول اعظم یعنی حضرت ختمیت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ اور جو شخص رسولوں کی بعثت پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید اور آنحضرت صلعم کا انکار ہرگز نہیں کر سکتا۔

اگر وہ رسول، جس پر تم اعتقاد رکھتے ہو، تمہارے لئے خدا کی طرف سے کوئی پیغام لایا اور اپنے بعد اُسے افعال و اقوال کی صورت میں چھوڑ گیا، لیکن اسکے بعد اسکے مقدس افعال و اقوال کا ذخیرہ، آج تمہارے پاس اصلی رنگ میں موجود نہیں تو خدا تم کو اسی طرح تاریکی میں رکھنا پسند کریگا۔ اگر اس نے ایک مرتبہ تمہارے لئے ہدایت بھیجی تھی تو وہ دوبارہ بھی بھیج سکتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سوائے قرآن مجید کے یا سیرت رسول عربی صلعم کے اور کوئی نوشتہ اپنی اصلی حالت میں آج محفوظ یا موجود نہیں ہے پس اگر چاہو تو ان دونوں کو قبول کر لو ورنہ منطقی طور پر تم اپنے مذہب میں بھی اعتقاد نہیں رکھ سکتے۔

باب ششم

القرآن المجید

یہ کتاب اپنی نوعیت میں پہلی نہیں ہے بلکہ الہامی کتابوں میں سب سے آخری ہے۔ اور یہ کتاب

اس وقت نازل ہوئی جبکہ دنیا کی تمام کتابیں محرف ہو چکی تھیں اور بعض قطعاً ناپید ہو چکی تھیں۔ یعنی کوئی کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود نہ تھی۔

کہتے ہیں کہ وید' جو آج سے غالباً دس ہزار سال پیشتر ہندوستان کے باشندوں پر نازل ہوئے تھے انسانی خیالات کی آمیزش سے محفوظ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود' وہ زبان جس میں یہ کتاب نازل ہوئی تھی۔ اب اس قدر مبہم اور غیر قابل تفہیم ہوگئی ہے کہ جس قدر تفاسیر آج موجود ہیں سب باہمد گر متضاد ہیں حتی کہ اُن عقائد مہمہ میں بھی اتفاق نہیں ہے جو اس مذہب کا مدار یقین ہیں۔ اسی وجہ سے ہندو مذہب ہزارہا فرقوں اور گروہوں میں منقسم ہو چکا ہے، یہاں تک کہ ان میں کوئی امر مشترک نہیں پایا جاتا، اور اُن تمام فرقوں میں اب سوائے نام کے اور کوئی وجہ مماثلت موجود نہیں ہے۔

اسلام کے سوائے اور کوئی مذہب اس بات کا دعوٰی نہیں کرسکتا کہ اس کی الہامی کتاب آج بھی من کل الوجوہ محفوظ ہے اور اپنی اصلیت اور واقعیت کے لحاظ سے جوں کی توں موجود ہے اگر آج دنیا میں قرآن مجید کا نسخہ نہ ہوتا تو ہم الہامی کتاب کی نوعیت کو سمجھنے سے قاصر رہتے۔

چونکہ صورت حال یہ ہے اس لئے نزول الہام قرآنی میری رائے میں، ایک ضرورت حقہ اور تقاضائے عقلی ہے۔ اگر بعثت محمدی سے قبل، اللہ پاک کی مشیت یہ تھی کہ دنیا میں رسول بھیجے اور ان کی معرفت اپنی مرضی سے مخلوق کو آگاہ کرے اور اگر انبیائے سابقین کی لائی ہوئی کتابیں، اب اصلیت اور صحت سے عاری ہو چکی ہیں یا اُن کی عبارت مبہم ہوگئی ہے تو اُن کا بدل نازل ہونا بے شک ایک یقینی امر ہے۔ کائنات گرد و پیش اس اصول کی صداقت پر شہادت دے رہی ہے۔ کائنات میں کوئی شے منسوخ نہیں ہوتی جب کوئی شے معدوم یا بیکار یا ختم ہو جاتی ہے تو اس کا بدل فوراً ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے:-

ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نأت بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شیٔ قدیرہ ۲/۱۰۶

* ہم جس نشان (مظہر) کو بیکار (منسوخ) کرتے ہیں یا بھلا (مٹا) دیتے ہیں تو اس سے بہتر بھیج دیتے

ہیں یا کم از کم، اُس کی مثل، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالےٰ ہر شے پر قادر ہے" (سورۂ بقر آیت ۱۰۶)

ختمیتِ قرآن

اگر انبیائے سابقین کے الہامات، آج ہمارے پاس اپنی اصلی صحت وصداقت کے ساتھ موجود ہوتے، تو نزولِ قرآن کی کوئی ضرورت نہ ہوتی - بلکہ اس کا نزول، تحصیل حاصل ہوتا - اور اسی وجہ سے یہ امر بھی ظاہر ہے کہ قرآن شریف خدا کا آخری الہام ہے - دوست دشمن دونوں کو یہ امر مُسلّم ہے کہ قرآن پاک آج بھی بلحاظ صحت و واقعیت وہی ہے جو آنحضرت صلعم پر آج سے تیرہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا - اور اگر اس کی تعلیمات جملہ ضروریات انسانی پر حاوی ہیں تو نبی صداقتوں کا اعادہ، یقیناً خارج از بحث ہے - موازنۂ مذاہب مختلفہ سے بھی ہمارے قضیہ کی تائید ہوتی ہے - بنیادی اصول تو ہر مذہب میں یکساں ہی ہیں - اختلافات جو کچھ پیدا ہوئے وہ، انسانی خیالات کی آمیزش سے - پس اگر قرآن کریم جملہ سابق صداقتوں کا مجموعہ اور ان کو، اُن کے اصلی رنگ میں پیش کرتا ہے اور جو جو خوبیاں معدوم ہوگئی تھیں ان کو دوبارہ عطا کرتا ہے تو پھر کسی نئے الہام کی کیا ضرورت ہے، چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے -

رسولٌ من اللہ یتلوا صحفاً مطہرۃً فیہا کتبٌ قیمہ ۞

وہ دلیل یہی تھی کہ) خدا کی طرف سے کوئی رسول آئے اور مقدس اوراق انہیں پڑھکر سنائے جس میں تمام مضبوط کتابیں لکھی ہیں - ۳۳ - ۹۸

"لقد ارسلنا الی امم من قبلک . . . . . وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدیً ورحمۃً لقوم یومنون

تحقیق ہم نے تجھ سے پہلے بھی مختلف امتوں میں رسول بھیجے . . . . . اور یہ کتاب ہم نے تجھ پر اسی لئے نازل کی ہے کہ تو ان امور کا تصفیہ کردے - جن کے متعلق لوگوں میں اختلافات برپا ہوگئے ہیں نیز یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں - (سورۂ نحل ع ۸)

ایک اور امر بھی ہے - جس سے قرآن پاک کا آخری وحی ہونا ثابت ہوتا ہے - نبی کریمؐ کا زمانہ

بعثت ہے جو کئی پہلوؤں سے، انقلابی زمانہ کہا جا سکتا ہے اور کہ جو تاریخ عالم میں ایک ممتاز واقعہ ہے۔ آپؐ سے پہلے، دنیا کے لوگ علیحدہ علیحدہ رہتے تھے، اور مختلف جماعتوں کے مابین طبعی یا مصنوعی حجابات حائل تھے اور مخابرت و مراسلت کے ذرائع نہایت محدود تھے۔ شاذ و نادر ہی لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرتے تھے، اور ایک دوسرے سے بہت کم واقف ہوتے تھے۔ مشیئتِ آلہیہ بھی انفرادی رنگ میں ہی ان کی ضرورتوں کا مداوا کرتی تھی۔ ہر قوم کا رسول اور مذہب، ایک دوسری سے جداگانہ تھا، لیکن ہر نبی اپنی قوم کے لئے وہی ایک مذہب لایا کرتا تھا۔ اُس زمانہ میں، چونکہ الہامی نوشتوں کی حفاظت کا کافی انتظام ممکن نہ تھا، اس لئے ان کی صحت مشتبہ ہوگئی یعنی پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئیں۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار الہام نازل ہوتا رہا۔ لیکن نبی کریم صلعم کا زمانہ اس وقت شروع ہوا جبکہ دنیا میں رنگ عمومیت اور عالمگیریت پیدا ہو چکا تھا اور مقدر تھا کہ آئندہ یہی رنگ تمام دنیا پر چھا جائیگا، اور تمام دنیا ایک سلک میں منسلک ہو جائیگی، اور دنیا کا ہر ملک عمومیت کے رنگ میں رنگین ہو جائیگا۔ مراسلت و مخابرت کے نئے ذرائع پیدا ہو جائیں گے۔ اور تمام دنیا، ایک قوم یا جماعت بن جائیگی۔ اندریں حالات، مختلف اقوام کو فرداً فرداً الہام کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اور نہ اس میں تنوع کی حاجت باقی رہی۔

نبی کریم صلعم نے قرآن شریف کو تحریف سے محفوظ رکھنے کی مختلف تدابیر اختیار فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپؐ نے اپنے متبعین کو کلام پاک کے حفظ یاد کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؐ کی حیات طیبہ ہی میں آپ کے ہزاروں صحابہ نے کلام مجید کو حفظ کر لیا تھا۔ اور آج بھی لاکھوں حفاظ، مسلمانوں میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ، چھاپہ کی ایجاد سے بھی الہام ربانی کی حفاظت ہوگئی ہے۔ نیز خدا کے آخری پیغام کا عربی زبان میں نزول مزید حفاظت کا سبب ہوگیا ہے۔ حجازی زبان دنیا بھر کی زبانوں میں سب سے زیادہ غیر متغیر زبان ہے دوسری زبانوں کے الفاظ کے معانی میں وقتاً فوقتاً تغیرات وارد ہوتے رہے ہیں۔ جس زبان کو چاہو دیکھ لو، ایک یا دو صدی کے بعد اُس میں متروکات ضرور پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً چاسر (چودہویں صدی کا انگریز شاعر) کے زمانہ کی انگریزی زبان آج ایک معمولی تعلیم یافتہ انگریز کے لئے بھی اسی قدر دشوار اور مبہم ہے جس قدر ایک اجنبی کے لئے۔ اسپنسر (سولہویں صدی یعنی ملکہ الزبتھ کے زمانہ کا شاعر) کی زبان بھی بآسانی سمجھ میں

نہیں آتی - یہی حال ہندوستان کا ہے کسی زمانہ میں سنسکرت بولی جاتی تھی پھر پراکرت کا دور آیا، اس کے بعد برج بھاشا کی حکومت قائم ہوئی، شاہجہان کے زمانہ سے اردو کا رواج ہوا، اور جو اردو اس وقت بولی جاتی تھی وہ موجودہ اردو زبان سے بالکل مختلف تھی - یہی حال دنیا کی ساری زبانوں کا ہو چکا ہے - بعض زبانوں کو ہم مردہ زبانوں کی فہرست میں شامل کرتے ہیں - لیکن دراصل وہ مردہ نہیں ہوئی ہیں، ساری خرابی تغیرات نے پیدا کی ہے -

چھاپہ کی ایجاد نے تغیرات کے نتائج کو بڑی حد تک معدوم کر دیا ہے - لیکن گذشتہ زمانہ میں، پانچ سو سال کا عرصہ کسی زبان کی ہیئت بدل دینے کے لئے بہت کافی ہوتا تھا، اور اس مدت میں زبان کی صورت اور ترکیب اس درجہ متغیر ہو جاتی تھی، کہ آئندہ نسلیں اس کے سمجھنے سے قاصر رہتی تھیں - الہامی کتابوں کے محرف اور مبدل ہو جانے کا بڑا سبب یہی تغیر لسانی ہے - الہام کے چند صدیوں کے بعد، کوئی الہامی کتاب، مروجہ زبان میں قائم نہ رہ سکی - لہذا ترجمہ کی ضرورت محسوس ہوئی - لیکن ترجمہ کی زبان بھی چند صدیوں کے بعد بدل گئی، پھر ترجمہ ہوا اور چونکہ وہ ترجمۂ اول سے ترجمہ کیا گیا تھا اس لئے اس میں اصلیت کی وہ شان قائم نہ رہ سکی - غرضکہ اسی طرح ہزار دو ہزار سال میں اصلی متن بالکل غائب ہو گیا - اگر اصلی بائبل آج دنیا سے ناپید ہو چکی ہے تو اس کا خاص سبب یہی تو ہے -

لیکن عربی زبان ان امور سے مستثنیٰ ہے، آج بھی حجاز میں وہی زبان بولی جاتی ہے جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بولی جاتی تھی، اور یہ بات سوائے عربی کے اور کسی زبان میں نہیں پائی جاتی - اگر تفہیم و تفہم کا ذریعہ صرف زبان اور اس کے الفاظ ہی ہیں اور انہی کی بدولت ایک شخص دوسرے کے خیالات سے آگاہ ہو سکتا ہے پس اگر وہ الفاظ، جن کے ذریعہ سے، انبیائے ماسبق اپنے خیالات سے اپنے متبعین کو اور ان کی معرفت آئندہ نسلوں کو آگاہ کرتے تھے - اگر معدوم ہو جائیں یا ان کی صورت اور معنی بدل جائیں، تو پھر ہم الہام نازل کرنے والے کی منشاء کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں؟ خواہ وہ الفاظ ہی اپنی اصلی صورت میں صحت کے ساتھ ہم تک کیوں نہ پہنچ جائیں - بائبل کا قدیم ترین نسخہ بھی محض ایک ترجمہ ہی ہے - لیکن فرض کرو ہمارے پاس جناب مسیح اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے مونہہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہوں -

پھر بھی وہ زبانیں، جو وہ لوگ بولتے تھے آج مُردہ ہو چکی ہیں، اس لئے ہم اُن انبیاء کی دلی منشاء سے واقف نہیں ہو سکتے پس اگر ہمارے پاس اُن کے نوشتے صحیح حالت میں بھی موجود ہوں تو بھی بیکار ہیں۔ (باقی پھر)

مذہب کے متعلق عیسائی نقطہ نگاہ

(ایک برطانوی مسلم کے قلم سے)

گذشتہ دور میں عیسائیوں کے الگ الگ فرقوں نے اپنے مذہب میں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا کر لی ہیں۔ مثلاً عبادت ہی کے متعلق اب عیسائیوں میں بہت اختلاف ہے۔ یہاں تک کہ عبادت ایک جھگڑے کا موضوع بن چکی ہے۔ ایک فرقہ کے لوگ اگر ایک طریقے کے قائل ہیں تو دوسرے فرقے کے پیرو اس طریق عبادت کو غلط اور قابل مذمت سمجھتے ہیں۔ جب عقل فراست اور معاملہ فہمی سے کام نہیں لیا جاتا اور جھگڑے قانون کی حد سے باہر نکل جاتے ہیں تو پھر قانون کو مذہب میں دخل دینا پڑتا ہے تاکہ ان تنازعوں کو دبایا جاسکے۔ عیسائیت میں ان تبدیلیوں اور تفرقوں سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں عبادت کے متعلق ایک مذہب کی اس ذہنیت کو دیکھکر البتہ مسلمانوں کو کچھ افسوس ضرور ہوتا ہے۔

اس نئے دور میں مذہب کی جزئیات میں ردو بدل کرنا ایک معمولی سی بات سمجھی جاتی ہے عیسائی مذہب کی تنظیم عبودیت اور اعتقاد کے ان بدلتے ہوئے رجحانات اور الگ الگ فرقوں کی نئی روش پر مسلمان صرف ایک مبصر کی سی حیثیت میں غور کر رہے ہیں۔

عیسائیت کے اس دور اضطراب میں مسلمانوں کے لئے ایک خوشگوار پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ عیسائیت کے مقابلہ میں رسول کریم صلعم کی شان اور اسلام کی خوبیاں خود بخود عیاں ہوتی جا رہی ہیں اور عیسائی بالعموم اسلام کی سربلندی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اس قسم کی کئی مثالیں "اسلامک ریویو"

میں پیش کی جا چکی ہیں مگر شا ڈیزمنڈ (Shaw Desmond) کی کتاب "مسیح اور پال" اعتراف حقیقت کا ایک تازہ ثبوت ہے۔ یہ کتاب حال ہی میں میری نظر سے گزری ہے۔ مصنف نے چونکہ اپنی اس تصنیف میں صاف بات ڈر کر نہیں کی۔ اُس کی تحریر میں ایک قابل تعریف جرأت ہے جھوٹ سے اُسے سخت نفرت ہے۔ اور وہ کہیں بھی اسے بے نقاب کئے بغیر نہیں رہتا۔ جس طرح ہینن سویفر (Hannen Swaffer) سیاسی لغزشوں کو ناقابل معافی سمجھتا ہے اسی طرح شا ڈیزمنڈ کو مذہبی حماقتوں اور لغویتوں پر بہت طیش آتا ہے۔ ہم اُسے ایک میدان کارزار میں دیکھتے ہیں۔ لیکن جب بھی وہ لڑنے پر اُترتا ہے حق گوئی اور بے باکی سے آراستہ ہوتا ہے۔

شا ڈیزمنڈ نے اِس بات کو واضح کیا ہے کہ انسان کو عیوب نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ ان کی تصحیح سے پہلو تہی کرتا ہے۔ اس نے انسان کی مثال بلی کے اُن بچوں سے دی ہے جو تیز روشنی کی تاب نہ لا کر اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ لیکن جب روشنی ان سے اور یہ روشنی سے مانوس ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا احساس مٹ جاتا ہے۔

اس تاریکی میں جہاں یہ بچے اپنی آنکھیں بند کئے پڑے ہیں شا ڈیزمنڈ کو روشنی کی آمد کا صرف ایک راستہ نظر آتا ہے پھر اُس نے خود تاریکی سے یہ پردہ اٹھا دیا ہے۔ تاکہ جو ظلمت میں ہیں وہ یہ بھی دیکھیں کہ نور کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"یہ مصنف کا تجربہ ہے کہ عیسائی مبلغین کو جب بھی کبھی مسیح کا مقابلہ محمدؐ سے کرنا پڑتا ہے تو محمدؐ کا درجہ بلند ثابت ہو جاتا ہے۔ حالانکہ خود مسلمان عیسائیوں کے عام اعتقاد کے برعکس مسیح اور محمدؐ کا ایک ہی درجہ سمجھتے ہیں۔"

کچھ عیسائی مبلغین اگرچہ دیدہ و دانستہ حقیقت کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ایک وقت ایسا آئے گا جب صداقت آشکارا ہو کر رہے گی۔

مذہب کے متعلق عام نقطۂ نظر اور رجحان کی وضاحت اب تحریر و تقریر میں نظر آتی ہے۔ اور اگر مطالعہ کیا جائے تو گذشتہ نصف صدی سے اس میں بہت حد تک فرق پڑ چکا ہے۔ مذہب کو ذریعۂ عمل نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ

یہ ایک اعتقاد ہی کی بات سمجھی جاتی تھی۔ ایک مسلمہ رکن یہ تھا کہ "خداوند یسوع مسیح پر اعتماد رکھو تمہاری نجات کے لئے یہ کافی ہے"۔ لیکن کس کو نجات ملے گی اور کیوں؟ مطلب یہ ہوا کہ اُن کے گناہ اور عیوب صرف اس ایک اعتقاد کی بدولت قابل عفو ہونگے؛

موڈے (Moodey) اور سینکے (Sankey) ٹوری (Torry) اور ایلگزینڈر (Elexander) مینٹن سمتھ (Manten Smith) اور فلرٹن (Fullerten) جنرل بوتھ (General Booth) اور ان کے علاوہ کئی اور چھوٹے چھوٹے مشنریوں نے جو کچھ کیا ہے۔ اُس کے مطالعہ کے لئے ہمیں کسی بہت پچھلے زمانہ میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس وقت بھی مڈلینڈ کی ویرانیوں میں مقابلتاً ایک کمزور آواز کی پکار سنائی دے رہی ہے۔ لیکن یہ آواز ایک ایسے مشنری کی نہیں ہے جس نے ونگسٹون (Livingstone) کی طرح اپنے تجارتی مقاصد کو روحانیت اور الوہیت کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ نصف صدی تک پچھلے زمانہ میں ایک "مشن" کی دو بڑی خصوصیتیں ہوا کرتی تھیں۔ یعنی ایک تو پادری کی طرف سے سوالوں کی فہرست۔ اور دوسرے حاضر ہونے والے شخص کی طرف سے اُن سوالوں کے جواب جن میں وہ اقرار گناہ کر لیتا تھا۔ اقرار گناہ کے بعد گنہگار کا ضمیر مطمئن کر دیا جاتا کہ صرف پادری کے روبرو اقرار گناہ سے اُس کے تمام گناہوں کا کفارہ ادا ہو گیا ہے۔ گنہگار جب پادری کے کمرے سے باہر نکلتا تھا تو باہر کھڑے ہوئے لوگ اُسے روک لیتے تھے اور بہت سنجیدگی سے اُس سے یہ سوال کرتے "کیا تم بخش دئے گئے؟" اسی زمانہ میں ایک ہفتہ وار مذہبی رسالہ نے سلسلہ وار ایک افسانہ چھاپنا شروع کیا۔ اس افسانہ میں دو سطریں یہ تھیں۔

"اور تم بھائی! کیا تم بخش دئے گئے ہو؟ نہیں!

اوہ! ہائے تمہیں نجات نہیں ملی"۔

اس طنزیہ افسانے پر اس مذہبی رسالہ کے خلاف کافی ہنگامہ بپا کیا گیا۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کیتھولک فرقہ کے ماتحت جتنے مشن کام کرتے تھے یا ہمیں نہیں ملتیں؟

ایک شاعر پادری Manley Hopkins جنہیں اکثر کسی مشن کی رہنمائی کے لئے بھیجا جاتا تھا کیتھولک مشن کے متعلق کہا کرتے تھے کہ کیتھولک مشن ہی ایک ایسا مشن ہے جہاں مذہب کی وجدانی کیفیت جنون کی حد تک نہیں پہنچتی۔ لیکن جس طرح پروٹسٹنٹس گناہ کی سزا سے گریز چاہتے ہیں۔ اسی طرح کیتھولک بھی اس سزا سے بچتے ہیں اور اسی وجہ سے ان میں خاص عبادت اور پرہیزگاری کے لئے وقت مقرر ہیں۔ اس خاص عبادت اور پرہیزگاری کے بعد گناہ کی سزا سے اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھ لیا جاتا ہے

اس کے برخلاف مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خود گناہ سے احتراز کیا جائے۔ عبادات گناہ سے ہی بچنے کی تعلیم ہے۔ زندگی ہی خدا کے احکام کے مطابق بسر کی جائے۔ یہی خیال بہت خوبصورتی سے عیسائیوں کے کئی مذہبی بھجنوں میں بھی باندھا گیا ہے۔ گانے والے گانے سے لطف اٹھاتے ہیں۔ گیت کے معنے سمجھنے یا اس پر عمل کرنے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ راہِ نجات پر ہر ایک کو اکیلا ہی چلنا پڑتا ہے۔ نجات کا راستہ ایسا نہیں کہ اس پر سے گروہ کی صورت میں لوگ گزر جائیں اور ان سب کو یکبار نجات یافتہ قرار دے دیا جائے۔ نجات کے اس راستے پر بہت سے کانٹے ہیں۔ لیکن کانٹوں سے جو زخم پیدا ہوتے ہیں اُن کے لئے وہیں مرہم بھی خود پیدا ہوتا ہے

آجکل عیسائیوں میں یہ خیال بہت زور پکڑ رہا ہے کہ عیسائیوں کا ایک ہی متحدہ چرچ ہو۔ ابھی یہ بات دیکھنے کو ہے کہ آیا یہ بیل منڈھے چڑھتی ہے یا آغاز ہی میں انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ مشاہدے سے یہ بات ذرا مشکل معلوم ہوتی ہے کہ ایک اینگلو کیتھولک پادری ایک یونیٹیرین " Unitarian " پادری کے ساتھ مل کر کام کرے۔ یونیٹیرین پادریوں کو شاید اس تجویز میں شامل ہی نہ کیا جا سکے۔ یہ پادری اپنے آپ کو عین یسوع مسیح کا پیرو سمجھتے ہیں۔ ویسی ہی زندگی بسر کرتے ہیں اور خیرات کے وہی کام کرتے ہیں جو اُن سے وابستہ تھے۔ اور اگر عیسائیت کا یہ ایک ہی چرچ ان ہی اصولوں پر بنایا گیا تو پھر اس کا قیام اور بھی ناممکن ہے۔ ایک اینگلو کیتھولک ہمیں ہمیشہ ایک خاص لبادہ میں نظر آتا ہے۔ اسی لباس میں اس کی تمام مذہبی روایات منسوب ہوتی ہیں۔ یہ زندگی بھر اُس کے جسم سے الگ نہیں ہوتا۔ مگر ایک اینجلیکل پادری (Evangelical خواہ بنا مخصوص کالر پہنے یا نہ پہنے وہ پادری ہے وہ کامن پریئر بک (Book of Common Prayer) (جسے اینگلو کیتھولک مانتے ہیں) کے مقابلہ میں صرف بائیبل کو اپنے ایمان کے طور پر پیش

کر سکتا ہے۔ ان دونوں پادریوں میں کتنا فرق ہے۔ کیا کبھی ان کا باہم اتفاق ممکن ہے؟ پھر عیسائیت کے تمام فرقوں کے ایک متحدہ چرچ کے قیام کا خیال کس قدر خام ہے۔

جس طرح آکسفورڈ سٹریٹ اور بانڈ سٹریٹ کی کپڑوں کی دوکانوں کے باہر نمائش کی الماریوں میں فیشن کے نمونے جھٹ پٹ بدلتے رہتے ہیں اسی طرح مذہب کے فیشنوں کو بدلتے ہوئے بھی کچھ دیر نہیں لگتی۔ پچاس سال پہلے عیسائیت کے دو بڑے فرقے تھے کیتھولک اور پروٹسٹنٹس۔ آخرالذکر کی البتہ کئی شاخیں تھیں۔ لیکن آجکل دو اہم الگ الگ فرقے رومن اور اینگلو کیتھولکس ہیں۔ اب یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ اینگلو کیتھولکس رومن کے ساتھ یک جان ہو جائیں۔ دونوں فرقے یہ چاہتے ہیں کہ اینگلو اور رومن کے الفاظ اڑا دیئے جائیں۔ ایک اینگلو کیتھولک پادری کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کوئی نہیں ہوتی کہ اسے ایک مذہبی شخصیت کی بجائے حکومت کا ایک افسر کہا جائے۔ یعنی اس چرچ کا افسر جس چرچ کو (؟) دوں نے بنایا وہ یہ بھی بھول جانا چاہتا ہے کہ حکومت کی طاقت چرچ کی طاقت سے کہیں زیادہ ہے اور چرچ کی کوئی ایسی طاقت نہیں جو حکومت نے اسے نہ دی ہو۔

مگر مسلمان کیا چاہتے ہیں؟ اتحاد و یکجہتی اور امن۔ صرف اپنے لئے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی اور اسے اس وقت کا انتظار ہے جب لوگوں میں ایمان کا صحیح جذبہ پیدا ہوگا۔ اور وہ صلح و امن کے دور میں اطمینان اور پاکیزگی کی زندگی بسر کریں گے۔

بقیہ ۲۵۱

نام کتاب	اصل قیمت	رعایتی قیمت	نام کتاب	اصل قیمت	رعایتی قیمت
۱۳ - اسوۂ حسنہ	۸ر	۶ر	۲۶ - حیات بعد الموت	۸ر	۶ر
۱۴ - مطالعہ اسلام	۱۰ر	۷ر	۲۷ - صدائے نصرت بر اہل بیت	۴ر	۳ر
۱۵ - لمعات انوار محمدیہ	۶ر	۵ر	۲۸ - دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ	ھبر	۵ر
۱۶ - ذرات عالم کا مذہب	۴ر	۳	۲۹ - اسلامی نماز کا فلسفہ	۴ر	۳ر
۱۷ - ام الالسنہ	۸ر	۶ر	۳۰ - یسوع کی الوہیت اور اسکی کامل انسانیت پر ایک نظر	۴ر	۳ر
۱۸ - خطبات غربیہ مکمل ۶ سٹ	۱۲ر	۹ر			
۱۹ - مقصد مذہب	۴ر	۳ر	۳۱ - اسلام یعنی ہمدردی بنی نوع انسان کا مذہب	۴ر	۳ر
۲۰ - براہین نیرہ	۱۲ر	۹ر	۳۲ - سیرت نبوی	۴ر	۳ر
۲۱ - سیر افکار	۱۲ر	۹ر	۳۳ - لندن میں جلسہ میلاد النبی صلعم	۲ر	۱ر
۲۲ - ہستی باری تعالے	۶ر	۵ر	۳۴ - قرآن اور جنگ	۳ر	۲ر
۲۳ - پیام اسلام	۸ر	۶ر	۳۵ - پادری صاحبان کیلئے حل طلب مسئلے	۴ر	۳ر
۲۴ - اسلام اور علوم جدیدہ	۴ر	۳ر	۳۶ - اسلامی نماز اور اس پر مغربی اعتراض	۴ر	۳ر
۲۵ - تفسیر سورۃ فاتحہ	۴ر	۳ر	۳۷ - بے نظیر کامیاب نبی صلعم	۵ر	۴ر

ضروری نوٹ:- ان کتب کا مکمل سٹ جو ۳۷ کتب پر مشتمل ہے (جس کی) قیمت سترہ روپے آٹھ آنے ہے جس کی رعایتی قیمت تیرہ روپے ہوگی محصول ڈاک پیکنگ مکمل سٹ منگوانے والے کو معاف۔ مینیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (مغربی پاکستان)

شودروں کی تعلیم اور اسلام

مسٹر جے بھیم میں مسٹری تہرد رقمطراز ہیں کہ جب میں اور دو میرے پڑوسی گاؤں کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوکر ایک مڈل سکول میں داخل ہونے لگے تو سارے گاؤں میں ایک تہلکہ پڑگیا - گاؤں کے بڑے بڑے زمیندار ہماری اس حرکت کو ایک بہت بڑا اہم واقعہ ظاہر کرتے - اور عجیب وغریب چہ میگوئیاں کرتے کہ زمانہ کے انقلاب کو دیکھو اچھوت زادے جو صدیوں سے ہماری کفش برداری کرتے آئے وہ اب انگریزی سکولوں میں داخل ہونے کی جرات کرتے ہیں - اور ہمارے جیسے اعلےٰ ذات کے ہندوؤں کے بچوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے متمنی ہیں - مقام تعجب ہے کہ ان اچھوتوں کے دلوں میں کس قدر جسارت پیدا ہوگئی ہے کہ یہ لوگ صدیوں کے رسم ورواج کو خیرباد کہنے پر تلے ہوئے ہیں - انہی زمینداروں میں سے ایک صاحب نے یوں گلفشانی کی کہ ہمیں تو یہ ڈر ہے کہ اگر یہ لوگ اس طرح سے پڑھنے لگ گئے تو ہمیں گوالے کہاں سے ملیں گے؟ ایک دوسرے بزرگوار نے نہایت حقارت کے لہجہ میں یوں ارشاد فرمایا کہ یہ احمق اب تحصیلدار اور ڈپٹی کمشنر بننے کی خوابیں دیکھنے لگ گئے ہیں -

اس میں کلام نہیں کہ ہندو دہرم میں شودروں کی تعلیم ممنوع ہے اور جب ان سیاہ بختوں کی تعلیم کا سوال اٹھا تو اعلےٰ ذات کے ہندوؤں نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور یوں چیخ پکار شروع کی کہ یہ طبقہ ہماری خدمت کے لئے مختص ہے ان کو تعلیم دے کر ہماری غلامی سے نکالنا گویا ہمارے حقوق کو پامال کرنا اور ہندو تمدن اور ہندو روایات واعتقادات میں مداخلت کرنا ہے -

فی الحقیقت ہمارا مڈل سکول میں داخلہ ایک بڑی جرئت اور بہت بڑا کارنامہ تھا - بہرحال ہم لوگ داخل ہوگئے اور اعلےٰ ذات کے لوگ کچھ مزاحمت نہ کرسکے مگر یہ اس وجہ سے نہیں کہ ان میں ہمارے

لئے کسی فیاضی کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا یا ان کے نقطہ نگاہ میں کچھ تغیر آ گیا تھا۔ بلکہ یہ سرکاری حکم کے ماتحت تھا جس کے سامنے انہیں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

ہم ہیڈ ماسٹر صاحب کے شکر گذار ہیں کہ ہمارے لئے انہوں نے ازراہ نوازش کمرے کے انتہائی سرے پر ایک خاص علیحدہ بنچ رکھوا دیا جو اعلےٰ ذات کے ہندوؤں کے بچوں سے بہت فاصلے پر تھا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ انتظام بھی بڑی رعائیت پر مبنی ہے۔ اور اگر ہمیں ماسٹر صاحب کی آواز سنائی نہیں دیتی یا جو کچھ وہ بلیک بورڈ (تختہ سیاہ) پر لکھتے ہیں نظر نہیں آسکتا تو اس کے لئے ہمیں حرف شکایت زبان پر نہیں لانا چاہئے۔ ہمارے لئے سوائے سر تسلیم خم کرنے کے چارہ نہ تھا اور قہر درویش برجان درویش اس انتظام سے جو ہمیں نقصان اور تکلیف پہنچی وہ ہم نے بطیب خاطر منظور کی۔

یہ انگریزی سکول ہمارے گاؤں سے پانچ میل کے فاصلہ پر تھا۔ ہمیں یہ سارا راستہ پیدل ہی طے کرنا پڑتا۔ اس وجہ سے اکثر دیر ہو جاتی۔ پہلی گھنٹہ ہر روز انگریزی کا ہوتا تھا۔ ہمارے ماسٹر صاحب جو ایک سن رسیدہ نیک برہمن بزرگ تھے۔ ہمیں آتا دیکھکر سخت برہم ہو جاتے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ہم دیر سے کیوں آتے ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ جب ہمیں کمرہ میں داخل ہونا ہوتا تھا۔ تو ان بیچاروں کو اپنی کرسی سے اٹھکر ایک طرف کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ آپ کی کرسی عین کمرہ کے دوران میں ہوتی تھی۔ ایک استاد کے لئے اپنے شاگردوں کا اس قدر عزت اور محبت سے خیر مقدم کرنا ایک اجنبی کے لئے جسے حقیقت حال کا علم نہ ہو بہت کچھ حیرانی کا موجب ہو سکتا ہے۔ مگر یہ چھوت کا اعجاز تھا نہ کچھ اور۔ ہمارا ریاضی کا استاد ایک تنگ مزاج اور زود رنج انسان تھا۔ اور تمام لڑکے اس سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ لڑکوں کے کان مروڑنا ان کی بڑی من بھائی سزا تھی۔ ہم تو اس سزا کو دیکھکر کانپ جاتے تھے لیکن ہم اچھوت اس سزا سے مستثنیٰ تھے ہم لوگ اس قسم کی جسمانی سزا سے ہی مستثنیٰ نہ تھے جس میں استاد کو ہمیں چھونا پڑے بلکہ بید کی ضربات سے بھی ہم کو آزادی حاصل تھی۔ کیونکہ ماسٹر صاحبان ہمیں چھونا تو درکنار ہمارے قریب بھی نہیں آتے تھے۔ میرا دوست کہا کرتا تھا کہ مانا کہ اچھوت ہونا ایک طوق لعنت ہے کہ اس کی وجہ سے ہم لوگ دائمی مصائب اور لوگوں کے غیظ و غضب کا آماجگاہ بنے ہوئے ہیں مگر اس کے ہم شکر گذار بھی ہیں کہ اس کی طفیل ہم لوگ استاد کی مار پیٹ

سے بچے رہے"۔

مضمون بالا کے متعلق ایک صاحب جناب عبدالقادر مدراس سے تحریر فرماتے ہیں کہ کیا اسلام شودروں کے متعلق کچھ نہیں کر سکتا؟

اس کے جواب میں مختصراً گذارش ہے کہ اسلام میں کوئی شودر نہیں ہیں اسلام میں وہ تمام لوگ جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں وہ ایک واحد جماعت کا حکم رکھتے ہیں۔ کیونکہ اسلام میں ذات پات کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ اس میں کوئی اچھوت نہیں ہے۔ جہاں تک تعلیم کا سوال ہے سو یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں کیا مرد اور کیا عورت کیا غریب کیا امیر سب کو تعلیم حاصل کرنے کا حکم ہے۔ ہمارے نبی کریم صلعم فرماتے ہیں۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ۔ پھر آپ فرماتے ہیں۔ اطلبوا العلم ولوکان بالصین یعنی علم حاصل کرو خواہ تمہیں اس کے لئے چین تک جانا پڑے۔ یہ اسلامی سلطنت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اس امر کی نگہداشت کرے کہ اس کی رعایا میں سے کوئی فرد تعلیم کے بغیر نہ رہ جائے۔ کیونکہ یہ ایک مذہبی فرض ہے۔ یہ وہ احکام تھے جن کا قرن اولیٰ نے من وعن اتباع کیا اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان دنیا کی ایک عظیم الشان قوم بن گئے۔ اسلام امن اور ترقی کا مذہب ہے۔ یہ مساوات اور اخوۃ کا مذہب ہے۔

لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعد میں آنے والے مسلمانوں نے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں تغافل سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ وہ اپنے بلند مقام سے گر گئے۔ مگر یہ ایک نیک علامت ہے کہ اب پھر مسلمانوں کے دلوں میں احساس ذمہ داری کے لئے بیداری پائی جاتی ہے۔ تمام اقوام عالم کو زیور علم سے مزین کرنا اور دنیا کے ہر گوشہ کو مشعل علم سے منور کرنا یہ مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ اسلام دنیا کے لئے نور ہے۔ اہل عالم کی راحت و آسائش اسلام سے ہی وابستہ ہے۔ اسلام کی تعلیمات کو قرآن مجید کے صفحات کے اندر ہی چھپا نہیں رکھنا چاہئے۔ اسلام کی برکات جن میں تعلیم بھی شامل ہے سب کے لئے ہیں خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ لہذا یہ امر بدیہی ہے کہ اسلام ان سیاہ بختوں کیلئے جنہیں ہریجن یا اچھوت یا شودر کہا جاتا ہے بہت کچھ کر سکتا ہے انکو قعر مذلت سے اٹھا کر اوج ترقی پر پہنچا سکتا ہے یہ تمام لوگ جو اس قدر مقہور و مظلوم ہیں اور جنہیں پاؤں کے نیچے روندا جاتا ہے ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں نور اسلام سے منور کریں اور مصائب کے

سے نجات دے کر انکو اعلیٰ [illegible] پر پہنچائیں۔

اسلام ہی ہندوؤں کی چھوت چھات کا واحد علاج ہے

از۔ ایم۔ وائی خاں

سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ مارچ ۱۹۴۷ء ملاحظہ ہو

(۲)

اے لوگو ہم نے یقیناً تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہارے گروہ اور خاندان بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو جانو۔ یقیناً تم میں سے خدا کی نظروں میں وہی سب سے زیادہ عزت والا ہے جو اپنے فرائض کو تندہی سے ادا کرتا ہے۔ یقیناً خدا دانا اور باخبر ہے۔ قرآن سورة ۴۹۔ آیت ۱۳

کبھی کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام مسلمان فاتحوں کی قوت کے زور سے پھیلا یہ صحیح رائے نہیں ہے اس وجہ سے کہ عام طور پر غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے ظلم و ستم کی کوئی مثال تاریخ میں نہیں ملتی (ایشری پرشاد)

اس سلسلہ میں ہم کو آٹھویں صدی کے شروع کی صورت حالات کا معائنہ کرنا چاہیئے جب اسلام نے ہندوستان کے دروازہ کو کھٹکھٹایا۔ راٹے بیان کرتا ہے۔

"بہرحال یہ بات بالکل صاف ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات کے وقت ہندوستان میں ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جن کو ہندو قوانین اور برہمنوں کی روایات سے کوئی دلچسپی اور عقیدت نہ تھی اور وہ اُس ورثہ کو اسلام کے ان قوانین کے بارے میں جو انصاف کے زیادہ قریب ہیں اور جن سے اُنہیں فاتح ہندوؤں کے مظالم کے مقابلہ میں نجات مل سکتی تھی چھوڑنے کے لئے تیار تھے"

جواہر لعل اس واقعہ کی تصدیق ذیل کی سطروں میں کرتے ہیں :-

"وہ مذہب جس کی اشاعت محمدؐ صلعم نے کی اُس نے اپنی سادگی - راستی جمہوریت کے چٹخارہ اور مساوات سے قرب و جوار کے ملکوں سے عام لوگوں کو اپنی طرف کھینچا - اُن کو مطلق العنان بادشاہ اور ایسے ہی مطلق العنان اور ظالم پوجاری عرصہ دراز سے کچلتے چلے آئے تھے - وہ پرانے قوانین سے تنگ آ گئے تھے - اور کسی تبدیلی کے لئے تیار تھے - یہ اچھی تبدیلی تھی - کیونکہ اس نے بہت سی حالتوں میں اُن کو بہتر بنا دیا اور بہت سی پرانی برائیوں کا خاتمہ کر دیا -

ننا لال - سی - مہتا - آئی - سی - ایس - نے اپنے مقالہ اسلام کے حصہ ہندوستانی کلچر میں جو مقابلہ ہندومت کا اسلام سے کیا ہے - اُس سے معاملہ کی صورت اور بھی صاف ہو جاتی ہے - وہ بیان کرتا ہے

" ہندومت کا نچوڑ سوسائٹی کے مختلف درجوں میں ہے - جس کی بنیاد پیدائش پر رکھی گئی ہے - ہندومت میں ایک شاہزادہ اور ایک کسان کی برابری کا تصور عملی طور پر ممکن نہیں ہے برہمن اور شودر سوسائٹی کے دو مخالف اور نہ تبدیل ہونے والے قطبین پر ایک دوسرے سے علیحدہ کھڑے کئے گئے ہیں یہ سچ ہے کہ شاعروں - اولیاؤں اور ریفارمروں کی آواز کبھی کبھی مرد و دوں کے حق میں سُنی گئی تھی لیکن پیدائشی دھبہ ایسا تھا کہ وہ اس زندگی میں کسی طرح دھوئے نہ دُھل سکا - ہندو سوسائٹی کا تمام تصور اسلام کے بنیادی اصول کے لئے اجنبی تھا اور ہے - کیونکہ اسلام کا دعوےٰ نہیں ہے بلکہ غیر مشروط طریقہ پر تمام مسلمانوں کی سماجی اور مذہبی معاملات میں کامل برابری پر جو ہے وہ کسی حیثیت یا قوم سے ہیں اصرار کرتا ہے -

اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام کی اول اول فتح مذہبی حلقہ میں بالخصوص غرباء کے طبقہ کی خود بخود اطاعت سے شروع ہوئی جنہوں نے قدرتی طریقہ ایک نیا مستقل ایک طاقتور جماعت کے ممبر ہونے میں پایا - جہاں انسان کی قدر اُس کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے کی جاتی تھی اور جہاں نسل و قوم کے خیال کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا - تلوار کے زور

سماج اور پولیٹیکل ترجیح اور اونچے درجہ کے ہنود کے غرور نے بھی مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ کیا تاہم ممکن ہے کہ ان عارضی ذریعوں کے علاوہ اسلام کی ترقی جتنی ہوئی اُس سے بھی زیادہ ہوتی۔ ہندو سوسائٹی میں ایسا وسیع ذخیرہ سوسائٹی کے ظلم سے مارے ہوئے لوگوں کا موجود ہے کہ انہیں ہندو جماعت میں اپنی کوئی بہتری آئیندہ نظر نہیں آتی ہے۔ اس لئے کوئی بھی مذہب ہو جس میں انہیں انسانی برابری کی امید دکھائی دیتی ہے اور کسی قدر سوسائٹی میں عروج نظر آتا ہے وہ اُس مذہب کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

ہیول رائے ــــــــ ہندو یورپین کلچر کا ایک مشہور ثنا خوان ہے جس کو وہ انسان کی قوت موجودہ کی بہترین پیداوار سمجھتا ہے۔ برخلاف اس کے وہ مسلمانوں کا زبردست مخالف ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ وہ ہندوؤں کا طرفدار ہے اس لئے اگر اُس کے مانند ایک مورخ کو ہندوستان قدیم میں ناگواریاں ہوتی نظر آئیں تو واقعی اس وقت حالات نہایت افسوسناک ہونگے۔ وہ لکھتا ہے:۔

" لیکن ہندوستان میں اسلام کی فاتحانہ ترقی کی وجہ کوئی بیرونی اسباب نہ تھے۔ اُس کا اصلی زور آریہ ورت کا سیاسی انحطاط تھا جس کی ابتدا ہارشا کی وفات سے ہوئی۔ نبی صلعم کی سوسائٹی کے پروگرام کی بدولت ہر سچے مسلمان کو برابر کا درجہ حاصل تھا اور ہے جیسے اسلام کی ترکیب میں سیاست اور معاشرت داخل کر کے اُس کو شاہانہ منظوری حاصل ہوئی۔ اسلام زندگی کا قانون تھا جس میں اوسط درجہ کا انسان دنیا کی موجودہ حالت میں قناعت کے ساتھ خوش رہ سکتا تھا۔ اسلام کو سیاسی قوت اُس نازک زمانہ میں حاصل ہوئی جبکہ بودھوں کا فلسفہ اور برہمنوں کا کٹر مذہب شمالی ہندوستان میں سیاسی اختلافات کا زبردست سبب بن گئے۔

ان حالات میں محمد بن قاسم موقع پر نمودار ہوا۔ ڈاکٹر ایشوری پرشاد اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

عرب نوجوانوں کے علاوہ محمد بن قاسم کے جھنڈے کے نیچے بہت سے مظلوم جاٹ اور

میڈس آ گئے جن کو ہندو گورنمنٹ سے جس نے اُن کو نہایت ذلیل و خوار بنا رکھا تھا پرا نا تعصب طے کرنا تھا۔ وہ اپنی سواری میں زین تک استعمال نہیں کر سکتے تھے نہ اُنہیں کپڑے پہننے کی اجازت تھی نہ ننگے سر رہ سکتے تھے۔ اپنی اس ذلیل حالت میں جبکہ وہ محض لکڑ ہارے اور کہاروں کے درجہ کو پہنچا دیئے گئے تھے اُن کی دشمنی اتنی سخت ہو گئی تھی کہ انہوں نے جوش سے اجنبیوں کا ساتھ دیا۔"

عربوں نے ہندوستان میں ۴۰ برس حکومت کی تقریباً ۷۵۲ عیسوی تک اور بعد میں بھی محمود غزنوی کے حملے تک۔ شمالی ہندوستان میں ہندو حکومت کرتے تھے۔

بودھ مذہب کا زوال اس لئے ہوا کہ اُس کے گرو بدچلن اور جاہل ہو گئے تھے۔ شاہی مدد بھی نہ رہی تھی اور اس وجہ سے بھی کہ بودھ مذہب اور ہندومت کے درمیان جو اپنی بقا کے لئے صدیوں تک جھگڑتے رہے یہاں تک کہ شنکر آچاریہ نے بودھ مذہب کو عوام الناس کا مذہب بنانے کی آخری اُمید پر ایک کاری ضرب لگائی۔

ہندومت کے پیرو اسلام کی طرف اسلام کی پاکیزگی۔ پارسائی۔ سادگی اور زندہ مذہب ہونے کی وجہ سے کھنچے چلے آئے۔ جبکہ انہوں نے اسلام کو ویدوں کے بے جان مذہب اور کرم خوردہ تہذیب سے مقابلہ کر کے دیکھا۔

اور اس وجہ سے بھی کہ ویدک دہرم کے ظالمانہ قوانین نے اچھوت جاتیوں کی حالت بہت تباہ کر دی تھی وہ ویدک دہرم جو اصولاً اور عملاً ہند کے رہنے والے نیچ جاتیوں کو تمام حقوق انسانی سے محروم کرتا ہے۔

ہندوستان کی اچھوت جاتیوں کی تاریخ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ اونچی اور نیچی ذات کا فرق شروع ہی سے چلا آتا ہے جبکہ آریوں نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ فاتحوں نے مفتوحوں کو داسو یعنی ڈاکو کا خطاب دیا۔ بعد ازاں یہ آریہ لوگ ظلم کرنے لگے اور جنگل کی اچھوت جاتیوں کو جو اُس وقت کے قدیم باشندے تھے ویدوں کے جو اُن کی مذہبی کتابیں ہیں سُننے سے یا کسی بات سے جس سے وہ بحیثیت قوم ترقی کر سکیں منع کیا۔ لہذا خدا کی مخلوق کی ایک بہترین جماعت ہمیشہ کے لئے غلام بنا دی گئی اور شودر کہلانے لگی۔ اُن کی

حالت ہندوستان کی دوسری قوموں کیلئے نہایت شرمناک ہے۔

اس سماجی ذلت کا حال ہم منو مہاراج کے ویدوں کے ذیل کے بیان میں پڑھتے ہیں:۔

اے خدا برہمن کو ویدوں کے سکھانے کے لئے۔ راجپوتوں کو حکومت کیلئے۔ ویشوں کو کھیتی باڑی اور مویشیوں کے پالنے کیلئے۔ شودروں کو تکلیفوں اور مصیبتوں کے اٹھانے کے لئے پیدا کر۔ یہی اُن کا دہرم ہے کہ وہ اونچی ذات والوں کی خدمت کریں۔

شودروں کے نام سے یہ ظاہر ہو کہ وہ غلام ہیں۔ باب ۲ - آیت ۳۱

پھٹے پرانے کپڑے۔ پرانے برتن اور باسی کھانا اچھوتوں کو دیا جائے۔ باب ۱ - آیت ۱۲

شودروں کو دولت جمع کرنیکی اجازت نہ دی جائے اگرچہ اُن میں اس کی اہلیت بھی ہو۔ اگر وہ دولت جمع کریں تو برہمن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دولت زبردستی اُن سے چھین لے۔

اگر شودر ویدوں کو سنے تو اُس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالدیا جائے۔

اگر کوئی شودر کسی برہمن کا نام لیکر پکارے تو اس کے حلق میں ایک گرم کی ہوئی سُرخ سلاخ ڈال دی جائے۔

اگر شودر پڑھے تو اُس کی زبان کاٹ ڈالی جائے۔

اگر شودر کسی اونچی ذات والے کو بُلائے تو اُس کی زبان میں سوراخ کر دیا جائے

اچھوت جاتیوں کی (جنکو شودر کہتے ہیں) سماجی حالت کو پروفیسر آرنلڈ نے نہایت صفائی سے بیان کیا ہے۔ میں ذیل میں تین بیان جن سے نیچی ذات والے ہندوؤں کی صوبجات یوپی۔ بنگال اور جنوبی ہندوستان میں افسوسناک حالت کا اظہار ہوتا ہے نقل کرتا ہوں۔ جو واقعات یہاں تحریر کئے جاتے ہیں ویسا ہی تمام ملک کا حال ہے۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں:۔

کولی اور چمار۔ جولاہے اور چمڑے کاٹنے والوں سے لیکر باقی سب اس حالت کو پہنچ گئے ہیں۔ کہ اُن کی مصیبت اور ذلت کی کوئی انتہا نہیں رہی ہے۔ ان میں سے بہت سے شمالی اضلاع میں حقیقت میں پکے غلام ہیں یہاں تک کہ اُن میں مشکل سے اتنی بھی ہمت باقی نہیں رہی ہے کہ وہ ہماری عدالتوں سے چارہ جوئی کرسکیں

اور وہ نسلاً بعد نسلٍ زرخرید غلام کی حیثیت سے چلے آتے ہیں - وہ اپنے برہمن یا چھتری مالک کیلئے ہل جوتتے ہیں - جس کو وہ ذات کے گھمنڈ کی وجہ سے نہیں چھوتے اور سوروؤں کے ساتھ جو اُن سے کم میلے نہیں ہیں بقیہ گاؤں سے علیحدہ الگ مکانوں میں رہتے ہیں - ہمیشہ فاقہ مستی کی وجہ سے اُن کی دبلی - کالی اور بدنما صورتیں - اُن کے احمق چہرے اور اُن کی گھناؤنی گندی عادتوں سے اُن کی بدنصیبی ظاہر ہوتی ہے جس کی وجہ انہیں اپنے ہی جیسے انسانوں میں جانوروں سے بھی بدتر زندگی بسر کرنی پڑتی ہے اور یہ کہ اس پر بھی اُن میں ترقی کی صلاحیت موجود ہے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں میں سے یوروپین مالکوں کو جو اچھی تنخواہ دیتے ہیں اور اچھی طرح سے رکھتے ہیں محنتی اور کارآمد سائیس ملتے ہیں - سوائے اپنا مذہب بدلنے کے اُن کے پاس کوئی چارہ نہیں ہے اور اُن کو اپنے موجودہ مذہب سے وفاداری کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی -

یہ ذات پات کی عدم موجودگی ہی ہے جو ہندوستان میں اسلام کی اصل قوت کا باعث ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہندومت سے اتنے آدمی اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں -

یہ حال تو صوبہ متحدہ آگرہ اور اودہ کے باشندوں کا ہے -

مفرد مبلغین کے اسی قسم کی تحریکیں اور کوشش ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی بڑھنے کے لئے بالکل ناکافی سبب ہیں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ باقاعدہ آبادی کے بڑھنے کے علاوہ جس کی وجہ سے اُن کی تعداد میں اتنا زیادہ اضافہ ہو رہا ہے اور کیا وجوہات ہیں - اس کا جواب ہندوؤں کی سماجی زندگی کے حالات میں ملتا ہے اُن کے ہم مذہبوں کا نیچ ذات ہندوؤں کے ساتھ ذلت اور حقارت سے پیش آنا اور کٹھن مشکلوں کا اُن کی راہ میں ہونا جو اپنی حالت سدھارنا چاہتے ہیں اُن کو اُس مذہب کے نظام کے مقابلہ میں نمایاں نظر آتے ہیں جس میں کوئی اچھوت نہیں ہے اور جس میں ہر خواہش کے پورے ہونے کی لئے بالکل آزادی ہے . . . . . . لیکن بنگال کے اصلی باشندے مسلمان مبلغوں کا بڑی خوشی سے استقبال کرتے ہیں اور وہ نیچی ذات والے بھی جو برائے نام ہندومت میں ہیں اور جن کو اُن کے مغرور آریہ حکمران نہایت ذلیل اور خوار سمجھتے ہیں - ان غریب لوگوں کے لئے جس میں مچھیرے - شکاری - اُٹھائی گیرے اور نیچی ذات کے کسان شامل ہیں اسلام آسمان سے اُترا - یہ حکمران قوم کا مذہب تھا - اُس کے مبلغ بڑے پُرجوش تھے جنہوں نے خدا کی وحدانیت اور انسان

کی مساوات کی خوشخبری ایک حقیر اور بھلائی ہوئی آبادی کو سنایا۔ ابتدائی رسومات کے بند ہو جانے پر پھر پرانے مذہب کو لوٹنا ناممکن ہو گیا۔ اور نئے مرید اور اُن کی اولاد ہمیشہ کے لئے پکے دیندار ہو گئے۔ اس طریقہ پر اسلام ہندوستان کے سب سے مالدار صوبہ میں مقیم ہو گیا۔ جہاں بہت تیزی سے گھنی آبادی کی کھپت ہو سکتی تھی۔ زبردستی مسلمان کئے جانے کی مثال شاذ و نادر ہی سنی جاتی ہے۔ لیکن جنوبی بنگال میں اسلام کو مستقل کامیابی زبردستی پھیلانے سے نہیں حاصل ہوئی بلکہ اسلام کو تمام لوگوں نے پسند کیا اور زیادہ ترغیب ہی مسلمان ہوئے۔ اسلام نے خدا کا بلند تخیل اور انسانی برادری کا معزز تصور پیش کیا۔ اسلام نے بنگال کے نیچ ذات کی گھنی آبادی کو جو صدیوں سے برائے نام ہندومت میں چلی آتی تھی۔ ایک نئی سماجی تعمیر میں آزادی سے داخل ہونے دیا۔

اس قدر بیان بنگال کے باشندوں کے متعلق ہے

بہشت اور دوزخ اسلامی نقطہ نگاہ سے

(از حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی)

(۴)

غرض یہ ہے حقیقت اسلام کی تعلیم کی رو سے بہشت و دوزخ کی۔ اور وہ عمیق فلسفہ جو اس کے نیچے ہے۔ اس کو قرآن مجید نے ایسی خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ کوئی زیرک انسان تعلیمات اسلامی پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔ برعکس اس کے یہ ظاہر ہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بہشت و دوزخ کی حقیقت کو اس وضاحت سے بیان نہیں کیا اور نہ ان کی فلسفیانہ تصریحات پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے۔ کہ ان ہر دو موضوعات پر دوسرے مذاہب کے خیالات کا مقابلہ اگر اسلام سے کیا جائے تو وہ بہت بھدے اور نامکمل ثابت ہونگے یہ امتیاز اسلام کو ہی حاصل ہے کہ جس نے یہ تعلیم دی ہے کہ بہشت و دوزخ خود انسان

ہی بنا تا ہے اور وہ اس کے اندر سے تیار ہوتی ہے۔ اور کہ بہشتی یا دوزخی زندگی اسی دنیا میں ہی شروع ہوتی ہے اور کہ بُرے یا بھلے اعمال کے روحانی پھل دوسری زندگی میں ایک ظاہری شکل اختیار کرتے ہیں اور یہ کہ دونو بہشت اور دوزخ انسان کی ترقی کے لئے اس کو ایک اعلےٰ منزل سے اس سے بھی اعلیٰ منزل تک پہنچانے کے لئے بنائے گئے ہیں یہ تمام عجیب و غریب تعلیمات صاف صاف قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی کسی دوسری مذہبی کتاب میں نہیں پائی جاتی خواہ وہ مذہب اسلام سے پہلے ظاہر ہوا ہو یا اس کے بعد ہمیں کسی مذہب کے خلاف کچھ تعصب نہیں ہم صاف سادہ اور اعلیٰ تعلیم ہی کے خواہشمند ہیں۔ لیکن چونکہ ہمیں ایسی تعلیم قرآن مجید سے باہر کہیں نظر نہیں آتی اس لئے ہمیں قرآن مجید کے سامنے سر جھکانا چاہئے کہ یہ فی الحقیقت خدا کا کلام ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ شاید بہشت و دوزخ کی تعلیم کے مسئلہ میں کسی دوسری کتاب پر اس قدر اعتراضات نہیں کئے گئے جس قدر کہ قرآن مجید پر۔ لیکن دنیا کے کسی مذہب کا پیرو آئے اور اگر وہ اپنی کتاب میں سے قرآن مجید جیسی اعلےٰ اور صاف تعلیم پیش کرے تو میں اس کو اسلام کے ساتھ برابر کا رتبہ دینے میں پس و پیش نہیں کروں گا۔ لیکن یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ایسی تعلیمات ان کتابوں سے لی جائیں جنہیں وہ آسمانی سمجھتے ہیں اور اس موضوع پر خاص خاص آیات بیان کی جائیں۔ کیونکہ اگر خود کتاب ہی اس موضوع پر ساکت ہو اور اس کے ماننے والے شور مچائیں تو ہمیں یہ فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ کہ یہ تمام خیالات اسلام کے خالص چشمہ سے ہی لئے گئے ہیں۔

بہشت میں حوروں اور خوبصورت عورتوں کے ہونے کو بہت ہدف اعتراضات بنایا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید بہشت میں خوبصورت عورتوں کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اور اسی طرح دوسری اعلےٰ اشیاء کو بھی جن سے اصل مقصد انسان کی راحت کا سامان بہم پہنچانا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں اوپر بالتفصیل بیان کر آیا ہوں بہشت کی ہر ایک نعمت اس دنیوی زندگی کی روحانی کیفیات کا ہی نقشہ ہے۔ مومن عورتیں بھی اپنے تمام حسن و جمال کے ساتھ مردوں کے ساتھ بہشت میں ہوں گی اور مردوں اور عورتوں کا بہشت میں ایک دوسرے کا رفیق اور ساتھی بن کر رہنے کو ہی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

ھم و ازواجھم فی ظلٰل علی الارآئک متکئون ۔ لھم فیھا فاکھۃ ولھم ما یدعون۔

سلام قولا من رب رحیم (سورۃ یٰسین آیت ۵۷-۵۸)

وہ اور ان کی بیبیاں سایوں میں تختوں پر تکئے لگائے ہوئے ہونگے ان کے لئے اس میں پھل ہوگا اور ان کے لئے ہوگا جو وہ مانگیں۔ سلامتی رحم کرنے والے رب کی طرف سے قول ہوگا۔

قرآن مجید میں جو بہشت کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ وہ انسانی سوسائٹی کی راحت بخش۔ پاکیزہ اور کامل صورت کے متضاد نہیں ہے۔ بلکہ عین اس کے مطابق ہے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ صاف طور سے بیان کر دیا گیا ہے کہ بہشت کی نعما اس دنیا کی چیزیں نہیں ہیں اگرچہ ان کے نام وُہی ہیں۔ مزید برآں بہشت کی سب سے بڑی نعمت اسلام کی رو سے لقائے باری تعالیٰ ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

دعواھم فیھا سبحانک اللھم وتحیتھم فیھا سلام۔ وآخر دعوٰھم ان الحمد للہ رب العالمین (سورۃ یونس آیت ۱۰)

وہ ان میں پکاریں گے اے اللہ تو پاک ہے اور ان میں ان کی آپس کی دعا سلامتی ہوگی اور ان کی آخری پکار ہوگی کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔ (سورۃ یونس آیت ۱۰)

اس سے ظاہر ہے کہ بہشت میں ہر ایک کلمہ اور ہر ایک عمل خدائے بزرگ کی حمد اور اس کے جلال کے اظہار کے لئے ہوگا اور خدا کی یہ حمد وثنا بہشتیوں کی ترقی کا موجب ہوگی۔ وہ خدا کی تسبیح وتقدیس سے کبھی نہیں تھکیں گے اور نہ ہی کبھی ان کی ترقی رُکیگی۔ ان کے تمام اقوال واعمال اسی ایک مقصد کے حصول کے لئے ہونگے۔ اس دنیا کی اچھی چیزیں انسان کی روحانی ترقی کی سد راہ ہیں۔ لیکن بہشت کی اچھی چیزیں سد راہ نہیں ہیں۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ مال ودولت اور بیوی بچوں کی محبت خدا کی محبت کو بھلا دیتی ہے مگر بہشت میں کوئی ایسی چیز نہیں جو خدا کی محبت کو بھلا دے یا اس کو مٹا دے۔ اس کی مثال خدا کے نیک بندوں میں اس دنیا میں بھی ملتی ہے۔ اسی کی ایک زیادہ مکمل شکل عالم اخروی میں مشاہدہ میں آئے گی۔ اور چونکہ بہشت میں خدا کے ساتھ تعلق انسان کی خوشی کا سب سے بڑا منبع ہوگا تو وہ لوگ جو اس خوشی کی حالت میں ہونگے ان کے آپس کے تعلقات کو لفظ "سلام" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ پاکیزہ ہونگے۔ جس کے لئے مندرجہ ذیل قرآنی الفاظ پر غور کریں۔

لا یسمعون فیھا لغواً ولا تاثیماً الا قیلاً سلماً سلماً ۔ (الواقعہ آیت ۲۶-۲۵)

وہ اس میں کوئی لغوبات نہیں سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات مگر ایک ہی بات سلامتی سلامتی
میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح بہشت کی خوشیوں کو شہوانی قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ اُن کا اصل مقصد
انسان کو خدا کے حضور میں لے جانا اور اس کے قریب و رتقریب کرنا ہے ۔ بہشت کی سب سے بڑی نعمت جن
کے سامنے دنیا کی تمام خوشیاں ہیچ ہیں اور جس کا حصول بروئے قرآن مجید انسان کی زندگی کا مقصد ہے وہ
خدا کی رضا یا خدا کی خوشنودی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے ۔

وعد اللہ المومنین والمؤمنت جنت تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا
ومسکن طیبۃ فی جنت عدن ۔ ورضوانٌ من اللہ اکبر ۔ ذالک ھوالفوز العظیم ۔
(سورۃ توبہ آیت ۷۲)

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ انہیں
میں رہیں گے اور ہمیشگی کے باغوں میں پاکیزہ رہنے کی جگہوں کا اور اللہ کی رضا سب سے بڑھکر (نعمت)
ہے ۔ یہی بڑی بھاری کامیابی ہے ۔

صرف یہی ایک آیت اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے کافی ہے جو بہشت میں خوبصورت عورتوں
کے ہونے پر کیا جاتا ہے ۔ اور اس کے ساتھ اگر اس امر کو بھی یاد رکھا جائے کہ بہشت کی تمام خوشیاں اس
دنیا کی خوشیوں سے بالکل مختلف ہیں ۔ کیونکہ قرآن مجید صاف الفاظ میں فرماتا ہے ۔ فلا تعلم نفسٌ ما
اخفی لھم من قرۃ اعین ۔ کوئی شخص بہشت کی ان خوشیوں کو نہیں جانتا جو اس سے پوشیدہ رکھی گئی
ہیں تو عیسائی مشنریوں کا اعتراض سراسر بے ہودہ ثابت ہوگا ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام اعتراضات کی بنا
ایک غلط نظریہ قائم کرنے کی وجہ سے ہے اور وہ یہ کہ بدقسمتی سے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ بہشت کی اچھی چیزیں
بھی ویسی ہونگی جو اس دنیا کی ہیں اور جن کو اس دنیا کی چیزوں کے نام دیئے گئے ہیں اور یہ کہ ان سے حظ
اٹھانے یا لطف اندوز ہونے کا وہی طریق ہے جو اس دنیا کی چیزوں کا ہے ۔ لیکن یہ دونوں نظریئے غلط در
غلط ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی ان چیزوں کی حقیقت اور ان سے حظ اٹھانے کی کیفیت کی کوئی تفصیلات نہیں

دی گئیں۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ بہشت کی ہرایک خوشی اور وہاں کا ہرایک قول اور ہرایک فعل خدا کی خوشنودی کے حصول کے لئے اور ایک حالت سے دوسری اعلےٰ حالت تک پہنچنے اور اعلےٰ سے اعلےٰ مقام حاصل کرنے کے لئے ہوگا۔ جس کی کوئی انتہا یا انجام نہیں ہے۔

دوزخ کی سزا کی سختی پر بھی جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے بعض اوقات اعتراض کیا جاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں اوپر تفصیل کے ساتھ بیان کرچکا ہوں یہ خود انسان کے بُرے اعمال ہیں جو کہ اس کی دوزخ ہیں۔ اور اس لئے دوزخ کی سزا میں جو سختی ہے وہ انسان کے اپنے بُرے اعمال کی سختی کا نتیجہ ہیں۔ ایک عادی گنہگار کے لئے دوزخ کی سزا کی سختی ایک معمولی گنہگار کی سزا سے بہت زیادہ ہوگی۔ ہرایک شخص کی سزا یا اس کا اجر اس کے اپنے بُرے یا اچھے عمل کے مطابق ہوگا نہ سب یکساں راحت حاصل کرینگے اور نہ سب یکساں سزا پائیں گے۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔ من جاءَ بالحسنة فلهٗ عشر امثالها ومن جاءَ بالسيئة فلا يجزىٰ الا مثلها وهم لا يظلمون (الانعام)

یعنی جو کوئی نیک عمل لائیگا اس کو دس گنا ثواب ملیگا۔ اور جو کوئی برا عمل لائے گا اس کو صرف اس کے مطابق سزا ملیگی۔ اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔

یہ رعایت ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے عید الضحےٰ تک رہیگی

دولتِ خداداد اسلامی سلطنت پاکستان کے حصول

کی خوشی میں کتب کی قیمت میں خاص رعایت

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

نام کتاب	اصل قیمت	رعائتی قیمت	نام کتاب	اصل قیمت	رعائتی قیمت
۱ - نبی کامل صلعم ع	عیعہ/ ۸ر		۷ - توحید فی الاسلام	۱۰ار	۷ر
۲ - تمدن اسلام ۱۲ار	۹ر		۸ - مسلک مروارید	۱۰ار	۷ر
۳ - ینابیع المسیحیت ۱۴	۱۰ار		۹ - ضرورت الہام	۸ر	۶ر
۴ - رازِ حیات ۱۲ار	۹ر		۱۰ - مکالمات طیبہ	۱۰ار	۷ر
۵ - موضوع القرآن ۴ر	۳ر		۱۱ - اسلام میں کوئی فرقہ نہیں	۱۰ار	۷ر
۶ - تحفہ کرسمس ۴ر	۳ر		۱۲ - مذہب محبت	۴ر	۳ر

باقی صفحہ ۷ سطر پر

پاکستان کا قیام و استحکام

(از قلم جناب مولوی محمد عبدالصمد صاحب بی۔اے۔ایڈیٹر دی لائیٹ۔لاہور)

ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے اب یہ سوال تو نہیں ہے کہ پاکستان کس طرح حاصل کرنا ہے بلکہ اب یہ سوال ہے کہ پاکستان کو کس نہج پر قائم رکھنا ہے برخلاف آجکل کی کسی معمولی سلطنت کے پاکستان کا صرف یہی کام نہیں ہوگا کہ وہ روٹی کا مسئلہ حل کرنے میں اپنی تمام مساعی صرف کر دے۔اگرچہ روٹی کا سوال بھی جس طرح کہ دوسری سلطنتوں کے پیش نظر ہے اسی طرح ہی پاکستان کے سامنے بھی ہے۔اور وہ بلحاظ اپنی اہمیت کے ایک بہت بڑا سوال ہے لیکن ہندوستان کی اس اسلامی سلطنت کو معلوم ہونا چاہئے کہ "انسان صرف روٹی سے ہی زندہ نہیں رہتا"

ہم مانتے ہیں کہ اسلام اس دنیوی زندگی کو نظرانداز نہیں کرتا۔لیکن یہ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم اس مادی اور عارضی زندگی کو اُس دائمی زندگی کی تیاری صرف کریں جو بعد میں آنے والی ہے۔اسلام کے نزدیک موت انسانی زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔بلکہ یہ دوسری زندگی میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔اگر ہماری دنیوی زندگی ہماری اُخروی زندگی کے بنانے میں ہماری مدد نہیں کر سکتی تو بے کار محض ہے۔یہ دنیوی زندگی ہمیں موقعہ دیتی ہے کہ ہم اپنی آخری زندگی کو اعلےٰ بنا سکیں۔اور اس دنیوی زندگی کا یہی ایک فائدہ ہے اور درحقیقت یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔لیکن اگر ہم اس زندگی کو اس اعلےٰ مقصد کے لئے کام میں نہ لائیں تو پھر یہ زندگی ہمارے کسی کام کی نہیں۔

مسلمان پاکستان بنانے کیلئے کیوں اس قدر گرم جوشی دکھا رہے تھے۔محض اس لئے کہ ان کو ایک اسلامی ریاست میں اپنی مذہبی اور روحانی ترقی کے لئے پوری پوری آزادی حاصل ہو۔جہاں انکو اصول

و قوانین اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہو۔

پاکستان کے آنے کے ساتھ وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے مبارک زمانہ کا نقشہ دیکھنے کے متمنی تھے۔ اگر وہ حریت۔ وہ شان و شوکت۔ وہ سنہری مواقع روحانی اور مذہبی زندگی کے دستیاب نہیں ہوں گے تو پاکستان خواہ روٹی کے مسئلہ کو بوجوہ احسن حل بھی کر دے تاہم مسلمانوں کے لئے اس میں کچھ جاذبیت پیدا نہیں ہو سکتی۔

برخلاف دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے مسلمان روٹی کے سوال کو اس قدر اہمیت نہیں دیتا جس قدر مذہب کو۔ ان کے سامنے نمونہ آج کل کے کروڑپتی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ خلفائے راشدین ہیں۔ جن کے متعلق حضرت علامہ اقبال نے فرمایا ہے۔

سروری در دین ما خدمتگری است - عدل فاروقی و فقرِ حیدری است

مسلمانوں کے خلفاء درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ یہی نمونہ مسلمانوں کے سامنے ہے۔ مسلمان پھر اسلام کی شان و شوکت کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہاں انکو روٹی بھی ملنی چاہیئے یہ بھی ان کا معاشی حق ہے۔ ہاں ان کا حق ہے کہ وہ روٹی کمائیں اور پیٹ بھر کر کھائیں۔ لیکن روٹی سے بھی بڑھکر جس چیز کی ان کو ضرورت ہے وہ ان کے روح ان کے مذہب کی آزادی ہے اور یہی وہ اسلامی شان و شوکت ہے جو اسلام کیلئے طغرائے امتیاز ہے۔ ہندوستان کے مسلمان ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مذہب کی عزت و ناموس کے لئے وہ ہر قیمت ادا کرنے کے لئے کمربستہ ہیں وہ اپنے لیڈروں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اسلامی شان و شوکت کے حصول میں ان کی رہنمائی کریں۔

اگر اس شان و شوکت کا حصول ہندو انڈیا میں مشکل تھا تو پاکستان کی آزاد ریاست میں بھی اس کا حصول کوئی آسان امر نہیں لوگوں کے دلوں میں اس کی تڑپ موجود ہے لیکن وہ نہیں جانتے کہ اس کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔

قطع نظر عامۃ الناس کے کیا ہمارے لیڈروں کو معلوم ہے کہ اسلامی عزت و عظمت کے دن کس طرح عود کر سکتے ہیں۔ دنیا میں اور بھی بہت سی اسلامی سلطنتیں ہیں ان میں سے بعض تو کئی رنگ میں پستی کی حالت

میں رہی ہیں لیکن ایسی بھی ہیں جو آجکل کی ترقی یافتہ سلطنتوں کا مقابلہ کر سکتی ہیں لیکن کیا ان کے اندر اسلامی شان و شوکت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی شان و شوکت کو واپس لانے میں مصروف عمل ہیں؟ اور کیا وہ جانتی ہیں کہ وہ کونسے طریقے ہیں جن سے یہ شان و شوکت پھر واپس آ سکتی ہے؟ اور کیا وہ ان طریقوں کا علم حاصل کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہ چیز یعنی اسلامی شان و شوکت کوئی دنیوی چیز نہیں ہے نہ ہی اس سے ہماری مراد کسی ذہنی ارتقا کی ہے بلکہ یہ روحانی متاع ہے۔

معمولی دنیوی کامیابی کے طریقے یہاں ناکام ہو جاتے ہیں اس کیلئے ضرورت ہے لیڈروں کی روحانیت اور حسن عمل کی جس سے وہ عامۃ الناس کے اندر روحانیت اور اخلاق فاضلہ پیدا کریں۔ پس جب تک ہمارے لیڈر ہر ایک اسلامی امر کے متعلق خود ایک مثال نہیں قائم کرینگے اور جب تک وہ اپنی زندگیوں کو روحانی زندگیاں نہیں بنائینگے وہ عامۃ الناس کی قیادت کیلئے اہل ثابت نہیں ہو سکتے۔

اس کو محض اسلام کی شان و شوکت کا ہی سوال نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ خود پاکستان کی اسلامی سلطنت کی موت اور زندگی کا سوال ہے۔ پاکستان اسلام کے بغیر زندہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں پاکستان روحانیت میں ڈوبے ہوئے اسلام کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ محض زبان سے اسلام کا اقرار ہندوستان کے مسلمانوں کو پاکستان قائم رکھنے کا اہل نہیں بنا سکتا۔ ابھی بمشکل دو صدیاں گذریں اسی ملک میں ہماری بہت بڑی سلطنت تھی۔ لیکن یہ برباد ہو گئی۔ مگر کیوں برباد ہوئی؟ اس لئے برباد ہوئی کہ اس میں سے روحانیت کی روح نکل گئی تھی۔ اسلامی رنگ اس میں سے مفقود ہو چکا تھا۔ اگر ہم نے احتیاط نہ کی تو یقیناً تاریخ اپنے آپ کو دہرائیگی۔ وہ احتیاط کیا ہے یہی کہ ہم اپنے آپ کو روحانی بنائیں۔ اپنی زندگیوں کو اسلامی رنگ میں رنگین کریں۔ ہمیں محض جسم کا ہی خیال نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہم کو خصوصیت کے ساتھ روح کا خیال کرنا چاہیئے۔ ہمیں اسلام کی خدمت کا محض زبان سے ہی اقرار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس کے تمام احکام پر دل و جان سے گامزن ہونا چاہیئے۔

"پاکستان کا کیا مطلب ہوا؟ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

بالکل ٹھیک! لیکن محض نعروں سے ہی کسی سلطنت کا قیام وابستہ نہیں ہے۔ ان نعروں کو

عملی جامہ پہنانا چاہئے۔ اور ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ آج سے ہی ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کمربستہ ہو جائیں حرکت زندگی کی علامت ہے۔ ہمیں اس کو حاصل کرنا چاہئے۔ ہمیں آگے حرکت کرنی چاہئے ہمیں اپنے آپ کو جنبش میں لانا چاہئے تاکہ اور نہیں تو زندگی تو قائم رہے۔ جمود یا حرکت کا نہ ہونا موت کی علامت ہے۔ اس دنیا میں کوئی چیز ساکن نہیں اگر آپ کا قدم آگے نہیں پڑ رہا تو یقیناً آپ پیچھے کی طرف جا رہے ہیں۔ بجائے ترقی کے آپ تنزل کر رہے ہیں۔

ہندوستان کے بعض مسلم بادشاہ اسلام کے نہایت متبع تھے۔ اور جو کچھ انہوں نے خدا کے دین کے لئے کیا مسلمان اُن کے شکرگذار ہیں۔ لیکن ایسے بھی تھے۔ (اور بدقسمتی سے ان کی تعداد زیادہ ہے) جنہوں نے اسلام کے لئے کچھ بھی نہ کیا۔ اور اس طرف ذرا توجہ نہ کی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ صرف سلطنت کی تباہی کا ہی باعث نہ ہوئے، بلکہ خود اپنی تباہی کے بھی موجب ہوئے بلکہ مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کی بربادی کا باعث بھی اُن کا وجود ہی تھا۔ پاکستان کے لیڈروں کو چاہئے کہ اگر وہ اپنی سلطنت یا قوم کو تباہی سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو وہ پھر اس غلطی کے مرتکب نہ ہوں

پاکستان کی بنیاد اسلام کی روحانی طاقتوں کی اساس پر کھڑی ہونی چاہئے۔ پاکستان کے ہر مرد ہر عورت ہر بچے اور بوڑھے کو صحیح معنوں میں پاک بننا چاہئے۔ ہر مسلمان کو جھوٹا فخر ترک کر دینا چاہئے۔ اسلام کی جملہ جزویات کا علم حاصل کرنا چاہئے۔ اور مذہب پر پورے طور سے عمل پیرا ہونا چاہئے۔ محض منہ سے مذہب کا اقرار ان کو نہیں بچا سکتا۔ اور ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہم حقیقی طور پر مسلمان نہ بنے تو یہ پاکستان جو اس قدر قربانیوں اور جدوجہد کے بعد خدا نے دیا ہے پھر ہمارے ہاتھوں سے نکل جائیگا خدا اس روز بد سے ہمیں محفوظ رکھے۔

پھر ہماری نصیحت ہے کہ اپنی حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے ایک فوق العادت طاقت پیدا کرنی چاہئے۔ انہیں خود بھی نیک ہونا چاہئے۔ اور دوسروں کو نیک بنانے کی کوشش کرنی چاہئے ان کو قرآن مجید کے ارشاد فانتشروا فی الارض یعنی زمین میں پھیل جاؤ پر عمل کرنا چاہئے۔ اور اشاعت حق کے کام میں لگ جانا چاہئے۔ جہاں کہیں اسلام کے نام لیوا ہوں وہاں اشاعت اسلام کا کام

جاری ہونا چاہئیے۔ اسلام جو دنیا کے اس سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا یہ اسلام کے نام لیواؤں کی ہمت کا نتیجہ تھا۔ وہ پر امن طریقوں سے اسلام پھیلاتے رہے۔

اگر آپ اشاعت کا کام بند کر دینگے۔ ترقی مسدود ہو جائیگی۔ انحطاط اور جمود پیدا ہو جائے گا۔ اشاعت دین کا نہ ہونا موت کو دعوت دینا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ پاکستان کی اسلامی سلطنت کو قائم رکھنے کے لئے ہمیں خود نیک بننا چاہئیے اور دوسروں کو نیک بنانا چاہئیے۔ ہمیں خود کامل طور پر مسلمان ہونا چاہئیے اور اسلام کو دنیا میں پھیلانا چاہئیے۔ ؎

مراد ما نصیحت بود گفتیم

استفسارات وجوابات

استفسار۔ کیا ظہور اسلام کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے؟ اگر نہیں آسکتا تو کیوں؟

جواب۔ ظہور اسلام یا حضرت ختمیت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور نہ اسکی ضرورت ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید انسانی زندگی کیلئے ایک مکمل ضابطہ ہے اور انسان کی زندگی کے تمام شعبوں کی شادابی وسیرابی کے لئے اسکے اندر تمام سامان موجود ہیں۔ اسکی تعلیمات انسانی دستبرد سے محفوظ ہیں اور وہ اپنی اصلی حالت میں اب تک قائم اور آئندہ زمانہ میں بھی اس طرح محفوظ و مامون رہینگی۔ اسکی حفاظت کا خود اللہ تعالے نے وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون۔ اور جس صورت میں قرآن مجید جیسا ضابطہ زندگی اپنی اصلی اور کامل صورت میں موجود ہے اس کے بعد کسی ہدایت نامہ کی ضرورت نہیں رہتی اور جب کسی ہدائیت نامہ کی ضرورت نہیں کسی نبی کے آنے کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ نبی کی بعثت کا اصل مقصد ایک ضابطہ زندگی یا قوانین یا بالفاظ دیگر شریعت کا لانا ہوتا ہے۔ شریعت کے خاتمہ کے ساتھ نبیوں کے آنے کا بھی خاتمہ ہو گیا ہمارے نبی کریم صلعم آخری نبی ہیں۔ اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور نہ کسی نبی کے آنیکی ضرورت ہے۔ ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولاکن رسول اللہ وخاتم النبیین (قرآن مجید)

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نماز وخطبۂ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتمآب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط وکتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمےٰ کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) **مشن کے آرگن** ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

(۶) **مشن کے تاثرات** ۔ (۱) مشن کی اکیس سالہ تبلیغی تگ ودو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں بعض تو تہجد تک کو خاص سوز وگداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ میں اب دشمنان اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک روادارانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شک وشکوک کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں معہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلان اسلام معہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۷) **انگلستان میں اشاعت اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے** ۔ قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعت اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قائم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعت اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جبکہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جدوجہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبران سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آواز کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد واحساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں لیکن انگریزی قوم میں **اشاعت اسلام** ہمارا اولین نصب العین ہونا چاہیئے۔

(۸) **ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے** دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کل مسلمانان عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذب عالم اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانان عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید ورسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ دارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائن۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ۔ بلاد اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

AUGUST 1947. R. L. No. 908.

۱۹۱۲ء

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام بانیِ ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیرانِ اعزازی

آفتاب الدین احمد بی۔ اے
مدیر اسلامک ریویو (انگریزی)

عبدالمجید ایم اے۔ بی۔ ٹی
امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مرتبہ

خواجہ عبدالغنی سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم — اللہ اکبر — نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ اور چاہیئے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شاہجہانی مسجد ووکنگ انگلستان — مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ، امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) تشکیل مشن۔ ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد۔ (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ دارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سر انجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک۔ (۱) مشن کی تبلیغ فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقہ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ، امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے۔ (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے۔ (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں سو ہزار سے اوپر نفوس شامل ہوتے ہیں مسلمین و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمدنی بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار کی اشاعت ووکنگ مسلم مشن کے ۱/۲ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے ؞

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۳ بابت ماہ اگست ۱۹۴۷ء نمبر ۸

دگیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبدالغنی پرنٹر و پبلشر چھپکر برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا

پیام مدینہ

نتیجہ فکر عالیجناب نواب سر نظامت جنگ بہادر حیدرآباد (دکن)

از مدینہ روحِ جاں آید ہمی
روحِ جاں در مومنان آید ہمی

آنچہ آنجا کرد دستِ مصطفےٰ
قوتے زاں در دلاں آید ہمی

چوں فقیری شد امیر مؤمناں
فقر و عزت ہم عناں آید ہمی

ما از وئیم از جہاں مارا چہ باک
عزم از دل بر زباں آید ہمی

چوں عرب رفت از عجم تا اندلس
فخر ما زاں داستاں آید ہمی

گر مدینہ خاک و ایماں مرد شد
زیر خاکش بوئے جاں آید ہمی

بوئے جاں آید کہ تا زندہ شویم
مردہ جاں را روحِ جاں آید ہمی

شذرات

برطانیہ کی اخلاقی حالت میں انحطاط

بہت سے برطانوی مذہبی لیڈروں کو خطرہ لاحق ہوا ہے کہ برطانیہ کی اخلاقی حالت میں بھی ایسا ہی انحطاط رونما ہونے والا ہے۔ جیسا کہ ایندھن کے معاملہ میں ہوا ہے۔ طلاقوں کا زور وشور۔ اور جرائم کی کثرت۔ گرجاؤں میں حاضری کی روز افزوں کمی۔ اور لندن کے ویسٹ اینڈ میں بدکاری کا زور وشور۔ ناخدایانِ کلیسا کو ایسا ہی مضمحل کر رہا ہے جیسا کہ صنعتی اداروں اور عمائد سلطنت کو خوراک کے لئے اجناس کی قلت۔ بعض کا یقین ہے کہ یورپ کی شمع اخلاق بمباری کے حملوں کے ساتھ ہی بجھ گئی اور خاندانوں کے خاندان دورانِ جنگ میں تباہ وبرباد ہوئے اور جنگ کے بعد تمدن میں جو انقلاب عظیم رونما ہوا اس سے کئی گھر ماتم کدہ بن گئے۔

کارڈی نل گرفن رومن کیتھولک آرچ بشپ ویسٹ منسٹر نے اس وقت جبکہ ملک کی ظاہری شان وشوکت کی آخری گھڑی آگئی تھی کہا کہ "برطانیہ کے دو بڑے مسائل۔ اخلاقی انحطاط اور جرائم کی بیشی ہے" پادری لوگ اور اخبارات زنا کے متعلق بڑی تشویش ظاہر کر رہے ہیں۔ محض ویسٹ انڈ میں ہی دو ہزار لڑکیاں پیشہ کما رہی ہیں علےٰ ہذا القیاس ایسے واقعاتِ ظلم پر بھی بہت کچھ اظہار تردد کیا جا رہا ہے۔ جو چھوٹے بچوں پر روا رکھا جاتا ہے۔ ایک گھر جنہوں نے بچوں پر ظلم روا رکھا اس کو عدالت میں ایک دوسرا "بیلسن کیمپ" ظاہر کیا گیا۔ برطانیہ کے سب سے بڑے جوڈیشنل آفیسر لارڈ جووٹ لارڈ چینسلر نے اندازہ لگایا ہے کہ پچاس ہزار طلاق کے مقدمے ۱۹۴۷ء میں دائر کئے جائیں گے۔ بمقابلہ چھ سو پچاس کے جو ۱۹۰۵ء میں اور پچیس ہزار کے جو ۱۹۴۵ء میں دائر ہوئے۔

ایک سابق ہوم سیکرٹری دائی کونٹ ٹمپل ووڈ نے کہا کہ جرائم جو بچوں اور عورتوں سے وقوع میں

آرہے ہیں ان کی تعداد ۱۹۳۹ء کی نسبت دوچند ہو گئی ہے۔

کارڈی نل گرفن نے بیان کیا کہ صرف ۱۰ فی صدی لوگ ایسے ہیں جو کسی مذہبی نظام سے وابستہ ہیں۔ اور صرف پانچ فی صدی لنڈن کے گرجا میں حاضری دیتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ویسٹ اینڈ میں جہاں جنگ کے دنوں میں تجارت خوب چمک رہی تھی زنا بطور ایک پیشہ اور تجارتی رنگ کے عمل میں لایا جاتا ہے۔

مغربی لندن میں جسے قوم کی بدکاری کا مرکز کہنا چاہئیے بہت کم لوگ افلاس کا شکار ہوتے ہیں۔ اخبار "سنڈے پکٹوریل" کی رپورٹ ہے کہ بعض بدکار عورتیں ایک غلیظ کوچہ میں چھپ کر اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرنے کی خاطر اوباش لوگوں کی ایک جماعت کو ۵ پونڈ فی ہفتہ ادا کر رہی تھیں۔

یہ مصیبت اس وقت شروع ہوئی جبکہ لوگ جنگ میں چلے گئے اور برطانوی گلی کوچوں میں تاریکی کا دور دورہ ہو گیا۔ ایک فوجی سرجنٹ کا معاملہ اس بارہ میں ایک عمدہ مثال ہے۔ اس نے کہا کہ میں اٹلی سے ایک سال کا عرصہ ہوا گھر واپس آیا اور میں نے کیا دیکھا؟ میری بوڑھی عورت ایک ناپاک شخص کے ساتھ رہ رہی تھی۔ جو کسی زمانہ میں میرا ملازم تھا۔ چھوٹے بچے اسکو باپ کہکر پکارتے تھے اور اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں خدا کی لعنت اور مار ہو مجھ پر اگر اس معاملہ کو میں برداشت کروں۔ عورت کہتی ہے کہ یہ بمباری کے ایام میں واقع ہوا جبکہ میں تنہا تھی اور ایک خوف کی حالت طاری تھی۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ میں کہیں ہوتا۔ جو کچھ اس عورت نے کیا وہ کسی صورت میں مستحسن نہیں کہلا سکتا۔

چرچ آف سکاٹ لینڈ کی مجلس عامہ نے جو کمیٹی "چرچ اینڈ نیشن" کے نام سے قایم کی تھی اس کی رپورٹ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:۔ "اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ امور جو کبھی ضابطۂ اخلاق کے نقیض مانے جاتے تھے اب کھلے بندوں ان کو شیر مادر سمجھا جاتا ہے"۔

جملہ خط وکتابت بنام خواجہ عبدالغنی سیکرٹری مسلم مشن ووکنگ اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (مغربی پاکستان) اور تمام ترسیل زر بنام فنانشل سیکرٹری ٹرسٹ مذکور ہونی چاہئیے (سیکرٹری)

عورتوں کی آزادی کا نتیجہ

جدید دور گھریلو زندگی کا دشمن ہے

انگلستان اور امریکہ میں ذیل کے طلاق کے اعداد جو فیڈرل سکیورٹی ایجنسی امریکہ نے اپنی سالانہ رپورٹ میں شائع کئے ہیں اُن لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں جو ہر اُس چیز پر جس پر یورپ والوں کی مہر لگی ہوئی ہے فریفتہ ہوکر اس اسلامی ادارہ کو معیوب بتاتے ہیں جو مرد اور عورت کو جدا رکھتا ہے اور جس کو پردہ کے غلط نام سے بدنام کرتے ہیں۔ یہی وہ آئین ہے جو ایک صحت بخش۔ پاک صاف اور گھریلو زندگی کا ذمہ وار ہے۔ اور یہی گھریلو زندگی بنیاد ہے جس پر ایک سوسائٹی کی جس کی ترتیب اعلےٰ اخلاق پر ہوئی ہو تعمیر ہو سکتی ہے۔

انگلستان

۱۹۱۰	۸۰۰
۱۹۲۱	۳۰۰۰
۱۹۴۵	۶۰۰۰۰

۱۹۴۶ء کے اعداد کو مسٹر لیلینڈ سپریم نائٹ آف دی نائٹس آف سیٹ کولمبیا نے سپاہیوں کی ازسرِنو ترتیب کے موقع پر ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

"قومی گھریلو زندگی کے خطرہ میں پڑجانے کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۴۶ء میں ہر پندرہ منٹ میں ایک عورت کو طلاق دی گئی۔"

امریکہ

۱۹۰۵	۸۰۵ ہر فیصدی شادی پر

۱۹۳۷	۱۸ ہر فی صدی شادی پر
۱۹۴۵	۳۱ " " " " (یعنی ہر تین شادی پر ایک طلاق)

امریکہ میں طلاق کی میزان کل

۱۹۳۸	۲۴۸۰۰۰
۱۹۴۵	۵۰۲۰۰۰

ایک مکتوب

مکرم بندہ!

جب آپ کے مشنریوں نے پہلے پہل یوروپ میں اسلام کو پیش کیا تو وہاں کے لوگ بکمال استعجاب یوں کہتے تھے "اگر یہی اسلام ہے جو آپ لوگ پیش کرتے ہیں تو ہمیں بہت عرصہ قبل اس کو اختیار کرلینا چاہیے تھا" مجھے یاد ہے کہ کس طرح جارج برنارڈ شا نے بمبئی کے مقام پر آپ کے ایک نامہ نگار سے دوران گفتگو میں یہ کہا تھا کہ "وہ دن دور نہیں جبکہ یوروپ بالعموم اور انگلستان بالخصوص اسلام قبول کرلیگا" لیکن میں کہتا ہوں کہ ہر ایک برطانوی برنارڈ شا نہیں ہے۔ باوجود اُن مساعی کے جو آپ لوگ یوروپ کی اقوام کو نور اسلام سے منور کرنیکی کر رہے ہیں ابھی ہزاروں ایسے ہیں جو تعلیمات اسلام سے اور مسلمانوں کی اخلاقی زندگی سے محض ناواقف ہیں۔ عامتہ الناس کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ برطانوی پریس کا ایک حصہ کس قدر متعصب اور اسلام سے ناواقف ہے اس کی مثال اخبار سنڈے پکٹوریل کی تحریرات سے مل سکتی ہے۔ جن میں انگلستان کی ایک لڑکی کے اسلام قبول کرنے اور ایک ہندوستانی مسلمان کے ساتھ جو فوجی کپتان ہے شادی کرنے کا ذکر ہے۔

لڑکی کی تصویر کو ایک نمایاں جگہ پر شائع کرتے ہوئے اور اس کے نیچے یہ الفاظ لکھتے ہوئے "کل اس لڑکی نے ایک مسلم سے شادی کی ہے"۔ اخبار مذکور رقمطراز ہے۔ "جب کل لندن میں آئرین کلبی نے شیخ محمد اسلم سے شادی کی اس نے اُس دنیا کو حو [illegible]

کے لئے خیر باد کہا جو صدیوں سے تبدیل نہیں ہوئی۔"

پھر لکھا ہے کہ آئرین نے ایجاب وقبول کے وقت عیسائی مذہب کو ترک کردیا اور مذہب اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا۔ جو اس کے خاوند کا مذہب ہے اور پھر وہ اپنے خاوند کے ساتھ ہندوستان جا رہی ہے تاکہ اسلامی رسم ورواج کے مطابق اس کی وہاں پھر شادی عمل میں آئے۔ ہم کہتے ہیں کہ آئرین اپنے آپ کو ایک عجیب وغریب زندگی میں پائے گی۔ ایک مسلم کی بیوی بنکر اس کی آزادی بھی چھن جائیگی۔ اور وہ غلامی کی زندگی بسر کریگی جس میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ وہ کیا جسمانی طور پر اور کیا روحانی طور پر ہر طرح سے اپنے خاوند کی غلام ہوگی۔ اس کی جائداد اور مال ومتاع اور اس کی ساری زندگی اس کے خاوند کے قبضہ تصرف میں ہوگی۔"

اب ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام کے متعلق ان لوگوں کو کس قدر غلط فہمی لگی ہوئی ہے اگر ایک اخبار نویس کی یہ حالت ہے تو عامۃ الناس کے متعلق ہمیں کیا خیال کرنا چاہئے۔ حالانکہ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ محض اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عورت کے درجہ کو بلند کیا۔ اسلام میں عورت کو وہی آزادی حاصل ہے جو خاوند کو۔ یہ خیال کہ اسلام میں عورت کی زندگی ایک غلامانہ زندگی ہے قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ اسلام نے ہر ایک کو جسمانی طور پر اور روحانی طور پر آزاد قرار دیا ہے۔ جہاں تک جائداد کے حقوق کا سوال ہے اسلام نے آج سے تیرہ سو سال قبل وہ حقوق عطا کئے ہیں کہ یوروپ باوجود تمام ادعائے تہذیب وتمدن کے اب تک نہیں دے سکا۔ پھر سنڈے پکٹوریل لکھتا ہے" اسلام میں تو چار بیویوں کی اجازت ہے۔ ممکن ہے کل کو ایک دوسری بیوی اس کے ساتھ آدھمکے اور اگر کوئی بگاڑ ہو جائے تو لڑکی کے لئے طلاق حاصل کرنے کیلئے عدالت کا دروازہ ہی بند ہے محمد اسلم کیلئے تو اس قدر کافی ہے کہ وہ تین دفعہ طلاق کہدے اور یہ بیچاری گھر سے باہر نکالدی جائے اسکے بغیر اس کیلئے چارہ نہیں۔"

معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہ پرانے متعصبانہ خیالات کثرۃ ازدواجی اور طلاق کے متعلق ان لوگوں کے دلوں سے نہیں نکلے اور وہی رٹ لگائے جاتے ہیں۔ آپ ان امور کے متعلق اپنے لٹریچر میں بہت دفعہ لکھ چکے ہیں دو کمال انصاف سے بیان کرچکے ہیں۔ کہ ایک سے زیادہ بیوی کرنا اور طلاق دینا کن مخصوص حالات میں اسلام

نے روا رکھا ہے۔ یہ حکم نہیں بلکہ بطور علاج کے اجازت ہے اور انسانی زندگی میں ایسے حالات اور واقعات پیدا ہوجاتے ہیں کہ انسان نکاح ثانی کرنے پر یا طلاق پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اس کو عرضۂ اعتراضات بنانا حقائق سے آنکھیں بند کرنا ہے۔ اور اب تو دنیا اس کی اہمیت کو محسوس کررہی ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہوکر اصول اسلام کی صداقت کا ثبوت دے رہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دینی امور جن سے اسلام کی فضیلت اور اس کا من جانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے ان لوگوں کی نگاہ میں نقائص بنکر نظر آتے ہیں۔ خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابغض الحلال عند اللہ الطلاق یعنی حلال باتوں میں سے خدا کے نزدیک جو بری سی چیز ہے وہ طلاق ہے۔ یعنی ہے تو طلاق ایک ناپسندیدہ امر مگر ضروریات جب مجبور کریں، تو اس کے بغیر چارہ نہیں۔ یہی حالت ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی ہے۔ وہ بھی ضروریات کے ماتحت کرنے پڑتے ہیں۔ مرد و عورت جس تناسب سے برطانوی جزائر اور یورپ میں آباد ہیں دنیا اس سے ناواقف نہیں اور ایک ہی شادی کرنیکی متبرک تاریخ کا راز بھی ہم پر پوشیدہ نہیں۔ اسلام کا حکم کثرت ازدواجی بڑی حکمت پر مبنی ہے۔ ہاں بعض دردناک حالات سے نجات دینے کے لئے اسلام نے ایک محدود پیمانہ پر کثرت ازدواجی کی اجازت دی ہے۔ وہ دردناک حالات اہل بصیرت پر چھپے ہوئے نہیں۔ اخبارات و رسائل میں اکثر ان کے متعلق تذکرہ آتا رہتا ہے۔ جہاں تک طلاق کا سوال ہے تو اس کے لئے اسلام میں کئی ایک قانونی اور رسمی مراحل طے کرنا اور حصول طلاق کیلئے عدالتوں کی خاک چھاننا ضروری نہیں ہاں اگرچہ ایک تحریری بیان قابل ترجیح سمجھا جاتا ہے لیکن یہ واقعات کے قطعاً خلاف ہے کہ اسلام اجازت دیتا ہے کہ خاوند جسوقت چاہے عورت کو کان سے پکڑ کر گھر سے باہر نکالدے اور نہ طلاق کا یہ مطلب ہے۔ اسلام میں نکاح ایک عمر بھر کا عہد و پیمان ہے۔ اور بعض صورتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ خاوند اور بیوی کسی نہ کسی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے سے مجبور ہوجاتے ہیں۔ جب صلح اور صفائی کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوجائیں اور آپس میں تعلقات قائم رہنے کی کوئی صورت نہ ہو تو پھر بطور ایک آخری چارۂ کار کے طلاق جائز ہے تاکہ خاوند بیوی کی زندگی تلخ نہ ہوجائے۔ علاوہ ازیں حسب اقتضائے شریعت بیوی کو خلع کا حق ہے۔ یعنی جسطرح خاوند کو طلاق دینے کا حق ہے اسی طرح بیوی کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ خاوند سے خلع کرائے اور اس سے الگ ہوجائے۔ پس اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ✦ (نور الحسین) (امداد گنج)

آستانۂ صداقت اسلام

از جناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحبؒ مبلغ اسلام

سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ جولائی ۱۹۳۷ء ملاحظہ ہو

ویدوں کا وجود، جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا، اس بات کی بہترین مثال ہے۔ ان نوشتوں کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے دس ہزار سال پہلے تھے یعنی ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن ان کی زبان اب مردہ زبانوں میں شمار کی جاتی ہے۔ پس اس کے صحیح ترجمہ میں سخت دشواریاں لاحق ہوتی ہیں۔ علاوہ بریں نبی کریمؐ کے زمانہ میں جس قدر زبانیں بولی جاتی تھیں۔ آج معدوم ہو چکی ہیں۔ اور نبی کریمؐ کی مستعملہ زبان کے علاوہ اور جس قدر زبانیں ہیں سب متغیر ہو چکی ہیں۔ اگر کسی زبان کا، جس میں کوئی نوشتہ موجود ہو، مروج رہنا ہی اس کے مطالب کو لوگوں پر ظاہر کرسکتا ہے، تو عربی زبان کے علاوہ، خدا تعالےٰ اور کسی زبان کو اپنے آخری پیغام کا ذریعۂ اظہار بنانے کے لئے منتخب کرنا پسند کریگا

اگرچہ عربی کل دنیا کی زبان نہیں ہے لیکن اور زبان ایسی کون سی ہے جو اس بات کا دعوےٰ کرسکتی ہو؟ اگر بعثت نبویؐ کے زمانہ میں مروجہ زبانوں میں سے انتخاب کیا جاتا تو سوائے عربی کے اور کوئی زبان اس معیار پر پوری نہیں اتر سکتی تھی۔ قرآن شریف کی زبان ابتدائے سے لیکر آج تک قابل تفہیم و تفہیم رہی ہے اور یہ بات دنیا کی کسی دوسری زبان کو نصیب نہیں ہوئی۔ چنانچہ خود قرآن شریف نے اس آیت میں اس طرف اشارہ کیا ہے

انا انزلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون

ہم نے اسکو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ سکو۔ (سورۃ یوسف آیت ۲)

قرآنی الہام کے نزول کے وقت یہ بات اور کسی زبان پر صادق نہیں آسکتی تھی کیونکہ سوائے عربی

کے اور کوئی زبان قدیم نہج پر آج قائم نہیں ہے، بلکہ ان کا سمجھنا سمجھانا ہی کار سے دارد کا مصداق ہے

مذکورہ بالا امور کی بناء پر ہمارے لئے دو ہی صورتیں ہیں، یا تو ہم خدا کی طرف سے جملہ الہامات کا انکار کر دیں یا قرآنی الہام کو بھی اسی کی طرف سے سمجھیں، کیونکہ نزولِ قرآن کے وقت ساری کتب الہامیہ محرف ہو چکی تھیں۔

محض ذاتِ خداوندی کلام مجید کا موضوع سخن ہے

علاوہ بریں، قرآن مجید کے مطالعہ سے الہام ربانی کی حقیقی غرض بھی ظاہر ہو سکتی ہے، وہ، چند افراد کے سوانح حیات کا مجموعہ یا روئیداد نہیں ہے بلکہ انسانوں کو سننِ الہیہ کا علم عطا کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے، اور خدا تعالٰے ہی اس کتاب کا سرتاپا موضوع سخن ہے۔ کوئی سا قرآن، کہیں سے کھول لو، تمہیں اس صفحہ میں خدا کا یا اس کے متعلق تذکرہ ضرور ملیگا۔ جہاں تک عقل انسانی کی رسائی ہو سکتی ہے، یہ کتاب انسانوں کو معرفتِ باری عطا کرتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ محدود، لامحدود کا احاطہ نہیں کر سکتا اسی لئے قرآن پاک فرماتا ہے کہ نہ اُسے کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ وہ کسی کی عقل میں محصور ہو سکتا ہے۔

خدا تعالٰے اور اس کی صفات

ذاتِ باری کے متعلق ہم قطعاً کچھ نہیں جان سکتے، کیونکہ ذات خداوندی، عقل انسانی سے یکسر وراء الوراء ہے۔ اسی لئے ہمیں خدا کے متعلق جو کچھ علم حاصل ہو سکتا ہے وہ اُن چیزوں کو دیکھنے سے جن میں اُس کی صفات جلوہ گری کرتی ہیں۔ دراصل، مظاہر فطرت سر عالم میں، مظاہر صفات خداوندی ہی ہیں لیکن عالم مادی میں بھی محض اپنی کوشش سے خدا کی جمیع صفات کا احاطہ کرنا، بعید از طاقت انسانی ہے۔ کیونکہ سائینس کی تمام تحقیقات کے باوجود، ہم ابھی تک سننِ الہیہ سے کما حقہٗ واقف نہیں ہو سکے۔ یہ مختلف قوانین فطرت، جو ہم نے وقتاً فوقتاً دریافت کئے ہیں، کسی ایک خاص سلسلہ میں اس کی مشیئت کے مظاہر ہیں خواہ انہیں قوائے فطرت کہو، بات وہی ہے یہ قوانین اس کی مشیئت کے مظاہر ہیں۔ ہر نئی تحقیقات

سے سابق تحقیقات کے نقائص ظاہر ہوتے رہتے ہیں جس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ عالم مادیات میں بھی ہم خدا کی سنت سے کماحقہ واقف نہیں ہوسکتے۔ تو عقلی اخلاقی اور روحانی امور کو اسی پر قیاس کرلو۔ جو کتاب خدا کی طرف سے آنے کی مدعی ہو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ سنن آلہیہ سے آگاہی عطا کرے اور اس کی مشیئت کا علم عطا کرے اور اس لحاظ سے قرآن پاک، بے نظیر اور عدیم المثال کتاب ہے۔ اس میں ایک دو نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کی ننانوے سنتوں کا ذکر موجود ہے، جن کے ذریعہ سے اُس نے اپنے آپ کو کائنات میں ظاہر کیا ہے اور قرآن پاک میں اِن کو صفاتِ باری سے تعبیر کیا ہے اور یہ صفات جمیع عوامِلِ فطرت کو محیط ہیں۔

ہر عالم میں، جملہ قوانین مستمرہ انہی اسماء کے نتائج ہیں، اور جملہ فضایل واخلاق حسنہ انہی اسمائے کے آثار و اظلال ہیں۔ بہشت جس کے معنی ہیں کامیاب زندگی، دراصل اُسی شخص کا ملجا یا ماوا ہوگا، جو اپنے آپ کو ان صفات حسنہ سے متصف کریگا۔ اور جو شخص ان اسمائے حسنہ کے خلاف منشاء زندگی بسر کریگا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

کائنات کا ذرہ ذرہ کلمۂ شہادت پر عامل ہے

اس جگہ میں اسلامی کلمۂ شہادت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جو حسب ذیل ہے "لا إله الا الله" یعنی خدا تعالےٰ کے سوائے اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنے آپ کو کائنات میں ننانوے طریقوں سے ظاہر فرمایا ہے اور انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی زندگی اُن طریقوں کی مطابقت میں بسر کرے۔ اور یہی اسلامی عبادت کا حقیقی مفہوم ہے۔ اور جس وقت کوئی شخص اس حقیقت کو نظرانداز کردیتا ہے یعنی اُن طریقوں کی خلاف ورزی کرتا ہے اس وقت وہ غیر اللہ کی پرستش کرنے لگتا ہے۔

اس تشریح سے ناظرین، اسلامی کلمۂ شہادت کا حقیقی مفہوم اور یہ بات بھی سمجھ جائیں گے کہ کلمۂ شہادت میں آنحضرت صلعم کا نام پاک کیوں شامل کیا گیا۔ پورا کلمۂ یوں ہے :-

لا إله الا الله محمد رسول الله یعنی اللہ کے سوائے اور کوئی معبود نہیں اور محمد (صلعم) اللہ کے (سچے) رسول ہیں۔

اگر کائینات کی ہر شے مظہر صفات باری ہے اور اُس خدا نے اُن کے اظہار کے لئے ننانوے طریقے پسند فرمائے ہیں اور اُن طریقوں (سنن) کا علم ہمکو آنحضرت صلعم کی معرفت حاصل ہوا ہے تو اس کلمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر مومن، اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اُن ننانوے طریقوں کی، جو آنحضرت صلعم کے پیغام میں مذکور ہیں، متابعت کریگا، اور ان کی خلاف ورزی نہ کریگا۔

بعض مذاہب میں خدا اور اس کے ظہور کا مذکور اس نہج پر ہوا ہے جو ان اسمائے کے خلاف ہے۔ اس لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ آنحضرت صلعم کے پاک نام کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ یہ کلمۂ شہادت گویا پورے قرآن شریف کا قائم مقام ہے کیونکہ معرفت باری حاصل کرنے کے لئے ہمیں اسمائے حسنہ مندرجہ قرآن شریف اور ان کی امثال و تشریح کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے۔

تجزیۂ مضامینِ قرآن مجید

اس لحاظ سے ہم الکتاب کو چھ عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں اور ذات باری ازانجملہ عنوان مرکزی قرار پا سکتا ہے۔

لفظِ "اللہ" کی تصریح اور اس کا مفہوم

قرآن شریف نے خدا کا نام "اللہ" قرار دیا ہے۔ اللہ اسم ذات اور علم ہے اس کا ترجمہ کسی لفظ سے نہیں ہو سکتا انگریزی لفظ گاڈ، یا فارسی لفظ "یزدان" یا ہندی لفظ "ایشور" کوئی بھی اللہ کا مترادف نہیں ہو سکتا۔

آجکل دنیا میں موحدانہ رجحان طبع عام ہے۔ لیکن با ایں ہمہ اس لفظ کے لئے جس قدر مترادفات مختلف زبانوں میں پائے جاتے ہیں کوئی بھی حقیقی طور پر مترادف یا ہم معنی نہیں ہے کیونکہ وہ الفاظ

خدا تعالےٰ یعنی اللہ کے علاوہ دوسری ہستیوں پر بھی عائد ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اگر مسیحی آلہیات میں لفظ گاڈ (خدا) یا (اللہ) خدا کے علاوہ ابن مریم پر بھی بولا جا سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ لفظ توحید باری کی شرائط پورا نہیں کر سکتا، اور مختلف زبانوں کے الفاظ کا، جو خدا کے لئے مختص ہیں، یہی حال ہے۔ فارسی لفظ "خدا" بھی سوائے اللہ کے دوسروں پر بھی بولا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے مشرکانہ رجحانات، ہر قوم ہر ملک اور ہر زمانہ میں پائے گئے ہیں اور افراد ہمیشہ غیر اللہ کی پرستش کے لئے آمادہ رہے ہیں، انڈے کے چھلکے سے لیکر انسان تک ہر چیز کو معبود بنایا گیا ہے اور ہر شے کو خدا سمجھا گیا ہے۔ لہذا "خدا" کے لئے جو لفظ بھی وضع کیا گیا، اس کا غلط طریق پر استعمال ضرور ہوا۔ لیکن عربی زبان میں لفظ "اللہ" سوائے خدا کے اور کسی ذات پر عائد نہیں کیا گیا۔ اگرچہ عربوں سے بڑھکر کوئی قوم مشرک نہیں رہی لیکن انہوں نے لفظ "اللہ" کو سوائے خدا کے اور کسی دیوتا کے لئے استعمال نہیں کیا حالانکہ بعثت نبویؐ کے آغاز میں بھی اُن کے دیوتاؤں کی تعداد کئی سو سے متجاوز تھی۔ غرضکہ تمام دنیا کے الفاظ میں "اللہ" ہی ایسا لفظ ہے جو توحید باری کی جملہ ضروریات کو بدرجۂ اتم پورا کرتا ہو۔

اس لئے اسلامی کلمۂ شہادت، لسانی زاویہ نگاہ سے بھی، مذہب کا سچا کلمہ قرار دیا جا سکتا ہے لا الٰہ الا اللّٰہ یعنی سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور عربی ادب، قبل اسلام اس حقیقت پر شاہد ہے۔ بعض نحویوں کا خیال ہے کہ لفظ "اللہ" دو لفظوں سے مرکب ہے "ال" اور "اِلٰہ" الف لام تو معرفہ کا ہے اور اِلٰہ کے معنیٰ ہیں "معبود" "مسجود" "مطاع" تمام لغات متفق ہیں کہ "اللہ" اسم معرفہ یا عَلَم ہے اور سوائے خدا کے کسی ذات پر اس کا اطلاق نہیں ہوا ہے۔ اس کو مرکب تسلیم کرکے اس کے معنیٰ ہوں گے "وہ ذات جس کی اطاعت یا فرمانبرداری کی جائے" پس یہ لفظ ہمارے مقاصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتا ہے۔ اگر تمام کائنات خدا کا مظہر ہے اور کوئی شخص ان مظاہر سے خلاف ورزی نہیں کر سکتا، تو ہم ان کی اطاعت کرنے پر مجبور ہیں۔ پس اندریں صورت کیا خدا "مطاع" نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ ہر شخص پر "قانون" کی پابندی فرض ہے۔ خواہ ایک ملحد خدا تعالےٰ کی ہستی پر ایمان نہ رکھے لیکن وہ قوانین کی فرمانبرداری سے نہیں بچ سکتا۔ اُسے ان قوانینِ فطرت کی اطاعت سے مفر

نہیں، جو تمام کائنات میں جاری و ساری ہیں۔ اور جس طرح کائنات کا ذرہ ذرہ قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ اسی طرح ایک دہریہ اور ملحد بھی اُن کی پابندی پر مجبور ہے اگر ہم ان قوانین فطرت کو، جو کائنات میں جاری و ساری ہیں کسی ایسی ذی شعور ہستی سے منسوب کریں، جو مدبر کائنات ہے اور حکمران بھی' اور یہ قضیئہ ایک سمجھدار دہریہ کی نظر میں بھی لائق تسلیم ہے، تو وہ بھی اس پوشیدہ طاقت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہے۔

مسلم اور ملحد میں فرق اگر ہے تو یہ کہ مسلم واضع قانون کی بھی اطاعت کرتا ہے اور ملحد صرف قانون کی۔ حالانکہ ہم مسلمان قانون کو اسی مدبرالامور اور "عقل کبریٰ" کا مظہر جانتے ہیں اور اس لحاظ سے دونوں اُسی "مطاع" کی اطاعت کرتے ہیں جسے عربی زبان میں "اللہ" کہتے ہیں۔

فی الجملہ "اللہ" کے علاوہ، جو قرآن پاک کا عنوانِ مرکزی اور مبحث خصوصی ہے باقی ماندہ قرآن شریف کو چھ عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں :-

اولاً اس میں خدا تعالےٰ کی صفات حسنہ یا اُن طریقوں کا بیان ہے جن میں وہ اپنے آپ کو آشکارا کرتا ہے۔

ثانیاً اس میں کائنات کے مختلف شعبوں کا بیان ہے جو ان صفات کی کارفرمائیوں اور ظہور کا محل ہیں۔

ثالثاً اس میں، ان صفات سے افعال انسانی کی مطابقت کا بیان ہے اور اسی مطابقت کو فضائیل راستبازی، نیکوکاری اور اخلاق حسنہ کہا جاتا ہے۔ اور ہر وہ شے یا فعل یا اثر جو ان اسماء حسنہ کے خلاف ہو گناہ کہلاتا ہے۔

رابعاً اس میں "قانون" یا احکام کا بیان ہے جن کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہے۔ اور اُن پر عمل کرنے ہی سے ہم اپنے اندر یہ مذکورہ بالا خوبیاں پیدا کر سکتے ہیں اور ضلالت و گمراہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

خامساً، اس میں بعض اشخاص کا تذکرہ ہے جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اسمائے آلہیہ سے سرتاپا مطابق بنایا نیز ان لوگوں کا جنہوں نے اس کے احکام سے سرتابی کی۔ پہلی قسم کے لوگوں میں انبیاء صدیقین شہدا اور صالحین کا شمار ہے اور دوسری قسم کے لوگوں میں ان کے بدخواہ اور مخالفین۔

سادساً اس کتاب میں حیات بعد الممات کا مذکور ہوا ہے اور اس زندگی میں بھی یہی اصول کارفرما نظر آتا ہے کہ جو لوگ اس زندگی میں اپنے آپ کو متصف باخلاق الٰہیہ کر لیں گے۔ وہ امن و شادمانی کی جگہ رہیں گے جسے بہشت کہتے ہیں اور جو لوگ بہشتی زندگی بسر کرنے کی ضروری صفات سے عاری ہونگے۔ انہیں کچھ عرصہ کے لئے ایسی حالت میں رہنا پڑیگا۔ جسے قرآنی اصطلاح میں "دوزخ" کہتے ہیں۔ اسلام، ابدی دوزخ کی تعلیم نہیں دیتا ان باتوں سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف اس لئے نازل ہوا ہے کہ انسان کو، خدا اور اس کی سنن، اور اس ہدایت کا علم عطا کرے جس کی بناء پر انسان اس کی سنتوں پر عمل پیرا ہو سکے۔

اگر خدائی پسندیدہ راہوں پر چلنا ہی بہترین طرز زندگی ہے اور ایک ملحد بھی اس کے خلاف نہیں کر سکتا کیونکہ قانون فطرت کی اطاعت تو بہرحال وہ بھی کریگا۔ اور یہ قانون فطرت، سنن الٰہیہ کے مظاہر ہیں، اور الہام کی اصلی غرض وغایت یہی ہے کہ وہ ہمیں سنن الٰہیہ کا صحیح علم عطا کرے۔ دوسری الہامی کتابوں کے محرف ہونے سے قطع نظر کرتے، اگر ان کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے، تو بھی وہ ہمارے حق میں زیادہ مفید نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان میں تمام صفات باری مندرجہ قرآن یا صحیفۂ فطرت کا مذکور نہیں ہوا ہے۔

پس اگر قرآن پاک نے خدا اور اس کی صفات کو اپنا موضوع حقیقی قرار دیا ہے اور ان صفات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے طریقے تلقین فرمائے ہیں، تو گویا اس کا یہ دعویٰ سراسر بجا اور مناسب نہ ہوگا کہ روئے زمین پر صرف وہی ایک ایسی کتاب ہے جو مقصد الہام کو من وجہ الکمال پورا کرتی ہے؛

اسلامی نماز میں سالم قرآن پاک مستور ہے

یہ مقصد غایہ اسلامی نماز سے بھی پورا ہوتا ہے۔ کیونکہ نماز کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کے دل میں خدا اور اس کی صفات کی یاد تازہ کی جائے۔ اگر بہترین شہری زندگی بسر کرنے کے لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ شہری قوانین کی پابندی، زندگی کے ہر شعبہ میں کی جائے تو (روحانی طور پر) کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے قوانین الٰہیہ کی پابندی کرنا بھی بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ اسلامی نماز کا جزو اعظم، تلاوت سورۂ فاتحہ ہے۔ جو قرآن شریف کی پہلی "سورت" ہے۔ یہ سورت، دراصل تمام قرآن شریف کا خلاصہ ہے اور اس میں اننی سات

باتوں کا مذکور جن کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے۔

وہ سورت یہ ہے:-

الحمد لله رب العالمين - الرحمٰن الرحيم - مالك يوم الدين - اياك نعبد و اياك نستعين - اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين - امين -

سب تعریف اللہ کو سزاوار ہے جو صاحب ہے سارے جہان کا بہت، مہربان نہایت رحم والا، مالک انصاف کے دن کا، تجھ ہی کو ہم بندگی کریں اور تجھ ہی سے مدد چاہیں، چلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا، نہ جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے (آمین) (سورۂ فاتحہ ترجمہ شاہ عبدالقادر)

سب سے پہلے اس میں "اللہ" کا مذکور ہوا ہے جو کائنات میں ظاہر ہوا اور اس کے بعد ان چار صفات کا جو باقی ماندہ چورانوے صفات کی مبداء اور اصل ہیں۔ پھر انسانی عبادت اور مدد استعانت کا ذکر کیا گیا ہے اور اسلامی نقطۂ خیال سے عبادت کے معنی صرف یہی ہیں کہ اللہ کی صفات کے تقاضوں کے موافق زندگی بسر کی جائے۔ بعد ازاں اس طریق کا ذکر ہے جس پر چل کر ہم اپنی زندگی کو الٰہی مرضی کے مطابق چلا سکیں اس کے بعد اُن ان لوگوں کا ذکر ہے جو خدا کے راستہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ یا اُن کا جو اُس راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ آخر میں یوم حساب اور حیات بعد الممات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اگر اسلام میں، ہر نمازوں میں، اس سورۃ کی تلاوت کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ تو اسکی وجہ ظاہر ہے اس کی تلاوت کرنے سے ہم ایک رنگ میں، پورے قرآن کی تلاوت کر لیتے ہیں بلکہ تمام صحیفۂ کائنات کا مطالعہ کر لیتے ہیں۔ اور ہمیں اس کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔

اگر ہم لوگ، ان ننانوے ناموں کا پورے طور سے مطالعہ کر لیں تو گویا تمامی کائنات کا مطالعہ کر سکتے ہیں کیونکہ کائنات میں کوئی شے ایسی نہیں جو اُن کے دائرہ اثر سے خارج ہو۔ ہر چیز میں کسی نہ کسی صفت کا جلوہ نظر آئیگا۔ قلمرو نے فطرت میں جس قدر قوانین دریافت ہوئے ہیں، وہ سب ان اسمائے حسنہ کی تفسیر ہی ہیں۔

... پسندیدہ بلکہ تحقیقات علمی، انہی ناموں کی روشنی اور ہدایت میں کریں تو علوم کے ذخائر ہمارے قدموں میں جمع ہو سکتے ہیں - یہ اسماء ہمارے لئے بطور مشعل راہ، کام دینگے، اور ہمیں اُن تمام اسالیب کا علم حاصل ہو جائیگا جو اللہ نے پسندیدہ قرار دیئے ہیں یا جن پر اس کی صفات کارفرمائی کر رہی ہیں - زندگی میں ہر قسم کی کامیابی کا راز صرف یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو ان اسماء کی مطابقت میں بسر کریں - اسی لحاظ سے قرآن پاک ہر مذہب کی الہامی کتاب سے برتر اور افضل ہے - کوئی مقدس نوشتہ اس معاملہ میں قرآن کی برابری نہیں کر سکتا -

اس موضوع کی تفسیر اور تشریح کے لئے مجلدات درکار ہیں، یعنی یہ مختصر کتاب اس بحث کی متحمل نہیں ہو سکتی اور واضح ہو کہ خدا کی صفات، صرف ننانوے تک محدود نہیں ہیں - اور کوئی شخص، انکا احاطہ نہیں کر سکتا - صرف خدا ہی، اپنے صفات کاملہ سے کما حقہٗ واقف ہے - ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے بنی نوع آدم کو ننانوے طریقوں ہی میں اپنے طریق عمل سے آگاہ فرمایا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں ... انسانی عقل اس سے زیادہ کی متحمل نہیں ہو سکتی اور اسی سے ثابت ہے کہ خدا کی یہ ننانوے صفات ... کی مخترعات (پیدا کردہ) نہیں ہیں - بلکہ برعکس اس کے انسانی دماغ، اللہ کا بنایا ہُوا ... مستقبل اُسی ذات پاک کے دماغ کا ظل ہے اس لئے اس قدر نقشہ حضرت باری کا ہنوز ... کے دماغ میں مرتسم ہے جس کی بناء پر وہ خدا کا تصور ننانوے پہلوؤں سے کر سکتا ہے -

ان اسماء کو بیان کرنے سے پہلے میں چند آیات درج کرنا چاہتا ہوں - جن میں اللہ تعالےٰ ... ارشاد ہے -

"اللہ ہے جس کے سوائے، کوئی معبود یا مسجود نہیں ہے، سب کا محافظ، ہر طاقت پر پر غالب آنے والا، ہر شکست کی اصلاح کرنے والا، ہر نقصان کی تلافی کرنے والا ہر احتیاج ... وہ اللہ ہے، اجسام کا بنانے والا، ارواح کا پیدا کرنیوالا رحم مادر میں انسانی ... والا، تمام اسمائے حسنہ اُسی کو سزاوار ہیں، جن کا کوئی شخص تصور کر سکے - ... کی تحمید کرتے ہیں - اور باشندگان ارض اس کی تقدیس اور تمجید بیان کرتے

ہیں اور وہ قدیر اور حکیم ہے۔ ہر شے اس کے حیطہ اقتدار میں ہے وہ لوگوں کی دعاؤں کو سنتا اور ان کا جواب دیتا ہے یعنی وہ مستجاب الدعوات ہے۔ وہ اللہ ایسا ہے کہ کوئی اس کا شریک نہیں ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور نہ کوئی ذات اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ وہ امن کا خدا ہے جو ہر عیب اور نقصان سے پاک ہے نہ اُسے تکلیف ہوتی ہے نہ پریشانی لاحق حال ہوتی ہے، وہ دوسروں کو حفظ وامان عطا کرتا ہے۔ اللہ وہ ذات ہے جس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں وہ حی وقیوم ہے سب کے تھامنے والا ہے نہ اس کو اُونگھ آتی ہے نہ نیند، اور جو کچھ زمین وآسمان میں ہے اُسی کا ہے۔ کوئی ایسا ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے وہ جانتا ہے جو دنیا کے روبرو ہے اور اس کے پیٹھ پیچھے اور نہیں گھیر سکتے اس کے علم میں کچھ مگر اسی قدر جتنا وہ چاہے۔ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور وہ اس کے انتظام سے ہرگز نہیں تھکتا۔ اور وہی ہے سب سے اعلےٰ اور عظیم زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ سب اُسی کا ہے اور جو تمہارے دل میں ہے، خواہ تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تمہارے افعال کے مطابق محاسبہ کریگا۔ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے عذاب دے، اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

پاکستان کا حصول مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی ہے

اگر مسلمان تبلیغ کو مقدم کرتے تو سارا ہندوستان پاکستان بن گیا ہوتا

ہماری آئندہ کامیابیوں کا انحصار کسی سلطنت پر نہیں بلکہ اخلاق اور تبلیغ پر ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب۔ مترجم ترجمۃ القرآن انگریزی و اردو مقام لاہور

الحمد للہ رب العالمین

یہ جملہ تو ہر وقت ہی خدا کے شکر گذار بندوں کے منہ سے نکلتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسے بھی آتے ہیں کہ یہ الفاظ الحمد للہ رب العالمین ایک خوشی بھرے دل سے نکلتے ہیں بلکہ ایک قوم کی قوم یا ملک کا ملک ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک خوشی سے بھر کر اللہ تعالیٰ کی حمد کا یہ گیت گاتا ہے ہمارے نبی کریم صلعم کی زندگی میں اور اس کے بعد صحابہ کی تاریخ میں تو ایسے اوقات بہت آئے اور آتے رہتے تھے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کی نصرت کے نظاروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور خدا کی حمد کے ترانے گاتے تھے۔ لیکن آج ہماری زندگیوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی ایک نظارہ دکھایا ہے جسے دیکھ کر ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے اور شاید دنیا میں اور بھی مسلمانوں کے دل آج خوشی سے لبریز ہو کر پکار اُٹھے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین

مسلمانوں کی غلامی کی دو زنجیریں کٹ گئیں

کسی قوم کی غلامی کی زنجیروں کا کٹ جانا ایک بہت ہی عظیم الشان کامیابی ہے اور اس پر وہ جس قدر خوشی کا اظہار کرے کم ہے۔ مگر آج ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں وہ وقت آیا ہے کہ بظاہر ان کے بیشتر حصہ کی لیکن فی الحقیقت ان سب کی ایک نہیں دو دو غلامی کی زنجیریں بیک وقت کٹ گئی ہیں۔ اور یہ وہ

کامیابی ہے جو بہت کم کسی قوم کو ملتی ہے۔

ہندو قوم کی تنگدلی اور غلامی میں آئی ہوئی قوموں سے سلوک

ہندوستان کے مسلمان انگریزوں کی غلامی میں تھے۔ اور ان کے دلوں میں انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی تڑپ تھی مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی انہیں روز روشن کی طرح نظر آتا تھا کہ انگریز کے نکلتے ہی وہ ایک ایسی قوم کی غلامی میں مبتلا ہو جائیں گے جو انگریز سے زیادہ تنگ دل ہی نہیں بلکہ جس کی تاریخ نے واقعات کے رنگ میں یہ ساری دنیا پر ظاہر کر دیا ہے کہ جب اس کی غلامی میں کوئی قوم آ جائے تو وہ اس کو حیوانیت سے بھی نیچے پستی کے مقام پر گرا لیتی ہے اور اسقدر ذلیل کر کے گراتی ہے کہ وہ پھر کبھی ابھر نہیں سکتی۔ آج سے چند ہزار سال پیشتر اس ہندوستان کی اصلی اقوام اسی آریہ قوم کی غلامی میں آئی تھیں ... سال گذر جانے کے بعد اس روشنی کے زمانہ میں بھی باوجود بعض ہندوؤں کے بلند بانگ دعاوی کے دنیا کی ذلیل ترین قوم ہے اور اس حالت سے باہر نکلنے کا کوئی رستہ انہیں نظر نہیں آتا۔

مسلمانوں کیلئے ہندوؤں کی غلامی کی زنجیریں

یہ صرف خطرہ ہی خطرہ نہ تھا کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد مسلمان ہندوؤں کے غلام ہو کر رہ جائیں گے بلکہ فی الحقیقت اس غلامی کی زنجیریں کافی طور پر مضبوط ہو کر مسلمان اس میں جکڑے بھی جا چکے تھے۔ اور غیر محسوس طور پر نہ صرف ان کے ہاتھ پاؤں ہی بندھ چکے تھے اور وہ اقتصادی طور پر غلامی کی حالت کو پہنچ گئے تھے بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ ان کے دماغوں پر ان کے ہندو آقاؤں کا قبضہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ وہ اپنی غلامی کو آزادی سمجھ رہے تھے اور بڑے بڑے آزاد کہلانے والے صرف چند کوڑیوں کے لئے لوگوں کو اس غلامی پر فخر کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ بظاہر یہ ایک دلکش نظارہ تھا کہ ہم انگریزوں کی غلامی کے گڑھے سے نکل رہے ہیں لیکن گڑھے سے نکلنے کے ساتھ ہی ان کے لئے وہ کنوآں تیار تھا جس میں وہ اسی طرح ہمیشہ کے لئے گر جاتے جس طرح آج سات کروڑ اچھوت گرے ہوئے ہیں۔

مسٹر جناح کی دوربینی اور انگریزوں اور ہندوؤں سے بیک وقت مقابلہ

یہ منصوبہ ہر طرح پر مکمل ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے نام لیواؤں کی دستگیری فرمائی اور ایک عظیم الشان عزم اور قابلیت کے مالک بے غرض دوربین انسان کو مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لئے کھڑا کر دیا۔ مسٹر محمد علی جناح کے سامنے مشکلات کا ایک پہاڑ تھا۔ مسلمان قوم بے حد منتشر تھی اقتصادی طور پر مفلس تھی۔ قومی کاموں کے لئے ایثار کا مادہ بہت کم تھا اور یہ دونوں باتیں اب تک موجود ہیں۔ ہندوؤں کی غلامی کی دلدل میں دھنسی جا رہی تھی اس پراگندہ اور کمزور قوم کے ساتھ مقابلہ صرف انگریز کی طاقت کا نہ تھا جو ساری دنیا پر چھائی ہوئی تھی بلکہ اس سے بڑا ایک مقابلہ اپنے ہی ہم وطنوں سے تھا جو مسلمانوں کو ہمیشہ کی غلامی میں لانے کی ایک مکمل سکیم اندر ہی اندر تیار کر چکے تھے۔ اور اگر مسلمانوں کا کچھ حصہ ایسا تھا۔ جو اپنی اغراض ذاتی کے لئے ان کا غلام ہو چکا تھا۔ تو دوسرا حصہ ایسا بھی تھا جو نیک نیتی سے یہ سمجھ رہا تھا کہ انگریز کو نکالنے کے بعد ہم ہندوؤں کی غلامی سے آزادی حاصل کر لیں گے۔ مگر مسٹر جناح کی دوربین نگاہ نے یہ دیکھ لیا کہ انگریز کے نکلنے کے ساتھ ہی ہندو قوم کو وہ تصرف حاصل ہو جائیگا کہ پھر مسلمانوں جیسی پراگندہ اور مفلس قوم کے لئے کوئی موقعہ ان کی غلامی سے باہر نکلنے کا نہ رہے گا۔ اس لئے اس نے خالی ہاتھ ہونے کے باوجود بیک وقت دونوں سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ اس کے ہاتھ میں طاقت کیا تھی۔ میں سمجھتا ہوں خدا کی مدد پر بھروسہ کے سوائے کوئی طاقت نہ تھی۔

خدا کی نصرت نے مسٹر جناح کو کامیاب ترین انسان بنا دیا

آج ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کی نصرت نے ہی اس کامیابی کا منہ مسٹر جناح کو دکھایا ہے جو آج اس زمانہ میں ایک بے نظیر کامیابی ہے۔ گاندھی جی کی شخصیت کے سامنے صرف ہندو نہیں ایک دنیا سر جھکاتی ہے۔ لیکن اگر واقعات کے رنگ میں دیکھا جائے تو جس کامیابی پر آج گاندھی جی کے پیرو فخر کر سکتے ہیں۔ وہ اس کامیابی کے سامنے گرد ہو کر رہ جاتی ہے جو مسٹر جناح کو خدا نے عطا فرمائی ہے۔ اور یقیناً آج مسٹر جناح

دنیا کا کامیاب ترین انسان نظر آتا ہے جس نے بغیر تلوار چلانے کے بغیر کشت و خون کے ایک اسلامی سلطنت قائم کر دی۔ اپنے زمانہ میں مصطفےٰ کمال کے سامنے سب لوگوں کی گردنیں جھک گئیں۔ کہ اس نے مردہ ٹرکی کو زندہ کر دیا اور اسے گرتے گرتے اُٹھا کر ایک طاقتور سلطنت بنا دیا۔ آج اس زمانے میں ایک اور مسلمان کو خدا نے یہ توفیق دی کہ اس نے اس قوم کو جو کسی کمزور سلطنت کی بھی مالک نہ تھی بلکہ غلامی کے گڑھے میں گر چکی تھی، ایک وسیع سلطنت کا مالک بنا دیا۔

تمام مخالفتوں کے باوجود پاکستان کا ظہور

اپنے رقبہ کے لحاظ سے اپنی آبادی کے لحاظ سے پاکستان کوئی چھوٹی سی سلطنت نہیں۔ جو اس وقت ایک مرد خدا کی طفیل عدم سے وجود میں آئی۔ اور سخت ترین مقابلوں کے بعد آئی ہے۔ انگریز پاکستان کا سخت مخالف تھا۔ لارڈ ویول سابق وائسرائے مسلمانوں کو یہ کہکر جواب دے چکا تھا کہ جغرافیہ کو کوئی شخص تبدیل نہیں کر سکتا۔ یعنی ہندوستان ہمیشہ ایک ہی رہیگا اور پاکستان کا خواب کبھی پورا نہ ہوگا۔ ہندوؤں کا سب سے بڑا رہنما یہ کہہ چکا تھا کہ وہ ہندوستان کو کبھی تقسیم نہ ہونے دیگا۔ کانگریس کے بڑے بڑے رہنما۔ کانگریس سے اختلاف رکھنے والے ہندو سب قسمیں کھا چکے تھے کہ ہندوستان کو تقسیم نہ ہونے دیا جائیگا۔ اور پاکستان صرف ان کی لاشوں پر بن سکتا ہے سکھ رہنما بھی کہہ چکے تھے کہ اور وہ کچھ کریں نہ کریں لیکن پاکستان کبھی نہ بننے دیں گے۔ ہندو مہاسبھا تو پاکستان کی بدترین دشمن تھی۔ مگر ان سب مخالفتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے پاکستان بیکایک نقشہ دنیا پر آجاتا ہے العظمۃ للہ!

پاکستان کی اقتصادی کمزوری کا پروپیگنڈا

میں یقین رکھتا ہوں کہ اس بے نظیر کامیابی پر اور خدا تعالیٰ کی اسی زبردست نصرت کے نظارے پر ہر مسلمان کے دل سے پھوٹ کر یہ صدا نکلے گی۔ الحمدللہ رب العالمین اس کامیابی کی عظمت کو کم کرنے کے لئے یہ کہنے والے لوگ بھی موجود ہیں کہ پاکستان کی اقتصادی حالت بہت کمزور ہے۔

اور یہ پروپیگنڈا ایک مدت سے چل رہا ہے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا پاکستان کی اقتصادی حالت افغانستان اور ایران سے بھی کمزور ہے۔ اور کہنا تو یوں چاہئیے کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کمزور ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے سلطنت سے محروم رہیں ہاں یہ اب ان کا اپنا کام ہے کہ اگر پہلے ایک قوم کی غلامی کی وجہ سے ان کی اقتصادی حالت کمزور ہوتی چلی گئی ہے۔ تو اب اس غلامی سے آزاد ہو کر اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنائیں

تقسیم پنجاب و بنگال تبلیغ کو مقدم نہ کرنے کا نتیجہ ہے

کبھی کہا جاتا ہے کہ پنجاب کا اور بنگال کا کچھ حصہ نکل جانے سے پاکستان کمزور ہو گیا ہے مگر یہ حصہ کیوں نکلا اس لئے کہ وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ تو یہ ہمارے ہی آباؤ اجداد کی غلطی ہے جنہوں نے تبلیغ اسلام کے فریضہ کو بھلا کر اپنے آپ کو اقلیت میں رکھا۔ اگر وہ خدا اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے تبلیغ اسلام کو مقدم کرتے تو آج یہ حصے ان کے ہاتھ سے نہ نکلتے بلکہ اگر مسلمانوں نے اس طرف توجہ کی ہوتی تو آج سارا ہندوستان ہی پاکستان ہوتا۔ اگر آج بھی وہ توجہ کریں تو باقی ہندوستان کو پاکستان بنا سکتے ہیں۔

مسلم اقلیت کے صوبوں کی پاکستان کیلئے قربانیاں

لیکن یہ کہنا کہ جو مسلمان پاکستان کے اندر نہیں آسکے وہ گویا اس نعمت سے بالکل محروم رہ گئے، اور انہیں کیوں چھوڑ دیا گیا صحیح نہیں حقیقت یہ ہے کہ حصول پاکستان کے لئے سب سے زیادہ قربانیاں ان لوگوں نے کی ہیں جنہیں کبھی وہم تک بھی نہ آسکتا تھا کہ وہ بھی پاکستان میں چلے جائیں گے۔ یو۔پی کے مسلمان بمبئی کے مسلمان بہار کے مسلمان حصول پاکستان کے لئے اس وقت سے قربانیاں کر رہے ہیں۔ جب ابھی پنجاب کے مسلمان سوئے پڑے تھے اور یہاں وہ مسلم لیگی تھے۔ جن کو مسلم لیگ کے ساتھ اسی قدر ہمدردی تھی۔ جس قدر ہندوؤں کو تھی۔ یو۔پی۔ بہار۔ بمبئی کے مسلمان جانتے تھے کہ ہمیں تو پاکستان میں کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ مگر انہوں نے اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کیلئے نہیں بلکہ اسلام کیلئے قربانیاں کیں تو آخر پنجاب یا بنگال کے جو مسلمان پاکستان سے باہر رہ جائیں گے وہ ہندوستان میں ہی ہونگے جہاں ساڑھے چار کروڑ مسلمان آباد

ہیں ۔ اور یہ محض ایک سطحی نگاہ ہے جس کی وجہ سے یہ خیال ہے ۔ ورنہ فی الحقیقت قیام پاکستان کی برکات سے خدا چاہے تو سارے ہندوستان کے مسلمان بہرہ ور ہوں گے ۔

تقسیم پنجاب و بنگال کا ایک اہم فائدہ

جہاں تک پاکستان کے کمزور ہونے کا سوال ہے ۔ بلاشبہ آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے تقسیم پنجاب اور بنگال سے یہ کمزور ہو جائے گا ۔ لیکن اس میں ایک فائدہ بھی ہے ۔ پاکستان نہیں بن سکتا ۔ جب تک اس میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت نہ ہو اور یہ موجودہ پنجاب اور بنگال میں نہ تھی ۔ لیکن اگر خالص ہندو علاقے نکل جائیں تو باقی حصہ میں مسلمانوں کی اس قدر اکثریت ہوگی کہ کسی غدار کیلئے یہ موقع نہ ہوگا ۔ کہ وہ دو چار مسلمانوں کو ورغلا کر دوسری قوم کے ساتھ مل جائے ۔ اور اپنی قوم کی جڑیں کاٹنی شروع کر دے ۔ اس لئے یہ ایک رنگ میں رحمت ہی رحمت ہے ۔

ہماری آئندہ کامیابیوں کا انحصار کسی سلطنت پر نہیں بلکہ بلندی اخلاق پر ہے

ہاں یہ سچ ہے کہ ہماری آئندہ کامیابیوں کا انحصار کسی سلطنت کی وسعت پر نہیں بلکہ خود سلطنت پر بھی نہیں وہ خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری پر ہے ۔ اقلیت میں رہ کر بھی اگر ہم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کریں تو ہم پر حکومت کرنے والی اکثریت کی گردنیں ہمارے سامنے جھک سکتی ہیں ۔ ہماری حقیقی کامیابی کا دن وہی ہے جب ہمارے اخلاق اس قدر بلند ہو جائیں کہ دوسرے لوگوں کی گردنیں انکے سامنے جھکنے لگیں

اسلام کی نصرت کے کئی نظارے اور آئندہ کامیابیوں کی راہ

اللہ تعالےٰ نے اس زمانے میں اسلام کی نصرت کے کئی نظارے دکھائے ہیں ۔ ٹرکی میں بھی ایک نظارہ دکھایا ۔ جاوا ۔ سماٹرا میں بھی ایک نظارہ دکھایا اور ہندوستان میں بھی ایک نظارہ دکھایا ہے یہ تو صرف اللہ تعالےٰ کی طرف سے بشارتیں ہیں کہ اس کا ہاتھ اسلام کی تائید میں ہے اور اگر مسلمان اس کے سامنے جھک جائیں تو وہ اپنی نصرت کے اس سے بھی بلند تر نظارے دکھانے کو تیار ہے ۔ ایک

ہندوستان کا پاکستان بنانا کونسا مشکل کام ہے مسلمان آج اپنے آپ کو اپنے اصل کام میں لگا دیں اور وہ اصلی کام کیا ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے کام کو اپنی زندگیوں کا اصل مقصد ٹھیرا لیں تو آج ساری دنیا کو پاکستان بنا سکتے ہیں ہمارے خدا نے ہماری نصرت تو اس حالت میں بھی فرمائی ہے۔ جب ہم سے اس کی فرمانبرداری کا حق ادا نہیں ہوا۔ تو اگر ہم اس کے فرمانبردار بندے بن جائیں تو کیوں ہماری نصرت نہ فرمائے گا۔ جس کا اس نے خود وعدہ کیا ہے۔ لیظھرہ اعلی الدین کلہ۔ کہ وہ اسلام کو تمام دینوں پر غالب کرے گا۔ اور جس کا اس کے رسول نے خدا سے خبر پا کر وعدہ کیا ہے کہ خدا نے مجھے ساری دنیا کا نقشہ دکھایا اور مشرقی زمینیں بھی میرے سامنے لائی گئیں مغربی زمینیں بھی میرے سامنے لائی گئیں اور میرے رب نے کہا کہ میری امت کی حکومت ان تمام ممالک تک پہنچ جائیگی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ خدا ہم سے صرف یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے رستہ میں کچھ قدم اٹھائیں پھر وہ اپنی نصرت کے مزید نظارے بھی دکھائیگا۔

خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک سائنسدان کے خیالات

سات دلائل

ایک سائنسدان خدا کی ہستی پر کیوں یقین رکھتا ہے

(کتاب *Man does not stand alone* سے اخذ کیا گیا)

(از۔ اے کریسی موریسن")

ہم ابھی سائنس کے ابتدائی دور میں ہیں۔ جوں جوں اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے توں توں خالق حکیم کی دستکاری اور نمایاں ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ڈارون کے بعد ان نوے سالوں میں ہم نے زبردست انکشافات کئے اور "علمی انکساری" اور علم پر مبنی یقین کے جذبہ کے تحت خدا کی ہستی کا احساس اور گہرا ہوتا چلا گیا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اپنے ایمان کے متعلق سات دلائل پیش کرتا ہوں۔

دلیل اوّل

"اٹل اصول ریاضی کی رو سے ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ ہماری کائنات کا خاکہ ایک حکیمانہ ربانیت سے مرتب کیا گیا اور عالم وجود میں لایا گیا۔"

فرض کیا آپ دس سکوں پر ایک سے لیکر دس تک نمبر لگا کر جیب میں ڈال کر ان کو اچھی طرح ملا جلا لیتے ہیں۔ اب آپ ان کو نمبروار نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر غلط نمبر کو پھر جیب میں ڈال کر ملا جلا لیتے ہیں۔ علم ریاضی کی رو سے ہم جانتے ہیں۔ کہ آپ کا نمبر ا سکہ نکالنے کا امکان $\frac{1}{10}$ ہے اور نمبر ا اور نمبر ۲ کو یکے بعد دیگر نکالنے کا امکان $\frac{1}{100}$ ہے اور نمبر ۱-۲-۳ کا یکے بعد دیگرے نکالنے کا امکان $\frac{1}{1000}$ ہے اور اسی طرح آپ کا ان تمام کو ایک سے دس تک یکے بعد دیگرے نکالنے کا امکان ایک ناقابل یقین تعداد $\frac{1}{10000000000}$ (دس کھرب) تک پہنچ جائے گا۔

اس دلیل کو سامنے رکھتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے لا متبدل حالات اس زمین پر کی زندگی کے لئے اشد ضروری ہیں اور ان حالات میں کبھی بھی مناسب رشتہ اتفاقیہ طور پر پیدا نہیں ہو سکتا زمین اپنے محور کے اردگرد ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی ہے اگر یہ صرف ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومے تو ہمارے شب و روز پہلے سے دس گنا لمبے ہو جاتے اور اس طویل دن میں دھکتا ہوا سورج ہماری نباتات کو جھلس دیتا اور پھر اس لمبی رات میں باقی ماندہ نباتات منجمد ہو جاتی۔

سورج جس پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے اس کا سطحی درجہ حرارت ۱۲۰۰۰ فارن ہیٹ ہے اور ہماری زمین بالکل اتنی ہی دور ہے جس سے یہ ابدی آگ ہمیں عین ضروری حرارت مہیا کر سکے اگر سورج اپنی موجودہ گرمی سے ہمیں صرف آدھی گرمی بہم پہنچاتا تو ہم جاندار منجمد ہو جاتے یا اگر وہ ڈیڑھ گنا ہوتا تو ہم بھن کے رہ جاتے۔

کرہ زمین کا ۲۳ درجہ (یعنی زاویہ) کا جھکاؤ ہمارے لئے موسم پیدا کرتا ہے اگر اس کا جھکاؤ ایسا نہ ہوتا تو سمندر کے آبی بخارات شمال جنوب کی طرف پھیل جاتے اور ہمارے لئے برف کے تودوں سے اٹے ہوئے براعظموں کی صورت میں نمودار ہوتے۔ فرض کریں کہ ہماری زمین سے چاند کا فاصلہ۔ موجودہ فاصلہ کی بجائے

صرف پچاس ہزار میل ہوتا تو ہمارے سمندر کی لہریں اتنی بلند ہوتیں کہ دن میں دو دفعہ تمام براعظم پانی میں ڈوب جاتے حتیٰ کہ ہمارے پہاڑ بھی پانی میں بہہ جاتے۔ اگر زمین کی سطح جلد صرف دس فٹ اور موٹی ہوتی تو آکسیجن جس پر زندگی کا دارومدار ہے بالکل مفقود ہو جاتی۔ اگر سارے سمندر صرف چند فٹ اور گہرے ہوتے تو کاربن ڈائکسائیڈ اور آکسیجن پانی میں جذب ہو جاتی اور کوئی نباتات پیدا نہ ہو سکتی۔ یا پھر اگر ہمارا دائرہ فضا ذرا زیادہ لطیف ہوتا تو بہت سارے ٹوٹنے والے سیارے جو اب لاکھوں کی تعداد میں ہر روز ہوا میں جل جاتے ہیں وہ زمین کے تمام خطوں پر برستے اور وہاں آگ ہی آگ پھیلا دیتے۔

مندرجہ بالا اور لاتعداد امثال کی رو سے کروڑوں میں صرف ایک بھی امکان اس چیز کا پیدا نہیں ہوتا کہ زندگی ہمارے اس خطۂ زمین پر ایک اتفاقیہ حادثہ ہے۔

دلیل دوم

"زندگی کا اپنے مقصد کے حصول کے لئے ویسے ہی سانچہ میں ڈھل جانے کی صلاحیت رکھنا ایک مکمل اور حاوی حکمت کے وجود پر دلالت کرتا ہے"

زندگی بذات خود کیا ہے؟ کوئی انسان نہیں سمجھ سکا۔ یہ نہ تو وزن ہی رکھتی ہے اور نہ کوئی حجم وغیرہ مگر ایک قوت سے ضرور حاملہ ہوتی ہے۔ ایک اگتا ہوا پودا ایک چٹان کو توڑ سکتا ہے۔ زندگی نے پانی زمین اور ہوا پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور عناصر پر حاوی ہو کر انہیں مجبور کیا کہ وہ مختلف اشکال میں ڈھل کر مختلف جوڑ اختیار کر لیویں۔ زندگی ایک بت تراش کی طرح تمام زندہ چیزوں کو مختلف اشکال دیتی ہے۔ ایک مصور کی طرح ہر درخت کے پتہ کو کسی صورت میں اور ہر پھول کو مختلف رنگوں میں رنگ دیتی ہے۔ زندگی ایک مغنیہ ہے جس نے ہر پرندے کو محبت کے پرکیف نغمے گانا اور کیڑے مکوڑوں کو لاکھوں کی تعداد میں ہم آواز ہو کر اپنی اس موسیقی سے ایک دوسرے کو بلانا سکھایا ہے زندگی ایک ماہر کیمسٹ (کیمیادان) کی طرح پھل اور سبزیوں کو ذائقہ اور پھولوں کو خوشبو بخشتی ہے جو پانی اور کاربن کو چینی اور لکڑی کی صورت دیتی ہے۔ اور اس طرح سے آکسیجن مہیا کرتی ہے تاکہ جاندار زندگی کے سانس لے سکیں۔ پروٹوپلیزم PROTOPLASM

کا ایک بمشکل دکھائی دینے والا قطرہ لیں جس میں سے نگاہ آر پار ہو سکے اور جو جیلی (JELLY) کی مانند ہو۔ جو ہلنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور سورج کی شعاعوں سے طاقت حاصل کرتا ہو۔ صرف یہی دھندلا دھندلا ننھا سا ذرہ اپنے اندر زندگی کا مادہ رکھتا ہے اور ہر جاندار چیز کو زندگی بخشنے کی قوت رکھتا ہے خواہ وہ بڑی ہو چھوٹی۔ اس کی قوت ہماری نباتات حیوانات اور لوگوں سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ تمام زندگی اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ نیچر نے زندگی کو تخلیق نہیں کیا جھلسی ہوئی چٹانیں اور غیر نمکین سمندر ہماری زندگی کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے تھے اسے پھر کس نے جنم دیا؟

دلیل سوم

"حیوانی سمجھ ایک خالق مطلق کی ہستی کے متعلق بڑی وضاحت سے دلالت کرتی ہے جس نے ایک کمزور اور معذور سے جاندار میں بھی ایک فطرتی اکساہٹ سے پیدا کر دی"

سامن مچھلی متعدد سال سمندر میں بسر کرنے کے بعد اپنے میٹھے پانی کے دریا میں واپس آتی ہے۔ وہ دریا کی صرف اس طرف سفر کرتی ہے جس طرف دریا کا وہ معاون واصل ہوتا ہے جس میں وہ پیدا ہوئی تھی۔ اس کو کیا چیز اس طرح ٹھیک منزل کی طرف لاتی ہے؟ اگر آپ اسے کسی دوسرے معاون میں ڈال دیں تو وہ فوراً جان جائیگی کہ وہ اپنے راستہ سے بھٹک گئی ہے اور وہ اپنے راستہ کی تلاش میں جدوجہد کرتی ہوئی دریا کے بہاؤ کے ساتھ بہتی ہوئی چلی جائیگی اور پھر دریا کے بہاؤ کے خلاف چلتی ہوئی اپنی آخری اور صحیح منزل سے دوچار ہو جائے گی۔

اس سے بھی زیادہ ایل مچھلی (سانپ کی مانند مچھلی کی ایک قسم) کے اسرار کو سمجھنا مشکل ہے۔ یہ عجیب وغریب جانور سن بلوغت کو پہنچکر تالابوں۔ دریاؤں اور دوسری تمام جگہوں سے ہجرت کرتا ہے یورپ والے ایل سمندر کو عبور کرتے لاکھوں میل نکل جاتے ہیں۔ اور تمام کا رخ صرف انہی تاریک سمندر کی گہرائیوں کی طرف ہوتا ہے جو "برموڈا" کے جزیرہ کے پاس ہیں وہاں وہ بچے پیدا کرتے ہیں اور مر جاتے ہیں اب ننھی ننھی ایل مچھلیاں جن کے پاس کچھ جاننے کے لئے کوئی وسائل نہیں ہوتے سوائے اس کے کہ وہ

پانی کی اتھاہ گہرائیوں میں ہیں۔ وہ اپنے گھروں کی طرف رجعت کرتی ہیں اور اپنا راستہ نہ صرف اس ساحل سمندر کی طرف معلوم کر لیتی ہیں جہاں سے ان کی پہلی نسلیں آئی تھیں بلکہ وہ اسی دریا۔ جھیل اور تالاب تک کو ڈھونڈ نکالتی ہیں۔ حتیٰ کہ تمام پانی میں مچھلیاں ہی مچھلیاں بس جاتی ہیں۔ کبھی کوئی امریکن ایل یورپ میں اور نہ کبھی کوئی یوروپین ایل امریکہ کے پانیوں میں پائی گئی ہے۔ قدرت یوروپین ایل کی بلوغت کی میعاد میں (بہ نسبت امریکن ایل کے) ایک یا ایک سے زیادہ سال تک تاخیر کر دیتی ہے تاکہ وہ اپنا سفر پورا کر سکے۔ کیونکہ اس کا سفر امریکن ایل سے بہت زیادہ لمبا ہوتا ہے اب بتائیے یہ راہنمائی اور فطرتی اکساہٹ کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟

ایک جنگلی بھڑ ایک ٹڈے پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد زمین میں ایک گڑھا کھودتی ہے اور ٹڈے کے عین اس جگہ ڈنگ چبھوتی ہے کہ وہ مرتا تو نہیں مگر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایک محفوظ شدہ خوراک کی طرح زندہ رہتا ہے۔ تب بھڑ بڑی احتیاط سے اس کے جسم کے ایسی مناسب جگہ پر انڈے دیتی ہے کہ جب اس کے بچے ان انڈوں سے نکلیں تو ٹڈے کو کُتر کُتر کر اپنی خوراک حاصل کرتے رہیں مگر اسے مار نہ دیں۔ کیونکہ مردہ چیز کھانا مہلک ثابت ہوتا ہے۔ تب ماں اُڑ جاتی ہے اور کہیں مر جاتی ہے اور کبھی اپنے بچوں کو نہیں دیکھتی۔ یقیناً بھڑ نے یہ سب کچھ ٹھیک طور پر پہلی دفعہ اور ہر دفعہ کیا ہوگا نہیں تو اب ہمیں ایک بھی بھڑ نظر نہ آتی ان پُر اسرار طریقوں کے متعلق یہ کہنا کہ یہ "حاصل کردہ" ہیں غلط ہے بلکہ یہ "عطا شدہ" ہیں۔

دلیل چہارم

"انسان حیوانی فطرت کے علاوہ کچھ اور بھی رکھتا ہے۔ وہ ہے عقلی صلاحیت"

کبھی کسی جانور کی صلاحیت کے نشان اس طرح نہیں ملے کہ وہ ایک سے دس تک منہ سے گن سکتا ہو یا دس کے ہندسہ سے کماحقہ واقف ہو اگر فطرت ایک ہی ساز کی ایک ہی سُر ہے۔ ایک خوب صورت مگر محدود سُر۔ تو انسانی دماغ آرکسٹرا کے تمام سازوں کی تمام سُروں سے پُر ہے اس چوتھی دلیل کی وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ عقل انسانی کی بدولت ہی ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ بھی ہیں وہ اسی

لئے ہیں کیونکہ اس لامحدود حکمت میں سے ہم میں ایک شعلہ فروزاں کیا گیا ہے۔

دلیل پنجم

"واقعات عالم میں زندگی کے جن تمام لوازمات ضروری کا انکشاف اب ہم پہ ہو رہا ہے وہ ڈارون نہ جان سکا تھا ـــــ مثلاً جینز کے عجائبات (GENES)

یہ جینز اس ناقابل بیان حد تک چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر تمام دنیا کے تمام لوگوں کے تمام جینز کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے تو ان کا حجم فقط ایک انگشتانہ یا اس سے بھی کم جگہ میں سما سکتا ہے۔ یہ حد درجہ کے چھوٹے اور خوردبین سے بھی مشکل سے نظر آنے والے جینز اور ان کے ساتھی کروموزومز (CHROMOSOMES) ہر ذرہ میں ہوتے ہیں۔ وہ تمام انسان۔ حیوان اور نباتات کی ذاتی خصوصیات جو زندگی کے قائم رکھنے کا قطعی ذریعہ ہیں۔ گویا ایک انگشتانہ جتنی معمولی سی جگہ میں دو ارب انسانوں کی ذاتی خصوصیات سمٹ سکتی ہیں کچھ بھی ہو یہ حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جینز کے اس چھوٹی سی جگہ میں کس طرح لاتعداد نسلوں کی نسلی خصوصیات اور ان کی نفسیات کو سمیٹ لیتے ہیں؟

اس جگہ سے ارتقا حقیقتاً شروع ہوتا ہے۔ یعنی اس ایک ذرے سے جو جینز کو اپنے اندر لئے ہوتا ہے اور اسے لئے پھرتا ہے کس طرح صرف چند کروڑ ایٹم ایک معمولی سے جینز کی صورت میں زمین کی تمام زندگی پر مکمل حکمرانی کرتے ہیں اور ہمیں ایک گہری حکمت کا ثبوت ہم پہنچاتے ہیں جو صرف ایک تخلیقی طاقت سے ہی نکل سکتی ہے اور کوئی نظریہ ہمارا یہ مسئلہ حل نہیں کر سکتا۔

دلیل ششم

"نیچر کا اپنے مادہ کو بے جا صرف نہ کرنا ہمیں اس پر یقین کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے کہ صرف ایک لامحدود عقل نے بنظر غائر اور اس کے تمام وسائل پر مکمل قابو رکھتے ہوئے اسے تیار کیا"

بہت سال گذرے آسٹریلیا میں کیکٹس (CACTUS) نامی ایک پودا جس کو تھوہر بھی کہتے ہیں اور جو باڑ کا کام دیتا ہے بویا گیا اور آسٹریلیا میں اس پودا کے لئے تباہ کن ثابت ہونے والے کیڑوں کے نہ ہونے کی وجہ سے کیکٹس بہت افراط سے پھیل گیا اور جب اس کے خطرناک پھیلاؤ کی روک تھام کے لئے مناسب کارروائی شروع کی گئی تو اس وقت یہ خوفناک پھیلاؤ انگلستان جتنے بڑے حدود اربعہ میں پھیل چکا تھا۔ اس نے لاکھوں باشندوں کو شہروں اور دیہاتوں سے بھاگ نکلنے پر مجبور کر دیا اور کھیتوں کو بالکل تباہ کر دیا۔ کیڑے مکوڑوں کے ماہرین نے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا اور آخر کار انہوں نے ایک ایسے کیڑے کا سراغ ڈھونڈ نکالا جو صرف کیکٹس پر ہی زندہ رہتا تھا اور یہ بچے بھی بڑی سرعت اور افراط سے پیدا کرتا تھا۔ اور اس کیڑے کا دشمن (یعنی اس کو کھانے والا) کوئی اور کیڑا آسٹریلیا میں نہ تھا۔ اس کیڑے نے جلد ہی اس کیکٹس پر قابو پا لیا اور یہ قریباً نیست و نابود ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ یہ کیڑے بھی صرف معمولی سی تعداد میں باقی رہ گئے جو اس پر قابو حاصل کئے رہیں۔

یہ روک تھام اور توازن تمام دنیا میں قائم ہے ـــــ سرعت سے بڑھنے والے کیڑے آخر دنیا پر کیوں کیوں نہیں چھا جاتے؟ اس لئے کہ ان کے پھیپھڑے انسانی پھیپھڑوں کی طرح کے نہیں ہوتے وہ نلکیوں کی طرح چھیدوں میں سے سانس لیتے ہیں۔ اور جب وہ پھولتے پھلتے ہیں تو ان کی نلکیاں مقابلتاً ان کے جسم کے زیادہ نہیں بڑھتیں۔ اس لئے کبھی بھی کوئی کیڑا بڑے جسم کا دکھائی نہیں دیتا۔ اور جسم کے بڑھنے پر یہ روک تھام ہمیشہ ان کو تعداد میں بڑھنے سے روکے رکھتی ہے۔ اگر ان کے جسم کے پھلنے پھولنے پر یہ روک تھام نہ ہوتی تو بنی نوع انسان خطۂ زمین پر دکھائی نہ دیتے۔ بھلا ایک بھڑ کو شیر جتنی جسامت کا تصور تو کریں۔

دلیل ہفتم

"یہ امر کہ انسان خدا کی ہستی کا تصور ہی کر سکتا ہے ہستی خدا کی موجودگی کا زبردست ثبوت ہے"

خدا پر یقین انسان کی روحانی قوت سے پیدا ہوتا ہے جس سے باقی ماندہ جانور بے بہرہ ہیں۔ ہم اس قوت کو تصور اور تخیل کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ اس کی مدد سے انسان اور صرف انسان ہی غائبانہ

چیز کی موجودگی کو محسوس کر سکتا ہے اور مشاہدہ جس کا انکشاف یہ طاقت کرتی ہے لامحدود ہے حقیقتاً انسان کا یہ گہرا تصور اور تخیل ایک روحانی حقیقت میں ڈھل جاتا ہے اور اس دنیاوی اور سماوی عالم کے جو کہ ایک مخصوص مقصد سے مزین ہے مشاہدہ میں وہ ایک سچائی سے روشناس ہوتا ہے، وہ سچائی جو بتاتی ہے کہ جنت ہے اور ہر جگہ ہے۔ خدا ہر جگہ اور ہر چیز میں ہے اور یہ الہٰی قربت دلوں کے قریب تر ہوتی ہے۔

یہ چیز علمی اور روحانی نظریہ کی رو سے عیاں ہو جاتی ہے جیسا کہ بائبل میں ہے کہ:۔

"کائنات خدا کی شان کا مظاہرہ ہے اور ستاروں سے لدا ہوا آسمان اسکی مصوری کا ثناخواں"

اسلام میں گناہ کا نظریہ

(مولانا آفتاب الدین احمد صاحب بی۔ اے)

گناہ کا خیال بنیادی طور پر ہی بدی کے ساتھ ملحق ہے۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ بدی کے متعلق اسلام کا نظریہ کیا ہے۔ اسلام بدی کو ہستی مطلق کی حیثیت سے نہیں مانتا۔ بدی اس حیثیت سے نہ تو انسان کے دل میں موجود ہے اور نہ باہر کی دنیا میں۔ ہر چیز کی خلق کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے:۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔

"اے خدا تو نے یہ سب کچھ بے مصرف نہیں بنایا"

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز جو پیدا کی گئی ہے اسے ایک مقصد پورا کرنا ہے۔ اور اس مقصد پر مندرجہ ذیل الفاظ مزید روشنی ڈالتے ہیں:۔ وسخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض

"اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ہم نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز بھی پیدا ہوئی ہے اس کا مقصد انسان کو مدد دینا ہے۔ اس کی ذاتی جوہر کے اظہار کیلئے اور اسکی زندگی کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے۔

اور انسان کی اپنی بناوٹ کے متعلق ہمیں بتایا گیا ہے کہ:- انا خلقنا الانسان فی احسن تقویم -

"ہم نے انسان کو بہترین قویٰ کے ساتھ پیدا کیا"

پس بنیادی طور پر انسان کی فطرت میں کوئی برائی نہیں ہے جسم اور ضمیر کی تمام قابلیتیں امکان بھر اعلے ہیں -

نہ ہی انسان طبعی طور پر خدا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے - خدا تعالے انسان کی باطنی فطرت کے متعلق قرآن مجید میں فرماتا ہے :- نفخت فیہ من روحی

"میں نے اپنی روح اس میں پھونکی ہے"

اگر واقعی انسان میں خدا کی روح ہے تو وہ کبھی فطرتاً برا نہیں ہو سکتا - نیکی کی طرف انسان کے فطرتی رجحان کے متعلق خدا تعالے مندرجہ ذیل مکالمہ کے ساتھ اشارہ فرماتا ہے ہ الست بربکم قالو بلی -

"کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ (روحوں نے) جواب دیا "ہاں" اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاں تک انسان کی فطرتِ باطنی کا تعلق ہے، ہر ذی روح اپنے رب کے احکام ماننے کیلئے تیار ہے -

چنانچہ گناہ فطرت انسانی کا جزو یا خاصہ نہیں ہے - اب اگر اشیاءِ عالم اور انسان جبلتاً [illegible] ہے اور انسان کا دل بھی پاک ہے تو پھر گناہ اور بدیاں کہاں سے آتی ہیں - اس سوال کا جواب قرآن مجید میں حیرت انگیز طور پر مطمئن کر دینے والا ملتا ہے - قرآن ایک اصول بتاتا ہے کہ بیرونی دنیا کی ہر چیز اور جسم اور ضمیر کی تمام قابلیتوں کی ایک خاص مقدار مقرر ہو چکی ہے جس مقدار میں وہ بھلی اور درست ہیں اور ان کی مقررشدہ مقدار سے کم یا زیادہ مقدار کو بروئے کار لانا بدی یا گناہ ہے -

"جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور (اس کیلئے) ایک مقدار مقرر کر دی"

" اور اس نے پیمانے بنائے تاکہ تم پیمانوں کے معاملے میں تجاوز نہ کرو"

" اور انصاف کے ساتھ توازن قائم رکھو اور (مقررہ) مقدار کو کم نہ کرو -

چنانچہ قدرت کی ہر چیز، ہر جذبہ، جسم اور ضمیر کی ہر قوت کا استعمال اس وقت تک نیکی ہے جب تک وہ غلط مقدار میں استعمال نہ کی جائے - اور جونہی اس میں کمی یا زیادتی کا عمل ہوتا ہے انسان گناہ کا ارتکاب

کرتا ہے اور بدی کہلاتا ہے۔

اسی توازن کو مستقل طور پر قائم رکھنا صراط مستقیم کہلاتا ہے۔ جس کا ذکر سورہ فاتحہ میں آیا ہے اسی توازن میں کمی کا نتیجہ مغضوبیت ہے۔ یعنی ایسی حالت جس میں خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اور اس معاملہ میں حد سے بڑھ جانا ضلالت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ یعنی صراط مستقیم سے بھٹک جانے کا۔ ان دونوں غلطیوں کے متعلق قرآن مجید قطعی اور فیصلہ کن انداز میں مسلمانوں کو انتباہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں غلطیاں گناہ اور بربادی کی طرف لے جاتی ہیں۔

قرآن مجید نے توازن کا جو حکیمانہ قاعدہ مقرر کیا ہے اس کی تصدیق علوم ابدان کیمیا، ادویات اور علم خوراک سے بھی ہوتی ہے۔ "ان علوم میں انسان کو مشاہدے اور تجربے نے صحیح اوزان قائم کرنے کے قابل بنا دیا ہے ان معاملات میں بہت حد تک" ہم اپنی عقل پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ "بہت حد تک" اس لئے کہ تجربے سے ثابت ہوا ہے بعض اوقات حفظان صحت اور حکمت کے بعض قاعدے بڑے بڑے عقلمندوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ مثلاً شراب کے معاملے میں ڈاکٹروں کے دو گروہ بن گئے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ لیکن آخری اور مکمل ترین مذہب یعنی اسلام میں یہ صرف غور و فکر کے بعد ہی [illegible] جس میں کسی طرح نرمی کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ جسمانی صفائی کے وہ قاعدے جنہیں مذہبی پاکیزگی میں ابتدائی حیثیت حاصل ہے علوم حکمت کے بڑے بڑے ماہروں کے درمیان ابھی تک موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ ان میں جنسی تعلقات کے ایسے قاعدے بھی شامل ہیں جنہیں ہر مسلمان قطعی طور پر جانتا ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاں انسان کی دماغی طاقتیں اس کی جسمانی صحت کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ دینے سے قاصر رہ جاتی ہے وہاں اسے معاشرتی اور اخلاقی پہلوؤں کے متعلق قاصر ترکیوں نہ رہیں گی۔ کیونکہ عقلی دلائل ان معاملات میں ایک دوسرے سے الجھ کر رہ جاتی ہیں۔

ان معاملات کو سمجھنے کیلئے ہمیں عقل سے زیادہ ایک نور ہدایت کی ضرورت ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں الہام کی ضرورت ہے۔ ایک ایسے نسخے کی جو بجائے تجربے کے ہم پر آسمان سے نازل ہو۔ اس معاملے میں قرآن مجید کا دعویٰ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ وہ اس سوال

کے باقی حصے پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ قرآن کا دعوےٰ ہے کہ وہ بیان ہے۔

"اللہ کی فطرت کا جس پر انسان کو بنایا گیا ہے" فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔

ہر الہامی مذہب سے اس بات کی توقع کی جاتی ہے کہ وہ تسلی بخش طور پر ہمارے اُن ذہنی توانین کی تشریح و توضیح کرے جن کا تعلق ہماری معاشرتی اور اخلاقی زندگی سے ہے اور یہ وہ بات ہے جس کی قرآن مجید ذمہ داری لیتا ہے۔ وہ ہمارے لئے ہر معاشرتی اور اخلاقی فعل کی مقدار مقرر کرتا ہے اور ان افعال کیلئے صحیح موقع و محل بتاتا ہے۔

باوجود اس کے کہ ہمارے معاشرتی اور اخلاقی معاملات کے لئے یہ توانین الہامی ہونے ضروری ہیں۔ لیکن وہ عقل اور تجربے کی کسوٹی پر بھی پورے اترنے چاہئیں۔ یہ صحیح ہے کہ الہام عقل انسانی کے مقابلے میں بہت بلند شے ہے۔ لیکن الہام ہمیشہ دلائل عقلی اور تجربے کے عین مطابق ہوگا۔ اور کبھی اس کے خلاف نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر کوئی قاعدہ جس کے متعلق الہامی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو مصدقہ عقلی توانین کے خلاف ہو یا تجربے کے خلاف ثابت ہو تو وہ سچا الہام نہیں ہے۔ کسی جسمانی یا ذہنی طاقت کے اظہار کا طریقہ جو مذہب نے بتایا ہو، جانچنے میں معقول اور عمل کرنے میں مفید ثابت ہونا چاہئے۔

یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ مقدار کا قانون خود ہماری ہستی کی بنیاد ہے۔ بعض اوقات ایک نہایت ضروری شے کی غلط مقدار ہمارے لئے نہ صرف مضر ثابت ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات مہلک ہوتی ہے۔ سورج کی شعاعیں جو ہماری صحت اور طاقت کیلئے اس قدر ضروری ہیں زیادہ مقدار میں سرسام کا باعث ہوتی ہیں جس طرح جسمانی صحت کو قائم رکھنے کیلئے مقدار کی پابندی ضروری ہے۔ اسی طرح اخلاق کی صحت بھی مقدار پر موقوف ہے۔ یہاں تک کہ سچ بھی اگر غلط موقع پر بولا جائے اور بُری نیت سے سچی بات کا اظہار کر دیا جائے تو یہ بھی ایک گناہ ہے اور غصے جیسے ناپسندیدہ جذبے کا اظہار اگر کسی خاص اہم موقع پر نہ کیا جائے تو یہ بھی گناہ ہے۔ اگر کسی بے گناہ انسان پر بے جا ظلم ہوتے ہوئے دیکھ کر یا کسی باعصمت خاتون پر دست درازی کرتے ہوئے دیکھ کر کسی آدمی کا خون نہ کھولنے لگے تو وہ بھی بدترین گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

مذہب اسلام میں خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز، یہاں تک کہ پانی، جسم کے کسی عضو یا ذہن کے کسی

جذبے کا غلط استعمال گناہ تصور کیا جاتا ہے اور اس کا صحیح استعمال داخل ثواب ہے۔

نیکی اور بدی کے اسی نظریئے کے مطابق انسان کی اس روحانی جدوجہد کا نتیجہ فلاح بتایا گیا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں "صحیح قسم کی کاشت" یعنی کامیابی۔ اس لفظ کا استعمال پر معنی ہے۔ ہمارے ذہن اور جسم کی بے شمار طاقتیں فلاح کی محتاج ہیں۔ اور فلاح میں طریق کار اور مقدار کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنی طاقتوں کے غلط مقدار میں استعمال کرنے کا کام گناہ ٹھہرا اور اس کا نتیجہ ناقص پیداوار اور وہ عذاب ہے جسے جہنم کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جہنم اسلامی نقطہ نظر سے اخلاقی قابلیتوں کے نامکمل رہ جانے کا نام ہے۔ تمام دبائی ہوئی اور مفلوج طاقتیں اعضائے انسانی میں درد اور تعطل پیدا کر دیتی ہیں۔ ناقص پیداوار کی وجہ ہمیشہ غلط طریق کار ہوتا ہے۔ اسلام میں ایک اور نقطۂ نظر سے بھی گناہ کے سوال پر غور کیا گیا ہے۔ ثواب کے کاموں کو لفظ "معروف" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ اعمال جنہیں انسان کی فطرت قبول کر لیتی ہے۔ اور برے اعمال کیلئے لفظ "منکر" استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی وہ اعمال جنہیں فطرت انسانی نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے یا قبول نہیں کرتی۔ بعض اوقات انسان نیک عمل کرتا ہے لیکن اسے اس عمل کے نیک ہونے کا علم نہیں ہوتا۔ لیکن جونہی اسے آگاہ کیا جاتا ہے وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ عمل اس کے لئے اچھا اور سودمند ہے اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص لاعلمی میں برائی کا کام کرتا ہے لیکن جب ۔۔۔۔ ایک مرتبہ اسے بتا دیا جائیگا کہ یہ عمل برا اور نقصان دہ ہے تو اس کی ضمیر تو راً اس کو مان لیگی۔ اور آئندہ وہ اسے دہراتے ہوئے ضرور ذہنی اور روحانی خلش محسوس کریگا۔

مختصر یہ کہ ثواب اور گناہ کا مسئلہ بالکل صاف ہے سچے مذہب نے اس کی پہچان بتادی ہے۔ عقل اور تجربہ اس پہچان کی تائید کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ یہ کہ اس کی حدود کو خود انسان کی ضمیر پہچانتی ہے۔

ایک جھوٹی تہذیب کا جھوٹا فلسفہ ایسے سادہ اور صاف مسئلے کو الجھانے کی کوشش کرتا رہا ہے لیکن یہ کوشش بیکار ہے۔ یہ کوششیں صرف اسی وقت تک کامیاب ہو سکتی ہیں جب تک مذہب کی روشنی وہاں تک نہیں پہنچتی۔ لیکن جہاں کہیں بھی سچا مذہب نور حقیقت پھیلا رہا ہوگا وہاں ایسی کوششیں

ناکام رہیں گی۔ جب کبھی بھی ایسا مذہب ظاہر ہوا ہے۔ تو لوگوں کو اس بات پر پھسلانا مشکل ہو گیا ہے کہ گناہ کوئی چیز نہیں یا دنیا میں اخلاقی قوانین کا وجود نہیں ہے یا گناہ بہم ورواج کی پیداوار ہے۔ گناہ کے متعلق اس قسم کے نظریے کو عقل ہی تسلیم نہیں کرتی۔ اگر جسمانی امور کیلئے ناقابل تنسیخ کلئے موجود ہیں۔ تو یہ سمجھنا کہاں تک بعید از عقل ہے کہ ہمارے معاشرتی اور اخلاقی امور کے لئے بھی ایسے ہی پختہ قوانین ہونے چاہئیں۔

حقیقت میں تمام انتظامی قوانین اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے لئے اسی قاعدے کے محتاج ہیں۔ انگریزی قانون کے متعلق ابھی تک یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد "خدا کے دس احکام" پر رکھی گئی ہے اور اگرچہ تمام انتظامی قوانین کے پس پشت کم وبیش مذہبی قاعدے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن عموماً انتظامی قوانین میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بعض انتظامی قوانین جن کی بنیاد صریحاً مذہب پر رکھی جاتی ہے امتداد زمانہ سے اصلی راستے سے بھٹک کر کہیں سے کہیں جا نکلتے ہیں۔ اور اس عمل میں وہ لوگوں کو غیر محسوس طور پر بد تہذیبی کی دلدل میں گھسیٹ لے جاتے ہیں۔ کسی قوم میں معاشرتی امن اس تطابق پر موقوف ہے۔ جو اس کے انتظامی قوانین کو اس کے مذہبی قواعد کے ساتھ ہے۔ اگر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں تو خدا کی بادشاہت یا مسلمانوں کے الفاظ میں خلافت اس قوم میں جاری ہو جاتی ہے۔ مذہبی اور انتظامی قانون کی مطابقت کی ایک مثال خودکشی کے قانون میں موجود ہے۔ تمام مہذب دنیا کے قوانین اس فعل کو جرم قرار دیتے ہیں۔ اور تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ خودکشی کا ارتکاب گناہ ہے۔ لیکن مادی ترقی کے اس زمانے میں ایسی مثالیں مستثنات کا حکم رکھتی ہیں۔ اس کے برخلاف تمام ترقی پسند ممالک میں جنسی بدکاری کے لئے کوئی گرفت نہیں ہے۔ حالانکہ تمام مذاہب اسے گناہ کبیرہ میں شمار کرتے ہیں۔ انتظامی قوانین میں اس کے لئے کوئی سزا مقرر نہیں ہے۔ انتظامی اور مذہبی قوانین میں ایسے ہی اختلافات موجودہ دنیا کی معاشرتی خرابیوں کی جڑ ثابت ہوتے ہیں۔ جو مقدار مذہب نے جسم و دماغ کی قابلیتوں کے اظہار کیلئے مقرر کی ہے۔ اس سے آزاد منش لوگوں کا انحراف اور تامل ان اختلافات کی بنیاد ہے۔

اس برائی کی حمایت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی متمدن اقوام کا سرکاری مذہب موجودہ زمانے کی پیچیدہ معاشرت کی رہبری کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لیکن اس بات کا الزام بھی ان

لوگوں کے سر ہے جو اس خامی کو سمجھتے ہوئے بھی اس کا مداوا نہیں کرتے۔ انہیں دنیا کے سب سے آخری مذہب پر غور کرنا چاہئے تھا۔ اور اس مذہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا چاہئے تھا جسے وہ اپنا مذہب کہتے ہیں اور جواب فرسودہ ہو چکا ہے۔ انہیں اس امر کا فیصلہ کرنے سے پہلے کہ مذہب ہماری معاشرت اور تمدن کی رہنمائی نہیں کر سکتا اسلام کا مطالعہ کرنا چاہئے تھا جو مذہب کے ازلی وابدی قوانین کو آخری مرتبہ دہرا چکا ہے۔ بہرحال اگر ہمیں اپنی معاشرت کو تباہی وبربادی سے بچانا ہے تو ہمیں ان غیر متغیر اور غیر متبدل قوانین پر غور کرنا چاہئے جو ہماری معاشرت اور اخلاق پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ہمیں اپنے انتظامی قوانین کی بنیاد اسی علم پر رکھنی چاہئے۔ سب سے پہلے ہمیں اس بات کا اقرار کرنا ہوگا۔ کہ ایسے قوانین حقیقتاً موجود ہیں۔ اور "گناہ" جو ان قوانین کو توڑنے کا نام ہے بے معنی لفظ نہیں ہے بلکہ ہم اپنی معاشرت کو صرف اسی صورت میں کامیاب بنا سکتے ہیں کہ ہم ان قوانین کو پہچانیں اور خلوص دل کے ساتھ کوشش کر کے انہیں اپنے انتظامی قوانین میں رائج کریں۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے معاشرتی قانون اسی صورت میں بنا سکتے ہیں جب ہمیں اپنے معاشرتی گناہوں کا علم ہو اور جرم کی تعریف وہی ہو جو گناہ کی تعریف ہے۔ معاشرتی پہلو سے گناہ یہی ہے، اسلام کے نظریئے کے مطابق ●

بقیہ ص۲۹۶ استفسارات وجوابات:۔ اور اس کے بعد دوسری زبانوں میں استعمال ہونے لگ گیا۔ یہ اصل عربی لفظ "مسلم" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ہاں اگرچہ یہ بگڑا ہوا لفظ ہے مگر اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن لفظ محمڈن وہ لفظ ہے۔ جو یورپین اقوام نے مسلمانوں کو دیا۔ اور یہ ایک برا نام ہے۔ یہ لفظ "عیسائی" کا اتباع ہے۔ وہ لوگ جو کہ اسلام کی صحیح تعلیم سے ناآشنا تھے۔ انہوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ مسلمان لوگ محمد (صلعم) کو پوجتے ہیں جس طرح سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے پوجنے والے عیسائی کہلائے اسی طرح سے محمد صلعم کے اتباع کرنے والے لوگ محمڈن کہلانے لگ گئے جو ایک غلط نام تھا۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ ہم مسلمان لوگ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی پوجا نہیں کرتے۔ ہم لوگ صرف ایک خدا کے پاک کی پرستش کرتے ہیں۔ خود ہمارے نبی کریم صلعم ایک مسلم اور خدا کے نبی تھے اسی طرح سے تمام انبیاء مسلم تھے۔ خدا کے نزدیک اصل اور ابدی مذہب اسلام ہی ہے۔ جس کے معنی ہیں خدا کے احکام کی اتباع اور اپنے ہم جنس لوگوں سے محبت اور صلح۔ اور جو لوگ اسلام کے متبع ہیں۔ ان کا نام مسلم ہے غرضکہ مسلمانوں کو کبھی محمڈن کے لفظ سے نہیں پکارنا چاہئے۔ یہ عیسائیوں کا دیا ہوا نام ہے اور غلط نام ہے۔ اصل نام مسلم ہے۔

استفسارات وجوابات

استفسار :- تقدیر سے کیا مراد ہے؟ کیا اسلام تقدیر کا موید ہے؟

جواب :- تقدیر کے عام رواجی معنی تو یہ ہیں کہ جو کچھ انسان کی زندگی میں اُسے پیش آتا ہے وہ سب کچھ پہلے ہی خدا نے لکھ رکھا ہے۔ اور وہ بہر حال ہو کر رہتا ہے۔ اور کوئی چیز اس کو بدل نہیں سکتی۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ میں کسی قتل کا مرتکب ہوتا ہوں۔ تو میں یہ کہتا ہوں کہ یہ فعل مجھ سے اس لئے واقع ہوا کہ خداوند تعالےٰ نے میری تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا۔ اور خدا کی رضا اور اس کی تقدیر سے مفر نہیں۔ غرض کہ عام طور پر تقدیر کے متعلق اس قسم کے خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں اور اس کو قسمت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے ہر ایک ناکارہ ہر ایک بدکن اپنی ذمہ داری خدا پر تھوپ دیتا ہے لیکن اسلام اس قسم کی تقدیر کا موید یا حامی نہیں۔ تقدیر اسلام میں ہر ایک چیز کے اندازہ یا ناپ کو کہتے ہیں۔ یہ ناپ یا اندازہ ایک مقررہ چیز ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ نیک اعمال نیک نتائج پیدا کرتے ہیں اور بُرے اعمال بُرے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ اب یہ ایک قطعی امر ہے۔ انسان ان دونوں میں جسے چاہے اختیار کرے۔ یہ اس کے اپنے انتخاب پر منحصر ہے۔ خواہ نیک عمل اختیار کرے۔ خواہ بُرے عمل۔ لیکن جب ایک دفعہ وہ کسی عمل کا انتخاب کرے گا۔ اس کو اس کا نتیجہ ضرور مل کر رہے گا۔ یہ ہے اسلام کی تقدیر یا "خیر و شر کا اندازہ" سائینس کی اصطلاح میں اس کو علت اور معلول سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان مجبور محض ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ افعال کے نتائج لازمی ہیں۔ کوئی فعل بغیر نتیجہ کے نہیں رہ سکتا۔ اور یہ عین فطرت کے مطابق اور قوانین قدرت کے موافق ہے۔

استفسار :- روح کیا ہے؟ مرنے کے بعد اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

جواب :- روح کیا ہے؟ ہم اس کی کُنہ اور حقیقت کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ ہاں ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ اس

کا فعل کیا ہے۔ اس میں قوت مدرکہ ہے۔ قوت حاسہ ہے۔ اور قوت ارادہ ہے۔ قوت کے بعد روح زندگی کی دوسری ہیئت میں چلا جاتا ہے اور عالم اُخروی کی کیفیات کے مطابق اس کو ایک مختلف اور نئی قسم کا جسم دیا جاتا ہے۔ جس کی ماہیئت ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔

استفسار:۔ قیامت کے دن جزا اور سزا کا معاملہ کیونکر ہوگا؟ کیا بہشت اور دوزخ جسمانی ہیں یا محض روحانی؟

جواب:۔ مرنے کے بعد انسان کن کیفیات میں سے گذرتا ہے اس کا قطعی اور صحیح صحیح اندازہ لگانا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ ہمارے حواس ظاہری ہمارے علم کے دروازے ہیں۔ لیکن ان کا تعلق اجسام اور مادی اشیاء سے ہے۔ قیامت کے دن کی نسبت ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمارے اعمال کی جوابدہی کا دن ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ہماری بُرے اور اچھے عمل تولنے کے لئے وہاں ترازو رکھے ہوئے ہیں۔ اس دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کئی چیزیں بغیر ترازوؤں کے ہی وزن کی جاتی ہیں۔ مختلف قسم کی چیزوں کے تولنے کے مختلف ذرائع ہیں۔ مثلاً ٹمپریچر معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس تھرمامیٹر ہوتے ہیں علے ہذالقیاس ہمارے اعمال تولنے کا بھی کوئی ذریعہ ہونا چاہئے۔ یہ ایسی بدیہی ہے جیسی کہ اس دنیا کی اشیاء ہم اپنی نظروں سے دیکھتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بدیہی ہے۔ بہشت کا سکھ اور دوزخ کا دکھ ضرور محسوس کئے جائیں گے لیکن اس ہمارے موجودہ جسم سے نہیں بلکہ اُس جسم سے جو مرنے کے بعد روح کو ملتا ہے۔ اس دکھ اور سکھ کی کیفیت ایسی ہی حقیقی ہے جیسی کہ اس دنیا میں ہم محسوس کرتے ہیں۔ اور اس میں ایسی ہی شدت پائی جاتی ہے جیسی کہ دنیوی دکھ سکھ میں ہمارے تجربہ میں آتی ہیں زیادہ تفصیل کے لئے آپ کو حضرت مولانا محمد علی صاحب کا مضمون "بہشت اور دوزخ کا تخیل اسلام میں" پڑھنے کی تکلیف گوارا کرنی چاہئے۔ اس میں فاضل مضمون نگار نے اچھی طرح سے اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے۔

استفسار:۔ مسلمان اور محمڈن میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ یہ دونوں لفظ "اسلام کے ماننے والوں" کے لئے غلط طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا اصل نام "مسلم" ہے۔ لفظ مسلمان غالباً پہلے پہل فارسی میں استعمال ہوا۔ باقی صفحہ ۲۹۳

کا فعل کیا ہے - اس میں قوت مدرکہ ہے - قوت حاسہ ہے - اور قوت ارادہ ہے - قوت کے بعد روح زندگی کی دوسری ہیئت میں چلا جاتا ہے اور عالم اُخروی کی کیفیات کے مطابق اس کو ایک مختلف اور نئی قسم کا جسم دیا جاتا ہے - جس کی ماہئیت ہم سمجھنے سے قاصر ہیں -

استفسار:- قیامت کے دن جزا اور سزا کا معاملہ کیونکر ہوگا؟ کیا بہشت اور دوزخ جسمانی ہیں یا محض روحانی؟

جواب:- مرنے کے بعد انسان کن کیفیات میں سے گذرتا ہے اس کا قطعی اور صحیح صحیح اندازہ لگانا ہماری طاقت سے باہر ہے - ہمارے حواس ظاہری ہمارے علم کے دروازے ہیں - لیکن ان کا تعلق اجسام اور مادی اشیاء سے ہے - قیامت کے دن کی نسبت ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمارے اعمال کی جوابدہی کا دن ہے - ایسا ہرگز نہیں کہ ہماری بُرے اور اچھے عمل تولنے کے لئے وہاں ترازو رکھے ہوتے ہیں - اس دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کئی چیزیں بغیر ترازوؤں کے ہی وزن کی جاتی ہیں - مختلف قسم کی چیزوں کے تولنے کے مختلف ذرائع ہیں - مثلاً ٹمپریچر معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس تھرمامیٹر ہوتے ہیں علیٰ ہذا القیاس ہمارے اعمال تولنے کا بھی کوئی ذریعہ ہونا چاہئے - یہ ایسی بدیہی ہے جیسی کہ اس دنیا کی اشیاء کو ہم اپنی نظروں سے دیکھتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بدیہی ہے - بہشت کا سکھ اور دوزخ کا دکھ ضرور محسوس کئے جائیں گے لیکن اس ہمارے موجودہ جسم سے نہیں بلکہ اس جسم سے جو مرنے کے بعد روح کو ملتا ہے - اس دکھ اور سکھ کی کیفیت ایسی ہی حقیقی ہے جیسی کہ اس دنیا میں ہم محسوس کرتے ہیں - اور اس میں ایسی ہی شدت پائی جاتی ہے جیسی کہ دنیوی دکھ سکھ میں ہمارے تجربہ میں آتی ہیں

زیادہ تفصیل کے لئے آپ کو حضرت مولانا محمد علی صاحب کا مضمون "بہشت اور دوزخ کا تخیل اسلام میں" پڑھنے کی تکلیف گوارا کرنی چاہئے - اس میں فاضل مضمون نگار نے اچھی طرح سے اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے -

استفسار:- مسلمان اور محمڈن میں کیا فرق ہے؟

جواب:- یہ دونوں لفظ "اسلام کے ماننے والوں" کے لئے غلط طور پر استعمال ہوتے ہیں - ان کا اصل نام "مسلم" ہے - لفظ مسلمان غالباً پہلے پہل فارسی میں استعمال ہوا - باقی صفحہ ۲۹۷

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نماز و خطبہ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالت مآب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمےٰ کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

مشن کے آرگن ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

مشن کے تاثرات ۔ (۱) مشن کی اکیس ۲۱ سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن [illegible] خواتین اسلام قبول کرچکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض تو تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کرچکے ہیں۔ اُن میں تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس ۲۱ سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جاچکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر ہوچکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہوچکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوچکا ہے۔ یورپ میں اب دشمنانِ اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک روادارانہ فضا پیدا کردی ہے۔ بکثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کرکے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں بمعہ اپنے فوٹو کے روانہ کردیتے ہیں۔ ان کا اعلانِ اسلام بمعہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کردیا جاتا ہے۔

انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعتِ اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قایم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہوگئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعتِ اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کرلیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کرسکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کرلے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جدوجہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبرانِ سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آرا کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہوکر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں لیکن انگریزی قوم میں **اشاعت اسلام** ہمارا اولین نصب العین ہونا چاہیئے۔

(۸ **ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے** دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کُل مسلمانانِ عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر۔ اب ایک حقیقت ہوچکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ۔ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذبِ عالمِ اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانانِ عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ دارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کرکے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ ممالک اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہو سکتی ہے

(۱) بحیثیت معینہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کر دیں جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا ہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کار خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ۱۲ ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقۂ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳ ہے اور ممالک غیر کیلئے ۴ ہے۔ (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جا سکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاوے گی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نہ کوئی نو مسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کر کے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیت کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رو سے اشاعت اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانۂ عید میں اس کار خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سود اشاعت اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سود صرف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ سود کی ان رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنان اسلام کے ہاتھ چلی جاوے گی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ بھینٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ (ریزرو فنڈ)

ایک کارین نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ کام اکیس سال سے باحسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے مینیجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایۂ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہو کر آئندہ کیلئے کسی جیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کار خیر کیلئے فراہم نہ کر سکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق

یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینیجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ دارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام

(۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں۔ تین کارکنان مشن کی موجودگی میں موصول ہو کر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان۔ امپریسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں۔ (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ داران ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کر دی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات

(۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتری ایڈریس ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England :- The Imam, The Mosque, WoKing, Surrey, England.

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹیڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان)۔

SEPTEMBER 1947. ۷۹۸۱ R. L. No. 908.

بانی شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیران اعزازی

آفتاب الدین احمد بی۔اے	عبدالمجید ایم۔اے۔بی۔ٹی
مدیر اسلامک ریویو (انگریزی)	امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مرتبہ

خواجہ عبدالغنی سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ {آل عمران آیت ۱۰۴}

ترجمہ۔ اور چاہیئے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۙ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ○

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) تشکیل مشن۔ ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد۔ (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ وارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سر انجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک۔ (۱) مشن کی تبلیغ فقط لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامتِ نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ۔ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء۔ کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ہزارہا نفوس شامل ہوتے ہیں مسلمین و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمد بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار کی اشاعت ووکنگ مسلم مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۳ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۴۷ء | نمبر ۹

(گیلانی الیکٹرک پریس ... میں باہتمام خواجہ عبدالغنی پرنٹر و پبلشر چھپ کر ... سے شائع ہوا)

موت

از قلم گوہر بار عالی جناب نواب سر نظامت جنگ بہادر

چہ خوف، از مرگ مسلم را   کہ تاج زندگانی است

چرا رنجد ازاں حکمت   کہ آں راز نہانی است

اگر جوید لقائے او   کہ غائب از نظر باشد

بہ پوشد چشم از دنیا   کہ تا اہل البصر باشد

شود در پردہ تا بیند   مکان لامکانی را

شود بے جان کہ تا یابد   حیات جاودانی را

شذرات

مردوں کی قلت

آج سے کچھ عرصہ پیشتر برطانیہ کے دارالعوام میں کثرت ازدواجی کو قانوناً مروّج کرنے کی جو تجویز معرضِ بحث میں لائی گئی تھی اس سے عامۃ الناس میں ایک ایسا مسئلہ دائر وسائر ہو گیا ہے جو تمام مہذب ممالک کے ماہرانِ معاشرت و تمدن کی توجہ کا جاذب بنا ہوا ہے۔

کثرۃ ازدواجی محض کسی تخیل پرستی کا نام ہی نہیں ہے جو چند مذہبی فرقوں کی طبع آزمائی کا مبحث بنا ہوا ہو۔ بلکہ یہ وہ چیز ہے۔ جس پر خلق خدا عمل کرنے کے لئے مجبور ہو گئی ہے۔ گو بظاہر اس کو ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کو خلاف اخلاق تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن با ایں ہمہ حالت یہ ہے۔ کہ یورپ کے ہزاروں انسان اس پر عمل پیرا ہیں گو انگلستان میں اس کو زیادہ رواج حاصل نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسی عورتیں بے شمار ہیں جو بغیر خاوند کے رہنا کبھی گوارا نہیں کر سکتیں خواہ اس خاوند کی ایک یا دو پہلے بھی بیویاں موجود ہوں۔ برطانوی پارلیمنٹ میں جو تحریک پیش کی گئی وہ اس حقیقت کا انکشاف تھا جو پہلے ہی ہر باخبر انسان جانتا ہے۔ اور ایک ایسی چیز کو قانونی رنگ دینا تھا جو پہلے ہی عمل میں آرہی ہے۔ اس قدیم رواج کو جو دوبارہ زندہ کیا جا رہا ہے۔ اور ماہرانِ معیشت جو اس پر اس قدر غور وخوض کر رہے ہے اس کی وجوہ کا پتہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

زمانہ جنگ کا ذکر نہیں مگر عام امن کی حالت میں اس ملک میں ۱۰۷۰ مرد اور ۱۰۳۰ عورتوں کا تناسب پایا جاتا ہے۔ جو تقریباً برابر کا تناسب ہے۔ جنگ سے پیشتر تو کثرۃ ازدواجی کا کوئی امکان نہیں ہو سکتا تھا مگر جنگ کے بعد کے حالات نے ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ ایک کروڑ مرد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ علاوہ ازیں بہت سی تعداد مردوں کی ایسی تھی جو ایام جنگ میں ملازمت کے سلسلہ میں مختلف ممالک میں چلی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عورتوں اور مردوں کے تناسب میں ایک محیر العقول انقلاب آگیا اس سے بیاہ اور شادی اور خانہ داری کے سلسلے منقطع ہو گئے اور یہ کیفیت ایک عرصہ دراز تک دائر و سائر رہے گی جب تک کہ حالات من کل الوجوہ اپنی اصلی حالت پر نہ آئیں۔

اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؛ شادی کے قابل عورتوں اور مردوں کا تناسب تین اور دو کا ہو جاتا ہے بلکہ غالباً اس سے بھی زیادہ۔ معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ ایک خاص مردم شماری عورتوں اور مردوں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے عمل میں لانے والی ہے۔ مگر یہ بات تو بدیہی ہے کہ انگلستان میں عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور روس اور جرمنی جہاں مرد بہ تعداد کثیر لقمۂ اجل ہوئے ہیں۔ وہاں اس سے بھی زیادہ تعداد عورتوں کی پائی جاتی ہے۔ اور فرانس اور پولینڈ کی حالت تو اس سے بھی ابتر بیان کی جاتی ہے۔

جرمنی میں کثرۃ ازدواجی کا رواج اور اتفاقیہ جنسی تعلقات کا سلسلہ گو غیر آئینی ہو مگر اس کو ایک قسم کی حکومت کی حوصلہ افزائی حاصل ہے۔ حوصلہ افزائی نازی لیڈروں کی تقاریر کی شکل میں ہے جن میں ان طرق کو بنظر استحسان دیکھتے ہوئے بچوں والی عورتوں کے لئے سامانِ معیشت مہیا کرنے کا اہتمام کئے جانے پر زور دیا جاتا ہے۔ قطع نظر اس امر کے کہ وہ بچے جائز تعلقات کا نتیجہ ہیں یا ناجائز تعلقات کا۔ مزید برآں بعض جرمن سوسائٹیاں اس غرض سے معرض وجود میں لائی گئی ہیں کہ وہ یہ پروپگنڈا کریں کہ بچے پیدا کرنا ایک ملکی اور قومی خدمت ہے۔ اور ایک جرمن سوسائٹی ایسی ہے جو محض پروپاگنڈا تک ہی قانع نہیں بلکہ اس سے بڑھکر اس بارہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دے رہی ہے۔ اس سوسائٹی کا نام "مجرد عورتوں کی لیگ" ہے۔ یہ لیگ اپنے ہر ایک ممبر کو ایک نشان پہننے کے لئے دیتی ہے۔

اور جرمنی کے سپاہیوں کو علم دیا گیا ہے کہ جب وہ کسی عورت کو یہ نشان پہنے ہوئے دیکھیں تو فوراً یقین کریں کہ یہ وہ عورت ہے۔ جس کی معیت حاصل ہوسکتی ہے۔ اس ادارہ کے ممبر پیشہ ور عورتیں نہیں ہیں اور اس کے افراد سوسائٹی کے ہر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کا وجود ملکی اور قومی مفاد کے لئے معرض ظہور میں لایا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ مقتضائے فطرت کا پورا کرنا ہی مدنظر ہے۔ جسے کوئی سوشیل برائی نہیں سمجھا جاتا۔

بنا بریں حکومت متعلقہ کے نکتۂ نگاہ سے ملک کے اندر مردوں کی قلت ایک بہت بڑا پیچیدہ معمّہ بن رہا ہے اور ضرورت ہے کہ پیدائش کی شرح کو برقرار رکھنے کے لئے کوئی موثر تدابیر عمل میں لائی جائیں آیندہ نسل کی بہبود کے لئے ایسے تعلقات جن سے بچے پیدا ہوں قائم کرنے چاہئیں اور اگر اس مقصد کے حصول کے لئے پرانا ضابطۂ اخلاق مفید مطلب ثابت نہیں ہوسکتا تو اس کا جواب یہی ہے کہ نئے ضابطۂ اخلاق کو مروّج کیا جائے۔

یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جرمنی اور ریاست ہائے متحدہ میں حالات یکساں ہی ہیں۔ تاہم جرمنی میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ زیادہ موثر ہے کیونکہ یہ لوگ اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ اگر زمانۂ مستقبل میں مردوں کی کمی واقع ہوگئی تو کیا مشکلات ہمارے راستہ میں حائل ہونگی اور کن دقتوں کا سامنا ہوگا۔ اندریں حالات کثرت ازدواجی ہی ایک موثر طریق ہے۔ اس طریق میں اور اوقات جنگ کے اندر پیدا شدہ جنسی تعلقات میں ایک بنیادی فرق اور امتیاز پایا جاتا ہے۔ جس طرح ایک بیوی سے شادی کرنا ایک پائیدار اور محکم چیز ہے اسی طرح ایک سے زیادہ شادیاں کرنا بھی کسی صورت میں کم پائیدار اور کم محکم نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں انسان ایک متاہل زندگی بسر کرتا ہے۔ اس میں ایک کنبہ ایک گھر مضبوط بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ اور اگر یہ صورت نہ ہوتی تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مارمنز (MORMONS) جیسا مذہبی فرقہ جس کی بنیاد ہی کثرت ازدواجی پر رکھی گئی تھی اس قدر دنیا کے اندر کیوں پنپتا۔ حقیقت یہ ہے کہ فحش اور اتفاقی جنسی تعلقات کو مارمنز جیسے مذہبی لوگوں نے ہمیشہ نہایت کراہت اور نفرت کی نظر سے دیکھا ہے۔ وہ خوب جانتے تھے

زمانہ جنگ کا ذکر نہیں مگر عام امن کی حالت میں اس ملک میں ۱۰۷۰ مرد اور ۱۰۳۰ عورتوں کا تناسب پایا جاتا ہے۔ جو تقریباً برابر کا تناسب ہے۔ جنگ سے پیشتر تو کثرۃ ازدواجی کا کوئی امکان نہیں ہو سکتا تھا مگر جنگ کے بعد کے حالات نے ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ ایک کروڑ مرد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ علاوہ ازیں بہت سی تعداد مردوں کی ایسی تھی جو ایام جنگ میں ملازمت کے سلسلہ میں مختلف ممالک میں چلی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عورتوں اور مردوں کے تناسب میں ایک محیر العقول انقلاب آگیا اس سے بیاہ اور شادی اور خانہ داری کے سلسلے منقطع ہو گئے اور یہ کیفیت ایک عرصہ دراز تک دائر و سائر رہے گی جب تک کہ حالات من کل الوجوہ اپنی اصلی حالت پر نہ آئیں۔

اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ شادی کے قابل عورتوں اور مردوں کا تناسب تین اور دو کا ہو جاتا ہے بلکہ غالباً اس سے بھی زیادہ۔ معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ ایک خاص مردم شماری عورتوں اور مردوں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے عمل میں لانے والی ہے۔ مگر یہ بات تو بدیہی ہے کہ انگلستان میں عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور روس اور جرمنی جہاں مرد بہ تعداد کثیر لقمۂ اجل ہوئے ہیں۔ وہاں اس سے بھی زیادہ تعداد عورتوں کی پائی جاتی ہے۔ اور فرانس اور پولینڈ کی حالت تو اس سے بھی ابتر بیان کی جاتی ہے۔

جرمنی میں کثرۃ ازدواجی کا رواج اور اتفاقیہ جنسی تعلقات کا سلسلہ گو غیر آئینی ہو مگر اس کو ایک قسم کی حکومت کی حوصلہ افزائی حاصل ہے۔ حوصلہ افزائی نازی لیڈروں کی تقاریر کی شکل میں ہے جن میں ان طرق کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہوئے بچوں والی عورتوں کے لئے سامانِ معیشت مہیا کرنے کا اہتمام کئے جانے پر زور دیا جاتا ہے قطع نظر اس امر کے کہ وہ بچے جائز تعلقات کا نتیجہ ہیں یا ناجائز تعلقات کا۔ مزید برآں بعض جرمن سوسائٹیاں اس غرض سے معرض وجود میں لائی گئی ہیں کہ وہ یہ پروپگنڈا کریں کہ بچے پیدا کرنا ایک ملکی اور قومی خدمت ہے۔ اور ایک جرمن سوسائٹی ایسی ہے جو محض پروپاگنڈا تک ہی قانع نہیں بلکہ اس سے بڑھکر اس بارہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دے رہی ہے۔ اس سوسائٹی کا نام "مجرد عورتوں کی لیگ" ہے۔ یہ لیگ اپنے ہر ایک ممبر کو ایک نشان پہننے کے لئے دیتی ہے۔

اور انہیں اس بات پر یقین کامل حاصل تھا کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے سے وہ خدا کے حکم کے خلاف نہیں چل رہے بلکہ عین اس کے منشا کے مطابق عمل درآمد کر رہے ہیں۔

کیا امریکہ کی عورتیں کثرت ازدواجی کو منظور کرنے کے لئے رضامند ہونگی؟ کیا وہ پسند کرینگی کہ ان کے خاوند کے نکاح میں ایک یا ایک سے زیادہ عورتیں ہوں جو خاوند کی محبت اور اس کی کمائی میں ان کی شریک ہوں؟

اگر یہ سوالات امریکہ کی نوجوان لڑکیوں اور بوڑھی عورتوں کے وکلا کے سامنے رکھا جائے تو وہ لازماً ان کا جواب نفی میں دینگی اور ہرگز پسند نہیں کرینگی - کہ کوئی دوسری عورت ان کی شریک ہو۔ لیکن اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ہمارے تمام معیار اب متغیر و متبدل ہو رہے ہیں اور ضروریات پیش آمدہ کے لئے ان میں تغیر و تبدل کا ہونا ضروری اور لابدی ہے - کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ کیا صورت ہوگی بہرحال اتنا تو واضح ہے کہ نسل انسانی کا سلسلہ غیر منقطع طور پر جاری رہے گا - کیونکہ اقتضائے فطرت یہی ہے اور انسان کے خمیر میں ہے کہ وہ اپنی بقائے نسل چاہتا ہے۔

قدیم سوسائٹی میں بہت سے تمدنی شخصی - اور جنسی تعلقات کے سسٹم مروج رہے - مگر ضروریات زمانہ کے مطابق وہ سب سسٹم نئے انداز میں ڈھل جاتے تھے۔ انسان کے اخلاقی حالات بھی ان ضروریات کے مطابق ہی ڈھلتے رہے ہیں۔

گذشتہ صدی کے بہت بڑے ماہر سیاست مدن چارلس ڈارون نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ کس طرح قدیم اسکیمو قبائلی کتوں کو اپنے بچوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے اور ان کی زیادہ قدر کرتے تھے۔ کتوں کا ملنا مشکل تھا مگر بچے پیدا کر لینا آسان تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحط کے زمانہ میں انہوں نے کتوں کی خاطر اپنے بچے قربان کر دیئے۔

اس قسم کی قربانی کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے - تاہم ڈارون کی کہانی سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ کس طرح ایک ضرورت ہمارے اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہے -

ممکن ہے کہ آج امریکہ والے کثرت ازدواجی کو مسترد کر دیں اور اس کو ناقابل عمل سمجھیں کہ یہ ان کے طریق زندگی کے خلاف ہے - لیکن کچھ تعجب نہیں کہ آج سے کچھ عرصہ کے بعد جب ضرورت انکو مجبور کر دے تو اس بات پر وہ سنجیدگی سے غور کریں اور اسکو اپنا لائحہ عمل قرار دیں -

---

ہمیں اس امر کا وثوق ہے کہ مردوں کی قلت کا علاج محض کثرت ازدواجی ہی ہے اور وہ لوگ بالآخر دوسرے طریقوں کی نسبت اسی طریق کو مستحسن قرار دیں گے - ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کثرۃ ازدواجی کے علاوہ جو دوسرے طریق استعمال کئے جاتے ہیں وہ کسی صورت میں پسندیدہ نظروں سے دیکھے جا سکتے ہیں - کم از کم اتنا تو ضرور ہے کہ جو خطرناک بیماریاں غیر محتاط جنسی تعلقات سے پیدا ہوتی ہیں ان کا علاج کثرت ازدواجی ہی ہے - اور اس کے مخالفین کو اس پر خوب غور و خوض کرنا چاہئیے - اس سے گھر اور کنبے بن سکتے ہیں اس کے علاوہ جس قدر طریق ہیں وہ زہر کا حکم رکھتے ہیں اور اس زہر کا تریاق یہی ہے کہ انسان ضرورت کے وقت ایک سے زیادہ بیویاں کر کے متاہل زندگی بسر کرے -

کیا بالکل کوئی گھر ہی نہ ہو یہ اچھا ہے یا یہ کہ گھر ہو خواہ اس میں ایک سے زیادہ بیویاں ...... ہوں یہ نہیں کہ بالآخر امریکہ والے ایسے تعلق کو جو سراسر مفید اور اعلیٰ ہے - پائے حقارت سے ٹھکرا دیں

ضروری اعلان

خطاب بہ روح توحید

از قلم خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

آ! روح توحید پھر آ! اور اس قوم کو دوبارہ زندہ کر۔ جو تجھ سے نا آشنا ہے۔ مگر دنیا میں آج وہی ایک ہے جو تیری کشش کی نام نہاد ناخدا ہے۔ تو ہی مذہب کی روح اور تو ہی تمدن و تہذیب کی جان ہے۔ تیری ہی پرستش میں اخلاق فاضلہ کی آبیاری اور تیرے ہی چھوڑنے سے ہر ظلمت و جہالت کی گرم بازاری ہے تو ہی علوم جدیدہ کی محرک اور تو ہی حکمت و فضیلت کی مولد ہے۔ تیری ہی حقیقت پر قائم ہونے سے انسان انسان ہے تجھ سے نا آشنا ہونے سے وہ دوسروں کی باربرداری کے لئے کالانعام بلکہ از تو د حیوان ہے۔ تو ہی جان جمہوریت اور تجھ سے ہی حقوق انسان کی حفاظت ہے۔ تجھ سے ہی حریت کا سر اونچا اور تجھ سے ہی استبداد کا سر نیچا ہو سکتا ہے۔ تو نے ہی انسان کو کل مخلوقات پر حکمران بنایا۔ تو نے ہی اسے ملکوت السموات والارض مسجود ٹھہرایا۔ علم و حکمت تیری ہی رہین منت۔ دنیوی دولت و ثروت۔ حکومت۔ شوکت۔ الغرض سب کچھ تیری ہی خیر و برکت ہے۔ تیرے آنے سے ہی ہم نے سب کچھ پایا۔ اور تیرے جانے سے ہی ہر خوبی کو گنوایا۔ نسل انسانی کو کمال تک پہنچانے کے لئے خدا کے نزدیک توحید پر ایمان لانا کچھ اس قدر ضروری نظر آتا ہے کہ صفی اللہ سے لیکر ختمیت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اعادیت مآب کی طرف سے جو نبی ہوکر آیا وہ یہی ایک پیغام توحید لایا۔ لیکن آدم کے بیٹے اس معاملہ میں کچھ ایسے کودن واقع ہوئے کہ انہوں نے اس مسئلہ کو کبھی نہ سمجھا جب تک انہوں نے اپنے لئے اپنے ہاتھ سے اپنی دوسری استعمالی چیزوں کی طرح ایک نہ ایک معبود نہ بنا لیا۔ انہیں چین نہ پڑا۔ اس مصور یا شاعر کی طرح جو اپنے تخیل میں ایک چیز کو خوبصورت بنا کر اسے کاغذ پر لے آتا ہے۔ پھر آپ ہی اپنی بنائی مخلوق کا پرستار ہو جاتا ہے اپنی ہی طبع زاد پر وہ منشاء اور اپنے ہی دماغ سے نکلی ہوئی چیز پر قربان ہو جاتا ہے۔ انسان وقتاً فوقتاً اپنا خدا آپ بناتا رہا۔ جسکی شکل و صورت اور خط و خال اسکی وقتی ضروریات اور اس کا ماحول تجویز کرتا رہا۔

آستانۂ صداقت اسلام

ازجناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ اگست سنہ ۱۹۴۷ء ملاحظہ ہو

اب میں اسمائے الٰہیہ مندرجہ قرآن کو ذیل میں بالتفصیل بیان کرتا ہوں :-

(۱) ھو، وہ (۲) الرب، پالنے والا - پرورش کرنے والا - زندہ رکھنے والا - تربیت کرنے والا (۳) الرحمٰن مہربان، عطا کرنے والا - (۴) الرحیم، رحم کرنے والا (۵) المالک، مالک، آقا (۶) الملک، بادشاہ (۷) القدوس، پاک، پاکیزہ (۸) السلام، عیوب سے پاک اور سلامتی کا منبع (۹) المومن، امن عطا کرنے والا (۱۰) المہیمن، سب کا نگران (۱۱) العزیز، قدرت والا (۱۲) الجبار، دوسروں کو اپنی مرضی کے ماتحت لانے والا (۱۳) المتکبر، تمام عظمت اور بڑائی کا مالک (۱۴) الخالق پیدا کرنے والا - (۱۵) الباری بنانے والا (۱۶) المصور، شکل بنانے والا (۱۷) الغفار، معافی کثیرہ عطا کرنیوالا (۱۸) القہار، سب پر اقتدار قائم کرنے والا (۱۹) الوہاب، بڑا عطا کرنے والا (۲۰) الرزاق، بہت پرورش کرنے والا (۲۱) الفتاح، بہت کشائش دینے والا (۲۲) العلیم، بہت جاننے والا (۲۳) القابض، قبض کرنے والا (۲۴) الباسط، بسط کرنے والا (۲۵) الخافض، ذلیل کرنے والا (۲۶) الرفیع، بلند کرنے والا (۲۷) المعز، عزت دینے والا (۲۸) المذل ذلیل کرنے والا (۲۹) السمیع، سننے والا (۳۰) البصیر، دیکھنے والا (۳۱) الحکم، فیصلہ کرنے والا - (۳۲) العادل، منصف (۳۳) اللطیف، نکات سے واقف (۳۴) الخبیر، بہت خبردار، (۳۵) الحلیم برداشت کرنے والا (۳۶) العظیم، بزرگی والا (۳۷) الغافر، معاف کرنے والا (۳۸) الشکور، بہت ہی شکر والا (۳۹) الاعلیٰ بہت ہی بلند (۴۰) الکبیر، بہت بڑا (۴۱) الحافظ، بہت نگہبان (۴۲) المقیت

پرورش کرنے والا (۴۳) الحسیب، حساب کرنے والا (۴۴) الجلیل، بزرگی والا (۴۵) الکریم کرم کرنے والا (۴۶) الرقیب، نگہبان (۴۷) المجیب، دعاؤں کا سننے والا (۴۸) الواسع، فراخی عطا کرنے والا (۴۹) الودود، محبت کرنے والا (۵۰) الحکیم، عقلمند (۵۱) المجید[1]، شاندار (۵۲) الباعث، قبر کھولنے والا (۵۳) الشاھد، گواہ (۵۴) الحق، سچائی (۵۵) الوکیل، معتمد، وکیل (۵۶) القوی، قوت والا (۵۷) المتین، متین سنجیدہ (۵۸) الولی، دوست (۵۹) الحمید[2]، لائق تعریف (۶۰) المحصی، حساب کرنے والا (۶۱) المبدی، مہربانی کرنے والا (۶۲) المعید، تلافی کرنے والا (۶۳) المحیٗ، زندہ کرنے والا (۶۴) الممیت، مارنے والا (۶۵) الحی، زندہ (۶۶) القیوم، قائم بالذات (۶۷) الواجد، ہر شے کا پانے والا۔ (۶۸) الواحد، یکتا (۶۹) الاحد، بلحاظ صفات عدیم المثال (۷۰) الصمد، جس کو کسی کی احتیاج نہ ہو اور سب کو اس کی احتیاج ہو (۷۱) القادر، قدرت والا (۷۲) المقتدر، طاقت والا (۷۳) المقدم، آگے جانے والا (۷۴) الموخر، ہر شے کا ختم کرنے والا۔ (۷۵) الاول، پہلا (۷۶) الآخر آخر (۷۷) الظاہر، ظاہر (۷۸) الباطن، باطنی (۷۹) الوالی، منتظم (۸۰) المتعالی، بلند سب سے اونچا (۸۱) البر، بہت نیکیوں والا (۸۲) التواب، توبہ قبول کرنے والا (۸۳) الرؤف، رحمت والا تکلیف میں مدد کرنے والا (۸۴) مالک الملک، تمام حکومتوں کا بادشاہ (۸۵) ذوالجلال والاکرام، شان اور عزت کا مالک (۸۶) المقسط، انصاف کرنے والا (۸۷) الجامع، جمع کرنے والا (۸۸) الغنی، بے پرواہ جسے کوئی حاجت نہ ہو۔ (۸۹) المغنی، دوسروں کو غنی کرنے والا (۹۰) المعطی، عطا کرنے والا (۹۱) المانع روکنے والا (۹۲) النافع، نفع دینے والا (۹۳) الضار، نقصان پہنچانے والا (۹۴) النور، نور (۹۵) الازلی ازلی (۹۶) الباقی، باقی (۹۷) الوارث، وارث (۹۸) الراشد[3]، ہدایت دینے والا (۹۹) الصبور، صبر کرنے والا۔

خدا کے بعد قرآن شریف میں انسان کا ذکر خدا کے ظل کی حیثیت میں کیا گیا ہے۔ اگر خدا کائنات کا

---

[1] الماجد [2] الحامد [3] الرشید

حکمران اور مالک ہے تو انسان خلیفۃ اللہ علی الارض ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کو جمیع صفات حسنہ کا مرکز بیان کیا گیا ہے تو انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ خدا کو اپنے سامنے بطور نمونہ رکھے اور اسی کے سے اخلاق اپنے اندر پیدا کرے۔ مختصر یہ کہ انسان کی پیدائش کی غایت یہ ہے کہ اپنے آپ کو صفات الٰہیہ کا مظہر بنائے۔ کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور کائنات میں ہر شے اس کی خادم ہے۔ یہ تعلق جو خدا اور بندے کے مابین قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، ایک عجیب و غریب امر ہے اور اُن تعلقات سے ممتاز ہے جو دوسرے مذاہب نے خدا اور انسان کے درمیان قائم کئے ہیں۔

لیکن اس تعلق کے پیدا کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے، اور وہ علم ہے۔

قرآن شریف کے نزول کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان کو وہ "علم" عطا کرے۔ اگر انسان "علم" حاصل کرکے اس کے مطابق زندگی بسر کرے تو ملائکۃ اللہ بھی، جو کائنات کے خواص کو قوت سے فعل میں لاتے ہیں، اس کے خادم ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں یہ تمام باتیں مذکور ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ تنبیہ بھی کر دی گئی ہے کہ اگرچہ ہم اعلیٰ علیین تک پرواز کر سکتے ہیں لیکن اسفل السافلین میں بھی گر سکتے ہیں۔ "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم، ثم رددناہ اسفل السافلین" یعنی ہم نے انسان کو بہترین اسلوب پر پیدا کیا ہے پھر اس کو انتہائی پستی میں گرا دیا۔ سورۂ والتین آیت ۴۔

انسان ایک طرفہ معجون ہے اگر ایک طرف اس کی سرحد، حیوانیت سے ملی ہوئی ہے، بلکہ بعض حالات میں اس کا طرز عمل حیوانات سے بھی بدتر ہوتا ہے، تو دوسری طرف اس کی سرحد اقلیم ملائکہ سے گذر کر سراپردۂ الوہیت تک پہنچ جاتی ہے۔

نزول قرآن کی اصل غرض یہی ہے کہ انسان کو، جو حیوانیت کا بدترین مجسمہ ہے، الوہیت کے قریب پہنچا دے۔ پس کتاب اللہ کے نزول کا مقصد اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور قرآن مجید اس مقصد میں نہایت کامیاب الہام ثابت ہوا ہے۔ اس کتاب نے سب سے پہلے تو اُس ملک کی اصلاح کی جہاں نہ کوئی اخلاقی دستور العمل نافذ تھا نہ تمدنی نہ مذہبی، نہ شادیوں کی کوئی تعداد مقرر تھی نہ طلاق پر کوئی پابندی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا مثل دیگر جائداد کے، باپ کی بی بیوں پر بھی قابض ہو جاتا تھا۔ لوگ

یتیم لڑکیوں سے ان کی دولت کی خاطر شادی کر لیتے تھے اور جب اُن کے مال اسباب پر متصرف ہو جاتے تھے تو پھر ان کے ساتھ بدسلوکیاں کرتے تھے۔ مطلقہ کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت نہ تھی، کیونکہ اس سے اُس کے پہلے خاوند کی عزت پر حرف آتا تھا۔ عورتیں اس قدر کینہ توز تھیں، کہ جب تک اپنے دشمنوں کا کلیجہ دانتوں سے نہ چبا لیتیں یا اُن کے خون میں اپنا لباس نہ رنگ لیتیں، انہیں چین نہ آتا تھا۔ غلاموں کے ساتھ جیوانوں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ انسانی قربانی، بچوں کو زندہ دفن کرنا، خودکشی وغیرہ عام تھی۔ خونریز لڑائیاں شغل ہمیشگی تھا۔ ذرا سی بات پر قتل کر دینا، اُن کے نزدیک گویا ایک کھیل تھا۔ مختصر یہ کہ بقول گبن "اس ابتدائی اور ذلیل صورت حال میں جسے سوسائٹی کے لفظ سے تعبیر کرنا بھی ایک غلطی ہے، انسان مثل دیگر حیوانات کے ہوتا ہے نہ اس میں علم وفن کا چرچا نہ کوئی ضابطہ قانون، نہ سمجھ بوجھ نہ ادب نہ زبان گویا اُسے حیوانات سے متمیز کرنا ایک امر دشوار ہے" (ماخوذ از معجزۂ محمدی)

یہ امر، کہ قرآن پاک کی تعلیم نے ان انسان نما حیوانوں کو، تہذیب وتمدن تقوٰی وطہارت، سلیقہ وشائستگی کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا، ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کے لئے کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں۔

انسان کے لئے، جو نقاط ابشری سے لیکر جسم انسانی تک متعدد منازل ارتقائی میں سے گذرتا ہے آئندہ ترقی کرنا بھی ضروری ہے ورنہ اس کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جائیگا۔ لہذا، کتاب اللہ کا پہلا فرض یہ ہے کہ ہم کو نہ صرف ہماری حسنات اور سئیات سے مطلع کرے بلکہ سارے مبحث کا تجزیہ اور تحلیل اس طور پر کرے کہ کوئی پہلو تشنۂ تفصیل نہ رہ جائے اور تمام جزئیات امور پر انسان کو عبور ہو جائے اور بدی سے احتراز اور خیر کے اختیار کا طریق بھی معلوم ہو جائے۔ چنانچہ قرآن شریف نے آغاز ہی میں ان امور کو اپنے نزول کا مقصد قرار دیا ہے۔

بلاشک بائیبل نے بذریعۂ حکایات مختلفہ "بنو یعقوب" کی حسنات وسئیات کا مفصل نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے، اور اس روئداد سے ہم فطرت انسانی کے متعلق قدرے معلومات ضرور حاصل کر سکتے ہیں لیکن قرآن کا مطالعہ کرنے سے استنباط نتائج میں غلطی کا امکان ہی نہیں رہتا۔ ورنہ ظاہر ہے، کہ

استخراج استنباط اور قیاس تینوں میں غلطی کا امکان ضرور ہوتا ہے۔ قرآن میں سب سے پہلے آدم کا قصہ بیان ہوا ہے جس میں "انسان" کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے عروج کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جس کی بناء پر وہ مسجودِ ملائکہ ہو سکتا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ہر شخص علم حاصل کرکے اس مرتبۂ عالیہ کو پہنچ سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اس علم کو صحیح طریق پر استعمال بھی کرسکے۔ اور اس کو قوتِ اختیار بھی دی گئی ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جو دیگر مخلوقات نیز طرف ملائکہ کو بھی نصیب نہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی قوت تمیز کا غلط استعمال کرے گا۔ تو اُن تمام خوشیوں اور آسائیشوں سے محروم ہوجائیگا۔ جو اس قوت کو صحیح طور پر استعمال کرنے سے اُسے حاصل ہوسکتی ہیں۔ اس کے بعد الکتاب نے انسانی کمزوریوں اور میلان بالشّر کا تذکرہ کیا ہے۔ جو نہ صرف تحصیل علم حقیقی کی راہ میں حائل ہوجاتا ہے بلکہ اس کو علم کے غلط استعمال پر راغب کرتا ہے، اور اسی کی بدولت انسان اپنے فیصلوں میں غلطی کرتا ہے۔ اس کے بعد قرآن پاک وہ طریق عمل بتاتا ہے۔ جس کی بدولت ہم برائیوں سے بچ سکتے ہیں اور "خیر" پر عامل ہوسکتے ہیں۔ اور اپنی استعداد کو قوت سے فعل میں لا سکتے ہیں۔ اور پھر ہمیں منزل مقصود کی راہ دکھائی گئی ہے۔ اور یہ سب باتیں نہ تو مجردات کے رنگ میں بیان کی گئی ہیں نہ فلسفۂ اخلاق کی روکھی پھیکی کتابوں کے طرز بیان میں لکھی گئی ہیں اور نہ پند و نصائح کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے بلکہ اسطور پر کہ قدم قدم پر نہایت دلپذیر اور طبعی انداز میں عملی اسباق حاصل ہوسکتے ہیں۔ مضمون کی دلچسپیوں میں اضافہ کرنے کے لئے، جگہ جگہ مناظر فطرت کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے تاکہ تلقین کردہ اصولوں پر شہادت مل سکے اور تاریخی آدمیوں کی سوانح حیات بھی مذکور ہیں تاکہ مضامین زیر بحث پر تمثیلات پیش نظر آسکیں۔ خانگی فرائض سے لیکر انسانی فرائض تک اطاعت پسری سے لیکر اطاعت خداوندی تک، دنیاوی آسائیش سے لیکر آسمانی راحت تک، شرائع مذہبی سے لیکر معمولی امور زندگی تک، نجات اخروی سے لیکر صحتِ جسمانی تک، جماعتی حقوق سے لیکر تمدنی حقوق تک، اخلاق سے لیکر جرائم تک، دنیاوی تعزیرات سے لیکر عذاب اخروی تک، یہ جملہ مضامین، سونے چاندی کی لڑیوں کی طرح، آنحضرت صلعم کے عطا کردہ نظام مذہبی میں پروئے ہوئے ہیں۔

جان ڈیونپورٹ لکھتے ہیں" القرآن بیک وقت عمومی، تمدنی، دیوانی، تجارتی، جنگی، عدالتی، فوجداری تعزیری، اور شرعی ضابطہ ہے"

قرآن مجید نے، ظلم و دروغ غرور انتقام تہمت استہزا حرص اسراف۔ عیاشی، سوٗظن اور بدگمانی کو نہایت مذموم قرار دیا ہے اور فیاضی، سخاوت، مہربانی، انکسار، تحمل صبر ضبط کفایت شعاری اخلاص صاف دلی شائستگی امن پسندی اور صداقت کو اور ان سب سے بڑھکر اللہ تعالےٰ پر اعتماد رکھنے اور اس کی مرضی پر چلنے کو بہترین نیکی قرار دیا ہے۔ یہ باتیں تقویٰ کی علامت اور سچے مومن کی شناخت ہیں" (ماخوذ از چیمبرس سائیکلو پیڈیا)

حیات انسانی کا عمیق فلسفہ اور کائنات کے اسرار و غوامض جن کے سمجھنے سے انسانی عقول عاجز تھیں قرآن شریف نے ان کو اس طرح سلجھا کر بیان کیا ہے۔ کہ عقلمند اور عامی دونوں بآسانی ان کو ذہن نشین کر سکتے ہیں۔ اور حقائق غامضہ کو نہایت آسان زبان میں بیان کیا ہے۔ جو باتیں انسانی قلوب میں پوشیدہ رہتی ہیں۔ اور بعض اوقات ہم بھی ان کی طرف خیال نہیں کرتے، حتیٰ کہ بعض دفعات اپنی برائیاں ہمیں بھلائیاں نظر آتی ہیں۔ قرآن نے ان تمام امور کو ایسی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کسی پہلو کو تشنۂ تشریح نہیں چھوڑا۔ اور نہ کہیں ابہام یا ایہام کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ ایک شخص ادنیٰ تامل سے، قرآن کے جواہرات حکمت و دانش کو بروئے کار لا سکتا ہے۔ لیکن اُسے معلوم ہوگا کہ وہ ایسی صاف عبارت میں بیان کئے گئے ہیں کہ ہر شخص اُن سے مستفید ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ خصوصیت ایسی ہے کہ جب کبھی میں نے اس پر غور کیا ہے تو مجھے یہ بات فوق العادت اور اعجازی معلوم ہوتی ہے جو قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور یہ بات کائنات میں ہر شے پر صادق آتی ہے۔ فطرت کے مظاہر، سائنسدان لوگوں کی نظر میں بھی اسرار ہی نظر آتے ہیں لیکن عام لوگوں کو اُن سے کسی نہ کسی حد تک واقفیت ضرور ہوتی ہے۔ یہی حال قرآن شریف کا ہے انسانیت کو انتہائی پستی سے نکالنے کی غرض سے قرآن پاک انسان کی اصلاح اسکی نہایت ابتدائی حالت یعنی حیوانیت سے کرتا ہے اور اسکو تاریکی میں سے نکالکر روشنی میں لاتا ہے، اور معمولی روزانہ افعال اور تمدنی امور سے لیکر اعلیٰ اخلاق کی تعلیمات کی بدولت اس کو بہیمانہ حالت سے بلند کر کے، اصلی انسانیت کے مرتبہ تک پہنچاتا

ہے گویا' قرآن شریف' انسان کی اصلاح اس کی ابتدائی حالت سے کرتا ہے اور سب سے پہلے انسان اور حیوانات میں خط امتیازی کھینچتا ہے اور اخلاق کے ابتدائی اصول سکھاتا ہے جن کو ہم اصول مدنیت ومعاشرت کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد اس اونٹے تعلیم کی بدولت اُس کی اصلاح کرکے اعلیٰ اخلاقی مراتب تک پہنچاتا ہے۔ اور انسانی خصائل کو درجۂ اعتدال پر لاتا ہے اور اُن کو اخلاق فاضلہ میں مبدل کرتا ہے۔ (ماخوذ از تعلیماتِ اسلام)

علم الحیٰوۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم انسانی میں مادہ کی طبعی نشوونما اپنے منتہائے عروج کو پہنچ جاتی ہے۔ اور تکمیل کو پہنچکر ایک نئی تخلیق کا مبدأ بن جاتی ہے یعنی تخلیق عالم جذبات وحسیات۔ اور جب یہ جذبات مصفیٰ ہوجاتے ہیں تو ان مختلف عوالم کی بنیاد بن جاتے ہیں جن میں ہوکر انسان اپنے مقصود کو حاصل کرسکتا ہے اور انہی جذبات کا مجموعہ شعور انسانی کہلاتا ہے۔ یہی جذبات دیگر حیوانات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن طبیعت انسانی تمامی عالم حیوانات کا مجموعہ ہے۔ انسان میں وہ تمام مختلف خواہشات اور تہیجات، عادات اور خصائل جو مختلف حیوانات میں پائے جاتے ہیں۔ مجموعی طور پر موجود ہیں۔ انسان میں بالقوۃ شیر کی سی شجاعت، میمنہ کی سی نرمی، بلی کی سی صفائی، خنزیر کی سی غلاظت، اونٹ کی سی کینہ توزی، گدھے کا تحمل اور بندر کی سی مکاری، غرضکہ تمام حیوانات کی عادات اور خواص موجود ہیں۔ گویا انسان ایک "متحرک" چڑیا گھر ہے جس میں ہر قسم کے حیوانات پرند چرند کیڑے مکوڑے اور آبی جانور موجود ہیں۔

لیکن انسان کو ان سب پر ایک خصوصیت اور فوقیت حاصل ہے۔ وہ یہ کہ ہر حیوان کی طبیعت ایک مخصوص اندازۂ عناصر سے بنائی گئی ہے۔ جس کی بناء پر اس میں ایک مخصوص رجحان پیدا ہوگیا ہے۔ لیکن انسان اس طرح مقید نہیں ہے یعنی انسانی طبیعت ایک ایسے سانچہ میں ڈھالی گئی ہے جس میں تمام خصائص طبیعی موجود ہیں۔ انسان کی سرشت میں وہ تمام اندازے جن پر مختلف حیوانات کو پیدا کیا گیا ہے بحیثیت مجموعی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی لئے قرآن مجید فرماتا ہے۔" لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم یعنی ہم نے انسان کو بہترین تقویم پر پیدا کیا ہے۔"

گویا جو جذبات، مختلف حیوانات میں انفراداً پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب مجموعی طور پر انسان میں موجود ہیں - علاوہ بریں، حیوانات میں جو جذبہ، ان کی طبیعت پر حکمران ہوتا ہے اس میں تبدیلی اصلاح یا انضباط کا امکان نہیں ہوسکتا اور وہ جذبہ اُس حیوان پر پورے طور سے حکومت کرتا ہے - مثلاً بھیڑیا یا شیر طبعاً خونخوار ہوتا ہے یہ بات اس کی سرشت میں داخل ہے کہ کمزور جانوروں کی تکا بوٹی کر ڈالے - اور وہ اس جبلّی عادت کو کسی طرح ترک نہیں کرسکتا - اور وہ اس تقاضائے فطری پر کوئی قید یا روک وارد نہیں کرسکتا - اسی طرح خنزیر اپنی غلاظت پسندی اور بے حیائی کی عادت کو نہیں چھوڑ سکتا - اسی طرح بندر، کتا، خرگوش، مرغ، ہر ایک کی مخصوص طبعی خاصیت ہے جو اس سے منفک نہیں ہوسکتی - اور یہ "عادت" اُس مخصوص ترکیب عناصر کا نتیجہ ہے جس پر اس کا وجود مبنی ہے - اور ہر حیوان اپنی جبلی خصلت کا بہرکیف پابند ہوتا ہے - گویا حیوانات کی عادات اور رجحانات غیر قابل تبدیل طریق پر معین اور مقرر ہوتے ہیں - ان میں کوئی اصلاح، ترمیم ترقی یا تبدیلی نہیں ہوسکتی - لیکن انسان، جو اشرف المخلوقات ہے، اپنے اندر ترقی کی غیر محدود استعداد یں رکھتا ہے: اگر اس کی استعدادوں کی تربیت باقاعدہ طور پر ہوجائے تو وہ اسرار کائنات کو بے نقاب یا حل کرسکتا ہے اور عمیق الٰہی رازوں کو دریافت کرسکتا ہے -

لیکن یہ بات، انسان اس وقت حاصل کرسکتا ہے جبکہ اپنی ادنیٰ خواہشات کو متوازن کر سکے اور یہ بات اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک ہم اُن کے ماخذ کا پتہ نہ لگالیں - قرآن شریف نے شہوت اور غضب ان دو جذبات کو اُم الجذبات قرار دیا ہے - اگر اول الذکر ہمارے حق میں محرک افعال ہوتی ہے تو آخر الذکر اُن افعال کے نتائج کو نقصان اور زوال سے محفوظ رکھتی ہے لیکن اگر ان دونوں جذبات میں توازن پیدا نہ کیا جائے تو ہر قسم کی بدی اور عیب، انسان میں پیدا ہوسکتے ہیں، اور بنی نوع آدم، اخلاق سے عاری ہوسکتے ہیں - اگر جذبۂ شہوت کو منضبط نہ کیا جائے تو اُس سے حرص، طمع، بخل، اسراف، نا عاقبت اندیشی، بے حیائی، حسد، غرور، شیخی، چغلخوری، خوشامد اور صدہا عیوب پیدا ہوسکتے ہیں - (باقی باقی)

عیسےٰ ابن مریم

پیدائش اور وفات

از قلم جناب خواجہ نذیر احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا

حضرت عیسےٰ کے روز انتقال سے پہلا ہفتہ

تجہیز و تکفین

جو دنیا میں جو اس وقت رواج تھا اُس کے مطابق یسوع کی لاش کو صلیب ہی پر لٹکا رہنا چاہئے تھا۔ یہاں تک کہ موسم اُس کو خراب کر دے یا وہ شکاری جانوروں کی نذر ہو جائے۔ لیکن یہودیوں کے قانون کے مطابق وہ لاش شام کو ہی ہٹا کر اُس بدنام جگہ میں جہاں مقتول دفن کئے جاتے ہیں گاڑ دینی چاہیے تھی۔ رومن قانون کی رو سے لاش اُس کے دعویدار کو ٹیکس کی ادائیگی پر دے دی جاتی تھی۔ لہذا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یوسف اری میتھیا نے جو یسوع کا خفیہ شاگرد خدا کی بادشاہت کا متلاشی۔ امیر دینی کا دوست اور فرقہ ایسینی کا ایک فرد تھا اُس نے پائلٹ سے لاش مانگی۔

گفتگو کے سلسلہ میں میں یہ بتاؤں گا کہ تمام یسوع کی تاریخ لکھنے والے اس یوسف کا پہلی مرتبہ ذکر کرتے ہیں۔ وہ یقیناً ایک بڑا آدمی ہوگا جس نے پائلٹ تک پہونچنے کی کوشش کی۔ یوحنا نے جو اُس کا ذکر کیا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع کے چند خفیہ دوست تھے جن کو ایسینی کہتے ہیں۔ اور جن کو اُن کے شاگرد

یا دوسرے لوگ نہیں جانتے تھے۔ میں بعد میں اس خفیہ جماعت کے متعلق کسی قدر تفصیل سے بیان کروں گا۔ تاہم میں ایک کتاب صلیب کشی کے ایک حصہ کو نقل کرتا ہوں۔

"یوسف ارمتھیا جو ہماری خفیہ جماعت کا ایک فرد تھا اور جو ہمارے قوانین کے لحاظ سے زندگی بسر کرتا تھا۔ اُس کا دوست نکوڈیمس ایک بڑا عالم تھا اور ہمارے مذہبی گروہ میں سب سے اونچے درجہ کا تھا۔"

اب پھر سنئے۔ پلاطس نے یوسف ارمتھیائی درخواست کو منظور کیا۔ کتاب صلیب کشی میں عینی گواہ اس بات چیت کو تفصیل کے ساتھ نقل کرتا ہے جو یوسف اور نکوڈیمس کے درمیان ہوئی۔ جس کے بعد یوسف کفن وغیرہ اور نکوڈیمس جڑی بوٹی کے لئے جو ایسی حالت میں ضروری ہوتی تھی لینے کو گیا۔ اس کے بعد یکایک آدمیوں کی ریل پیل ہوگئی جس میں عورتیں بھی مسالے لینے کے لئے شریک ہوئیں۔

یوحنا کے حوالہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ نکوڈیمس تبزنگ رات کو چھپکر آیا اور مسالہ ساتھ لایا۔ تاکہ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ یسوع کی لاش میں خوشبو لگائے جو مہندی اور لوبان سے تیار ہوئی تھی۔ جس کا وزن تقریباً ایکسو پاؤنڈ تھا۔ میں عینی گواہ کو پھر نقل کرتا ہوں۔

"اس پر انکوڈیمس نے بہت تیز خوشبو لی۔ Moss/B کے لئے ٹکڑوں پر مرہم لگایا جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا اور جس کا استعمال ہمارے مذہبی گروہ کو معلوم تھا۔ نکوڈیمس نے دونوں ہاتھوں میں بھی جس میں کیلیں ٹھوکی گئی تھیں مرہم لگایا۔"

میں یہاں بیان کروں گا تاکہ یسوع بحیثیت ایسنی گروہ کے ممبر ہونے کے اس علاج سے واقف تھے اور انہوں نے اپنی تمثیل آدمی میں اپنے اُن شاگردوں کو اشارہ کیا تھا جو یروشلم سے جریکو گئے تھے اور جن کو چوروں نے لوٹ لیا تھا اور وہ زخمی ہوگئے تھے۔

تب یسوع کے مطابق ایک سامری وہاں آیا۔

اور اس کے زخم باندھے اور اُن پر تیل اور شراب چھڑکی۔

بالکل ایسا ہی یسوع کے معاملہ میں ہُوا۔ ڈمیلو حضرت عیسٰے کی لاش کے ساتھ جو کیا گیا وہ اس طرح

بیان کرتا ہے۔

مہندی اور لوبان کو پیسکر ان پٹیوں کے بیچ میں ڈالکر تہ پرتہ کرکے باندھدیا گیا۔ یسوع کی لاش اس طریقہ پرسن کے کپڑے میں لپیٹی گئی۔ ڈین فرار کے بیان کے مطابق زخمی اعضا کو عمدہ کپڑے سے چاروں طرف سے لپیٹ دیا گیا البتہ گردن اور چہرہ کھلا رکھا گیا اور لاش کو قبر میں رکھدیا جو پتھر سے تراشی ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ سورج غروب ہونے سے پہلے ہوا۔ یعنی اتوار کے شروع ہونے سے پہلے۔

ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ عورتیں بھی اسی غرض سے خوشبوئیں اور مرہم لائیں تھیں۔ وہ یوم سبت کے آخر میں یعنی سبت کے دن دیر میں (آدھی رات اور سورج نکلنے سے پہلے) لاش میں خوشبو ملنے کیلئے آئیں چونکہ خوشبو کی چیزیں کافی نہ ہوئیں تو عورتوں کو سبت کے بعد جب اندھیرا باقی تھا اور لانی پڑیں۔ اس مرہم کے برابر لگانے سے جو مرہم یسوع کے نام سے مشہور ہے یسوع عیسےٰ کے زخم اچھے ہوگئے اور اُن کے جسم میں خون کا دوران آسانی سے ہونے لگا۔

یہ یہاں بیان کیا جاسکتا ہے کہ یہ مرہم یسوع کوئی فرضی چیز نہیں ہے۔ اس کا نسخہ تاریخ میں موجود ہے اور اسی نام سے بہت سی پرانی مشرقی طبی کتابوں میں درج چلا آتا ہے۔ اُن میں یہ ذکر ہے کہ یہ مرہم حضرت عیسےٰ کے زخموں پر لگایا گیا تھا جب اُن کو صلیب سے اتارا تھا۔ میری نظر سے اس قسم کی تقریباً ۳۶ کتابیں گذری ہیں ممکن ہے اس سے بھی زیادہ ہوں جو میں نے نہیں دیکھیں۔ بہرحال چند کا ذکر میں یہاں کردوں گا قانون بوعلی سینا (شہرۂ آفاق بوعلی سینا کے قوانین) شرح قانون مصنفہ علامہ قطب الدین شیرازی۔ کامل الصنا مصنفہ علی ابن العباس المجوسی۔ مجموعہ بقائی مصنفہ محمود محمد اسماعیل مخاطب خاقانی۔ تذکرہ اولوا الالباب مصنفہ شیخ داؤد ضریر انطاکی۔ قرابادین رومی جس کا عربی میں ترجمہ خلیفہ مامون کے زمانہ میں اصلی یونانی زبان سے کیا گیا عمدۃ المحتاج مصنفہ شیخ احمد بن حسن الرشیدی الحکیم۔

یہ عورتیں بسبیل تذکرہ جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ اُن کو یوسف اور نکوڈیمس کی کارروائی سے لاعلمی تھی کوئی نئی رسم کی تیاری نہیں کررہی تھیں کیونکہ وہ اس وقت موجود نہیں جب ان دونوں آدمیوں نے یسوع کے جسم میں خوشبو ملی تھی۔

میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں - کہ تمام یہودی دستور کے خلاف یسوع کی گردن اور چہرہ تو کھلا رکھا گیا تھا - قبر کو مٹی سے نہ اندر سے بھرا اور نہ باہر سے ڈھانکا جیسا کہ عام طور پر یہودی اس عقیدہ کی بنا پر کرتے تھے کہ اُن کے ایسا کرنے سے بُری روحیں مردہ سے دور رہتی تھیں اور صرف ایک پتھر گول قبر کو ڈھانک دیا جاتا تھا کیونکہ خفیہ دوست یہ نہیں چاہتے تھے کہ یسوع کا دم گھٹے - دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ یسوع کے دوبارہ زندہ ہونے کے وقت وہ قبر کو جلدی سے کھول سکیں گے - کھودنے کا کام علاوہ تکلیف دہ ہونے کے یہودیوں کو علانیہ اعلان مقابلہ تھا - اس طرح پتہ چل جانے کی تمام ممکن صورتوں سے بچنے کیلئے صرف ایک پتھر قبر پر ڈھانک دیا گیا تھا - عینی شاہد اور دوسرا سبب بیان کرتا ہے -

تب اُنہوں نے حجرہ میں لوبان اور دوسری طاقت برقرار رکھنے والی بڑی بوٹیوں کو جلایا اور داخلہ کی جگہ ایک بڑا پتھر رکھا تاکہ دھواں حجرہ میں بھر جائے -

یہی اسباب تھے کہ ایک علیحدہ باغ پسند کیا گیا تھا - پہلے سے سوچی ہوئی تدبیر آخر میں کامیاب ہوئی اب صرف متی کا بیان ہے کہ دوسرے دن قبر پر مہر لگا دی گئی اور پہرہ بھی مقرر کر دیا گیا یہ بات صاف نہیں ہے کہ پہرہ باغ کے اندر یا باہر لگایا گیا - اُس وقت ایک فرشتہ آیا جو سفید چمکتا ہوا لباس پہنے ہوئے تھا اُس نے پتھر کھسکایا - پہرے والے اس قدر خوفزدہ ہو گئے جیسے کہ مر گئے ہیں - وہ شہر میں بھاگ گئے اور بڑے پوجاری سے سب حال کہہ سنایا جس نے پادریوں سے ایک جلسہ میں مباحثوں کے بعد سپاہیوں کو رشوت دینے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ جھوٹ کہدیں کہ یسوع کی لاش کو اُن کے شاگرد (حواری) رات کو چرا کر لے گئے - لیکن یہ بیان بالکل صریح مضحکہ خیز ہے انجیل میں کسی جگہ سپاہیوں نے جو رپورٹ بڑے پوجاری سے کی اُس کا ذکر نہیں ہے اور ہر حالت میں سپاہیوں کا یہ فرض تھا کہ وہ پہلے پلاطوس سے خبر کرتے - دوسرے یہ بات خیال میں نہیں آتی کہ سنہدرین جلسہ میں جس میں زیادہ تر صدوقی تھے - اس معتبر خبر پر بھروسہ کر کے ضروری کارروائی کرتے - پہلے تو وہ اس بات کا یقین ہی نہیں کرتے اور پھر وہ اس بہت ہی مشکوک رپورٹ کی تصدیق کئے بغیر کوئی کام کرنے والے نہ تھے - اگر تحقیق پر اُن کو رپورٹ صحیح معلوم ہوتی تو وہ سپاہیوں پر یسوع کی لاش چرا کر لے جانے کی اجازت دینے کا الزام پلاطوس

کے سامنے لگاتے ۔ یہ یقین کر لینا ناممکن ہے کہ ستر آدمیوں کی ایک جماعت ۔ سرکاری طور پر ایک جھوٹ بات کی تجویز کا فیصلہ کرے ، اور جھوٹ بولنے اتفاق کرنیوالوں کو انعام دے ۔

یہ بھی خیال نہیں کیا جا سکتا کہ پلاطوس یہودیوں کی عرضداشت کو فوراً منظور کر لیتا ۔ حقیقت میں جو کچھ اُس کے متعلق ہم کو انجیلوں سے معلوم ہے اُس سے ظاہر ہے کہ اُس کو بالکل کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہئے تھی ۔ رومی سپاہیوں کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ بند و بست کس قدر سختی کے ساتھ کیا جاتا تھا ۔ اور رہائی دلانے کے دعدے سے انہیں کوئی اطمینان نہیں ہو سکتا تھا ۔ وہ جانتے تھے کہ فرض میں کوتاہی کی سزا موت ہے ۔ اعمال میں ہم واقعی یہ پڑھتے ہیں کہ اگرپا اوّل نے اُن سپاہیوں کو موت کا حکم سنایا جنہوں نے پطرس کو قید خانہ سے بھاگ جانے دیا ۔

یہ تمام کہانی صریح طور پر بیہودہ اور ایک خالص اختراع کا نتیجہ ہے اور یہ جھوٹی بات یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کی گواہی میں بنائی گئی تھی ۔ متی رسول حقیقت میں ، اپنے کو یہ کہکر خود دھوکہ دیتا ہے کہ یہ سودا جو خفیہ طور پر ہوا تھا وہ بطور راز کے نہ رکھا گیا کیونکہ وہ بیان کرتا ہے :-

یہ بات عام طور پر آج تک یہودیوں میں مشہور ہے ۔

پیک اپنی تفسیر انجیل میں لکھتا ہے :-

یہ کہانی یہودیوں کے جواب میں بنائی گئی جنہوں نے بیان کیا کہ یسوع کے شاگرد اُن کی لاش کو نکال کر لے گئے ۔

انسکلوپیڈیا ببلیکا کے ترتیب دینے والے کہتے ہیں :-

قبر پر مہر لگانے اور اس کی نگرانی کی داستان کو رفتہ رفتہ وہ علما بھی بھولتے جاتے ہیں جن کا یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کے پورے بیان پر اب بھی یقین ہے ۔

اور وہ اس آخری نتیجہ پر پہنچے ہیں ۔

کہ تمام کہانی بہت بعد کی بنائی ہوئی ہے ۔

یسوع نے جو خود نبیوں کے مقابلہ کے سلسلہ میں حضرت یونس کے حادثہ کا ذکر کیا ہے اُس کا

حوالہ میں پہلے ہی دے چکا ہوں - یہ حقیقت میں بالکل صحیح مقابلہ ہے - یسوع کو زندہ دفن کر دیا - اور وہ قبر میں سے زندہ باہر آ گئے - نئے عہدنامہ میں کسی جگہ یسوع نے اپنے دوبارہ جی اٹھنے کا اظہار ان معنوں میں نہیں کیا ہے جن میں عیسائیت سمجھتی ہے - انہوں نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ وہ دوبارہ جی اٹھیں گے - اور ایسا ہی انہوں نے کیا - کیونکہ وہ موت کے منہ میں سے پھر باہر آئے -

یسوع کے دوبارہ جی اٹھنے کے سوال پر بحث کرنے سے پہلے ایک بات ضروری ہے جو مجھے یہاں بیان کرنی چاہئیے - عیسائیوں نے تمام اگلے زمانہ کے لوگ یسوع کی اس قبر سے ناواقف تھے - یہاں تک کہ قسطنطین کے دور میں ۳۲۶ء میں فلسطین میں اس کا دوبارہ پتہ لگا - جس کی یسوع (ناجی) نے بشارت دی اور جو ایک وحی کا نتیجہ تھا - میں نے اس واقعہ کو اس لئے بیان کیا ہے کہ اس کا تعلق یسوع سے اپنی قبر سے دوبارہ جی اُٹھنے سے ہے -

حضرت عیسےٰ کا قبر میں سے جی اُٹھنا

یسوع کا دوبارہ زندہ ہونا یہ ایک معجزہ ہے جس میں عیسائی بہت شوق سے دلچسپی لیتے ہیں - یہ اُن کی امیدوں کی بنیاد ہے جس پر اُن کے مذہب کا قیام ہے - اگر انجیل کا معمولی اصول جس کو الہامی حیثیت حاصل ہے چھوڑ دیا جائے تو عیسائی یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کو ایک ناقابل برداشت بوجھ سے رہائی ملی - اگر انجیل کے بیانات کو باطل ٹھہرایا گیا تو اس سے کٹر پنے کو نقصان پہنچا نہ کہ عیسائیت کو کیونکہ وہ صرف مذہب کے کمزور اور پریشان کن مسئلے تھے جن کی بنیاد طغیانی میں آ گئی تھی -

اگر انجیل کے معجزے نامعقول تھے تو عیسائی عالموں کو یہ تسلی تھی کہ وہ ایک اور کمزور نشانہ سے بچے - لیکن اگر یسوع کا دوبارہ زندہ ہونا ایک داستان ثابت ہو جائے اور عیسائی اس کو اپنے عقیدہ سے خارج کرنے پر مجبور ہو جائیں تو اُن کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا اُن کے دین کی چول ہی غائب ہو گئی ہے - اُن کی امیدوں کی بنیاد ہی ختم ہو گئی ہے اور اُن کے مذہب کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالا گیا ہے -

پال کہتا ہے :-

اور اگر یسوع نہ اُٹھے تو تمہارا دین بیکار ہے تم اپنے گناہوں میں مبتلا رہو گے ۔

اس طرح اگر اس بیان میں کوئی سچائی نہ بھی ہوتا ہم پال کے قول کے مطابق یسوع کو دوبارہ زندہ ہونا چاہئیے - ان اسباب کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ مذہب عیسوی اپنی ہر شکل میں بلکہ تمام مذہب کی چول یسوع کی دوبارہ اُٹھنے پر قائم ہے - اس بات کو مثل ایک حقیقت کے تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کی عدم وجود کو جس پر اُس کی بنیاد ہے بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے - ہمیں بتایا گیا ہے کہ یسوع کی تاریخ لکھنے والے صحیح حالات نہیں لکھتے تھے کیونکہ تاریخی صحت کو نہ کچھ وہ اہمیت دیتے تھے اور نہ اُس کا کچھ نتیجہ تھا - میں اور اسباب کی بنا پر اس سے بالکل اتفاق کرتا ہوں - لیکن مجھے اس دعویٰ سے اعتراض ہے کہ خدا کو یہ بات پسند نہ آئے کہ اُس کے بیٹے کی سوانحعمری لکھی جائے - یہ بہت ہی پرانی کہانی ہے - انسان نے گناہ کیا اور شیطان کو ملزم ٹھیرایا - عیسائی اس سے ایک اور قدم آگے بڑھے - انہوں نے کتاب مقدس کو بُری طرح سے خراب کیا اور خدا پر الزام لگائے - نہیں - اگر یسوع کی زندگی کے صحیح حالات ہم تک پہنچے تو مذہب عیسوی کا جو آجکل رائج ہے نام و نشان تک نہ ہوتا - کلیسا نے اپنی ضرورتوں کی وجہ سے جو عیسائیت کے بڑھنے کے ساتھ بدلتی جاتی تھیں - بہت سے صحیح لیکن تکلیف دہ تفصیل وار بیانات کو خارج کر دیا تھا - اور انجیلوں میں بعض واقعات اور پوری پوری داستانیں بھی جو تاریخی واقعات کے مقابلہ میں زیادہ دلچسپ تھیں داخل کر دیں - حالات کے بغیر واقعات بنائے گئے اور جو کچھ کہا جانا چاہئیے تھا وہ اس طرح بیان کیا گیا جیسے کہ حقیقت میں کہا گیا تھا -

مذہب عیسوی کے تیزی سے پھیلنے اور اُس پر حاشیوں کے چڑھائے جانے سے ایسی متضاد روایات پیدا ہو گئیں - جن کا تاریخی حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا - لیکن یہ تمام عمارت جو بڑی محنت سے تیار ہوئی تھی -

وہ ایک سچی تحقیقات کے سامنے بالکل گر جاتی ہے - عیسائی عذر خواہوں کا دعویٰ صرف اس قدر رہ جاتا ہے جیسا کہ ہم انسکلوپیڈیا برٹانیکا میں پاتے ہیں :-

سب سے پہلی اور مستند گواہی یسوع کے دوبارہ زندہ ہونے کی کتاب رسولوں کے اعمالوں اور

سینٹ پال کے خطوط میں ملتی ہے کہ ابتدا ہی سے اس پر عقیدہ تھا۔ اور اسی کی تلقین کی جاتی تھی۔
یہ بیان جیسا کہ مضحکہ خیز ہے ویسا ہی بے بنیاد بھی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بت پرستی اور اس پر عقیدہ زمانہ دراز سے چلا آتا ہے۔ کیا اس واقعہ سے مذہب کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ اِس کے علاوہ بہت سے ابتدائی عیسائی یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کا یقین نہیں رکھتے تھے۔ کیا کسی کو ان متضاد کمزوریوں کے ہوتے ہوئے ایمانداری سے یہ کہنے کی جرأت ہوسکتی ہے۔ کہ یسوع کا دوبارہ جی اٹھنا ایک حقیقت ہے۔ صرف دو واقعے جو سب میں عام ہیں وہ قبر کا خالی ہونا اور کسی کا سفید لباس میں موجود ہونا ہے۔

یسوع کے دوبارہ زندہ ہونے سے انکار اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ دین مسیحی ہے۔ یہاں تک کہ پال اپنے شاگردوں سے کہتا ہے۔

اب اگر یسوع کے متعلق یہ پرچار کیا جائے کہ وہ مردوں میں سے جی اُٹھے تو تم میں سے بعض یہ کیسے کہتے ہیں کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں ہوئے۔

اس طریقہ پر یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کے اعتراض کو برداشت کرتے ہوئے پال نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کا پرچار ہونا چاہئے کیونکہ اس کی تلقین کی گئی تھی اور اس کی بنیاد بنی نوع انسان کے عام طور دوبارہ جی اُٹھنے پر رکھی گئی۔ بہت سی داستانیں اور بہت سی تفصیلات جو نئے عہد نامہ میں دی ہوئی ہیں۔ اُن کی اصلیت اور ترتیب کی ضرورت یہودیوں کی مخالفت کی وجہ سے لاحق ہوئی ساتھ ہی ساتھ عیسائی عذر خواہوں کو بت پرست منکرین کو جواب دینا تھا۔ اس بنا پر سلکس نے پوچھا کہ کیا یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کی کہانی کو میری میگدلینی یا شاگردوں کے خواب وخیال کے ذریعہ جو زبردست تخیل اور پریشان دماغ کا نتیجہ تھی سمجھا یا نہیں جاسکتا۔

یسوع کے حالات لکھنے والوں کی راہ میں خالی قبر کے پتہ چلنے سے نامعلوم مشکلات پیدا ہوگئیں یسوع کا دوبارہ زندہ ہونا اُن کا حل تھا اُن کا ظاہر ہونا اور آسمان پر اُٹھا لیا جانا لازمی نتیجے تھے۔ اور اُن کی دوبارہ زندگی کا ثبوت۔

(باقی)

اسلام ہی ہندوؤں کی چھوت چھات کا واحد علاج ہے

از قلم جناب ایم - وائی خاں صاحب

پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں :-

مغربی کنارہ کے اضلاع میں ذات کے تعصب کا ظلم خاص طور تکلیف دہ ہے - مثال کے طور پر ٹراونکور میں بعض نیچ ذات والوں کو برہمن کے قریب ۷۴ قدم تک آنے کی اجازت نہیں ہے اور جب وہ سڑک پر سے گذریں تو اُن کا یہ فرض ہے کہ سور کی سی بھاری آواز نکالیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ آرہے ہیں - ایسی مثالیں بہت سی پائی جاتی ہیں - پھر مسلمان آبادی کا ان نیچ ذاتوں کے تبدیل مذہب سے اتنا تیزی سے بڑھنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جو مسلمان ہو کر ایسی ذلت اور ظلم سے بچ جاتے ہیں اور اُن کا اور اُن کی اولاد کا سماج میں درجہ اونچا ہو جاتا ہے -

اس قدر جنوبی ہندوستان کے باشندوں کے بارے میں ہے -

بابو رام چرن ایم - ایل - سی نے اپنی صدارتی اڈریس میں جو انہوں نے خاص آدی ہندو کانفرنس دانع لکھنو میں ۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء کو دیا تھا بہت وضاحت کے ساتھ ۱۵ کروڑ آدی ہندو کے جذبات کا اظہار کیا تھا - جن کے حقوق انسانی کو نہایت بے رحمی سے اور جان بوجھکر گذشتہ ہزاروں سال سے کچلا جا رہا ہے - پریسیڈنٹ نے نہایت مختصر طریقہ پر اُس وحشیانہ برتاؤ کا ذکر کیا ہے جو ان دکھو کہا بد نصیبوں کو آریوں کے ہندوستان پر حملہ کے وقت سے اب تک اپنے آریہ حکمرانوں کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑا ابتدا ہی سے فاتح قوم نے مفتوح قوم کو ڈاکو کا خطاب عنایت کیا - پریسیڈنٹ کی رائے میں رگویدمنترا نے اصلی باشندوں کے خلاف بہت ہی سخت نفرت کا اظہار کیا ہے -

تمام اصطلاحات جو اُن کے لئے استعمال کی گئی ہیں اُن کا بہت ہی بُرا مطلب ہے - داسو نہا دا شودر تمام اصطلات ہیں - جو عام طور پر دیسی باشندوں کے لئے ہیں - اور وہ اُن کو بُرے اور شرمناک چال چلن سے منسوب کرتے ہیں -

ہندو شاستر کے حوالجات کی بدولت جو ذلیل درجہ دیسیوں کو حاصل ہے اُس کا ایک اندازہ دیتے ہوئے پریسیڈنٹ رائے زنی کرتا ہے :-

اس میں کسی کو شبہ نہیں ہے کہ یہ رزمیہ (مہابھارت) اور پرانوں کی کتابیں بالکل خالی ہیں - حالانکہ وہ مصنوعی ہیں لیکن اُس سے ہمارے فاتحوں کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ کہ وہ ہم کو کس قدر ذلیل سمجھتے ہیں "

ہندوستان کے مظلوم عوام الناس کی بیداری سماجی سیاسی اور مذہبی صورت میں ظہور کر رہی ہے آدی ہندوؤں نے اب محسوس کیا ہے کہ یہ صرف سماجی رواج کا نتیجہ نہیں ہے کہ وہ انسانی حقوق سے محروم کر دیئے گئے ہیں - بلکہ یہ منو مہاراج کی بہت ہی مستند تصانیف کا طفیل ہے (جو ہندوؤں کے سب سے بڑے مقنن گذرے ہیں) کہ یہ غریب ابتدائی شہری حقوق سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں -

ہم کو ڈاکٹر امبدکار کی اسپیچ " ذات کی فنا " میں مزید حالات معلوم ہوتے ہیں - یہ اسپیچ تیار تو ہوئی لیکن بیہ دی نہ جا سکی کیونکہ استقبالیہ کمیٹی نے سوشل کانفرنس کو منسوخ کر دیا اس کی وجہ ڈاکٹر امبدکار نے اپنی رپورٹ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۳۶ء کے پہلے صفحہ پر بیان کی ہے کہ اس اسپیچ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اُس کو کانفرنس نے پسند نہیں کیا " حاضرین " - ڈاکٹر صاحب نے کہا " جو سوشل کانفرنس کے اجلاس میں شریک ہوئے اُن کو یہ معلوم ہو کر افسوس ہوگا کہ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی اکثریت سیاسی ترقی کے حق میں تھی لیکن سماجی ریفارم سے لا پرواہ تھی " - ڈاکٹر امبدکار کے مطابق ہم کو اُن قیود کا جو اونچی ذات والے ہندوؤں نے اچھوتوں پر جو ہندوستان کے اصلی باشندے ہیں لگا رکھی ہیں مزید علم ہوتا ہے وہ بیان کرتے ہیں :-

" مرہٹوں کے ملک میں پیشوا کے دورِ حکومت میں اچھوت جاتی کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ

وہ عام راستہ پر چل سکے اگر کوئی ہندو اُس طرف آتا ہو تاکہ اُس کے سایہ سے وہ ہندو ناپاک نہ ہو جائے ۔ اچھوت کو ایک کالا دھاگا اپنے بازو یا گردن میں بطور نشان کے باندھنا پڑتا تھا تاکہ ہندو اُس کے غلطی سے چھو لینے پر گندا نہ ہو جائے ۔ پونا میں جو پیشوا کی راجدھانی تھی اچھوت کو ایک جھاڑو اپنے کمر سے باندھنی پڑتی تھی تاکہ جس حصہ زمین پر وہ چلے وہ اُس کو جھاڑتا جائے اس خیال سے کہ اگر کوئی ہندو اُس کے قدموں پر چلے تو گندا نہ ہو جائے ۔ پونا میں اچھوت کو ایک مٹی کا برتن اپنے گردن میں باندھنا پڑتا تھا ۔ جہاں کہیں بھی وہ جائے تاکہ اُس برتن میں وہ تھوکے اور یہ کہ کوئی ہندو اگر اتفاق سے اُسی راستہ پر چلے تو وہ اُس اچھوت کے تھوک سے ناپاک نہ ہو جائے ۔

حال کے چند واقعات پیش کرتا ہوں ۔ ہندوؤں نے جو ظلم وسطی ہندوستان میں بالیس پر جو اچھوتوں کی ایک جماعت ہے کیا ہے اُس سے ہمارا مقصد پورا ہوتا ہے . . . . .

ٹائمس کے نامہ نگار نے ۴ر جنوری ۲۸ء کو لکھا کہ اونچی ذات والے ہندوؤں نے بالیس جماعت اچھوت کے بیس گاؤں والوں سے کہا کہ اگر وہ اُن کے درمیان میں رہنا چاہتے ہیں تو اُن کو ذیل کے قاعدوں کی پابندی کرنی ہوگی :۔

۱ ۔ بالیس سنہری کنارے کی پگڑی نہیں باندھ سکتے ۔

۲ ۔ وہ ایسی دہوتی جس کا کنارہ رنگین یا عمدہ ہو نہیں پہن سکتے ۔

۳ ۔ اگر کوئی ہندو مر جائے تو مرنیوالے کے رشتہ داروں کے پاس چاہے وہ کتنے ہی دور رہتے ہوں اُس کے مرنے کی خبر بالیس کو کرنی ہوگی ۔

۴ ۔ تمام ہندوؤں کی شادیوں کے موقع پر بالیس کو جلوس کے وقت اور شادی کے درمیان میں گانا ہوگا

۵ ۔ بالیس عورتیں سونا یا چاندی کے زیورات نہیں پہن سکتیں ۔ وہ عمدہ لہنگا اور کرتی بھی نہیں استعمال کر سکتیں ۔

۶ ۔ بالیس عورتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ہندو عورتوں کی زچگی کریں ۔

۷ - بالیس کا فرض ہے۔ کہ وہ بغیر کسی معاوضہ کے ہندوؤں کی خدمت کریں اور جو کچھ ہندو دیدے۔ اس کو قبول کریں۔

۸ - اگر بالیس ان شرطوں کو منظور نہ کریں تو وہ گاؤں سے باہر چلے جائیں بالیس نے گاؤں سے باہر چلنے سے انکار کیا اور ہندوؤں نے اُن پر حملہ کر دیا۔

(الف) بالیس گاؤں کے کنوؤں سے پانی نہیں لے سکتے تھے۔

(ب) وہ اپنے جانوروں کو چراگاہوں میں نہیں لے جا سکتے تھے۔

(ج) بالیس ہندوؤں کی زمین میں سے نہیں گذر سکتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کسی بالیس کے کھیت کے چاروں طرف ہندوؤں کے کھیت ہوں تو وہ بالیس اپنے کھیت تک نہیں جا سکتا تھا۔

(د) ہندو اپنے جانوروں کو بالیس کے کھیتوں میں چرا سکتے تھے۔

بالیس نے اندور دربار سے عذر کیا لیکن ریاست کے اونچی ذات والے ہندوؤں کے بیت و لعل کی وجہ سے اُن کو سوئمہ پر مدد نہ مل سکی اور ظلم جاری رہا۔ سینکڑوں بالیس کو اپنے بیوی بچوں سمیت اپنے موروثی گھروں کو جس میں نسلاً بعد نسلٍ رہتے چلے آرہے تھے چھوڑنا پڑا۔ اور پاس کی ریاستوں یعنی دہار۔ دیواس باگلی۔ بھوپال۔ گوالیار اور دوسری ریاستوں میں چلے گئے۔

اونچے درجے کے ہندو نیچ ذات والوں کو جو ہندو دھرم میں ہیں اونچے درجے والوں کے برابر ہونے سے جان بوجھکر روکتے ہیں۔ پیشوا کے دور میں فرقہ سنار کی اس کوشش کو کہ وہ برہمنوں کے طریقے اختیار کرتے تھے برہمنوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ کچل ڈالا۔ یہاں تک کہ انہوں نے بمبئی پریسیڈنٹ کونسل ایسٹ انڈیا سے حکم امتناعی سونار کے بمبئی میں رہنے کے خلاف حاصل کر لیا۔ صفحہ ۲۵

ہندو کے لئے کسی شخص کی ذاتی قابلیت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے سوائے اُسکی ذات کے۔ کسی شخص کی نیکی کو صرف اُسی حالت میں سراہا جاتا ہے جبکہ وہ شخص اُس کی ذات کا ایک فرد ہو۔ صفحہ ۲۸

ہندوؤں کا یہ دعوےٰ ہے کہ وہ بہت روادار ہیں میری رائے میں یہ ایک غلطی ہے صفحہ ۲۵

اگر تم ذات پات پسند نہیں کرتے ہو تو تمہارا سماج کا کیا تخیل ہے۔ یہ ایک سوال ہے جو پوچھا جاتا ہے اگر تم مجھ سے پوچھو میرا تخیل تو ایک ایسی سوسائٹی ہوگی جسکی بنیاد آزادی مساوات اور برادری پر ہو۔

یہ برادری ہے جو جمہوریت کا دوسرا نام ہے۔

اسلام اور صرف اسلام ہی سے کامل آزادی۔ مساوات اور برادری تمام بنی نوع انسان کو حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اسلام میں مذہب۔ ذات پات اور رنگ کا فرق نہیں ہے۔

جبکہ اونچی ذات والے ہندوؤں نے نیچ ذات والے ہندوؤں کو مندر میں پوجا کا ایک معمولی سا حق نہ دیا تو بمبئی گورنمنٹ نے ہریجنوں پر سے چند قیدوں کے دور کرنیکے لئے قانون بنا دیا۔ آئین بنانے والی جماعت نے جو حال میں بمبئی ہریجن ٹمپل ورشپ بل پاس کیا ہے اُسکو گورنر جنرل کی منظوری حاصل ہو چکی ہے۔

محمد مصطفٰی (صلی اللہ علیہ وسلم)

(صالح ایم حفا۔ بی کام کے قلم سے)

"کہو سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں۔ اور سلامتی ہو اس کے برگزیدہ اور منتخب بندوں پر"

تمہید:۔

اگرچہ ہر مسلمان اپنی روزانہ نمازوں میں خدا تعالے کی حمد بجا لاتا ہے اور اُن بزرگ ہستیوں پر سلام بھیجتا ہے جنہیں اللہ تعالے نے اپنی خدمت کے لئے چن لیا ہے۔ لیکن آج کل ان دعاؤں میں ہمارے لئے کچھ خاص مطالب بھی ہیں۔ تمام دنیا کے مسلمان سنہ ہجری کے تیسرے مہینے میں آنحضرتؐ کی سالگرہ کے دن مجلسیں منعقد کرتے ہیں۔ اور اتحاد اور سلامتی کے اُس پیغام کا ذکر کرتے ہیں جو آنحضرت صلعم نے اُن لوگوں تک پہنچایا جو اسے سنکر اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر ہم پیغمبر اسلامؐ کے اُن احسانات کا ذکر کرتے ہیں جو آپ نے ہماری معاشرت کو سدھارنے کی صورت میں ہم پر کئے

اور اُن کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ سے سبق لیتے ہیں - اسی موقعہ پر ہمارے ایمان تازہ ہوتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کیلئے اس کی تعریف کے گیت گاتے ہیں - اللہ اکبر وللہ الحمد -

اللہ تعالےٰ کے منتخب بندے کون ہیں :-

نئے اور پرانے عہد ناموں میں خدا کے منتخب بندوں کا ذکر آیا ہے چاہے وہ انفرادی طور پر اپنے اشخاص کے متعلق ہو جیسے حضرت ابراہیمؑ یا مجموعی طور پر کسی قوم کے متعلق ہو جیسے بنی اسرائیل - اگر ہم دوسری اقوام کی مقدس کتابوں کا مطالعہ کریں تو غالباً ہمیں اُن میں بھی ایسے واقعات ملیں گے کیونکہ انسانی تاریخ میں وقتاً فوقتاً مذہبی پیشواؤں کا ظاہر ہونا اور ان کی عظمت و بزرگی ہمیشہ خدا کی طرف سے سمجھی گئی جو تمام کائنات کا منتظم ہے قرآن مجید بھی اسی خیال کی تائید کرتا ہے - لیکن اس کا بیان زیادہ وسیع اور معقول ہے جیسا کہ ہم ابھی بیان کریں گے -

سورۃ النساء کی ۳۳ ویں آیت ملاحظہ ہو :-

اِن اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین - ذریۃً بعضھا من بعض - واللہ سمیعٌ علیمٌ ہ

" یعنی تحقیق اللہ تعالےٰ نے سارے جہاں کے لوگوں میں سے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندان ابراہیمؑ اور خاندان عمرانؑ کو چن لیا - یہ لوگ ایک دوسرے کی نسل سے تھے اور اللہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے "

اسی سورت کی بیالیسویں آیت میں ہم ایک برگزیدہ خاتون کے متعلق جسے اللہ تعالےٰ نے منتخب فرما لیا تھا - مندرجہ ذیل الفاظ پڑھتے ہیں -

واذ قالتِ الملٰئکۃُ یا مریم اِن اللہ اصطفٰک وطھرک واصطفٰک علیٰ نساء العالمین یا مریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین - (سورۃ النساء ایت ۴۴)

" اور جب فرشتوں نے کہا - اے مریمؑ ! تم کو اللہ نے برگزیدہ فرمایا اور (گناہ کی) آلودگیوں سے پاک رکھا اور تمہیں سارے جہان کی عورتوں میں سے منتخب فرمایا - اے مریم ! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرتی رہو، اُسے سجدہ کیا کرو اور عبادت کرنے والوں کے ساتھ اسکے حضور میں جھک جایا کرو -

دیکھئے حضرت مریم کی بزرگی مشروط ہے ان کی متواتر و مسلسل عبادت گذاری پر کیونکہ اس کے بغیر وہ کسی طرح خدائے تعالےٰ کی عنایات کی مستحق نہیں بنتیں ۔یہی مضمون ایک آئندہ سورت میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔

"اگر کوئی عزت کا خواہاں ہے تو عزت تو ساری خدا کی ہے ۔ اچھی اچھی باتیں اُسی کی جناب میں پہنچتی ہیں اور وہی نیک عمل کرنے والوں کو بلند مرتبے عطا فرماتا ہے ۔"

سابقہ پیغمبروں کی جنہیں خدا نے تمام قوموں میں سے انتخاب فرمایا تصدیق کرنے کے بعد قرآن مجید آنحضرت صلعم کے انتخاب کی تصدیق کرتا ہے جنہیں اللہ تعالےٰ کا آخری پیغام بنی نوع انسان تک پہنچانے کا کام تفویض ہوا تھا ۔ اور پھر صحابہ کے انتخاب کی تصدیق کرتا ہے ۔جنہوں نے اس سچائی اور نیکی کے پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچایا تھا ۔ اس جگہ اس امر کی بھی تشریح کر دی گئی ہے کہ اس فضیلت کے مستحق صرف اسی صورت میں ہو کہ جو فرائض تم پر خدا اور انسان کی طرف سے عائد ہوتے ہیں انہیں پورا کرتے رہو۔

كنتم خير امة أخرجت للناس ۔ الخ

یعنی تم اقوام عالم میں سب سے بہتر ہو جسے تمام بنی نوع انسان کیلئے پیدا کیا گیا ۔تم نیکی کی تلقین کرتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک اور آیت میں اس امر کی بھی تصریح کی گئی ہے کہ تمام مسلمان سچے مومن نہیں ہوتے اور نہ اپنے فرائض کے پابند ہوتے ہیں اور افسوس ہے کہ ہمارے گردو پیش آج کل یہی حالت ہو رہی ہے

اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ یوسف علی لکھتے ہیں :۔

"جس طرح انسان بہ حیثیت مجموعی خلیفۃ اللہ بننے کے لئے منتخب ہُوا تھا اور اس کے باوجود بعض انسان بدی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں بالکل اسی طرح بعض مسلمان بھی نورہدایت سے مستفید نہیں ہوتے اور اپنی روح کے لئے عذاب کما لیتے ہیں ۔ لیکن ان میں سے بعض بہت برے نہیں ہوتے" جن کی روحیں تو آمادہ بہ نیکی ہوتی ہیں لیکن گوشت اور پوست کا پُتلا مائل بہ کمزوری ہوتا ہے" ان کی نیت تو نیک ہوتی ہے لیکن ابھی انہیں سچی اسلامی زندگی اور اسلامی صفات کا سبق

سیکھنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک تیسری قسم ہے:۔

جو اگرچہ مکمل انسان نہیں ہوتے لیکن ان کی نیت اور اعمال دونوں اچھے ہوتے ہیں وہ عوام کے لئے ایک مثال ہوتے ہیں۔ وہ ہر نیک کام میں "سبقت" کرتے ہیں۔ اس میں ان کی اپنی کوششیں کارفرما نہیں ہوتیں بلکہ خدائے تعالےٰ کا رحم وکرم ان کے شامل حال ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل اور دوسری آیات سے ہم مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچتے ہیں:۔

۱ - اسلام اس بات کو مانتا ہے کہ "خدا کے منتخب بندے" ہر جگہ ہوتے ہیں چاہے وہ انفرادی حیثیت سے ہوں یا قومی حیثیت سے۔

۲ - "خدا کے منتخب بندے" ہونے کا لقب انہیں صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ وہ خدا کی عبادت میں مداومت کریں اور دوسرے انسانوں کے کام آئیں۔

۳ - وہ اگر خدا اور انسان کی وفاداری سے منہ موڑلیں گے تو اللہ تعالےٰ کے رحم وکرم سے محروم ہوجائینگے

۴ - جو کوئی بھی "خدا کا منتخب بندہ" ہونے کا جھوٹا دعویٰ کریگا اور جھوٹے الہامات گھڑے گا وہ خائب وخاسر رہے گا۔ اور آخرکار تباہ ہوجائیگا۔ وہ صرف اسی صورت میں نجات پاسکتا ہے کہ سچے دل سے توبہ کرے اور اپنے آپ کو آئندہ کیلئے راہ راست پر لے آئے۔

پیغمبری کے جھوٹے دعویداروں کیلئے ایسے وعید جدید اور قدیم دونوں عہدناموں میں موجود ہیں۔ عہدنامۂ قدیم میں ایک پیشین گوئی ہے کہ حضرت موسیٰ کی طرح کے ایک پیغمبر مبعوث ہونگے (اور وہ آنحضرت صلعم کے سوائے اور کون ہو سکتے ہیں؟) اس سے آگے یہ الفاظ ہیں:۔ "اور جو پیغمبر ایک لفظ بھی میرے نام سے منسوب کریگا جو اُس پر میری طرف سے وحی نہیں کیا گیا یا دوسرے دیوتاؤں سے منسوب کریگا۔ اُس کو بھی برباد کر دیا جائیگا" عہدنامہ جدید (سنٹ میتھیو) باب ۷ آیت ۱۹ ملاحظہ ہو:۔

"ہر ایسا درخت جو اچھا پھل نہیں دیتا کاٹ دیا جاتا ہے اور آگ میں جلا دیا جاتا ہے"

ایسے ہی زوردار الفاظ میں قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے اور آنحضرت صلعم کے خلاف الزامات کا جواب دینے کے بعد لکھا ہے:۔

"اور اگر واقعی وہ (یعنی آنحضرت صلعم) بعض آیات جھوٹے سے ہماری طرف منسوب کرے تو ہم یقیناً اسے داہنے ہاتھ سے پکڑ لیں اور پھر اس کی رگ جان کاٹ ڈالیں"

پھر کس قدر مضحکہ خیز ہے اُن لوگوں کا دعویٰ جو خدا کے "منتخب بندے" تو بنتے ہیں لیکن انسانی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے سے بھی جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ایسے انسان کی اولین صفت یہ ہے کہ وہ خدائے تعالےٰ کی عبادت کرے، اُس کے بندوں کی خدمت کرے اور بے ضرر حیوانوں کو بھی دُکھ نہ دے۔

محمد مصطفےٰ، وہ خدا کا منتخب بندہ، جھوٹے خداؤں کا پرستار نہ تھا۔ اور نہ نسل رنگ، جماعت یا عہدے سے مرعوب ہوتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ سب ایک کو دوسرے سے پہچاننے کے نام ہیں۔ خدا کے نزدیک ان کی کوئی وقعت نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ آنحضرت فرمایا کرتے تھے۔ ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنایا گیا تھا۔ صرف پرہیزگاری ہی خدا کے منتخب بندوں کا نشان ہے۔ اور اس کے خلاف سوچنا صرف اپنے آپ کو دہوکا دینے کے مترادف ہے۔ انسان کا کسی ایک مذہب کے ساتھ تعلق بغیر پرہیزگاری کے جس کی ہر سچے مذہب نے تعلیم دی ہے ممکن ہے معاشرتی حیثیت سے کوئی وقعت رکھتا ہو لیکن اخلاقی اور روحانی حیثیت سے اس کی کوئی وقعت نہیں۔

آئیے اب ہم مندرجہ بالا بیان کے پیش نظر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا "منتخب" ہونے کی حیثیت سے موازنہ کریں۔ اس کام کیلئے جو انہوں نے تمام بنی نوع انسان کو خدائے واحد کی پرستش پر متحد کرنے میں سرانجام دیا اور اس طرح بنی نوع کو انسان خوشحالی اور مسرت کے بلند سے بلند تر مرتبے پر پہنچا دیا۔

مندرجہ ذیل عبارت میں نے مولانا محمد علی کی کتاب "محمد دی پرافٹ" کے دیباچے سے اخذ کی ہے جس میں انہوں نے آنحضرت صلعم کی توصیف اس طرح فرمائی ہے:۔

"ہر مسلمان کی طرح میرا بھی یہی ایمان ہے کہ ہر قوم میں ایک بڑا آدمی پیدا ہُوا ہے، مشعلِ نور ہدایت کا علمبردار، قوم میں نیکی کے خیالات پیدا کرنے والا ایک پیغمبر جس نے قوم کے اخلاق کو بلند کر دیا۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب پیغمبروں کے سردار تھے۔ کیونکہ آپ ایک قوم کے نہیں بلکہ اقوام عالم کے پیشوا تھے۔ یہ آنحضرت ہی تھے جنہوں نے تمام دنیا کے پیغمبروں کو ماننے کا اعلان کیا اور اس ایمان کو اس مذہب

کا ایک جزو بنا دیا جس کی وہ تبلیغ کرتے تھے - اور اس طرح آپ نے اقوام عالم میں مستقل امن و اتحاد کی بنیاد ڈال دی - آپ سب سے بڑے مصلح تھے (باسورتھ سمتھ) کیونکہ آپ نے ایسی کایا پلٹی جس کی مثال نہ آپ سے پہلے کہیں نظر آتی ہے اور نہ بعد میں - آپ تمام پیغمبروں میں سب سے زیادہ کامیاب پیغمبر اور سب سے بڑے مذہبی پیشوا تھے - ہر شخص کا موازنہ اس کے اعمال سے کرنا چاہیئے

آنحضرت نے ۲۰ سال کی قلیل مدت میں وہ کام سرانجام دیا جو یہودی اور عیسائی پیشوایان مذہب سے صدیوں میں بھی نہ ہوسکا - درآنحالیکہ ان کی پشت پر حکومت کی طاقتیں کارفرما تھیں - آپ نے صدیوں کی پرانی بت پرستی توہم پرستی، سریع الاعتقادی، جہالت، بدکاری، جوا، شراب خوری، ظلم اور خانہ جنگی اور ہزارہا دوسری برائیوں کو سارے ملک سے دور کر دیا -

دنیا کی تاریخ کسی ایسے مصلح قوم کا نام پیش نہیں کرسکتی جس نے ایسی محیر العقول کایا پلٹ اتنے بڑے پیمانے پر ایسے تھوڑے عرصے میں کر دکھائی ہو - میور نے لکھا ہے کہ ملک کی جیسی خراب حالت آنحضرت کی بعثت کے وقت تھی ویسی اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی - اور جیسی اصلاح آپ کی رحلت کے وقت تھی ویسی مکمل اصلاح بھی کبھی نہ ہوئی تھی - کارلائل کے الفاظ میں "یہ ایک وضع حمل تھا تاریکی سے نور میں" اتنی بڑی ہستی مستقبل کیلئے ایسے ہی بڑے امکانات سے خالی نہ ہوسکتی تھی - اسے دیکھکر ہر انسان کے دل میں خدمت خلق کے لئے شریف ترین خیالات خودبخود پیدا ہوجاتے ہیں - آپ کے عادات اطوار میں اگر کوئی بات سب سے نمایاں ہے تو یہ ہے کہ آپ یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری کرتے تھے، کمزوروں کی مدد فرماتے تھے، اور مصیبت زدہ کی امداد کرنا اپنا فرض جانتے تھے - آپ کی زندگی بھی خدا کیلئے تھی اور موت بھی اسی کیلئے ۔ اگر کسی انسان نے زمین پر رہتے ہوئے خدا کو پایا ہے، اگر کسی انسان نے اپنی زندگی خدا کی خدمت کیلئے وقف کی ہے، نیک اور عظیم الشان جذبے کے ماتحت تو وہ انسان یقیناً پیغمبر عرب تھے" (لیونارڈ)

اسلامی دنیا میں آج کے دن کی تقریب مختلف معاشرتی طبقوں میں الگ الگ طریقے سے منائی جاتی ہے - نوعمر مسلمان اُن معجزوں کا ذکر سنتے ہیں جو آنحضرت کی پیدائش سے پہلے اور اس کے بعد ظہور میں آئے - لیکن پختہ سال مسلمان زیادہ معقول باتیں سننا پسند کرتے ہیں - وہ پیغمبر خدا کی شان میں نعتیں

پڑھتے ہیں اور آپ کے اسوۂ حسنہ کا ذکر کرتے ہیں لیکن اسلامک کلچرل سنٹر کے اس ماحول میں سنٹر کے ایک ایک ناچیز رکن کی زبان سے، ایک ایسے خیال کا اظہار آپ ضرور سننا گوارا کریں گے جو مسلم غیر مسلم دونوں کے یکساں توجہ کا مستحق ہے۔ میرا مطلب ہے "خدا کا منتخب بندہ" ہونے کا خیال۔ جو عام طور پر تمام فرقوں کیلئے خیالات کو مغلوب کئے ہوئے ہے۔ اور ایک فرقے کو خاص طور پر۔ اور مجھے امید ہے کہ میں محمد صلعم کو" خدا کا منتخب بندہ" ثابت کرنے میں کامیاب رہا ہوں۔ کیونکہ آپ نے ہی مختلف اقوام کو قعر مذلت سے نکالا، آپ نے بنی نوع انسان کو اخوت، مساوات اور ترقی کے صحیح راستے پر لا کھڑا کیا۔ آپ نے عرب قوم کو ایک نیا جنم ہی نہیں دیا بلکہ ایک جہانگیر اخوت کا بیج بویا جو قوم، نسل، رنگ اور دوسرے کئی اختلافات مٹا دیتی ہے

لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے محبوب پیغمبرؐ کو اس سے زیادہ اور کوئی بات پسند نہیں کہ ہم آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں، آپ ہی کی طرح ایک دوسرے کی مدد کریں، بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھائیں اور اس دکھی دنیا کے افتراق کو امن بخشیں اور اتحاد کی لڑی میں پرو دیں۔ یاد رکھو کہ ذمہ داری بھی ہمیں اپنے عظیم الشان آباؤ اجداد سے ورثے میں ملی ہے۔

جب آپ قرآن مجید کی مسحور کن آیات سنیں تو یاد رکھیں کہ خدائے تعالےٰ کی آواز ہے جسے آپ تک پہنچانے کیلئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا گیا۔ قرآن ایک غیر فانی معجزہ ہے۔ اور ایک رشتہ جو خدا اور انسان کے درمیان قائم کیا گیا ہے۔

ہم قرآن سنکر اس کی پُر اثر اور پاکیزہ زبان سے بے حد متاثر ہو جاتے ہیں لیکن ہمیں الفاظ سے پرے اس کے معانی پر غور کرنا چاہئے۔ اگرچہ میری آواز بہت بھدی ہے۔ لیکن یہ تقریر نامکمل رہ جائیگی جب تک میں قرآن مجید کی یہ آیات آپ کو نہ سناؤں یہ آیات موضوع زیر بحث کیلئے نہایت موزوں ہیں۔

یا ایھا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب۔ بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولٰئک ھم الظٰلمون۔ یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔ ایحب احدکم ان

یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ ط واتقوا اللہ ط ان اللہ تواب رحیم ویاَیھا الناس انا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثٰی وجعلنٰکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ط ان اللہ علیمٌ خبیرٌ ہ قالت الاعراب اٰمنا ط قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم ط وان تطیعوا اللہ ورسولہ لا یلتکم من اعمالکم شیئاً ط ان اللہ غفورٌ رحیم۔ انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہٖ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ ط اولٰئک ھم الصٰدقون ہ قل اتعلمون اللہ بدینکم ط واللہ یعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ط واللہ بکل شیٍٔ علیم ہ یمنون علیک اَن اسلموا ط قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان ان کنتم صٰدقین ہ ان اللہ یعلم غیب السمٰوٰت والارض ط واللہ بصیرٌ بما تعملون ہ (الحجرات - ۱۱ - ۱۸)

"اے ایمان والو - تم میں سے کوئی دوسروں کا مضحکہ نہ اڑائے ۔ ممکن ہے وہ مضحکہ اُڑانے والوں سے بہتر ہوں - نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مضحکہ اُڑائیں کیونکہ ممکن ہے وہ اُن سے بہتر ہوں - اور ایک دوسرے کی برائیاں نہ کیا کرو اور نہ حقارت سے اُن کے نام دھرا کرو - ایمان لانے کے بعد ایسی باتیں تمہیں سزاوار نہیں اور جو باز نہ آئیں گے وہ ظالم ہونگے -

" اے ایمان والو - بدظنی سے بچتے رہو - کیونکہ بعض اوقات بدظنی گناہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے - اور دوسروں کی برائیوں کا کھوج نہ لگایا کرو اور نہ اُن کی غیبت کیا کرو - کیا تم میں سے کوئی اپنے عزیز بھائی کا گوشت کھانا پسند کریگا ؟ تم تو اسے حرام سمجھتے ہو - اور اُن فرائض کا خیال رکھا کرو جس کا اللہ نے تم کو پابند کیا ہوا ہے - یقیناً اللہ بڑا مہربان اور رحم والا ہے -

" اے بنی نوع انسان ! ہم نے تمہیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور تمہیں قبائل اور خاندانوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو - تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے - یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر بات سے خبردار ہے -

" اہل صحرا کہتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں - ان سے کہو کہ تم مؤمن نہیں بلکہ یہ کہو کہ ہم اسلام لائے - ابھی

تمہارے دلوں میں ایمان جاگزیں نہیں ہوا۔ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر چلو گے تو اللہ تمہارے اعمال کو ضائع نہ کریگا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔

"مومن صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں پھر وہ شک میں نہیں پڑتے اور اپنے مال ودولت اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، وہی سچے ہیں۔

"کہو! کیا تم اللہ تعالیٰ پر اپنا مذہب جتاتے ہو۔ اللہ تو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ اللہ ہر شے کے متعلق علم رکھتا ہے۔

"وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام لاکر وہ تم پر احسان کر رہے ہیں۔ ان سے کہو کہ اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ رکھو۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے کہ اس نے سچے مذہب کی طرف تمہاری رہبری فرمائی۔

"یقیناً اللہ آسمانوں اور زمین کی اُن چیزوں کو بھی جانتا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتیں اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھتا رہتا ہے۔

"کہو۔ سب تعریفیں خدا کیلئے ہیں اور سلامتی ہو اس کے بندوں پر جنہیں اس نے منتخب فرما لیا خصوصاً تم پر اے خاتم النبیین خدا کے منتخب بندے!

بقیہ ۳۳۵

وہ کام جو ہمارے سامنے ہے

ضروریات متقضی ہیں کہ ہمیں مغرب میں اپنی تبلیغی مساعی کو سوگنا زیادہ بڑھانا چاہئے۔ محض ایک ووکنگ مشن ایک برلن اور ایک فرانسسکو مشن یوروپ اور امریکہ کی ضروریات کیلئے کافی نہیں ہو سکتے۔ تاں ہمیں اس امر کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئیے کہ ڈاکٹر عبد اللہ یوروپ میں اور مسٹر بشیر امریکہ میں ان ممالک کے ہر ایک مرد وعورت کو اسلام کا پیغام پہنچانے کیلئے ہرگز کافی نہیں ہو سکتے ابھی مغرب میں بہت سے ایسے ممالک ہیں جہاں ہمارے مبلغین نہیں پہنچے۔ چنانچہ فرانس۔ اٹلی۔ سپین میں ابھی تک کوئی مبلغ نہیں ہے۔ روس کے دہریہ منش لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچانے کا ابھی کچھ انتظام نہیں کیا گیا۔

جاپان میں تبلیغ اسلام

اطلاع موصول ہوئی ہے کہ گذشتہ چند مہینوں کے دوران میں بیس لاکھ سے زاید جاپانی عیسائیت قبول کر چکے ہیں۔ عیسائی مشنری جو مختلف اداروں کے نمائندے ہیں جاپانیوں کو انجیل کا پیغام دینے میں سرگرم ہیں ایک مسلمان کی آنکھ میں جاپانیوں کے مذہب (SHINTOISM) اور عیسائیت میں چنداں فرق نہیں۔ دونوں مشرکانہ عقائد کے حامل ہیں۔ بہرنوع ہم عیسائیوں کی سرگرمی اور ان کے جوش کے مداح ہیں۔ کہ تسخیر جاپان کے موقعہ سے انہوں نے خوب فائدہ اٹھا لیا۔ جاپان کی یہ تسخیر محض سیاسی تسخیر ہی نہ تھی بلکہ روحانی اور اخلاقی طور پر بھی یہ قوم قعر مذلت میں جا گری۔ اگرچہ صحیح بات تو یہ ہے کہ ان کا یہ سیاسی زوال ان کے اخلاقی انحطاط کا نتیجہ تھا۔ لیکن عیسائیت کی اپنی کیا حالت ہے اور عیسائیت جاپانیوں کو کس طرف لے جا رہی ہے ہمیں ان سوالات سے غرض نہیں۔ یہ ایک الگ سوال ہے کہ آیا عیسائی لوگ شنتیویوں (جاپانیوں) کو عیسائی بنانے میں خدا کے احکام کی تعمیل کر رہے ہیں یا محض دنیوی مفاد نے ان کو اس پر مجبور کیا ہے۔ اس بات کے تسلیم کرنے میں ہمیں کچھ وقت نہیں کہ جو کچھ وہ اپنا فرض سمجھ کر رہے ہیں۔ وہ اخلاص پر مبنی ہے۔

ہماری سہل انگاری

لیکن مسلمان کیا کر رہے ہیں؟ ان کے تو یہ مذہب کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کا پیغام تمام بنی نوع انسان کو پہنچائیں۔ پہلی دو یا تین صدیوں میں اسلام دور دور تک پھیل گیا۔ اور بمقابلہ دوسرے مذاہب کے ایک عرصۂ قلیل کے اندر بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن جاہ و جلال کے آنے کے ساتھ ہی فرزندان اسلام نے اُن خصوصیات کو طاق نسیاں بنا دیا جنہیں اختیار کر کے وہ کمال عروج پر پہنچے تھے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ یہی ایک ذہنی انحطاط اور ایک اخلاقی تنزل کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ جب مسلمانوں

کے بڑے دن شروع ہوئے تو ہر صدی کے بعد خدا نے ان کو متنبہ کرنے کے لئے مصلحین بھیجے - ان مصلحین نے ان کو ان کی نجات کا رستہ دکھایا اور ان زریں اصولوں پر کاربند ہونے کی تاکید کی جن پر چل کر ان کے اسلاف کمال عروج پر پہنچے تھے - لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ایسے مصلحین کی بات پر کان نہ دھرا یا کم از کم زیادہ اہمیت نہ دی - اس کا نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا - اور جیسا کہ ہم بچشم خود ملاحظہ کر رہے ہیں اقوام عالم میں مسلمانوں کی حیثیت بالکل گر گئی اور ان کی وقعت جاتی رہی - میں کہتا ہوں کہ اگر ہم اسلام کے احکام پر گامزن ہوتے تو اس ملک میں ہماری حیثیت موجودہ حالت سے بالکل مختلف ہوتی -

اسلام مفسدہ پردازی یا فتنہ و فساد نہیں چاہتا - یہ صلح اور امن کا علمبردار ہے خود لفظ اسلام کے معنی ہی صلح اور امن کے ہیں اور وہ شخص جو حقیقی معنوں میں مسلمان ہے اس کے نزدیک اسلام سب سے زیادہ عزیز چیز ہے - اس لئے وہ چاہتا ہے کہ اس عزیز چیز میں وہ دوسروں کو بھی اور بالخصوص اپنے ہم ملک لوگوں کو شریک کرے مسلمانوں نے ہندوستان میں تقریباً ایک ہزار سال تک حکومت کی - بعض بادشاہوں نے ہندوؤں کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنے میں بہت سرگرمی دکھائی - لیکن ان میں سے بہت کم ایسے تھے - جو مقتضیات اسلام کو سمجھتے یا ان کی طرف توجہ دیتے تھے - انہوں نے تاج محل جیسی عجوبہ روزگار عمارات تعمیر کروائیں -

لیکن انہی بادشاہوں کی اولاد کو اپنی یادگاریں دیکھنی ہوں تو یہ ہندوؤں کے رحم و کرم پر منحصر ہوگا - اگر مغل بادشاہ اپنی توجہ کا ایک خاص حصہ تبلیغ کی طرف مبذول کرتے تو بہت سے گاندھی اور بہت سے پٹیل اور بہت سے جواہر لعل جو آج اسلام کو ہندوستان سے مٹانے کے متمنی ہیں وہ تاج اسلام کے قیمتی موتی بنتے اور ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہم نے اسلام کے متعلق اسی سہل نگاری اور غفلت شعاری کو جاری رکھا تو ہماری نسلوں کی ہم سے بھی زیادہ بری حالت ہوگی - ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے مسلمان بھائی دوسری سرگرمیوں سے انقطاع کریں لیکن بلحاظ ایک قوم کے تبلیغ کے کام کو ہمیں ہر کیف پیش پیش رکھنا چاہئے - اور دوسرے کاموں سے اسے مقدم رکھنا چاہئے -

باقی صفحہ ۳۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

استفسارات و جوابات

استفسار:- آپ غیر ملکوں میں اپنے مبلغ کیوں بھیجتے ہیں۔ کیا اچھوت، ہندو اور ہندوستان کی دوسری اقوام مشرف بہ اسلام ہو چکی ہیں؟

جواب:- ہمارے مبلغ ہندوستان اور غیر ممالک میں دونوں جگہ تبلیغ اسلام کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم دوسرے ملکوں میں تبلیغ کرنے سے پہلے اپنے ملک کے ہر فرد کو مسلمان کریں۔ دنیا کی ہر قوم کو اسلام کی ضرورت ہے جو دنیا بھر میں ایک ہی سچا مذہب ہے ہم کو نہایت محدود وسائل پر قناعت کرنی پڑتی ہے اسلئے ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ زیادہ روپیہ اور زیادہ مبلغ ہر جگہ بہتر نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔ نور اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا چاہئے۔

استفسار:- ہندوستان میں مبلغین مسلمانوں ہی میں تلقین کیوں کرتے ہیں حالانکہ دوسری اقوام یہاں موجود ہیں کیا اسلام ہمیں فرقہ بندی کی تعلیم دیتا ہے؟

جواب:- آپ کو شاید ہمارے مبلغین کے متعلق غلط فہمی ہے۔ وہ صرف مسلمانوں میں ہی تلقین نہیں کرتے بلکہ ہر مذہب کے لوگوں میں تبلیغ کرتے ہیں مسلمانوں کو اسلام کی خوبیاں ذہن نشین کرائی جاتی ہیں تاکہ وہ اسے اپنی روزمرہ کی زندگی میں استعمال کر سکیں۔ انہیں تبلیغ اسلام کی ضرورت محسوس کرائی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے اس میدان میں آدمیوں اور وسائل کی اشد ضرورت ہے تاکہ تبلیغ کے کام کو وسیع پیمانے پر سرانجام دیا جا سکے۔ اگر ہم ان باتوں کا ذکر اپنے مسلمان بھائیوں سے نہ کریں تو انہیں اس ضرورت کا احساس کیسے پیدا ہوگا۔ اور وہ ہماری مدد کس طرح کرینگے۔ آنحضرت صلعم اور آپکے بعد دوسری بزرگ ہستیوں نے اپنی زندگیوں میں لگاتار اس کام کو جاری رکھا چنانچہ امید ہے اس معاملے میں آپ ہم سے متفق ہونگے کہ مسلمانوں کو تلقین کرنا بھی اشد ضروری ہے۔ اس سے فرقہ بندی مقصود نہیں ہے بلکہ اسکا مطلب ہے کہ جو لوگ اس نیک کام کیلئے کمربستہ ہوں وہ خود بخود ایک برادری میں شامل ہو جائینگے یا ایک مضبوط "فوج" میں۔ وہ ایک ایسے سپاہیوں کا دستہ ہوگا جو اسلام کیلئے پُر امن طریقوں سے غیر مسلموں کو مسخر کریگا، کیونکہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے ہم اسلام جیسے مکمل مذہب میں کسی فرقے کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتے۔ اسلام ایک ہی برادری کا نام ہے چاہے اسکے پیرو دنیا کے کسی حصے میں بسنے والے ہوں

مسجد و بنگلہ میں آجاتے ہیں۔ نماز خطبہ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتمآب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے سنایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں۔ برطانیہ عظمے کی "مسلم سوسائٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) **مشن کے آرگن** ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی۔ اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

(۶) **مشن کے تاثرات** ۔ (۱) مشن کی اکیس سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں بعض تو تہجد تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ میں اب دشمنان اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک روادارانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شک و شکوک کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں بمعہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلان اسلام بمعہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۷) **انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی اُلجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے** قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعت اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قایم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعت اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں ملتھیکر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جدوجہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبران سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آرا کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی اُلجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضہ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں لیکن انگریزی قوم میں **اشاعتِ اسلام** ہمارا اوّلین نصب العین ہونا چاہیئے۔

(۸) **ووکنگ مُسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے** دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے جس سے کُل مسلمانان عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذب عالم اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانان عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقہ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ وارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورینو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ۔ بلاد اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

۹) ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ... کے طریقوں سے امداد ہوسکتی ہے

... ماہ مشن کو پہنچتا ہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کارِ خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ... ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقہ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ... ہے اور ممالک غیر کیلئے ... ہے۔ (۷) ووکنگ مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ ... و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کراکر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ ان تک پہنچتا رہے۔ تقسیم کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر ... جا سکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاویگی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ ... انگلستان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ ... بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جس میں ... کوئی نومسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کرکے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیت کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رو سے اشاعت اسلام ... زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کارِ خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سود اشاعت اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام ... کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سود صرف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ سود کی ان رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنان اسلام کے ہاتھ چلی جاویگی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) غرضیکہ نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ بھینٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ (ریزرو فنڈ) ایک کارکن نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ ... اکیس سال سے بہ احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے مینجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایۂ محفوظ میں جمع کیا جائے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہوکر آئندہ کیلئے کسی جیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کارِ خیر کیلئے فراہم نہ کر سکینگے۔

۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ دارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔

۱۲) مشن کا مالی انتظام (۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں تین کارکنانِ مشن کی موجودگی میں موصول ہوکر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان پر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان ... کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ دارانِ ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کر دی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

۱۳) ضروری ہدایات ۔ (۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England — The Imam, The Mosque, Woking, Surrey, England.

... ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان)۔

... لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ ...

NOVEMBER 1947. R. L. No. 908.

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیران اعزازی

آفتاب الدین احمد بی۔ اے
مدیر اسلامک ریویو (انگریزی)

عبدالمجید ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی
امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مرتبہ
خواجہ عبدالغنی سیکرٹری دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　# اللہ اکبر　　　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ اور چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان　　　　مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) تشکیل مشن۔ ووکنگ مسلم مشن کا کل تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد۔ (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ وارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں لٹریچر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک۔ (۱) مشن کی تبلیغ فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقہ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ، امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء۔ کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ہزار سے زائد نفوس شامل ہوتے ہیں مسلمین و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زیادہ تر یہ ہم اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمدنی بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار کی اشاعت ووکنگ مسلم مشن کے ۱/۲ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے۔

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۳ | بابت ماہ نومبر ۱۹۴۷ء | نمبر ۱۱

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبد الغنی مینیجر سلسلہ چھپکر عزیز منزل براندرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا

شذرات

قبول اسلام

میں مسماۃ مس آئرن فلورینس کلی (ریحانہ بیگم) ساکنہ ۲۴ ہیز لیمر روڈ اپٹن سی سلا بگشائر برضا و رغبت خود بلا جبر و اکراہ نہایت صدق دل اور خلوص نیت سے اس امر کا اعلان کرتی ہوں کہ میں ایک اور صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرونگی۔ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا نبی اور اس کا بندہ تسلیم کرتی ہوں۔ میں تمام پیغمبروں حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیا کی یکساں عزت و تعظیم کرتی ہوں۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ میں آئندہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے اسلامی زندگی بسر کرونگی۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں

دستخط - آئی - ایف - کلی مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۴۷ء

سانحۂ ارتحال

ہمیں یہ سنکر بے انتہا رنج اور قلق ہوا - کہ ہمارے محترم دوست خانصاحب جناب رحمت اللہ صاحب ریٹائرڈ اسسٹنٹ انجینئر پی - ڈبلیو - ڈی سینڈ دوسے برہما حرکت قلب کے بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے - انا للہ و انا الیہ راجعون - یہ سانحہ مورخہ ۱۹ رجون ۱۹۴۷ء کو لاہور میں وقوع میں آیا - خانصاحب مرحوم قیام برہما کے دوران میں برہما کے مسلمانوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ کا حکم رکھتے تھے اور آپ کا وجود اس ملک کے لئے مغتنمات میں سے تھا - آپ اشاعت اسلام کے کام میں بھی ہمیشہ پیش پیش نظر آتے تھے - اور اس کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں

رکھتے تھے۔ آپ اسلامک ریویو کے نہایت پرانے خریدار اور مداح تھے اور ان اصحاب میں سے تھے جنہوں نے اپنے تمام خاندان میں مذہبی روح پھونکدی تھی۔ آپ کا انتقال ایک قومی نقصان ہے۔ ہمیں اس صدمہ میں مرحوم کے خاندان سے اور بالخصوص آپ کے قابل فرزند مسٹر لطیف احمد سے دلی ہمدردی ہے اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

اسلام اور حکومت جمہوریہ

(از قلم جناب نواب وحید احمد خانصاحب)

کچھ عرصہ گذرا کہ ہندوستانی یونیورسٹی کے ایک فاضل وائس چانسلر نے الہ آباد کے جریدہ "لیڈر" میں ایک مضمون لکھا تھا جس کا مفاد یہ تھا کہ جمہوری نظام حکومت جو سیاسیات حاضرہ کی پیدائش ہے۔ اسلامی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اور صاحب موصوف نے اس امر پر بڑا زور دیا ہے۔ کہ اسلامی حکومت کے طول وعرض میں بلکہ خود خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی عامۃ الناس اور بالخصوص غیر مسلموں کے لئے امور ملکی اور مصالح سیاسی میں حصہ لینے کا کوئی نظام نہیں تھا۔ بالفاظ دیگر حکومت میں لوگوں کی کوئی آواز نہیں تھی۔

چند ماہ گذرے کہ ایک موقعہ پر میں نے اس امر کا نہایت درد دل سے اظہار کیا تھا کہ اسلام کو یا تو غلط سمجھا گیا ہے یا بالکل سمجھا ہی نہیں گیا۔ اس کی کچھ وجوہات ہیں مثلاً لٹریچر کی قلت۔ کیونکہ بہت کم کتابیں ترجمہ کی گئی

ہیں۔ اور لوگوں کو اسلامی تواریخ کا کما حقہ علم نہیں ہے۔ پھر ایک دوسری وجہ غیر مسلم لوگوں کی اُس مذہب سے عدم توجہی ہے جس کے متبعین نے حق کو فتح کر کے اپنا مطیع و منقاد بنایا۔ نیز ان غیر مسلموں نے فوجی فاتحین کی روش سے ہی مذہب کو جانچنے کی کوشش کی۔ علاوہ ازیں متعصب مصنفین نے واقعات حقہ کو بہت کچھ توڑ موڑ کر بیان کیا ہے اور صداقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اگر کوئی شخص اسلامی تاریخ کا خالی بالطبع ہو کر اور تعصب کی عینک اتار کر مطالعہ کرے اس کو معلوم ہو سکے گا کہ دنیا میں جمہوریت حقیقی اور عملی جمہوریت کی بنیاد اسلام نے ہی رکھی ہے اور ابتدا سے ہی اسلام اس قسم کی حکومت کا حامی تھا جس کو "جمہور کی حکومت جمہور کے ذریعے جمہور کے لئے" کہنا چاہئے اور اسلام کو جو اس قدر سرعت کے ساتھ ترقی حاصل ہوئی اس کی تہ کے نیچے یہی راز تھا لوگ رومی اور فارسی شہنشاہوں کے ظلم و تعدی سے سخت تنگ آئے ہوئے تھے اور ان کے پنجہ استبداد میں بے بس ہو رہے تھے۔ جب اسلام کا دور دورہ ہوا اور اسلامی جمہوریت کی برکات سے لوگ متمتع ہوئے تو ان کو آرام کا سانس ملا۔ اور وہ سمجھے کہ گویا بہشت میں آ گئے ہیں۔ اسلام کے قوانین جمہوریت ایسے دل پسند اور عامتہ الناس کے لئے ایسے منفعت بخش تھے کہ لوگوں نے اسلامی حکومت کو ظل الہی سمجھا۔ ان قوانین جمہوریت کا اسلام محض پرچار ہی نہیں کرتا تھا بلکہ مسلمانوں نے اس کو عملی رنگ دیا کہ دنیا کو اُس کا علم بھی نہیں تھا۔

اس بات کو بخوبی سمجھنے کے لئے ابتدا سے ہی اسلامی حکومت جمہور کی صحیح نمائندہ تھی۔ سلطنت کا ٹھیک ٹھیک مفہوم جو خلفائے راشدین کے دماغ میں تھا سمجھ لینا ضروری ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی تعلیمات کا صحیح نمونہ یہی حضرات تھے۔ جس شخص نے سلطنت کا نظام قایم کیا۔ وہ امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب خلیفہ ثانی تھے۔ رضی اللہ تعالے عنہ یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے نظام حکومت کو قائم کیا کیونکہ آپ کے زمانہ میں ہی دور دراز کے ملک قلمرو ئے اسلام میں شامل ہوئے تھے۔

اس نظام حکومت کا اصول اساسی یہی تھا کہ منتخب نمایندوں کے ذریعے حکومت کی جائے جو عامتہ الناس کے فلاح و بہبود کے ضامن ہوتے تھے۔ اس اصول پر کہاں تک کاربندی کی جاتی تھی اس کی ایک یا دو مثالیں ہی نہیں بلکہ بے شمار مثالیں تاریخ اسلامی سے دی جا سکتی ہیں۔ خلیفہ وقت جب تک کہ جمہور کی رائے نہ لے لے کسی معاملہ پر کاربند نہیں ہوتا تھا۔ مدینہ کی مسجد ان امور کے لئے مرکز تھی۔ یہی وہ جگہ

تھی - جہاں ہر ایک سیاسی معاملہ میں لوگوں کی رائے لی جاتی تھی - یہاں ہی قانونی گتھیاں سلجھائی جاتی تھیں یہاں سے ہی تمام حکم احکام جاری ہوتے اور قوانین نافذ کئے جاتے تھے -

ہر مرد اور ہر عورت کو اپنی اپنی رائے کے اظہار کی پوری پوری آزادی حاصل تھی - اور تمام معاملات کثرت رائے پر فیصلہ پاتے تھے - معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کو ارادتاً تمام پبلک امور کے انفصال کا مرکز بنایا ہوا تھا - کیونکہ یہ ایسی جگہ تھی جہاں ہر ایک شخص نہایت آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ آسکتا تھا - اور کسی کو کوئی رکاوٹ پیش نہیں آسکتی تھی غیر مسلموں کو بھی مسجد میں آنے اور امور مشورہ طلب میں رائے دینے کی کوئی ممانعت نہ تھی - یہ امر کہ ایک یہودی نے عین حالت نماز میں حضرت خلیفہ دوم رض کو خنجر سے زخمی کیا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے - کہ غیر مسلموں کو مساجد میں آنے جانے کی پوری پوری آزادی حاصل تھی - تاریخ اسلام میں ایک بھی ایسی مثال نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ غیر مسلموں کو امور سیاسی میں اظہار رائے سے روکا جاتا ہو - یہ تاریخی واقعہ ہے کہ خلیفہ وقت نے تمام مملکت میں احکام جاری کر رکھے تھے - کہ تمام صوبوں میں بھی غیر مسلموں کو حکومت پر دخل دیا جائے اور ان سے استصواب کیا جائے - اگر ذمیوں کے مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو پھر مسلموں اور غیر مسلموں میں کوئی امتیاز خصوصی نظر نہیں آتا اسلام نے غیر مسلم لوگوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا تھا - ایک حربی یعنی وہ غیر مسلم لوگ جو مسلمانوں سے برسر پیکار تھے اور دوسرے ذمی جو مطیع ہو گئے تھے - سردست ہم موخرالذکر جماعت کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کیونکہ نفس مضمون سے اس کا تعلق ہے - سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ ذمیوں کو وہی حقوق حاصل تھے جو عام مسلمانوں کو - ان کے مال اور جان کو اور عزت کو مسلمانوں کے مال وجان اور عزت کی طرح متبرک سمجھا جاتا تھا - اور ان کی حفاظت کا ہر طرح سے اہتمام کیا جاتا تھا - حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی نے اپنی مملکت میں قانون نافذ کیا تھا - کہ غیر مسلموں کو ان کی مملکت میں مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل ہیں - ہم جانتے ہیں کہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہی تمام جزیرہ نمائے عرب حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا اور جہاں تک خالص عربی لوگوں کا سوال ہے یہ کلیتہً مسلمان ہو چکے تھے - حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے غیر عرب لوگوں کے لئے قانون "مولایت" نافذ کر دیا تھا یعنی جب کوئی شخص یا قبیلہ کسی عربی قبیلہ کا مولیٰ یا موکل بن جاتا تھا تو اس شخص کو فی الفور وہی حقوق عطا کئے جاتے تھے جو عرب لوگوں کو حاصل تھے - سید امیر علی صاحب

مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حکومت میں جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر لیتا تھا یا کسی عربی کا مؤکل بن جاتا تھا تو اس کو پیدائشی عرب کا درجہ دیا جاتا تھا یہی طریق بعد میں آنے والے خلفا کے زمانوں میں بھی دائر وسائر رہا۔ اس طرح سے بہت سے فارسی الاصل خاندان اپنا مذہب تبدیل کئے بغیر عربی خاندانوں کے موالی بن گئے۔ اور علاوہ ازیں شام مصر اور افریقہ کی بربری اقوام جو عیسائی تھیں عربی اقوام سے پیوست ہو گئیں۔

بیان بالا سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ عام لوگ بغیر کسی امتیاز مذہب وملت کے امور سلطنت اور مصالح ملکی میں پورا پورا دخل رکھتے تھے اور تمام سیاسی مشاورتوں میں ان کو شریک کیا جاتا تھا۔ اور خلفائے اربعہ کے زمانہ میں بھی یہی طریق دائر وسائر رہا۔ اور جمہوریت کے اصول پر مبنی حکومت کی مثال اس زریں زمانہ سے کہیں بہتر نہیں مل سکتی صحیح معنوں میں یہی حکومت تھی جو جمہور کی حکومت جمہور کے لئے جمہور کے ذریعے کہلا سکتی ہے۔ سید امیر علی مرحوم کے الفاظ میں ہی ہم کہتے ہیں کہ "دو اسلامی قوانین اور اصول کا رجحان سوشلزم کے پورے رنگ کے ساتھ جمہوریت کی طرف ہے۔ تمام لوگ خواہ وہ امیر ہوں یا غریب۔ خدا کی نظر میں یکساں ہیں۔ اور حکام اور فرمانروا اُن کے خادمت گذار ہیں۔ جنہیں خدا نے ان کی جان و مال کی حفاظت کے لئے اور ان کو تباہی اور بربادی سے بچانے کے لئے اُن کے اوپر مقرر کیا ہے"۔

(بقیہ صفحہ ۳۸۴) اگر آپ پسند فرمائیں تو میں اس جزیرہ سے آپ کو اخبارات بھیج سکتا ہوں۔ جن سے آپ کو جمیکا کے حالات کا علم ہو سکے گا۔ آپ پر خدا کی برکات ہوں

آپ کا مخلص

بی۔ اے آشمین

نوٹ منجانب ایڈیٹر اسلامک ریویو:- آپنے جو عبرانی لفظ "احد" لکھا ہے وہ وہی "احد" ہے جو عربی میں ہے (جیسے کہ قرآن مجید میں ہے قل ھو اللہ احد) دونوں زبانوں میں اس لفظ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے آگے بھی اعداد ہو سکتے ہیں یا اسکی تقسیم تجزیہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ لفظ صفات میں عدیم المثالی کو ظاہر کرتا ہے۔ کبھی کسی یہودی عالم نے اُن الفاظ سے جن میں خدا کی توحید بیان کی گئی ہے ایک سے زیادہ کے معنے نہیں لئے لہٰذا ان لوگوں کی یہ غلطی ہے کہ وہ ایسا خیال کرتے ہیں۔ احد کے وہ

[illegible] بیان کرتے ہیں۔

مراسلات

اولڈ ہاربر

جمیکا - بی ڈبلیو آئی ۲۰ مارچ ۱۹۴۷ء

بخدمت سکرٹری صاحب مسلم سوسائٹی برطانیہ عظمیٰ

۱۸ ارگلسٹن سکوئیر - لندن

برادر اسلام! السلام علیکم - میں آپ کے مکتوب مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۴۷ء کا جو چند دن ہوئے مجھے ملا اور اسلامک ریویو کی چار کاپیوں کا جو آپ نے ازراہ عنایت مجھے ارسال فرمائی ہیں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں - میں آپ کی چٹھی اور ان رسالوں کو جو آپ نے بھیجے ہیں عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ اسکے اظہار کیلئے الفاظ نہیں پاتا - اسلامک ریویو کے ہر ایک نمبر کے ہر مضمون کو میں نہایت موثر پاتا ہوں - ایک ایسے شخص کے لئے جسے کسی معلم کے ساتھ بات چیت کا موقعہ نہیں ملا - اور نہ ہی لٹریچر دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے یہ کتابیں بے حد مفید ثابت ہوئی ہیں - انکے مضامین ایک بارش کا حکم رکھتے ہیں جو خشک زمین پر گر کر جذب ہو جاتی ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے اسلامک ریویو کے تمام مضامین نہایت مؤثر اور دلنشین ہیں لیکن میں خواجہ نذیر احمد صاحب کے سلسلہ مضامین "مسیح ابن مریم" کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں - میں ایسے عیسائیوں میں گھرا ہوا ہوں اور میرے ارد گرد ایسے عیسائی رہتے ہیں جنہیں *Fundamentalists* کہا جاتا ہے اور جن کا عقیدہ قطعی طور پر ہے کہ بائیبل کا ہر لفظ خدائی الہام ہے - ان کا اعتقاد ہے کہ مسیح کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا - وہ صلیب پر مرا - اور پھر جی اٹھا اور پھر اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا - اور وہ اسی جسم کے ساتھ جسکے ساتھ وہ آسمان پر گیا ہے پھر زمین پر اترے گا - انکا یہ بھی اعتقاد ہے کہ مسیح صرف خدا کا بیٹا ہی نہیں بلکہ خود خدا ہے اور ازلی طور پر وہ باپ اور روح القدس کے ساتھ ساتھ آرہا ہے اور وہ پیدائش خلق کرنے میں انکا شریک ہے پھر ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کوئی دعا قبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ خدا کے بیٹے مسیح کی وساطت سے نہ کی جائے اور خواہ ایک شخص کتنے ہی اعمال صالحہ بجا لائے جب تک وہ ان عقائد

کا پابند نہیں ہوگا وہ ان کے ہیں وہ نجات کا مستحق نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ابدی طور پر لعنت کے نیچے ہوگا۔ وہ اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تمام عہد نامہ جدید تثلیث کی تعلیم سے بھرا ہوا ہے اور اس کے ثبوت میں وہ اس قسم کے فقرات پیش کرتے ہیں" آئیے! ہم انسان کو اپنی شکل پر بنائیں یا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہودیوں کی دعائیں جو یہ لفظ آتے ہیں" اے اسرائیل! سنو! ہمارا مالک ہمارا خداوند ایک ہے"۔ اس میں بھی تثلیث کی تعلیم ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ عبرانی لفظ "ایک" کیلئے جو استعمال ہوا ہے وہ "احد" ہے۔ اور اس کے معنے ہیں" کئی حصص پر مشتمل" یعنی باپ۔ بیٹا۔ روح القدس اس میں لفظ "یحد" نہیں ہے۔ جسکے معنے ہیں ایک اور صرف ایک۔ میں عبرانی زبان کا عالم نہیں ہوں۔ اس لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ان عیسائیوں کا محض پروپیگنڈا ہی ہے یا اس میں کچھ حقیقت بھی ہے۔ لیکن اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ عبرانی لفظ "احد" کے معنے ہیں" ایک جو کئی ایک حصص پر مشتمل ہو" تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ خدا کئی ایک اجسام پر مشتمل ہے بلکہ اسکا مطلب تو یہ ہے کہ اسکی بہت سی صفات ہیں۔ جیسے محبت۔ رحم۔ کریمی۔ رحیمی وغیرہ وغیرہ۔ یا جیسے ہم مسلمانوں کے اندر خدا کی صفات مانی جاتی ہیں۔ یعنی وہ خدا رحمان رحیم رب مالک خالق وغیرہ وغیرہ ہے اسطرح کے ۹۹ اسمائے الہی ہمارے ہاں بتلائے جاتے ہیں۔ میرا یہ خط اگرچہ ایک ذاتی خط ہے مگر میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اگر آپ اس خط کو اسلامک ریویو میں شائع کر دینگے تو خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ میرا اپنا عبرانی کا علم وسیع نہیں ہے۔ شاید ہمارے ناظرین میں سے کوئی صاحب جنہیں عبرانی کا علم وسیع ہو مضمون زیر غور پر کوئی مفید آرٹیکل لکھ سکیں جس سے مجھے اور میرے جیسے لوگوں کو فائدہ پہنچ سکے۔ بہرحال جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے بات چیت کرنا جو اس قسم کے اعتقادات رکھتے ہیں کسقدر مشکل ہے اور اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خواجہ نذیر احمد صاحب والے مضامین کسقدر مفید اور منفعت بخش ہیں۔

میں آپ کی عنایات کا نہایت تشکر گذار رہوں اور امید ہے کہ آپ سلسلہ خط وکتابت جاری رکھینگے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ آپ بہت عدیم الفرصت ہیں۔ تاہم مجھے توقع ہے کہ آپ کبھی کبھی دو چار سطریں لکھ کر مشکور فرمائیں گے۔

آپ کا کبھی کبھی کچھ لکھ دینا ہمارے جیسے مسلمانوں کے لئے جو بالکل الگ تھلگ بیٹھے ہیں بہت کچھ ہوگا۔

(باقی صفحہ ۳۸۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

آستانۂ صداقت اسلام

(از حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام)

سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ اکتوبر ۱۹۳۴ء ملاحظہ ہو

جس کی شرافت، نجابت، امانت دیانت اور صداقت پہلے ہی سے مسلم بین الناس تھی۔ اُس نے ہم کو اسلام کی طرف بلایا اور صرف ایک ہی خدا کی پرستش کا حکم دیا اور سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں جن کے آگے ہمارے آباؤ اجداد سر جھکاتے تھے، صرف خدا ہی کی اطاعت کریں اور کسی کو اس کا ہمسر قرار نہ دیں نماز قایم کریں، زکوٰۃ دیں، روزے رکھیں۔ سچ بولیں، لوگوں کی امانت بجنسہٖ واپس کریں، اقرباء سے محبت اور ہمسایوں سے مروت کا برتاؤ کریں، بدکاری سے بچیں، عیاشی شہوت رانی، اور خونریزی سے محترز رہیں جھوٹی گواہی نہ دیں۔ یتامیٰ کو اُن کے اموال سے محروم نہ کریں۔ لوگوں کی نیت پر حملہ نہ کریں، عورتوں پر بدکاری کا داغ نہ لگائیں۔ ہم نے اُس کی نصایح کو دل و جان سے قبول کیا۔ اس کی صداقت پر ایمان لے آئے اور اُن احکام کی جو خدا تعالےٰ نے اُس کی معرفت ہم پر نازل فرمائے، اطاعت اختیار کی، اور توحید باری تعالےٰ کو مدار ایمان قرار دیا۔ منہیات شرعی سے مجتنب رہتے ہیں۔ صرف اُنہی باتوں پر عمل کرتے ہیں جو شرعاً جائز ہیں۔ پس ان امور کی بناء پر ہماری قوم کے لوگ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں کیونکہ ہمارے خیالات اقوال اور افعال میں ایسا انقلاب پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اُن لوگوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ انہوں نے ہمیں ستانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور حتی الوسع ہم کو دوبارہ بت پرستی کی ترغیب دی اور اُن بدکاریوں کی طرف مائل کرنا چاہا۔ جن کو ہم ترک کر چکے ہیں لیکن اُن کو اپنی کوششوں میں مطلق کامیابی نہیں ہوئی۔ اندریں حالات ہمارے لئے اُن کے درمیان زندگی بسر کرنا ناممکن ہو گیا۔ اور چونکہ اُن کی ایذا دہی

ناقابل برداشت ہو گئی اس لئے ہم نے ترک وطن کو غنیمت سمجھا اور آپ کو ایک عادل اور مہربان بادشاہ سمجھکر، آپ کے ملک میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں "

آنحضرت صلعم کی وفات پر تمام ملک عرب، جملہ بدکاریوں سے قطعاً پاک وصاف ہو چکا تھا - بدی عنقا ہو گئی اور گناہ کا نام ونشان باقی نہ رہا - بقول مسٹر گلبین " تصی کے زمانے سے پہلے عرب میں کوئی مستقل نظام حکومت ہی نہ تھا - ہر شخص اپنے افعال میں خود مختار تھا اور جو اس کی نظر میں مناسب معلوم ہوتا تھا وہی کرتا تھا - اگر اطاعت کرتا تھا، اور وہ بھی برائے نام، تو اپنے ہی قبیلہ کی اور اب بھی لوگ مجبور مطیع قانون بنائے جاتے تھے اور جس وقت مرکزی طاقت کمزور ہوئی، قانون بالائے طاق رکھدیا گیا " لیکن قرآن مجید نے ان سرکشوں کو بے حد مطیع قانون بنا دیا - انہوں نے جمہوریت کے اصولوں پر بہترین قوانین نافذ کئے اور ان کی پابندی بھی کی - آج وہ حکومتیں جو جمہوری اصولوں پر مبنی ہیں - اگر خلیفہ عمرؓ کے اس مقولہ کو دستور العمل بنالیں تو ان کے استحکام کو چار چاند لگ جائیں - جو انہوں نے محکوم اقوام کے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق فرمایا :-

" جب تک رعایا کی آواز، راعی (حاکم) کے نزدیک وقیع اور لائق شنوائی نہ ہو - اس وقت تک صحیح معنی میں حکومت قائم ہی نہیں ہو سکتی "

جو لوگ حسب ونسب پر فخر کیا کرتے تھے اور اپنی جہالت کو سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے وہی علمبرداران علم وفن ہو گئے - قبل اسلام ان لوگوں میں قبائلی لڑائیاں اور خاندانی نزاعات عام تھے - لیکن قرآن کریم نے ان کو باہم دوست بنا دیا اور ایسے تعلقات اخوت پیدا کر دیئے، بغایت استوار اور نہایت عملی، جن کی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی - اس سلسلہ میں الکتاب فرماتی ہے :-

جو لوگ مسلسل جنگوں کی وجہ سے، جو بعض اوقات نسلاً بعد نسلاً چلی جاتی تھیں، اور عموماً نہایت خفیف باتوں پر چھڑ جاتی تھیں، اپنے ملک کو چھوڑ کر باہر نہیں نکل سکتے تھے، اب اس قابل ہو گئے کہ نصف دنیا کو اپنے زیر نگیں لے آئیں، اور اس پر حکمراں ہو جائیں، اور یہ کامیابی محض قرآنی تعلیمات کی بدولت نصیب ہوئی، جنہوں نے مسلمانوں میں بجلی کی سی روانی اور تیزی پیدا کر دی تھی اور اُن کے دلوں میں یہ خواہش

پیدا کردی تھی کہ دنیا میں جو کچھ لائق قبول اور پسندیدہ ہے وہ ان کی ملک ہو جائے"

تاریخ عالم میں کسی دوسری کتاب کا پتہ نہیں چل سکتا، جس نے ایسی فقید المثال کامیابی حاصل کی ہو۔ حد ہے کہ سر ولیم میور جیسا معاند اسلام بھی، جس نے اسلام کی تنقیص میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے اس اعتراف پر مجبور ہے:۔

"تاہم محمد صلعم کے تلقین کردہ مذہبی اصول بہت مختصر اور سادہ تھے۔ آپؐ کی تعلیمات نے عرب میں نہایت حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اُس زمانہ سے لیکر، جبکہ مسیحیت نے لوگوں کو بیدار کیا، اور بُت پرستی کے خلاف جنگ آزمائی کی تھی، آج تک لوگوں نے ایسی مذہبی اور روحانی بیداری کی نظیر نہیں دیکھی تھی، یعنی ایسا مذہب جس کی خاطر لوگ ہر قسم کی قربانی بخوشی خاطر گوارا کرتے، اور ضمیر کی خاطر، مال واسباب سے محروم ہونے کو بطیب خاطر قبول کرتے تھے۔ مسیحیت کے بعد اگر کوئی پیدا ہوا، تو وہ محمد صلعم کا تلقین کردہ مذہب تھا۔

قدیم الایام سے مکہ اور تمام جزیرۃ العرب روحانی تاریکی میں مبتلا تھا۔ لوگ مذہب کی طرف سے قطعاً بے حس تھے۔ یہودیت اور نصرانیت یا فلسفیانہ تحقیقات کے عارضی تاثرات، عربوں کی زندگی میں ایسے ہی ثابت ہوئے جیسے سمندر کی سطح پر ہوا چلنے سے کچھ موجیں پیدا ہو جائیں۔ لیکن تہ آب بالکل جمود و سکون ہو۔ لوگ توہمات جہالت، ظلم و ستم اور فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ باپ کی بیواؤں سے شادی کر لینا، بیٹوں کے نزدیک کوئی بڑی بات ہی نہ تھی۔ غرور اور افلاس کی وجہ سے (جیسا کہ ہندوؤں میں بھی پایا جاتا ہے) وہ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ سراسر شرک اور بُت پرستی میں مبتلا تھے۔ اور ان کا ایمان غیر مشہود چیزوں سے خوف کھانے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اُن چیزوں کی خوشنودی کے جویا اور ناراضگی سے ترساں رہتے تھے۔ وہ لوگ کسی مدبر الامور یا منتظم کائنات ہستی پر ایمان رکھنے سے واقف ہی نہ تھے۔ اور نہ اُن میں حیات بعد الممات، مکافات عمل، جزا و سزا کے خیالات پائے جاتے تھے۔ جو ان کے افعال کے لئے بطور محرک ہو سکتے۔

ہجرت سے تیرہ سال پہلے مکہ پر ایک عالم جمود و خمود طاری تھا۔ لیکن تیرہ سال کے بعد یعنی بعثت سے

لبکر تا دم ہجرت) حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو چکی تھی - چند سو آدمیوں نے بت پرستی سے توبہ کرکے خدائے واحد کی پرستش اختیار کر لی تھی اور جس بات کو وہ منجانب اللہ سمجھتے تھے، اس کی اطاعت پر دل وجان سے آمادہ ہو گئے - اور قادر مطلق خدا کی عبادت نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ کرنے لگے - اس کے رحم کے امیدوار اور مغفرت کے طلبگار ہو گئے اور اعمال حسنہ یعنی زکوٰۃ، خیرات، عفت وعصمت، اور معدات اور دیگر افعال حسنہ ان کا شعار ہو گیا -

اب وہ ہر وقت ایک عالم الغیب خدا کی ہستی کو محسوس کرنے لگے، اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ خدا نہ صرف اُن کے جزئیات امور سے واقف ہے بلکہ ان پر نگراں بھی ہے اور اُن کا کارساز بھی ہے - وہ ہر شے میں، ہر بات میں، ہر مظہر کائنات میں، تمامی امور زندگی میں خدا ہی کا ہاتھ کارفرمائی کرتا ہوا دیکھتے تھے - اور ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنی اس نئی حالت کو، جس پر وہ نازاں تھے، خدا کی خاص نوازش سمجھتے تھے اور اپنے کوتاہ نظر ہمعصروں کو جو اسلام سے نفور تھے مورد مواخذہ الٰہیہ سمجھتے تھے محمد صاحب صلعم اُن کیلئے روحانی طبیب تھے اور وہ اُن کی ... امیدوں کے مرکز اور ان کی اطاعت یہ لوگ صدق دل سے بجالاتے تھے - نہایت ہی مختصر زمانہ میں مکہ دو متخاصمین میں منقسم ہو گیا تھا جو اپنی سابقہ خاندانی لڑائیوں کو بالائے طاق رکھکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئے تھے مومنین نے تمام تکالیف اور مصائب نہایت تحمل اور صبر کے ساتھ برداشت کئے - اگرچہ انہوں نے یہ بات پیش بینی کی رو سے کی لیکن بہرحال وہ بلند حوصلہ تحمل جو انہوں نے دکھایا بہرحال لائق تعریف ہے - قریب سو نفوس کے بجائے اپنے محبوب مذہب کو ترک کرنے کے، ترک وطن کرکے ملک حبش میں جا بسے، اور کچھ عرصہ کے بعد کافی تعداد، خود آنحضرت صلعم کے ساتھ اپنے مقدس شہر کو جس میں خانۂ کعبہ، جو اُن کے نزدیک تمام روئے زمین پر مقدس ترین مقام ہے، واقع ہے سے ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے اور وہاں جاکر دو، تین سال ہی میں انہوں نے اہل مدینہ کو اپنے پاکیزہ طرز عمل سے ایسا مسخر کر لیا کہ وہ لوگ بخوشی خاطر اُن کے بھائی بن گئے - اور وہ لوگ پیغمبر صاحبؐ کی مدد اور حفاظت کے لئے بدل وجان طیار ہو گئے اگرچہ یہودی مذہب کی باتیں سے اُن کے کانوں میں پڑ رہی تھیں - لیکن یہ تاثیر تو کچھ پیغمبر عربؐ ہی کی روح افروز تعلیم میں تھی کہ اُن کے مردہ قلوب میں جان پڑ گئی اور روحانی زندگی کے آثار پیدا ہو گئے، اور

تھوڑے ہی دنوں میں ان کی اجتماعی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا۔"

فی الجملہ عربوں کی اصلاح ہر پہلو سے ہو گئی - شراب کے امتناعی حکم کو لیجئے - انگلستان میں ارکان حکومت کو شراب کی قیمت میں تخفیف کرنے کے لئے قوانین نافذ کرنے پڑتے ہیں - لیکن جو لوگ دن میں پانچ مرتبہ شراب پیا کرتے تھے، نبی کریمؐ نے ان میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ وہ اُن اوقات میں خدائے واحد کے سامنے جھکنے لگے - واضح ہو کہ نماز کے اوقاتِ پنجگانہ، کسی وقت میں، شراب خوری کے مقررہ اوقات تھے -

شراب خوری، قمار بازی اور رعنا مکاری یہی تین لعنتیں ہیں جو مسیحی ممالک پر چھائی ہوئی ہیں - اور جہاں جہاں مسیحیت کو فروغ ہوتا ہے وہاں وہاں یہ تین لعنتیں بھی آموجود ہوتی ہیں - لیکن اسلامی ممالک ان لعنتوں سے پاک ہیں - اور جو اقوام عیسائی سے مسلمان ہو گئی ہیں، اُن کے اندر بھی اسلامی تعلیمات نے حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی ہے - کینن آیزک ٹیلر کہتے ہیں :-

"افریقن قبائل اگر ایک مرتبہ اسلام لے آئیں تو پھر ان کا مسیحی یا بُت پرست ہو جانا ناممکن ہو جاتا ہے اور اسلام نے مسیحیت سے بدرجہا زیادہ، تہذیب و تمدن کی خدمات انجام دی ہیں - مثلاً سرکاری افسروں اور عام مسیحی مبلغوں کی روئیدادوں کے مطالعہ سے اسلام کے نتائج کا حال مفصل طور پر معلوم ہو سکتا ہے - جب کوئی حبشی، اسلام قبول کرتا ہے تو بُت پرستی، شرک، شیطان پرستی، حجر پرستی، مردم خوری، انسانی قربانی، اطفال کشی، جادوگری، اور تمام لغویات یک لخت کافور ہو جاتی ہیں - وحشی لوگ لباس پہننے لگتے ہیں، غلاظت سے نفرت اور صفائی سے رغبت ہو جاتی ہے - بلکہ ان میں شخصی وقار اور تمکنت اور احساس خودداری پیدا ہو جاتا ہے - مہمان نوازی، گویا فرضِ مذہبی ہو جاتا ہے - شراب خوری کم ہو جاتی ہے، قمار بازی ممنوع قرار پاتی ہے - برہنہ رقص اور مرد و زن میں اختلاط باہمی دونوں باتیں غائب ہو جاتی ہیں - عصمت نسواں ایک خوبی قرار پاتی ہے - کاہلی کی بجائے ان میں چستی اور چالاکی آ جاتی ہے -

.... ہر جگہ قانون، انتظام، اور سنجیدگی اور تقویٰ کا دور دورہ ہو جاتا ہے - خونخوار لڑائیاں، غلاموں پر ظلم جانوروں کے ساتھ بے رحمی یہ سب باتیں کافور ہو جاتی ہیں - انسانیت، مہربانی، اور اخوت کے جذبات

پیدا ہو جاتے ہیں۔ تعداد ازدواج اور غلامی کے اندر اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اُن کے عیوب دور ہو جاتے ہیں۔

علاوہ بریں اسلام تلقین پرہیزگاری کے لحاظ سے دنیا میں سب سے زیادہ موثر مذہب ہے۔ اس کے بالمقابل، یورو بین تجارت ہر جگہ شراب خوری اور بدکاری کی محرک ہوتی ہے اور مختلف پہلوؤں سے باشندوں کی تذلیل کا موجب ہوتی ہے۔ اسلام اپنے پیروؤں میں اعلیٰ قسم کی تہذیب پیدا کر دیتا ہے اور لکھنے پڑھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور صفائی، پاکیزگی جسمانی طہارت، صداقت راستبازی نصفت شعاری اور خود داری کی تلقین کرتا ہے سچ تو یہ ہے کہ اسلام کے اندر پیروؤں کو بُرائیوں سے روکنے اور تہذیب پیدا کرنے کی غیر معمولی قوت موجود ہے۔ اس کے بالمقابل، مسیحیوں نے اب تک بے شمار دولت اور کارکن افریقہ کے حبشیوں کو مسیحی بنانے کے لئے بھیجے لیکن اسلام کے مقابلہ میں کوئی لائق تعریف کامیابی نہیں ہوئی مسیحیوں کی تعداد ہزاروں تک محدود ہے لیکن مسلمانوں کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہے جو اب تک دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ حقائق ایسے نہیں کہ ان سے تغافل ورزی یا آنکھ بند کر سکیں ہمیں ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے "

اگر موجودہ زمانہ میں اسلامی ممالک میں بادِ خزاں چلنے لگی ہے تو اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، یعنی مغربی اقوام نے اقتصادی پہلو سے اُن کو پریشان کن بار کے نیچے دبا رکھا ہے۔ علاوہ بریں موجودہ مسلمانوں کی طرزِ زندگی پر ایک سطحی نظر ڈالنے سے بھی واقفِ قرآن کو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عقاید اعمال سے قطعاً بے تعلق کر لیا ہے اور قرآنی تعلیمات کو پس پُشت ڈال دیا ہے۔

میری رائے میں غیر مسلم دنیا، اکثر معاملات میں قرآنی تعلیم پر مسلمانوں سے زیادہ عمل کرتی ہے متمدن اقوام کے سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی ضوابط قانون کو دیکھا جائے، ان میں جو بہترین باتیں ہیں وہ سراسر قرآنی تعلیمات سے ماخوذ ہیں۔ لیکن یہ وہ بحث ہے۔ جس پر میں کبھی آئندہ مفصل طور سے روشنی ڈالوں گا۔

مختصر یہ کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان، قرآن کو اپنا ہادی اور راہنما سمجھتے تھے اور اسی کی تعلیمات پر عمل

کرتے تھے اسی لئے دنیا پر حکمراں ہو گئے تھے، لیکن موجودہ مسلمانوں نے، قرآن شریف کو جزو دانوں میں لپیٹ کر بالائے طاق رکھدیا، اس کی تعلیمات سے مونہہ موڑ لیا نتیجہ یہ نکلا کہ ذلیل و خوار ہو گئے۔ فی الجملہ قرآن شریف نے جو اعجازی انقلاب، اپنے پیروؤں میں پیدا کیا، اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ انقلاب "معجزہ" سے بھی بڑھکر ہوا، کیونکہ ذی شعور انسانوں میں تبدیلی پیدا کرنا، غیر ذی شعور "مادہ" کی قلب ہئیت سے بدرجہا زیادہ مشکل ہے، وہ بغیر کسی خارجی یا کسی معجزہ کی مدد کے وقوع میں آیا تھا۔ یعنی صرف قرآنی تعلیمات کی خوبیوں پر مبنی تھا۔

اگر بربریت اور جہالت سے یک لخت، اعلیٰ درجہ کی شائستگی، فنون، تہذیب و تمدن کا پیدا ہونا کامل وحشت اور جہالت سے یکایک، علوم و فنون، لطیفہ، ادبیات، اور سائنیس کا پیدا ہونا، کامل بدنظمی اور طوائف الملوکی سے، نظام حکومت اور ضابطۂ جمہوریت کا پیدا ہونا، خانہ جنگی اور تضعیف قوی سے ملک گیری، فتحمندی، بلند اقبالی کا پیدا ہونا بدکاری، اور بے حیائی سے، اعلیٰ درجہ کی نکوکاری اور پرہیزگاری کا پیدا ہونا، فی الجملہ اگر بہیمیت اور حیوانیت سے کامل ارتقایافتہ انسانیت اور تہذیب کا پیدا ہوجانا، اور وہ بھی نزول قرآنی سے صرف دو ہی نسلوں کے بعد "بہترین معجزہ" تسلیم نہ کیا جائے تو کم ازکم میں ان تمام معجزات کا مقصد اور فائدہ سمجھنے سے قاصر ہوں جو تمام کتب مقدسہ میں مذکور ہوئے ہیں، علی الخصوص اس وقت جبکہ، جہاں تک شاہدین معجزات میں تاثرات اور تبدیلی پیدا ہونے کا سوال ہے۔ اُن معجزات کو قرآن کے معجزۂ اصلاح سے کوئی نسبت ہی نہیں ہوسکتی؛ قرآن کریم نے بار بار اپنے نزول کو بارش سے تشبیہ دی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس تشبیہ کا اس سے موزوں تر استعمال ہو بھی نہیں سکتا۔ اگر بارش زمین کو زندگی عطا کرتی ہے، تو قرآن کریم نے انسانی دماغ کو حیات تازہ عطا کی۔ آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت، انسانوں پر کامل جمود و خمود کی کیفیت طاری تھی۔ لیکن قرآنی تعلیمات کی بدولت اُن کو دوبارہ کامل زندگی حاصل ہوگئی۔

معیار صداقت معجزات نہیں ہیں بلکہ معقولیت ہے

قرآن شریف اور دیگر الہامی کتابوں میں ایک بیّن فرق یہ ہے کہ جو الہامی کتب قرآن کریم سے پہلے نازل ہوئیں، لوگوں نے انہیں معجزات کی بناء پر منجانب اللہ تسلیم کیا تھا۔ مثلاً جناب مسیح اور دیگر انبیائے ماسبق کو اپنی رسالت کے منجانب اللہ ثابت کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے، معجزات دکھانے پڑے تھے۔ تاہم بہت سے لوگوں میں یقین جازم پیدا نہ ہوسکا۔ برعکس اس کے لوگوں میں ایمان پیدا کرنے کے لئے، قرآن کریم ان طریقوں کو پسندیدہ قرار نہیں دیتا، اور جن ہتیاروں سے اُس نے مخالفین پر فتح پائی وہ معجزات کے نہیں بلکہ معقولیت، حُسن تعلیمات، اور عقل و فطرت کی طرف توجہ دلانا تھے۔ اور اُس نے اپنی تعلیمات کی صداقت ثابت یا ذہن نشین کرنے کے لئے ہمیشہ عقل، حکمت منطق، فطرت اور کائنات کے مظاہر سے اپیل کی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے اپنی سچائی کے اثبات میں مظاہر کائنات اور اُن کے طرزِ عمل کو پیش کیا ہے۔ اور کوئی عقیدہ تحکمانہ رنگ میں پیش نہیں کیا اور جو بات بادی النظر میں کسی کو مبہم یا خلاف عقل نظر آئے، وہ اس کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جو شخص اپنی سفاہت یا جہالت کی وجہ سے حقایق قرآنی کے سمجھنے سے قاصر ہے کوئی شخص اُسے اُن کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ چنانچہ قرآن شریف نہایت واضح الفاظ میں فرماتا ہے:۔

"لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا" یعنی اللہ کسی کو اس کی وسعت زیادہ تکلیف نہیں دیتا (سورۂ بقر آیت ۲۸۶)

پھر فرمایا "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ یعنی دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں ہے، تحقیق، ہدایت ضلالت سے صاف متمیز ہو گئی ہے (سورۂ بقر آیت ۲۵۶)

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآنی تعلیمات اور حقایق و معارف عقل و منطق کی بناء پر واضح اور مدلل کئے گئے ہیں لیکن اگر پھر بھی کوئی شخص اُن کے سمجھنے سے قاصر ہے تو اُسے اُنکو قبول کرنے کیلئے مجبور نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ایسا کرنے

عیسیٰ ابن مریم

پیدائش اور وفات

از قلم جناب خواجا نذیر احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا

سلسلے کیلئے اشاعت سوم ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء ملاحظہ فرمائیں

یہ ظاہر ہے کہ عورتیں قبر کے پاس موجود تھیں جب فرشتے آئے کیونکہ یسوع کے جی اٹھنے کا حال فرشتوں کو عورتوں سے معلوم ہوا جنہوں نے فرشتوں کو بلا کر قبر دیکھنے کو کہا۔ فرشتوں نے عورتوں کو ہدایت کی کہ وہ شاگردوں سے گیلیلی جانیکو جہاں یسوع گیا تھا کہدیں، لیکن یسوع کو اپنے شاگردوں کا حال معلوم تھا انہوں نے خیال کیا کہ وہ لوگ اس سنی سنائی بات کو بھروسہ کے قابل نہ سمجھیں گے اس لئے یسوع کو عورتوں کے سامنے خود ظاہر ہو کر وہی ہدایات کرنی پڑیں۔

جس طریقہ پر شاگردوں کو خبر پہنچائی گئی جیسا کہ ابھی بیان کیا جاچکا ہے مختلف انجیلوں میں مختلف ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ غیر معمولی خبر پاکر کسی شاگرد نے بھی قبر تک جانے کی تکلیف گوارا نہ کی۔

رسول لوقا یہ سبب بیان کرتا ہے :-

اور یہ الفاظ اُن کو محض کہانی معلوم ہوئی اور انہوں نے اُن کا یقین نہیں کیا۔

لوقا تاہم پطرس کی بات تو ایک استثنا قرار دیتا ہے اور یوحنا پطرس کو دوسرے شاگرد سے جسے یسوع چاہتا تھا ملاتا ہے جو قبر پر بھی گیا اور اس کو خالی پاکر متحیر ہوکر لوٹے۔ یوحنا نے یسوع کے متذکرہ پیشینگوئیوں کو جو اُس نے اپنے دوبارہ جی اُٹھنے کے متعلق کیں تھیں پرواہ نہ کرکے اس لئے کہ وہ پیشینگوئیاں اُس کو اپنے شاگردوں کے سامنے کرنی چاہئیں تھیں یہ بیان دیا -

" کیونکہ اب تک اُن کو انجیلوں سے نہیں معلوم ہوا تھا کہ مُردوں میں سے جی اُٹھے گا "

میں یہاں یہ ظاہر کروں گا تاکہ لوقا میں وہ حصہ جس میں پطرس کے قبر پر جانیکا ذکر ہے - ایک دوسری مذہبی اختراع ہے جو ابتدائی عیسائی پادریوں نے کی ہے اور یوحنا جو یسوع کے ساتھ گیا تھا اُس کو بھی غائب ہونا چاہئے تھا - اس سے ظاہر ہے کہ اُس کے شاگردوں میں سے کوئی قبر پر نہیں گیا -

اپنے جی اُٹھنے کے بعد پہلی بار اُس نے مریم میگدلینی کو دیکھا جو مرگی کی مریض تھی اور جس میں سے یسوع نے سات پریت نکالے تھے اور جس کو اُس نے روتے ہوئے پایا -

مرقس میں عورتوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ شاگردوں سے کہیں کہ وہ گلیلی جائیں - جہاں وہ یسوع سے ملیں گے - متی نے بھی یہی بات کہی ہے - یہ یسوع کی پیشین گوئی کے مطابق تھا -

اپنے دوبارہ جی اٹھنے کے بعد میں تمہارے سامنے گلیلی کو جاؤنگا -

اس پیشین گوئی کے مطابقت میں متی یسوع کے دوسرے ظہور کا ذکر جب شاگردوں کو وہ گلیلی میں ملتا ہے کرتا ہے - مرقس بعض ظہور کا ذکر کرتا ہے جو یروشلم میں ہوئے - یوحنا کو مثل مرقس کے شاگردوں کے گلیلی جانے کے متعلق روایات کا علم نہیں ہے لوقا میں گلیلی کے کسی ظہور کا کوئی پتہ نہیں ہے لیکن یروشلم اور اس کے اطراف کو حقیقت میں اُس کے ظہور کی جگہ بنائی گئی ہے - صرف یہی نہیں بلکہ لوقا یسوع کے اُٹھنے کے بعد اُسی شام کو نظر آیا تو اُس نے یسوع کے منہ سے یروشلم میں شاگردوں کو ہدایت کے لئے کہلوایا -

"تم یروشلم کے شہر میں ٹھہرو یہاں تک کہ آسمانی طاقت تم کو حاصل ہو۔ اور اعمال کی کتاب میں لوقا اس کو بالکل بیان کرتا ہے لیکن نفی میں:-

کہ اُن کو یروشلم چھوڑ کر جانا نہیں چاہیئے۔

اب یہ بتاؤ کہ یسوع اپنے شاگردوں کو گلیلی کے سفر کے لئے کیسے کہہ سکتا تھا اور لمبے سے لمبا سفر جو ایک یہودی اپنے ملک میں کر سکتا تھا کیسے کرتا اور ساتھ ہی ساتھ اُن کو یروشلم میں رہنے کا حکم یہودیوں کے تہوار تک کیسے دے سکتا تھا اور کس طرح یسوع اُن سے کہہ سکتا تھا۔ کہ وہ اُس سے گلیلی میں ملیں جبکہ اُسی دن اُس کا ارادہ یروشلم میں اُن کے سامنے ظاہر ہونے کا تھا۔ ولفن ٹیل فریکمنٹسٹ کی یہ رائے ہے کہ اگر یسوع اپنے دوسرے جنم کے دن اپنے شاگردوں کو یروشلم میں نظر آیا اور اُن کو حکم دیا کہ جب تک یہودیوں کا تہوار نہ ہو جائے وہ وہاں سے نہ جائیں تو یہ بات موٹی ہے کہ اُس نے اُن کو انہیں ایام میں گلیلی جانیکا حکم دیا۔

اس کا جواب سادہ نہیں بہت زور کے ساتھ کلیسا کے ایک طرفدار نے دیا۔

وہ کہتا ہے کہ یسوع کا ابتدا میں گلیلی جانے کا ارادہ تھا۔ اور اسی خیال سے اُس نے اپنے شاگردوں کو وہاں جانے کی ہدایت کی تھی۔ اُن کو یسوع کے دوبارہ جنم کا نہ علم تھا اور نہ یقین اور چونکہ چھپے ہوئے تھے اس لئے وہ دوڑ دھوپ نہ کر سکے۔ یسوع کو اس وجہ سے اپنا سفر ملتوی کرنا پڑا اور ان کے سامنے یروشلم میں آنا پڑا۔ میں اس دعوے کو نہیں جھٹلا سکتا۔ لیکن یہ بڑے اچنبے کی بات ہے کہ یا تو خدا کا بیٹا اپنے شاگردوں کو نہیں جانتا تھا یا وہ آئندہ کا تصور نہیں کر سکتا تھا تاہم جب وہ اُن کو نظر آیا۔

تو وہ ڈر گئے اور سہم گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ انہوں نے کسی بھوت کو دیکھا تھا اور ان کا شبہ دور کرنے کیلئے یسوع کو کہنا پڑا۔

کہ میرے ہاتھ اور پیروں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں مجھے چھوؤ اور دیکھو۔ کیونکہ بھوت پر جنین کے ہڈی اور جسم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تم مجھ میں دیکھتے ہو۔

مزید براں یہ بھی کہا گیا ہے

کہ جب وہ اس طرح بولا اُس نے اُن اپنے ہاتھ اور پیر دکھلائے اور جبکہ انہوں نے خوشی سے اُس کا یقین نہیں کیا اور متحیر تھے تو اُس نے اُن سے کہا۔ کیا تمہارے پاس یہاں کسی قسم کا گوشت ہے۔ اور انہوں نے اُس کو ایک ابلی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا دیا اور شہد۔ اور اُس نے اُس کو لیا اور اُن کے سامنے کھایا

باوجود ان کھلی دلیلوں کے بعض اُس پر شبہ کرتے تھے۔ یہ چنداں بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ الفاظ 'خوشی سے' بعد کے ایک کلیسائی تحریف ہے۔

مرقس کا بیان لوقا سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن کسی قدر مختلف حالات کے ساتھ۔ یہ عام طور پر تسلیم کیا جاچکا ہے کہ آیت ۹ باب ۱۶ سے آگے بقیہ باب جس میں یہ بیان آتا ہے ایک دوسرا مذہبی حال ہے

نظر ثانی کے بیان کے مترجم یہ کہکر تسلی کرلیتے ہیں :۔

دو سب سے پرانی قلمی نسخوں میں سے اور بعض دوسری تصانیف ہیں۔ سے نویں آیت سے آخر تک حصہ غائب ہے۔ بعض مصنف انجیل کا اختتام دوسرے طریقے پر کرتے ہیں۔

اگر ہم یوحنا کا مطالعہ کریں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یسوع مریم میگدلینی کے پیچھے کھڑا ہوا۔ کیونکہ وہ قبر سے بھاگ کر جارہی تھی۔ اُس نے یسوع کو نہیں پہچانا اور اُس کو باغبان خیال کیا یہاں تک کہ یسوع نے اُس کا نام لے کر پکارا۔ اُس نے مریم میگدلینی سے کہا کہ وہ شاگردوں سے اطلاع کردے اور اُسی دن

جبکہ دروازے بند تھے جہاں شاگرد یہودیوں کے ڈر سے چھپے ہوئے تھے یسوع آیا اور اُن کے درمیان میں کھڑا ہوا اور اُن سے کہا کہ تم پر رحمت ہو اور یہ کہتے ہوئے اُس نے اُن کو اپنے ہاتھ اور بغل دکھلائے

ٹامس اس موقعہ پر موجود نہ تھا۔ دوسرے شاگردوں نے جب اُس سے یسوع کے ظاہر ہونے کا حال بیان کیا تو اُس نے جواب دیا :۔

جب تک میں اُس کے ہاتھوں صرف کیلوں کے نشان نہ دیکھوں گا۔ اور اپنی انگلیوں سے کیلوں کے گڑھے کے اندر نہ ڈالونگا اور اپنا ہاتھ اُس کی بغل نہ دیکھوں میں یقین نہیں کروں گا۔

اس طریقہ پر یسوع کو آٹھ دن کے بعد دوبارہ نمودار ہونا اور ٹاماس کو بلانا پڑا تاکہ اُس کے ہاتھ دیکھے اور اس کی بغل میں انگلی ڈالے - میں یہاں بیان کروں گا کہ وہ جملہ جو ٹاماس نے کہا میرے آقا اور میرے خدا ایک یہودی کے منہ سے نہیں نکل سکتا تھا - اور اب وہ بعد کلیسائی اختراع تسلیم کی جاتی ہے -

یوحنا میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ بہت ہی دلچسپ ہے - وہ ایک قسم کا جدید اضافہ ہے جو انجیل میں کسی دوسرے نے کر دیا ہے - وہ حقیقت میں ایک دوسرا جوڑ ہے جو بھدا اور ناموزوں ہے - وہ انجیل کا تمام مقصد فوت کر دیتا ہے جو صاف طور پر باب ۲۰ کے ۳۰ اور ۳۱ آیت پر ختم ہو جاتی ہے اور غالباً اُس کو انجیل میں اس لئے جوڑا گیا تھا کہ کلیسا والے جو مختصر توجہ پر زور دیتے ہیں قبول کر لیں - انجیل کا مصنف یروشلم میں یسوع کے ظہور کو تسلیم کرتا ہے - حالانکہ تعریف کرنے والا گیلیلی میں یسوع کے ظہور کو مانتا ہے - ۲۰ اور ۲۱ باب کی نزدیکی سے ناقابل اختلاف ظاہر ہوتا ہے سوائے اس کے کہ یہ مزید اطلاع معتقدین کے فائدے کے لئے سمجھی جائے - چوتھی ساتویں اور بارہویں آیتوں کے متضاد کیفیت کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو تمام باب ایک داستان ہے آخری دو آیتیں اور یسوع کی پطرس سے بات چیت انجیل کے مصنف کے قلم سے نہیں ہو سکتیں -

وہ الفاظ کہ ہم جانتے ہیں، صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اس باب کو انجیل میں Ephesian Elders نے داخل کیا تھا جنہوں نے پہلے بار انجیل کی توسیع کی - یہ بات کہ انجیل کا مصنف پیارا شاگرد تھا، ۲۰ سے لیکر ۲۴ ویں آیتوں سے نکالی گئی ہے - پیک اپنی بائیبل کی اس شرح میں اس عقیدہ کے متعلق کہ پورا باب بعد کا اضافہ ہے نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے - ڈمیلو اسکو بہت بعد کا حصہ بتاتا ہے

اس باب سے یکایک، بالکل مختلف حالات شروع ہوتے ہیں شاگردوں کے متعلق ہمیں یہ بتلایا جاتا ہے کہ انہوں نے گیلیلی کی پہلی طرز زندگی شروع کر دی تھی جب کہ یسوع اُن کو سمندر ٹائیبرس پر صبح کی شفق میں نظر آیا تھا - اُس کے شاگرد اُس کو نہیں جانتے تھے اور وہ خوفزدہ تھے اور کسی میں یہ جراءت نہ تھی کہ یہ پوچھ سکے کہ تم کون ہو - ایک دفعہ پھر یسوع نے اُن کے شبہ کو دور کرنے کے لئے روٹی اور مچھلیاں بانٹیں اور اُن سے کھانے کو کہا اور خود بھی شریک ہُوا -

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ یسوع اپنے شاگردوں کو آدمی کے جون میں نظر نہیں آیا - لیکن اگنیس نے

اپنے خط میں جو کلیسا کو سمرنا میں لکھا کہتا ہے:-

میں جانتا اور یقین کرتا ہوں کہ یسوع جی اُٹھنے کے بعد بھی جسمانی حالت میں تھا اور جب وہ اُن کے پاس پطرس کے ساتھ آیا تو اُس نے کہا:-

یہ لو مجھے چھوؤ اور دیکھو کہ میں کوئی بھوت پریت نہیں ہوں۔

اوریگن نے ایک ایسا ہی حوالہ پطرس کی انجیل سے دیا ہے۔ اِس کا جروم اور اسیوبیس نے بھی دیا ہے اور وہ اس کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ انجیل میں توریت کے حوالہ سے نقل ہے:-

"اب جیمس نے قسم کھائی تھی کہ وہ روٹی نہیں کھائیگا اور یسوع نے کہا ہے ایک میز اور روٹی لاؤ اور اُس نے روٹی کو لیکر برکت دی اور اسکو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ اُسکے بعد اُسکو منصف جیمس کو دیا اور اُس سے کہا۔ اے برادر۔ تم اپنی روٹی کھاؤ کیونکہ ابن آدم خواب سے اُٹھ بیٹھا ہے۔

جیمس مشکوک حالت میں تھا لیکن یسوع نے کہا:-

پکڑو اور مجھے چھوؤ اور دیکھو کہ میں بے جسم نہیں ہوں۔

اب یا تو یہ اصل میں کامل انسان تھا جو جسمانی اور عضوی قانون کے تابع تھا یا وہ ایک غیر معمولی انسان تھا جس کا جسم تبدیل ہوگیا تھا۔ انسانی شکل معہ تمام حالات کے یعنی زخم کے نشانات۔ انسانی گفتگو چلنا اور روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو ایک آسمانی روح سے کوئی مناسبت نہیں۔ لیکن تمام شبہے اس واقعہ کے سامنے باطل ہوجاتے ہیں کہ یسوع نے انسانی کھانا کھایا اور لوگوں کو اپنے جسم کو چھونے کی اجازت دی مزید برآں ہم نے یسوع کی حالت جسمانی میں ویسی ترقی محسوس کی جو ایک بڑے زخمی کی رفتہ رفتہ حالت سدھرنے میں ہوا کرتی ہے۔ قبر سے نکلنے کے بعد پہلے گھنٹوں میں وہ باغ کے قرب میں رہنے پر مجبور تھا۔ دوپہر میں یسوع میں کافی طاقت آگئی تھی کہ وہ قریب کے گاؤں اماس تک پیدل جا سکے۔ اور پھر کچھ دیر بعد وہ اس قابل ہوا کہ وہ گیلیلی کے دور دراز سفر کو طے کر سکے۔ پھر بھی اُس کو اتنا ہی بلکہ زیادہ وقت گیلیلی تک پہنچنے میں لگا۔ کیونکہ وہ اپنے شاگردوں کے وہاں پہونچنے کے بعد نظر آیا۔ پھر وہی عجیب و غریب ترتیب دوسروں کے اُس کے جسم کے چھونے میں پائی جاتی ہے۔ یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کے بعد اُس کا زخمی جسم ابھی تک کمزور اور حساس تھا

اور یسوع نے مریم میگدلینی سے کہا کہ وہ اُس کا جسم نہ چھوئے۔ آٹھ دن بعد اُس نے ٹامس کو اپنا جسم اور زخم چھونے کی خود اجازت دیدی۔

یہ واقعہ کہ یسوع اپنے خیالی جنم کے بعد اپنے شاگردوں کے ساتھ شاید ہی تھا اور ایسے تھوڑے وقت کے لئے اس بات کا ثبوت ہے کہ اُس کے قدرتی انسانی جسم کو جو زخموں سے کمزور تھا کچھ محنت کے بعد زیادہ آرام کی ضرورت تھی۔ اس کی غیرحاضری ظاہر کرتی ہے کہ اُس کو اصلی حالت کا علم تھا۔ اگر وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہوتا تو وہ اپنے آپ کو دشمنوں کو دکھلاتا اور اس طریقہ پر اپنے آسمانی ہونے کا یقین دلا دیتا۔ اصلیت تو یہ ہے کہ یسوع کو ایک اور آزمائش کی خواہش نہ تھی اور اس لئے وہ جتنی جلدی ظاہر ہوتا تھا اتنی ہی جلدی غائب ہو جاتا تھا۔ یہ اصرار کیا جا سکتا ہے کہ اگر اُس کو جسمانی آرام کی ضرورت تھی تو اُس کو اپنے شاگردوں کے ساتھ رہنا چاہئے تھا جو اُس کی محبت اور محنت سے خدمت کرتے۔ لیکن یسوع میں دوسرے بار دیکھے جانے کی ہمت نہ تھی۔ وہ اس کا مزا پہلے ہی چکھ چکا تھا اور اُس کے شاگرد اُس کے بار بار ظہور کے بعد متحیر اور مشکوک حالت میں تھے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایک ظہور اور دوسرے ظہور کے درمیانی وقت میں کہاں رہتا تھا جنگل میں یا پہاڑوں پر۔ اس کا جواب صرف دو آدمی دے سکتے ہیں جو سفید لباس میں تھے۔ یا شاید خفیہ جماعت کے ممبر بتلا سکتے ہیں یا قدیم یہودی جماعت کے اراکین۔ اُس کی عجیب وغریب حالت میں یسوع ایسے ستائے ہوئے آدمی کے لئے کوئی مناسب جگہ رہنے کے لئے نہ تھی سوائے اُس کے خفیہ ساتھیوں کے پاس جن کے متعلق اُس کے شاگرد بھی کچھ نہ جانتے تھے اور جن میں سے وہ جب چاہتا آ سکتا تھا۔ اُس کی زندگی کے اُس رُخ پر تھوڑے آگے چلکر تفصیل کے ساتھ بحث کروں گا۔

یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یسوع کا کمروں میں آنا جن کے دروازے بند تھے ظاہر کرتا ہے کہ اُس کا مادی جسم نہ تھا۔ لیکن کیا وہ دروازوں میں سے گذرا کیونکہ یہ کسی جگہ نہیں کہا گیا کہ وہ لکڑی کے تختوں میں سے گذرا پطرس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تہ بند قیدخانہ سے باہر آیا۔ کسی نے یہ نہیں بتلایا کہ قیدخانہ کے دروازے بند ہونے پر بھی وہ باہر آ گیا۔ اب پھاٹکوں کو کھلنا ہی تھا۔ انجیل لکھنے والوں کے لئے یہ بیکار بلکہ بیہودہ سی بات ہوتی اگر وہ یہ کہتے کہ دروازہ کھولا گیا تھا۔ یہ ماننا چاہئے۔ مگر یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ

پھاٹک بند تھا اور بند رہتا تھا۔ اور یسوع لکڑی کے تختوں میں سے نکل جاتا تھا میں یہ یہاں بیان کروں گا کہ قبر پر سے پتھر کے ہٹ جانے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع اپنے دنیاوی جسم میں قبر سے باہر آگیا تھا اور فرشتے جو وہاں نظر آئے وہ بھی مادی جسم میں تھے۔ پھر۔ پہلی اطلاع جو عورتوں نے دی تھی وہ یہ تھی کہ یسوع زندہ تھا۔ جو قطعی طور پر دوبارہ روحانی پیدائش کے خیال کو رد کر دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ اصول جدید جنم کو کلیسائے انگلستان کے مذہب کے چوتھی دفعہ میں ذیل کے الفاظ میں بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

"یسوع حقیقت میں مردوں میں سے پھر اٹھا اور اُس نے اپنے جسم میں گوشت۔ ہڈیاں اور وہ تمام چیزیں جو انسان کے فطرت کو مکمل بناتے ہیں داخل کئے جس سے وہ آسمان پر چڑھ گیا اور وہ وہاں بیٹھا ہوا ہے اس وقت تک کہ جب وہ آخری دن تمام آدمیوں کی جانچ کی غرض سے واپس آئیگا"

"پال نے یہ سچ ہے کہ دوبارہ زندہ ہوئے جسم کے بارے میں کہا اور اصرار کے ساتھ بیان کیا کہ اُس نے گوشت اور خون کے جسم کو روحانی۔ غیرفانی اور لازوال صورت میں اس طرح بدل دیا ہے کہ مردہ جسم کا گوشت اور خون جو قبر میں رکھا گیا اُس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ یہ حقیقت میں یہودیوں کے پیدائش عالم کے عقیدہ کے مطابق ہے جس کا یہ مقصد ہے کہ تمام مردہ روحیں شہر خموشاں کو چلی جاتی ہیں۔ یسوع کو موت کے لئے مثل اور مردوں کے یہودیوں کے عقیدہ میں وہی سفر کرنا تھا۔ یسوع کی موت ثابت کرنے کے لئے وہ قبر میں لے جایا گیا۔ نئے عہد نامے میں یسوع کے دنیائے زیرین میں اُترنے کے حوالے اتفاقی ہیں۔ پطرس کا آخری خط پال کے نام ہمیں بتلاتا ہے کہ یسوع مار ڈالنے کے بعد انسانی جسم میں رکھا گیا لیکن اُس میں روح بھر دی گئی۔ جس کے بدولت وہ جیلخانہ میں گیا اور وہاں روحوں کو تلقین کی۔

اور اُس سے اور آگے

"اسی غرض سے انجیل کی تلقین اُن لوگوں کو بھی کی گئی تھی جو مر گئے تھے تاکہ اُن کی آزمائش انسان ہونے کے لحاظ سے کی جائے لیکن وہ خدا کی طرح روح کے پردہ میں رہیں۔

یہودیوں کے عقیدہ کے مطابق مردہ کی روح تین دن تک اُس کے جسم کے پاس رہتی تھی۔ تین دن گذرنے کے بعد روح نکل جاتی تھی اور جسم گلنا شروع ہوتا تھا۔ اس لئے تین دن اور تین رات کی مدت اُس کے دوزخ کے

فرق نہیں۔ مساوات کی ایسی اعلیٰ تعلیم دینے والا صرف ایک ہی نفس پاک ہے۔ جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(۵) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا اور تاکید کی کہ کوئی مالک اپنے غلام کو "غلام" کے نام سے نہ پکارے۔ بلکہ" جوان" کے نام سے پکارے۔ دیکھئے ہمارے محسن نبی کریم صلعم نے غلاموں کے حسیات کا کس قدر احترام فرمایا۔ کہ ان کے لئے "غلام" کا لفظ بولنا ممنوع قرار دیا۔

اب مندرجہ بالا ارشادات اور واقعات کیا ظاہر کرتے ہیں؟ کیا ان سے ظاہر نہیں ہوتا کہ حضور صلعم نے غلاموں کی حفاظت کا پورا پورا انتظام فرما دیا۔ ان کی حیثیت اور ان کے درجہ کو بڑھا دیا۔ ان کی فلاح و بہبود کا اہتمام فرما دیا۔ یقیناً حضور نے اس غریب اور کس مپرس طبقہ کو پستی کی گہرائیوں سے نکال کر ایک بڑے بلند مقام پر کھڑا کر دیا۔ ان کے حقوق کی حفاظت کی۔ ان کو آزاد لوگوں کے دوش بدوش کھڑا کر دیا اور مساوات قائم کرکے بنی نوع انسان پر احسان عظیم کیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب ہم غلاموں کی آزادی سے متعلق کچھ ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس غرض کے لئے آنحضرت صلعم نے وحی الہٰی کے اشارہ سے طریقے اختیار فرمائے۔ ان کی کسی قدر تفصیل ذیل میں ہے:۔

(۶) منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد جب کہ حضور ابھی مکہ میں ہی دعوت و تبلیغ دین حقہ میں معروف تھے حضور نے اس وحی کا اعلان فرمایا" وما ادراك ما العقبة ٥ فك رقبة ٥[۵]

"تجھے کیا خبر؟ کہ اونچی گھاٹی کیا ہے (یہ) غلام کا آزاد کرنا ہے"

چونکہ نیکی کا کام مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے خدا نے اس کو "عقبہ" سے تعبیر فرمایا ہے یعنی گھاٹی پر چڑھنا یعنی یہ وہ مشکل راستہ ہے۔ جو انسان کو خدا کے قرب میں لے جاتا ہے۔ اور دوسری آیت میں صاف طور پر فرما دیا کہ" فك رقبة" یعنی خدا کا قرب غلام کے آزاد کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ جو خدا کا تقرب چاہتے ہیں وہ غلاموں کو آزاد کریں۔

---

۵ سورۃ البلد (آیت ۱۲ و ۱۳)

(۷) پھر حضور صلعم پر وحی ہوتی ہے :-

"... ولاکن البر من آمن باللہ والیوم الاخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیّن و آتی المال علیٰ حبہٖ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب" (البقرہ آیت ۱۷۷)

یعنی بڑا نیک وہ ہے جو اللہ اور آخرۃ کے دن پر اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت کیلئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں مال دے"۔

(۸) پھر حضور کو وحی ہوتی ہے :-

... ومن قتل مومناً خطأً فتحریر رقبۃٍ مومنۃٍ ودیۃٌ مسلّمۃٌ الیٰ اھلہٖ (سورۃ النساء آیت ۹۲)

اور جو کوئی غلطی سے کسی مومن کو مار ڈالے تو ایک مومن غلام آزاد کرے اور خون بہا دے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے"۔

(۹) پھر اس کے ساتھ ہی قرآن مجید میں ہم پڑھتے ہیں :-

فان کان من قومٍ عدوٍّ لکم وھو مومنٌ فتحریر رقبۃٍ مومنۃٍ" (سورۃ النساء آیت ۹۲)

پھر اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں اور وہ مومن ہو تو ایک مومن غلام آزاد کرنا چاہئیے"۔

(۱۰) اسی کے تسلسل میں حکم ہوتا ہے :-

وان کان من قومٍ بینکم وبینھم میثاقٌ فدیۃٌ مسلّمۃٌ الیٰ اھلہٖ وتحریر رقبۃٍ مومنۃٍ (سورۃ النساء ع ۹۲)

یعنی اگر ایسے لوگوں سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے - تو خون بہا دینا چاہئیے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے - اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا چاہئیے"۔

(۱۱) پھر ایک اور وحی حضور پر نازل ہوتی ہے :-

لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولاکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہٗ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃٍ (سورۃ المائدہ آیت ۸۹)

یعنی اللہ تمہاری بلا ارادہ قسموں پر مواخذہ نہیں کریگا لیکن اس پر مواخذہ کرتا ہے جو تم قسم کو مضبوط کرو سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کا کھانا ہے درمیانہ کھانے سے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو لباس دینا یا گردن کا آزاد کرنا"

(۱۲) پھر ایک اور وحی اسی مضمون کے سلسلہ میں حضور پر نازل ہوتی ہے :-

والذین یظاھرون من نسائہم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا - (سورۃ المجادلہ آیت ۳)

"یعنی جو لوگ اپنی عورتوں کو مائیں کہہ دیتے ہیں پھر اس کی طرف واپس لوٹتے ہیں جو انہوں نے کہا تھا تو ایک غلام آزاد کرنا ہے اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔

(۱۳) اب احادیث پر بھی ایک نظر ڈالئے - حضرت سوید صحابیؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم سات بھائی تھے اور ہمارا ایک غلام تھا - ہم میں سے ایک نے غلام کو طمانچہ مارا - جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو حضور نے حکم دیا کہ اس غلام کو آزاد کر دیا جائے۔

(۱۴) ابن عمر رضی اللہ تعالے عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی غلام کو پیٹے تو اس غلام کو آزاد کر دینا چاہئیے - حضور کے اس ارشاد کے مطابق غلام کو پیٹنے کی پاداش یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دیا جائے - یہ کس قدر پر حکمت حکم ہے اور غلام کی کس قدر قدر و منزلت ہے ۔

(۱۵) ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ ایک دفعہ چند غلام اپنے کافر مالک سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے - مالک آنحضرت کی خدمت میں آیا اور ان کی واپسی کا مطالبہ کیا - حضور نے فرمایا - خدا نے ان کو آزاد کیا ہے - میں ان کو پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جانے کی کس طرح اجازت دے سکتا ہوں

(۱۶) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے - کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی غلام لڑکی اپنے مالک سے حاملہ ہو جائے اور بچہ جنے وہ آزاد سمجھی جائیگی - خواہ اس کا مالک اس کو آزاد کرے یا نہ کرے"

یہ وہ اصلاحات ہیں جو نبی کریم صلعم نے غلامی کے انسداد اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے جاری فرمائیں - ان ارشادات کے علاوہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات بھی اس باب میں قابل غور ہیں

والذین یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم إن علمتم فیھم خیراً و اٰتوھم من مال اللہ الذی اٰتکم ط (سورۃ النور آیت ۳۳)

یعنی وہ جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں ان میں سے جو آزادی کی تحریر مانگیں تو انہیں لکھدو اُن میں بھلائی جانتے ہو اور انکو اللہ کے مال سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے۔"

ایت بالا غلاموں کی آزادی کو لازمی قرار دینے کا سنگِ بنیاد ہے۔ اس آیت کی رو سے غلام کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مالک سے ایک مشروط تحریر کا مطالبہ کرے جس میں اس کی آزادی کی قیمت کا یقین ہو اور مالک اس کو موقعہ دے کہ وہ یہ رقم جائز وسائل سے کما سکے یہ آیت مالک کو صرف تحریر دینے پر ہی مجبور نہیں کرتی بلکہ اس میں یہ بھی حکم ہے کہ مالک کچھ روپیہ اپنے پاس سے غلام کو دے۔ جس سے وہ اپنی آزادی خرید سکے شرط صرف " إن علمتم فیھم خیراً " کی ہے۔ یعنی اگر تم انسان میں بھلائی جانتے ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر غلام کام کرنے کے قابل ہے اور وہ اپنی روزی کما سکتا ہے۔ ان احکام نے غلاموں کو وہ آسانیاں دی ہیں جن سے وہ اپنی آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان آسانیوں سے فائدہ اٹھایا اور ان میں سے کئی ایک نے آزادی حاصل کی۔

غلاموں کی یہ لازمی آزادی صرف افراد تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تمام اسلامی سلطنتوں پر لازمی قرار دیا گیا تھا کہ وہ غلاموں کی آزادی کیلئے بیت المال سے رقم صرف کریں۔

۱۸) قرآن مجید فرماتا ہے:۔

إنما الصدقات للفقراء والمسٰکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ (سورۃ توبہ آیت ۶۰)

یعنی زکوٰۃ صرف ناداروں کیلئے ہے اور مسکینوں اور اس کے کارکنوں کے لئے اور جن کے دل مائل کرنا ہے اور غلاموں کو آزاد کرنے کیلئے اور مسافروں کیلئے اور قرضداروں کیلئے اور اللہ کی راہ میں۔ یہ اللہ کیطرف سے ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔

یہ آیت اُن صدقات کے متعلق نہیں ہے جو انسان اپنی مرضی سے دیتا ہے۔ بلکہ زکوٰۃ کے متعلق ہے جو ہر صاحب نصاب پر فرض ہے، اور جو سلطنت کے عامل جمع کرتے ہیں۔ اس کا ادا کرنا فرائض میں سے

سفر کے لئے مقرر کردی گئی تھی۔ اور حضرت یونس کی نبوت سے مقابلہ کیا گیا تھا اگرچہ ایسا کرنے سے ذیل
کی پیشینگوئی نظرانداز کرنی پڑتی تھی۔

دو دن کے بعد وہ ہم کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ تیسرے دن وہ ہم کو کھڑا کر دے گا۔ اور ہم اُس
کے سامنے رہیں گے۔

لیکن یہودا نے وعدہ کیا تھا۔

کہ تو میری روح کو دوزخ میں نہ چھوڑے گا۔ اور نہ اپنے آپ خراب ہونا پسند کریگا۔

اعمال میں ایک روایت حضرت داؤد کو منسوب کی جاتی ہے۔

اس کو دیکھنے سے پہلے۔ یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کا بیان کرکہ اُس کی روح دوزخ میں نہیں رہی۔ اور
نہ اُس کا جسم خراب ہُوا۔

یہ ظاہر ہے کہ ان متضاد بیانات کا سبب ایک بے ترتیبی ہے۔ حواریوں یا نائب حواریوں کے زمانہ میں کسی
کو کا خیال پیدا نہیں ہوا کہ وہ یسوع کے دوزخ میں اترنے کے حال کو مذہب بتیسمہ کے ایک رکن ہونے
پر اصرار کرتا۔ ہارناک نے ایک تجویز پیش کی ہے۔ اُس کی رائے میں فالی تیرنے معاملہ کو پیچیدہ بنا دیا اور روایات
میں گڑبڑی پیدا ہوگئی۔ بعضوں نے یسوع کو دوزخ میں۔ بعض نے جنت میں پہنچایا۔

مختصر روایت بھی کچھ بہتر نہیں ہے اور اس لئے اُس میں بھی بیان کرنا پڑا کہ یسوع اپنے شاگردوں
کے پاس سے اُسی جسم میں روانہ ہوگیا جس میں وہ اٹھا تھا اور آسمان پر اُسی جسم میں چلا گیا تاکہ خدا کے
سیدھے ہاتھ پر بیٹھے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حریت کا علمبردار

غلاموں کو آزادی دینے والا

(از قلم جناب ابراہیم محمد منصور صاحب ماریشس)

بعض معترضین عدم علم کی بنا پر ذات والا صفات حضرت حمیت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضور نے غلاموں کی آزادی کے لئے کچھ نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے اس قبیح رسم کو جائز قرار دیا ہے۔ ہم ذیل کی سطور میں دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام اور اس کے مقدس بانی نے اس ضمن میں کیا کیا ہے اور کس طرح سے ایک عالمگیر حریت کی بنیاد ڈالی ہے۔ اور غلاموں کو دولتِ آزادی سے متمتع فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے کہ اسلام سے پہلے غلاموں کا کیا درجہ تھا اور جب کہ ہمارے نبی کریم صلعم اس دنیا سے رخصت ہوئے اس وقت غلاموں کو کیا حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ حضرت نبی کریم صلعم کی بعثت سے قبل دنیا کے ہر گوشہ میں غلامی کی قبیح اور مذموم رسم بڑے زور وشور سے جاری تھی۔ روم اور ایران اس زمانہ کی سب سے زیادہ مہذب سلطنتیں تھیں۔ لیکن ان میں نہ صرف یہ غلامی کی رسم شدت سے جاری ہی تھی بلکہ غلاموں کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کی حالت نہایت قابل رحم تھی اور سوسائٹی میں ان کو کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ ہندوستان میں بھی غلاموں کی تجارت کھلے بندوں ہوتی تھی اور دیگر اشیا کی طرح غلام بکتے تھے۔ ٹرکی اور کاکیشیا کی لڑکیاں بڑی بڑی قیمت پر فروخت ہوتی تھیں۔ عربستان اور دوسرے ممالک میں قافلے لوٹے جاتے تھے۔ اور بیچارے مسافروں کو قید کر کے غلام بنا لیا جاتا تھا۔ چونکہ جنگوں میں گرفتار ہو کر آنے

ان کو بھی عمر بھر کے لئے غلام بنا لیا جاتا تھا۔ ان سے صرف محنت کا کام ہی نہیں لیا جاتا تھا بلکہ اکثر اوقات نہایت ذلیل کام لئے جاتے تھے۔ غرضکہ جہاں تک غلاموں کی حیثیت کا سوال ہے، ان کی حالت سخت قابل رحم تھی اور کسی ملک اور کسی شخص کو اس بیکس طبقہ کی طرف توجہ نہیں تھی۔

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کمزوروں کی حمایت اور بیکسوں کی حفاظت کے لئے دنیا میں بھیجے گئے تھے اُن کو اس غریب طبقہ پر۔ ان کی زبوں حالی پر، ان کی بے بسی اور غربت پر اس قدر رحم آیا اور آپ ان کی قابل رحم حالت دیکھکر اس قدر بے چین ہو گئے کہ حضور نے اس بے زبان مظلوم طبقہ کی فلاح وبہبود کے لئے اور ان کی حیثیت قائم کرنے اور سوسائٹی میں ان کے درجہ کو بلند کرنے کا تہیہ کر لیا۔ یہ وہ کام تھا جس کی طرف اب تک کسی نے توجہ نہیں کی تھی۔ یہ کام حضور رحمت للعالمین سے ہی مختص تھا اور حضورؐ نے ہی کر کے دکھایا۔ غرضکہ حضورؐ پیغام حریت لے کر آئے اور غلاموں کی آزادی کا عزم بالجزم کر لیا۔ چنانچہ آنحضورؐ نے اس زبوں حال طبقہ کی اصلاح کے سلسلہ میں جو احکام صادر فرمائے اور جو تجاویز حضور عمل میں لائے اس کا ایک مختصر خاکہ ذیل کی سطور میں دیا جاتا ہے۔

(۱) غلام جو تمام قسم کے مصائب و آلام کا آماجگاہ بنے ہوئے تھے ان کی حالت کو بہتر بنانے اور ان کو مصائب کے قید و بند سے رہا کرنے کے لئے حضور نے حکم جاری فرمایا کہ

"تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو بدزبانی یا زجر و توبیخ سے مت پیش آؤ۔ جو تم خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ اور جو تم خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ۔ وہ کام جو خود تمہاری طاقت سے باہر ہے ان کو کرنے کے لئے مت دو۔ اگر کوئی مشکل کام ہو تو اس میں ان کی امداد کرو" (بخاری)

(۲) حضور خود غلاموں کے معاملہ میں جج بنے اور آپؐ نے حکم جاری فرمایا کہ اگر کوئی مالک اپنے غلام سے سختی کرے تو غلام کو حق حاصل ہے کہ وہ آپ کے پاس آئے اور اپنی شکایات بیان کرے۔ تاکہ پورا پورا انصاف کیا جائے۔ اگر غلام کی غلطی ہو تو غلام کو متنبہ کیا جائے اور اگر مالک کا سلوک غیر منصفانہ ہو تو اس کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

(۳) آنحضور صلعم کو غلاموں کی حیثیت اور اُن کے درجہ بڑھانے کا اس قدر خیال تھا اور اس امر کو وہ اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ حضور نے اپنی آخری نصیحت میں ارشاد فرمایا کہ "الصلوٰۃ والیتامیٰ" یعنی میری امت کے لوگوں کو دو امور کا غائیت درجہ خیال رکھنا چاہیئے - ایک تو پابندی نماز کا اور دوسرا غلاموں کے ساتھ حسن سلوک و حسن مروّت کا - گویا حضور نے حقوق اللہ کے بعد غلاموں کے حقوق کی نگہداشت کی تاکید فرمائی - یہ گویا اسلام کی تعلیم کا خلاصہ یا نچوڑ بنا دیا - بلکہ یوں کہنا چاہیئے "الصلوٰۃ والیتامیٰ" کا بلیغ حکم دیکر حضور نے یہ ثابت کردیا کہ غلاموں کی حفاظت ایسی ہی ضروری ہے جیسی کہ نماز - اب اس سے بڑھ کر غلاموں کی عزت و منزلت کیا ہوسکتی تھی - اگر پھر بھی ہمارے نکتہ چین اسلام یا بانی اسلام پر زبان اعتراض دراز کریں تو یہ ان کی اپنی غلطی یا ہٹ دھرمی ہے -

(۴) کنیزوں یا غلام لڑکیوں کو ان کے مالکوں کے برابر درجہ دینے میں یا اُن میں مساوات قائم کرنے کے لئے حضور نے ارشاد فرمایا -

"جو کوئی اپنی کنیزک کو تعلیم دے گا پھر اس کو آزاد کر دے گا اور پھر اس کی شادی کرے گا - اسکو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا"

یاد رکھنا چاہیئے کہ حضور نے یہ محض حکم ہی نہیں دیدیا بلکہ خود اس پر عمل پیرا ہو کر دکھایا اور اپنے اسوۂ حسنہ کو پیش کیا - چنانچہ زید کی مثال اس معاملہ میں شاہد ناطق ہے - زید ایک معمولی غلام تھا - مگر حضور نے اپنی کریم النفسی سے اس کو اعلیٰ تعلیم دی - پھر اس کو آزاد کیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی شادی اپنی پھوپھی کی لڑکی زینب سے کی - اب اس سے بڑھکر عملی ثبوت کیا ہوسکتا ہے کہ ایک غلام کو حضور نے اپنی پھوپھی کی لڑکی بیاہ میں دیدی - اس طرح سے آپ نے غلاموں کے درجہ کو بڑھا دیا اور مساوات قائم کردی - کیا دنیا کی تاریخ میں ایسی مثال کہیں مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں پھر بھی اگر کہا جائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غلاموں کی حیثیت بڑھانے میں کچھ نہیں کیا تو کس قدر غلط بیانی کا ارتکاب کرنا اور واقعات سے آنکھیں بند کرلینا ہے - زید کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلعم کی یہ تعلیم ہے کہ اسلام میں آزاد اور غلام میں کوئی امتیاز نہیں - اور مالک اور خادم میں کوئی

ہے۔ اور یہ روپیہ سلطنت کے بیت المال میں جاتا ہے۔ چنانچہ آیت کے آخری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہ رقم نہیں جو انسان اپنی مرضی سے دے یا نہ دے بلکہ ہر صاحب نصاب پر اس کا ادا کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ الفاظ فریضۃً من اللہ سے ظاہر ہے۔

اب ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ سلطنت کو لازمی حکم تھا کہ وہ اپنے بیت المال میں سے زکوٰۃ کی رقم میں سے ایک حصہ غلاموں کی آزادی پر صرف کرے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا مذہب ہے جس نے غلاموں کی آزادی کا اس قدر اہتمام کیا ہو؟ ہرگز نہیں۔ بایں ہمہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مخالفین اسلام کس بل بوتے پر کہتے ہیں کہ اسلام نے غلاموں کی آزادی کا کچھ انتظام نہیں کیا۔ ایسا اعتراض واقعات کے خلاف اور عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے جو کچھ کیا وہ آج تک کسی ملک کسی سلطنت اور کسی مذہب نے نہیں کیا۔

اب رہ گئے وہ غلام جو جنگوں میں اسیر ہو کر آتے تھے۔ تمام دنیا میں یہ رواج دائر و سائر تھا کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنا کر ان سے سخت سے سخت مشقت کے کام لئے جاتے تھے۔ ان کے متعلق آنحضرت کو یہ وحی ہوئی ہے۔

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتیٰ اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداءً (سورۃ محمدؐ آیت ۴)

سو جب تمہاری کافروں سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان پر غالب آ جاؤ تو قیدی مضبوط باندھ لو۔ پھر بعد میں یا تو احسان کے طریق پر رہا کر دو۔ یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔"

اس آیت میں ہمیں صاف طور پر تعلیم دی گئی ہے کہ جنگی قیدیوں کو رہا کر دینا چاہیئے۔ احسان کرکے یا معاوضہ لے کر۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی صورت کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

اور حضور نے مندرجہ ذیل قیدیوں کو رہا فرمایا۔

۱۰۰ قبیلے بنی مصطلق کے۔ ۶۰۰۰ قیدی ہوازن کے۔

یہ حضور نے بحیثیت اسلامی سلطنت کے بادشاہ ہونے کے کیا تھا۔ اسلام میں جنگی قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں ہے کیونکہ :۔

(۲۰) حسن بصری سے روایت ہے "جنگی قیدیوں کو قتل نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کو رہا کر دینا چاہیئے بطور احسان کے یا کچھ رقم بطور معاوضہ لیکر"

اس امر کے ثبوت کے لئے کہ ان احکام پر نہایت سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ ہم ہزاروں مثالوں میں سے ہم ذیل میں صرف آٹھ مثالیں بیان کرتے ہیں جن کا تاریخ میں ثبوت موجود ہے :۔

غلام جو خود نبی کریم صلعم نے آزاد فرمائے	۶۳
" جو حضرت عائشہؓ نے آزاد فرمائے	۶۷
" جو حضرت عباسؓ نے آزاد فرمائے	۷۰
" جو حضرت حاکمؓ بن حزم نے آزاد فرمائے	۱۰۰
" جو حضرت عبداللہؓ بن عمر نے آزاد فرمائے	۱۰۰۰
" جو حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے آزاد فرمائے	۳۰۰۰
" جو حضرت عثمانؓ نے آزاد فرمائے	۲۰
" جو حضرت ذوالقلائل الحمیریؓ نے آزاد فرمائے	۸۰۰۰
میزان	۳۹۳۲۰

حقیقت یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک لاکھ صحابہؓ نے جو غلام آزاد کئے ان کی تعداد لاکھوں تک ہے۔ صحابہ کرام نے ان غلاموں کو آزاد ہی نہیں کیا بلکہ ان کے درجہ کو اس قدر بلند کر دیا کہ انہی غلاموں میں سے بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر سرفراز ہوئے۔

جج اور مجسٹریٹی کے ممتاز عہدوں پر فائز ہوئے۔ سلطنتوں کے وزیر وہ بنے۔ فوجوں کی جرنیلی اور کرنیلی ان کے سپرد ہوئی۔ بلکہ وہ بادشاہ بنے نہ صرف بادشاہ بلکہ شہنشاہ بنے۔ یہ ہے وہ بلند سے بلند مقام جس پر اسلام نے غلاموں کو فائز کر دیا۔ کیا تاریخ میں کہیں اسکی مثال مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسلام ایک عالمگیر اخوت

کا پیغام سنکر آیا اس نے مساوات کو قائم کیا۔ یہ عالمگیر حریت لے کر آیا۔ اس کے بانی نے عالمگیر اخوت قائم کی اور عالمگیر حریت کی بنیادیں مستحکم کیں۔ کس قدر عزت اور قدر کے قابل ہے یہ معزز نبی جس نے دنیا کو ذلت کی گہرائیوں سے نکالکر عزت کے مقام پر کھڑا کر دیا۔ اور حریت اور مساوات نسل انسانی کی تعلیم دیکر تمام نسلی امتیازات کو مٹا دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صدق اللہ تعالےٰ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

اسلامی مساوات

دو غلام لیڈر۔ بلال رضؓ اور زید رضؓ

خداوند کریم جل جلالہ و عم نوالہ نے تمام لوگوں کو آزاد پیدا کیا ہے۔ اور اسلام بلا شرکت غیرے سب سے پہلا مذہب ہے جس نے بنی نوع انسان کے اس مقدس ورثہ کے تحفظ کا اہتمام کیا۔ ذیل میں ہم حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سوانح حیات کا ایک مختصر خاکہ ہدیہ قارئین کرام کرتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات آزاد غلام تھے۔ ان ہر دو حضرات کے واقعات زندگی سے بخوبی معلوم ہو سکیگا کہ اسلام نے غلاموں کے طبقہ کو قعر ذلت سے اٹھا کر کن روحانی۔ تمدنی اور علمی بلندیوں پر فائز کر دیا۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ

آپ ایک حبشی غلام تھے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ آپ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ان گنتی کے چند اصحاب میں سے تھے۔ جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ایمان لائے جبکہ حضور بے یار و مددگار تھے۔ اور حضور کا مشن ایک نہایت بے بسی کے عالم میں سے گذر رہا تھا۔ لیکن یہی امر اس حقیقت کا بدیہی ثبوت ہے

کہ غلاموں کا طبقہ حضور کو اپنا بہترین مونس و غمگسار سمجھتا تھا۔ اور انہیں اس پر یقین تھا کہ حضور اپنے جبلی رحم و کرم کے وجہ سے ہمارے بے پناہ بہی خواہ ہیں۔ جب حضرت بلال ؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو مکہ والوں نے اس قدر ظلم و ستم آن پر ڈھائے کہ قلم کو یارائے بیان نہیں۔ چونکہ آپ محض ایک غلام تھے۔ سوسائٹی میں کوئی اثر یا رسوخ حاصل نہ تھا اس لئے آپ کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ لیکن باوجود ان تمام مصائب کے حضرت بلال ؓ کے عزم و استقلال میں سرمو فرق نہیں آیا۔ اور جس صداقت کو آپ نے قبول کیا اس سے ذرا بھر انحراف نہ کیا۔ آپ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو خدا کے راستہ میں تکلیف اٹھانے سے ڈر کر صداقت کو چھوڑ دیں آپ نے جو قدم اٹھایا وہ خوب سوچ سمجھ کر اٹھایا تھا۔ اور آپ اس پر بڑی پامردی سے جمے رہے۔ ع

ایں کار از تو آئد و مرداں چنیں کنند

بالآخر مصائب کا دور ختم ہوا ظلم اور تعدی کے طوفان ھبأ منثورا ہو گئے۔ وہی بلال جو کل تک ظلم و ستم کا تختہ مشق بنا ہوا تھا وہی بلال جو بے یار و مددگار تھا۔ دنیائے اسلام کا ایک بطل جلیل بن گیا۔ آج بلال کے سامنے ہر مسلم خواہ وہ کہیں آباد ہو سر تعظیم خم کرتا ہے۔ اور عزت و محبت سے دیکھتا ہے اور دل سے قدر و منزلت کرتا ہے حضرت عمر ؓ جیسا جلیل القدر انسان چار سلطنتوں کا بادشاہ اور بہت بڑا فاتح اس کی عزت کے لئے سروقد کھڑا ہو جاتا۔ آپ اکثر ان کو رئیس المسلمین کے معزز لقب سے مخاطب فرماتے تھے۔ بلال ہمارے نبی صلعم کا ایک نہایت مخلص اور معتمد خاص تھا امور خانہ داری کا اہتمام اس کے سپرد کر رکھا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلال ؓ کے بڑے محسن تھے۔ کیونکہ آپ نے ہی اُمیہ کی غلامی سے آپ کو رہائی دلائی تھی۔ ان کی خلافت کے دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ جناب بلال ؓ نے آپ سے عرض کیا کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے عراق یا شام میں جانا چاہتے ہیں اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جناب خلافت مآب کے دل میں جناب بلال رضی اللہ عنہ کی کس قدر عزت و محبت تھی۔ آپ نے فرمایا" بلال ؓ! خدائے بزرگ کے نام کا واسطہ دیکر اور اس حق کو درمیان میں لاکر جو مجھے آپ پر ہے میں یہ کہتا ہوں کہ آپ مجھے اس بڑھاپے میں چھوڑ کر کہیں نہ جائیں یہ تھے وہ تعلقات محبت جو خلیفہ وقت کے دل میں ایک حبشی غلام کے متعلق پائے جاتے تھے۔ اللہ! اللہ! کہاں جناب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و شان اور کہاں ایک بے چارہ غلام۔ لیکن یہ غلام کس قدر عزت و منزلت کا

مالک ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسا المنان ان کو اپنے پاس سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا۔ یہی واقعہ حضرت خلیفہ ثانی کے زمانہ میں بھی دہرایا جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی انکار کیا۔ لیکن بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دل کی تڑپ اسے کب چین لینے دیتی تھی۔ خدمت اسلام کا شوق اس کو ماہی بے آب کی طرح تڑپا رہا تھا۔ وہ نہ رہ سکا اور باوجود موانع کے خدمت اسلام کے لئے کمربستہ ہو کر چلا گیا۔ دبالآخر دمشق کے قبرستان میں پیوند زمین ہُوا رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ آپ کے پہلو میں حضرت رسول کریم صلعم کے جید صحابہؓ اور حضور کی بعض ازدواج مطہرات آرام فرما رہی ہیں رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔ صحابہ میں سے۔ ابو عبیدہؓ۔ دا عیہ کلبیؓ۔ سعد بن وقاصؓ ازدواج میں سے ام حبیبہؓ اور ام سلمیٰؓ یہاں ہی مدفون ہیں۔ وہ محبت اور وہ تعلق جو بلال کے لئے ہر ایک مسلمان کے دل میں پایا جاتا ہے۔ وہ عکس ہے اس محبت کا جو رسول کریم صلی اللہ وسلم کو اور حضرات صحابہ کو حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے تھی۔

مسلمانوں کے دلوں کے اندر جو مقام بلال رضی اللہ تعالےٰ کو حاصل ہے وہ اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ اسلام نے غلاموں کے طبقہ کو قعر ذلت سے نکالنے اور اوج ترقی پر پہنچانے میں بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے یہ ایک حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اور یہ اسلام کی وہ فضیلت ہے جس کے آگے ہر سمجھدار انسان کا سر خم ہو کر رہ جاتا ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ

حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بعد دوسرا آزاد غلام حضرت زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے۔ جن کو خدا تعالےٰ نے شہرت دوام کا تاج پہنایا ہے۔ ابھی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلعت نبوت سے مشرف نہیں ہوئے تھے کہ حضور کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے یہ غلام حضور کی نذر کیا تھا۔ لیکن جونہی کہ زیدؓ حضور کے قبضہ میں آیا آپ نے اس کو آزاد کر دیا۔ ہر چند کہ حضرت نبی کریمؐ نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ اور اس کو اختیار تھا کہ وہ جہاں چاہے جائے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ نے اس کو حضور کا اس قدر گرویدہ کر دیا تھا کہ اس نے حضور کی خدمت میں ہی رہنے کو ایک نعمت غیر مترقبہ خیال کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر فدا تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ اپنے آقا کے احکام کی تعمیل میں اس قدر سرگرمی اور اس قدر شوق اور اس قدر انہماک کبھی کسی خادم نے نہیں دکھایا جو زید سے ظہور میں آیا۔ اور کبھی کوئی باپ اپنے بیٹے پر اس قدر مہربان اور شفیق نظر نہیں آیا جس قدر کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ

زید پر تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ کی نوازش زید پر فرماتے تھے۔ زید بھی نہایت وفاداری اور اخلاص سے حضور کی خدمت بجا لاتا تھا۔ حالانکہ زید کا والد اور اس کا چچا اس کو بار بار اپنے پاس بلاتے لیکن اس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر گہرا تعلق تھا اور اس قدر محبت تھی کہ وہ حضور کا در دولت چھوڑ کر کہیں جانے پر آمادہ نہ ہوا۔ اور اس نے اپنے والد اور چچا سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ دنیا میں کوئی چیز مجھے میرے محبوب نبی صلعم سے جدا نہیں کر سکتی۔ یہی ایک ہستی ہے جس پر میں دل و جان سے قربان ہوں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے گھر کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ اور آپ کو اس سے اس قدر محبت تھی کہ لوگوں میں عام طور پر زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے اس کو پکارا جاتا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینبؓ سے کیا۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ زید سب سے پہلے ایمان لایا۔ جب حضرت رسول کریم صلعم کے عم بزرگوار حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ مشرف باسلام ہوئے تو اُن کا زید کے ساتھ تعلق اخوۃ قائم کیا گیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ کوئی مہم ایسی نہیں کہ جس میں زید کو بھیجا گیا ہو اور اس کو کمانڈر نہ بنایا گیا ہو۔ اور کوئی ایسا موقعہ نہیں کہ جب زید کو گھر پر رکھا گیا ہو۔ اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے مسلمانوں کا امیر اور اپنا جانشین نہ بنایا ہو۔

نو غزوات ایسے تھے جن میں آنحضرت صلعم نے زید کو کمانڈر بنایا اور بالآخر غزوۂ موتہ میں اس ایثار مجسم انسان نے اپنے آقا اور مالک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ محبت اور عشق کا ثبوت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا خیال فرمایا کرتی تھیں کہ اگر زید حضرت نبی کریم صلعم کی وفات پر زندہ ہوتا تو آپ اس کو اپنا جانشین مقرر فرماتے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت صلعم کو جو محبت حضرت زید رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے تھی اس سے اندازہ لگانا کچھ بعید نہ تھا کہ یہ بات قرین قیاس ہے کہ آنحضرت ان کو اپنے بعد اپنا خلیفہ مقرر فرماتے۔ اور نظم و نسق سلطنت اسلامیہ اس کے سپرد فرما دیتے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ واقعات کیا ظاہر کرتے ہیں؟ ان سے مساوات اسلامی کا عظیم الشان اصول

واقع ہوتا ہے۔ ایک غلام غلامی کی قعر مذلت سے نکل کر ایک عظیم الشان انسان کی جانشینی کی اہلیت حاصل کر لیتا ہے۔ یہ نہایت ہی محیر العقول انقلاب ہے جو تاریخ عالم میں منظر عام پر آتا ہے۔ لیکن اس انقلاب کے نیچے کیا کیا وجوہ اور کیا اسباب کام کر رہے ہیں۔ وہ اسلام کی تعلیم مساوات ہے۔ اسلام نے غلاموں کا مرتبہ اس قدر بلند کیا کہ غلام اور آزاد کا امتیاز ہی مٹا کر رکھ دیا۔ اسلام نے ہی سب سے پہلے حریت کا پیغام بنی نوع انسان کو دیا اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے۔ جو اسلام اور ایک اسلام کے لئے مایۂ صد فخر و ناز ہے فالحمد للہ علی ذالک۔

استفسارات وجوابات

قربانی جو عید الاضحیٰ کے موقعہ پر کی جاتی ہے اس پر کئی ایک اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ ان اعتراضات کے پیش نظر کیا یہ انسب نہیں ہوگا کہ قربانی ترک کر دی جائے اور جو روپیہ قربانی پر صرف ہوتا ہے اس کو اسلامی مفاد پر صرف کیا جائے؟ اعتراضات یکے بعد دیگرے ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

اعتراض ۱:۔ اس غرض کے لئے کہ انسان خدا کے رستہ میں اپنے نفس کی قربانی کے لئے طیار ہے کسی حیوان کی قربانی ایک ظالمانہ حرکت ہے۔

جواب:۔ یہ اعتراض سوچ سمجھ کر نہیں کیا گیا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمان تمام مہذب دنیا کی طرح علاوہ عید الاضحیٰ کے موقعہ کے خوراک کے لئے عام طور پر جانور ذبح کرتے رہتے ہیں۔ اور انسانی جسم کے نشوونما کے لئے یہ ایک جائز کام ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اب اسی فعل کو کسی خاص موقعہ پر کرنا ہرگز ظالمانہ فعل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ کسی اعلےٰ مقصد کے لئے جان دینا انتہا درجہ کی نفس کی قربانی ہے۔ اب اس نفس کی قربانی کے لئے وہ کہاں سے سبق حاصل کر سکتا

ہے؛ لہٰذا یہ سبق وہ عید الاضحیٰ کی قربانی سے ہی حاصل کر سکتا ہے۔ ایک جانور اپنے سے اعلیٰ ہستی پر اپنی جان قربان کرتا ہے۔ اس میں انسان کے لئے ایک بہت اعلیٰ سبق ہے کہ ضرورت کے وقت وہ بھی اپنے سے اعلیٰ ہستی پر اپنی جان قربان کر دینے میں تامل نہ کرے عید الاضحیٰ کی قربانی کا منظر اسی سبق کی تعلیم دیتا ہے۔

اعتراض ۲: جانور کی قربانی کا گوشت خود قربانی کرنے والا کھاتا ہے یا دوست احباب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس میں خیرات کا حصہ تو بہت کم ہوتا ہے۔ یہ تو محض ایک جشن ہوا نہ کہ خیرات۔

جواب:- قربانی کے گوشت کا ایک حصہ غربا کے لئے مخصوص ہے۔ یہ بیّن طور پر ایک خیراتی کام ہے اپنے احباب کو تحائف دینا یہ بھی ایک نہایت اعلیٰ کام ہے کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور تعلقات اخوت مضبوط ہوتے ہیں۔ ہاں قربانی کرنے والا خود بھی یہ گوشت کھا سکتا ہے۔ اسلام میں ایسی تنگی روا نہیں رکھی گئی۔ انسان پر اپنے نفس اور اس کے بال بچوں کے بھی حقوق ہیں۔ قابل اعتراض تو تب تھا کہ قربانی کا گوشت محض قربانی کرنے والا ہی کھا جاتا۔ جو تقسیم اسلام نے قربانی کے گوشت کی کی ہے وہ نہایت معقول اور مناسب ہے۔ اپنے بال بچوں کو کھلانا بھی ایک صدقہ اور خیرات کا حکم ہی رکھتا ہے یہ ہرگز قابل اعتراض نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اعتراض ۳: نفس کی قربانی کے لئے طیار ہونے کے واسطے اور بھی کئی ایک موثر کام خیرات کے ہیں پھر کیوں نہ ان کو اختیار کیا جائے اور قربانی کو یکسر ترک کر دیا جائے؟

جواب:- ہاں ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صدقات و خیرات کے اور بھی بہت سے کام ہیں۔ اسلام نے ان پر بھی عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور مسلمان کم و بیش اُن پر عمل بھی کرتے ہیں۔ لیکن عید الاضحیٰ کی قربانی کے نیچے جو حقیقت مضمر ہے اسکو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے یہ دن ایک عظیم الشان نبی کی قربانی کی یادگار میں منایا جاتا ہے یہ اس انسان کی عظمت کے اظہار کا موقعہ ہے جو اپنے بیٹے کی قربانی کیلئے طیار ہو گیا اس امر کی اہمیت کو نظر انداز کرنا کسی صورت میں مستحسن نہیں۔ اسلام جماعتی تعلقات کو بھی مضبوط اور مستحکم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ عید الاضحیٰ کا دن ان تعلقات کو مضبوط و مستحکم بنانیکا بہت اچھا موقعہ ہے اس موقعہ پر آپ خیرات بھی کرتے ہیں۔ خدا کے حضور جھکتے بھی ہیں اور اسکی عزت و عظمت کی تسبیح بھی کرتے ہیں پھر آپس میں ایکدوسرے کیساتھ ملاقات کرتے اور اظہار محبت کرتے ہیں۔ اس سے جو جماعتی فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ دوسرے خیراتی کاموں میں کہاں پائے جاتے ہیں؛ غرضکہ عید الاضحیٰ کا دن کئی ایک فوائد کا حامل ہے ان فوائد کو نظر انداز کرنا اور اس دن کی عظمت کو مٹانا محض خشک فلسفہ ہے

جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں (باقی)

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نماز و خطبۂ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمیٰ کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

۵) مشن کے آرگن ۔ اس مشن کے نقد ۲ ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

۶) مشن کے تاثرات ۔ (۱) مشن کی اکیس۲۱ سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں بعض تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ اُن میں تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس۲۱ سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے ... ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب والے اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ لیکن میں اب دشمنان اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک روادارانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخرکار اپنے شک و شکوک کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں بمعہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلان اسلام بمعہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

۷) انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے

قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعتِ اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قائم کئے۔ پھر اس دقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعت اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم نے ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام [illegible] ہیں تب کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان [illegible] دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جدوجہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبران سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آرا کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں لیکن انگریزی قوم میں **اشاعت اسلام** ہمارا اوّلین نصب العین ہونا چاہیئے۔

۸) ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے

دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے جس سے کُل مسلمانانِ عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذب عالم اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانانِ عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ وارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ

ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہو سکتی ہے (۱) بحیثیت عطیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کر دیں جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کارِ خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ۱۶ ہے (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقہ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳ ہے اور ممالک غیر کیلئے ۵ ہے (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخلِ حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جا سکتا ہے اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاویگی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں جن میں بارہ سو کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نو مسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کر کے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیت کاملہ سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رو سے اشاعت اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کارِ خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سود اشاعت اسلام کے لیے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتویٰ دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سود صرف ہو سکتا ہے اگر آپ سود کی اِن رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنانِ اسلام کے ہاتھ میں چلی جاویگی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ بھیجنے کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) **ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ (ریزرو فنڈ)** ایک کامل نظام کے لیے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ قوم ایک ایسی سالہ ہے جو احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ رکھنے کے لئے ووکنگ مسلم ٹرسٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایہ محفوظ میں جمع کیا جائے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے تو کوئی مشکل بات نہیں اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز مرہ کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کر سکتا ہے اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے مستغنی ہو کر آئندہ کسی چندہ کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کارِ خیر کیلئے فراہم نہ کر سکینگے۔

(۱۱) **ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق** یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لندن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔

(۱۲) **مشن کا مالی انتظام** (۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں تین کارکنانِ مشن کی موجودگی میں موصول ہو کر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان پر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان امپریسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سیکرٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ داران ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ ماہ بماہ ... ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کر دی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳) **ضروری ہدایات** ۔ (۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور پنجاب ہونی چاہیے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتری ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England – The Imam, The Mosque Woking, Surrey, England

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان)

تمام خط و کتابت بنام سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

OCTOBER 1947. R. L. No. 908.

مجریہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیران اعزازی

آفتاب الدین احمد بی۔ اے
مدیر اسلامک ریویو (انگریزی)

عبدالمجید ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی
امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مرتبہ
خواجہ عبدالغنی سیکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　**اللہ اکبر**　　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولئک ہم المفلحون {آل عمران آیت ۱۰۴}

ترجمہ۔ اور چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

ہو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز　　　شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ، امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) تشکیل مشن۔ ووکنگ مسلم مشن کا تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام **ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ** ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد۔ (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ دارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں بذریعہ تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک۔ (۱) مشن کی تبلیغ فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ دارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلم بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ، امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ایک ہزار سے اوپر نفوس شامل ہوتے ہیں مسلمین و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۲ | بابت ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ء | نمبر ۱۰

(گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبدالغنی پرنٹر و پبلشر چھپکر عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا)

شذرات

ووکنگ میں عیدالفطر ۱۳۶۶ھ ہجری

عیدالفطر کا مقدس اسلامی تہوار شاہجہان مسجد ووکنگ میں اس سال یکشنبہ کے دن مورخہ ۱۷ اگست کو منایا گیا۔ خدا کے فضل و کرم سے موسم نہایت خوشگوار تھا۔ تین سو سے زیادہ اصحاب نے اس اسلامی تہوار میں شرکت کی۔ مومنین کی جو جماعت اس متبرک دن جمع ہوئی وہ مشرق و مغرب کی مختلف اقوام پر مشتمل تھی۔ جن میں سے عراق ایران سعودی عرب اور فلسطین سے تشریف لائے ہوئے اصحاب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نماز الحاج ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ پی۔ ایچ۔ ڈی قائم مقام امام ووکنگ نے پڑھائی۔ پُر معارف و حقائق خطبہ موسم کا خوشگوار ہونا۔ انتظامات کی خوبی۔ ان جملہ خصوصیتوں نے اس مقدس تہوار کو اس قدر نزہت افزا اور مسرت بخش بنا دیا تھا کہ جیسا کہ بعض احباب نے اس موقعہ پر فرمایا۔ اس دن کی خوشی کئی سال تک دلوں سے محو نہیں ہوگی۔

خطبہ عیدالفطر

(از الحاج ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی)

هو الله الذی لا إله الا هو عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم هو الله الذی لا اله الا هو الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر سبحان الله عما يشركون ۝ هو الله الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنیٰ يسبح له ما فی السموات والارض وهو العزيز الحكيم ۝ (سورۃ ممتحنہ)

ترجمہ:۔ وہی اللہ ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ وہ بے انتہا رحم والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔ وہی اللہ ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ پاک سلامتی والا۔ امن دینے

والا نگہبان غالب، بڑائی والا بنانیوالا سب بڑائیوں کا مالک، اللہ اس سے پاک ہے جو وہ شرک کرتے ہیں، وہی اللہ ہے، مادہ کا پیدا کرنیوالا روح کا پیدا کرنیوالا مختلف شکلیں بنانیوالا - اس کیلئے سب اچھے نام ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسکی تسبیح کرتا ہے - اور وہ غالب حکمت والا ہے

حضرات! آج ہم سب یہاں عید الفطر کا متبرک تہوار منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں - یہ عید الفطر ماہ رمضان المبارک کے ختم ہونے پر آتی ہے - وہ چیز جو ہم سب کو ایک دوسرے سے پیوستہ کئے ہوئے ہے وہ اسلام کی نعمت ہے اسلام وہی مذہب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا جنہیں ہم مسلمان اُسی عزت و احترام سے دیکھتے ہیں جس طرح عیسائی اور یہودی - ہمارے نبی صلعم کا پیغام کوئی نیا پیغام نہ تھا - کیونکہ ہمارے نبی کریم بھی اُسی صداقت کو لے کر آئے تھے جو پہلے انبیا لاتے رہے اور یہ صداقت ایک ہے - یہ عالمگیر ہے یہ ابدی ہے - ہمارے نبی صلعم کی بعثت سے پہلے بھی یہ صداقت آئی - لیکن لوگوں نے اس کو گم کردیا تھا - آج وہ دن ہے جب کہ صیام کا مبارک مہینہ ختم ہوجاتا ہے - یہ وہ مہینہ ہے جو عبادت اور دعاؤں کے لئے مخصوص ہے - یہ مہینہ غربا اور محتاجوں کی امداد کا مہینہ ہے - یہ وہ مہینہ ہے - جس میں قرآن شریف جیسی عظیم الشان نعمت کا نزول شروع ہوا - آج ہم خدا کے حضور اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں - جس نے ہمیں ہمارے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی - اسلام کا اہم مقصد اور اس کا اصول بنیادی اطاعت لامر اللہ ہے - آج وہ دن ہے کہ وہ حلال چیزیں ہم پھر بخوشی استعمال کرسکتے ہیں جو اس ماہ میں ممنوع قرار دی گئی تھیں - اور یہ محض خدا کے حکم کے ماتحت تھا - اور اس کی رضا جوئی کے لئے تھا - اصل خوشی فرائض کے سرانجام دینے سے حاصل ہوتی ہے - اور اسلام افراد کا مذہب نہیں ہے - بلکہ یہ ایک اجتماعی رنگ کا مذہب ہے اور اس اجتماعی رنگ میں سخت شدت پائی جاتی ہے - اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ اس موقعہ کی اجتماعی خوشی کو منانے کے لئے ہم نے صرف اکٹھی نماز ہی نہیں پڑھی بلکہ عملی طور پر ہم میں سے ہر ایک نے بطور خیرات جس کو صدقہ عید الفطر کہتے ہیں - کچھ نہ کچھ رقم بھی دی ہے تاکہ ہمارے وہ بھائی جو ذی استطاعت نہیں ہیں وہ بھی اس موقعہ پر خوشی میں شرکت کرسکیں - صدقہ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے - ہماری روحوں کو صاف کرتا ہے - یہ ہمارے حال میں افزونی بخشتا ہے اور ہمیں اور ہماری دولت کو اُس دنیوی غلاظت سے پاک و صاف کرتا ہے - جس سے فی زمانہ ہماری مادیت زدہ زندگیاں ملوّث ہیں -

جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے - اسلامی تعلیمات کا سنگِ بنیاد یا اصول اساسی "اطاعت لامر اللہ"

ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہ الفاظ اپنی زبان سے فرما کر کہ "میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی" اس حقیقت کو اپنے متبعین پر واضح کرنا چاہا ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ زمانہ قدیم سے تمام انبیا کی تعلیم کا یہی لب لباب رہا ہے۔ لیکن جائے افسوس ہے کہ انسانوں نے اس بنیادی اصول کو اپنے دلوں سے محو کر دیا ہے اور اس سے عجیب وغریب تغافل سے کام لیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان آج طرح طرح کے مصائب کے ہاون میں پیسے جا رہے ہیں۔ اور آلام ومصائب کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ ایسے پہاڑ کہ اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہیں آئے تھے۔ ابھی پہلی جنگ عظیم کی تباہی اور بربادی کے زخم دلوں پر موجود ہی تھے کہ ایک بیس سال کے عرصے کے اندر اندر دوسری جنگ کی شکل میں دنیا کو ایک سخت جہنم سے واسطہ آن پڑا ہے اور ابھی اس جنگ کے اثرات مابعد مٹے نہیں کہ اب تیسری عظیم الشان جنگ کی تیاریاں سننے میں آ رہی ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سلسلہ کب تک اور کہاں تک چلے۔ اور تیسری جنگ کے بعد پھر چوتھی اور پانچویں جنگ بھی معرض ظہور میں آ جائے۔ اور ہر ایک آنے والی جنگ اپنی ہیبت اور بربادی کے لحاظ سے پہلی جنگ سے زیادہ مہیب اور بربادکن ہو۔ یہ زمانہ مستقبل ہی بتا سکتا ہے۔ پس مقام خوف ہے۔

مادی ترقی کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ بنی نوع انسان کے لئے راحت اور خوشی کا موجب ہوگی۔ لیکن برعکس اس کے تجربہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ راحت اور خوشی تو کہاں ناگفتہ مصائب کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور عام طور پر بربادی اور تباہی اپنے بھیانک منظر دکھا رہی ہے۔ پروفیسر ایم ایل ای *Oliphant* اولی فینٹ جو ایٹم بم کے معلوم کرنے میں سب سے پہلے شخص ہیں انہوں نے گذشتہ جولائی میں برمنگھم کے مقام پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس بات کا اب امکان ہے کہ اگر ایٹم کے ساتھ جنگ آزمائی کی جائے تو تمام دنیا میں تباہی کا دورہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا "سائنیس بمقابلہ تحفظ کے ذرائع کے ان ذرائع اور ان طریقوں کی تکمیل کی طرف زیادہ سرعت سے جا رہی ہے جو دنیا کی تباہی کا موجب ہوں" حقیقت یہ ہے کہ دنیا ایک سخت ابتری کی حالت میں ہے۔ اور جان ومال اور عزت کا تحفظ تمام روئے زمین سے اٹھ گیا ہے۔ روئے زمین کے ہر ایک خطہ پر ذرا نظر دوڑا کر دیکھئے کیا کہیں امن نظر آتا ہے؟ چین۔ انڈونیشیا۔ برما۔ ہندوستان۔ پاکستان فلسطین یورپ کی حالت سب پر ظاہر اور باہر ہے۔ آج کسی جگہ امن وامان نام کو بھی نہیں۔ تمام خلقت نسلوں اور قومیتوں

میں بٹ چکی ہے جو ایک دوسرے کو نفرت وحقارت سے دیکھتی ہیں۔ اور اپنے مفاد دنیوی کے لئے اور حرص و ہوا کی آگ سے مشتعل ہو کر ایک دوسرے کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں اور کوئی ضابطہ اخلاق ان کے مدنظر نہیں ہے۔ دوستو! سچ بات تو یہ ہے کہ دنیا نے خدا کو چھوڑ دیا ہے۔ پس خدا نے دنیا سے امن وامان اٹھا لیا ہے مغرب کی مادی تہذیب نے روحانی طاقتوں کی قدر و قیمت سے انکار کر دیا ہے۔ اس تہذیب کے نزدیک روحانیت کچھ چیز ہی نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مغربی دنیا جو دراصل اُن تمام مخرّب تحریکوں کا مرکز ہے جنہوں نے تمام عالم میں تہلکہ برپا کر رکھا ہے۔ از سرتاپا مادیت میں غرق ہے اور اس میں روحانی اور اخلاقی طاقتیں کالعدم ہو چکی ہیں۔ ان کا نام ونشان بھی وہاں نہیں پایا جاتا۔ مذہب کو انسان کا محض ایک پرائیویٹ مشغلہ بتایا جاتا ہے۔ اور لوگ سوسائٹی میں اس کا ذکر کرنے سے ہچکچاتے اور شرم محسوس کرتے ہیں۔ خدا کا نام محض ہونٹوں پر ہے اور سیاست دان بجائے اس کے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے سامنے سرنیاز خم کریں محض جنگ میں فتح کیلئے یا کسی مصیبت کے دور کرنے کیلئے خدا کا نام محض رسمی طور پر زبان پر لے آتے ہیں ورنہ کوئی عزت اور عظمت اور کوئی جذبہ خدا کیلئے ان کے دلوں کے اندر نہیں ہے۔ ان کے نزدیک خدا کی محض اس قدر ضرورت ہے کہ وہ انہیں دنیوی مفاد کے حصول یا سیاسی مقاصد میں کامیابی دے۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ اطمینان قلب جو حقیقی دولت ہے نصیب ہو یا وہ خدا سے اس نعمت کیلئے دست بدعا ہوں۔

آئیے! ہم دیکھیں کہ آیا اسلام نے دنیا میں امن وامان قائم کرنے کے لئے کیا اہتمام کیا ہے۔ اسلام کا مقصد بطور ایک تصوری کے محض خدا کی ہستی کی تعلیم دینا ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع اس کا مقصد ہے مذہب اسلام اس یقین کو دلوں کے اندر بٹھانا چاہتا ہے اور لوگوں کے اذہان میں یہ نقش بٹھانا چاہتا ہے کہ خدا انسان کی زندگی میں ایک زندہ طاقت ہے۔ اور یہ مقصد عظیم دعا اور نماز سے حاصل ہوتا ہے۔

محض یہ مان لینا کہ خدا ہے حقیقی ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ حقیقی ایمان یہ ہے کہ خدا کی ہستی کا کامل یقین انسان کے قلب کے اندر ہو۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ہ یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد سے دلوں کے اندر اطمینان اور سکون پیدا ہوتا ہے۔ اسلام نے ایسے ایسے طریقے اور ایسے ایسے ذرائع تجویز کئے ہیں اور ایسے ایسے احکام جاری فرمائے ہیں جن سے خدا کا تصور کسی وقت بھی دل سے محو نہ ہو بلکہ ہر وقت تر و تازہ ہے

اور اُس رحیم و کریم اور حی و قیوم خدا کی ہستی پر ایک زندہ اور حقیقی ایمان دلوں کو گرمانا رہے تمام مذاہب خدا پر ایمان کی تعلیم دیتے ہیں۔ لیکن ان تمام پاک تعلیمات کا نتیجہ عملی طور پر صفر کے برابر ہے۔ محض لفاظی اور زبانی جمع خرچ۔ بڑے بڑے وعظ اور خطبے۔ اور خطیبوں کے چُست فقرے زبان و قلم سے نکلتے ہوئے تو بہت ہی دلفریب نظر آتے ہیں لیکن یہ ہمیں اصل مقصد کی طرف رہنمائی نہیں کرتے۔ اور جو امر در اصل مطلوب ہے وہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ بات تجربہ میں آچکی ہے کہ محض فلسفیانہ موشگافیاں اور اخلاقی نصائح اب بے کار محض ہیں۔ ان میں کوئی اثر نہیں رہا۔ لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ کوئی چیز ہے جس کی کمی ہے۔ کوئی چیز ہے جو در اصل گم ہو چکی ہے اور اس کو تلاش کرنا چاہئے۔ اسلامی تحقیق کے بموجب ان تمام مصائب کا سبب اُن ضوابط کا فقدان ہے جن سے انسان کے دل کے اندر خدا کا تصور خدا کا تخیل۔ خدا کی ہستی کا یقین دائمی طور پر زندہ اور قائم رہ سکتا ہے۔ بلکہ جن سے خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان ضوابط کو اختیار کیا جائے جن سے یہ گوہر مقصود حاصل ہو سکے۔ ہر ایک وہ شخص جس نے ایک مسلمان کی عملی زندگی کو دیکھا ہو گا محسوس کیا ہو گا کہ اسلام کس طرح ایک مسلمان کے اندر ایک قلب سلیم پیدا کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں اسلام میں کوئی سبت نہیں ہے۔ کوئی خاص دن عبادت کے لئے مخصوص نہیں کیا گیا جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک دن عبادت کے لئے جس میں کوئی دنیوی کام نہیں کرنا اور چھ دن کام کے جن میں کوئی وقت عبادت کیلئے نہیں ہے۔ یہ مسلمان کی زندگی کا طریق مقرر نہیں کیا گیا۔ عبادت مسلمان کی روز مرہ کی زندگی میں داخل کی گئی ہے۔ صبح کے وقت نماز۔ جبکہ انسان طلوع آفتاب سے قبل اپنے بستر سے بیدار ہوتا ہے۔ پھر دوپہر کے بعد نماز سورج کے ڈھلنے پر۔ پھر عصر کے وقت نماز غروب آفتاب سے پہلے پھر مغرب کے وقت نماز جبکہ سورج غروب ہو جاتا ہے۔ پھر نماز عشا سونے سے پہلے۔ معلوم ہوا کہ نماز سب سے پہلا کام ہے جو انسان بستر سے اٹھ کر کرتا ہے اور یہی آخری کام ہے جو وہ بستر پر جانے وقت کرتا ہے۔ سو کر اٹھنے پر نماز اور سونے سے پہلے نماز اور پھر دن کے دوران میں تین نمازیں۔ اس طرح سے اسلام یہ چاہتا ہے کہ تمام مختلف حالتوں میں جن میں سے انسان کو گذرنا پڑتا ہے۔ اُس کی روح خدا کی روح سے پیوستہ رہے۔ ایسی حالت میں بھی جبکہ انسان سخت مصروفیت کی حالت میں ہو اس کو تمام دنیوی کاروبار سے الگ تھلگ ہو کر خدا کے حضور میں حاضر ہو جانا چاہئیے۔ اس اہتمام کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان ہر حالت میں خدا کی ہستی اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کو محسوس کرتا رہے۔ حتیٰ کہ جب وہ اپنے کام میں

مشغول ہے۔ اسوقت بھی اس کا دل خدا کے ساتھ ہو۔ دست ما کار دل با یار۔

لیکن اسلام اس پر ہی قناعت نہیں کرتا۔ ایک طرف تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے مذاہب نے اس ضابطہ نماز کو اسقدر کم کیا ہے کہ محض شنبہ یا یکشنبہ کے دنوں کو اس کیلئے مخصوص کر دیا ہے تو دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ علاوہ ان پانچ نمازوں کے جو فرض ہیں۔ ہمارے نبی کریم نے مسلمان کے ہر کام ہر فعل بلکہ ہر حرکت کیلئے دعا سکھائی ہے۔ ہر ایک وہ شخص جسے حضرت نبی کریم صلعم کی احادیث دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا اس کو معلوم ہوگا کہ ایک مسلمان کی زندگی من کل الوجوہ خدا کی عبادت میں صرف ہوتی ہے۔ اسلام ہماری دنیوی زندگی کو روحانیت کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ دنیا کو بھی دین ہی میں مدغم کر دیتا ہے۔ دنیا دنیا نہیں رہتی بلکہ اس قدر روحانیت کا رنگ اس میں بھرا جاتا ہے کہ وہ بھی دین ہو جاتی ہے۔ اس مضمون کو ذرا واضح کرنے کے لئے میں آپ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث سنانا چاہتا ہوں۔ جو روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک مسلمان کو حکم ہے کہ وہ جب بستر سے بیدار ہو سب سے پہلے خدا کا نام لے چنانچہ ہمارے حضرت نبی کریم بیدار ہونے پر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ "سبحان الذی احیینا بعد مما تنا" "پاک ہے وہ ذات جس نے ہمیں موت کے بعد پھر زندہ کیا۔ اسی طرح جب آپ قضائے حاجت کیلئے تشریف لیجاتے آپ فرماتے: "اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث" اے خدا جس طرح یہ گندگی جسم سے نکالی گئی ہے اسی طرح جو دوسری روحانی گندگیاں ہیں وہ بھی نکل جائیں"۔

پھر جب آپ ہاتھ منہ دھوتے ہیں یا غسل فرماتے ہیں تو آپ دعا فرماتے ہیں:۔ "اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین"۔ اے خدا مجھے ان لوگوں میں سے بنا جو تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور ان میں سے جو پاک ہیں"۔

پھر ایک مسلم کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد خدا کو یاد کرتا ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لیکر شروع کرتا ہے اور کھانے کے بعد یہ دعا مانگتا ہے۔ "الحمد للہ الذی اطعمنا واسقانا وجعلنا من المسلمین" اس خدا کی تعریف ہے جس نے ہمیں کھانا دیا اور پانی دیا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا۔ علیٰ ہذا القیاس جب ایک مسلمان کسی گاڑی پر سوار ہوتا ہے یا کسی جانور پر سواری کرتا ہے۔ اسوقت بھی اسکی زبان سے خدا کی تعریف کے کلمات اور خدا کی یاد کے الفاظ ...... نکلتے ہیں "سبحان الذی سخرلنا ھذا" پاک ہے وہ خدا جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کر دیا۔ حضرت نبی کریم صلعم نے یہاں تک دعائیں سکھائی ہیں کہ جب انسان اپنی بیوی سے ہم کنار ہو اسوقت بھی اسکی زبان سے یہ کلمات نکلتے ہیں "اے خدا شیطان

کو ہم سے دور رکھ اور اُس فتنے جو توُ پھل دے شیطان کو دُور رکھ" غرضکہ مسلمان کا ہر کام دین ہی میں ہے۔ خواہ ایک غیر مسلم کے نکتۂ نگاہ سے وہ کتنا ہی دنیوی کام کیوں نہ ہو۔ ہم بلا خوف تردید کر سکتے ہیں کہ اسلام میں مذہبی اور دنیوی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مسلمان کا ہر ایک کام خدا کی رضا جوئی کیلئے ہے اور یہ رضا جوئی وہ چیز ہے جو مسلمان کے ہر کام کو روحانی بنا دیتی ہے۔

مضمون بالا سے ظاہر ہے کہ خدا کو ہمیشہ یاد رکھنے کا اہتمام اسلام نے کس انضباط سے کیا ہے اور اس ضروری امر کو کسقدر اہمیت دی ہے۔ عیسائی مصنفین نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ مسٹر ڈبلیو ای ہاکنگ W. E. Hocking اپنی کتاب موسومہ بہ Living Religion & World Faith میں رقمطراز ہیں: "مسلمانوں کے نزدیک خدا ہمیشہ حاضر و ناظر ہے بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اکثر عیسائیوں کے مقابلہ میں مسلمان خدا کے حاضر و ناظر ہونے پر قوی تر ایمان رکھتے ہیں۔ اسلام میں ہر ایک شخص خدا کی وحدت، عزت و عظمت اور اسکے جلال پر ایمان رکھتا ہے جو ہم عیسائیوں کے اندر نہیں پایا جاتا۔ مسلمانوں کے اندر ہم دیکھتے ہیں کہ کسطرح خدا کا خیال انسان کی ذاتی زندگی کا ایک حصہ ہے اور اسکی عظمت اُسکے دل کے اندر جاگزین ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک خدا اپنے جاہ و جلال میں اسکے نزدیک ہے وہ ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ ایک مسلمان کبھی اس امر کو فراموش نہیں کرتا کہ اسے خدا سے واسطہ ہے اور اس واسطہ پڑیگا۔" خاتمہ پر میں اسلام کے ایک دوسرے کمال پر کچھ کہنا چاہتا ہوں اور وہ خدا کی توحید ہے۔ اس توحید نے دنیا کے اندر ایک بے نظیر برادری کی بنیاد ڈالی ہے۔ مسٹر ہاکنگ جنکا اوپر ذکر آیا ہے کہتے ہیں کہ "اسلام کی برادری یا اسلامی اخوۃ ایسی زبردست چیز ہے جس میں نسلی امتیازات کا کچھ دخل نہیں۔ عیسائیت بھی اسکا اقرار کرتی ہے مگر عیسائی لوگوں میں اسکی مثال شاذ ہی طور پر پائی جاتی ہے۔"

مجھے اس مضمون پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہمارا موجودہ اجتماع ہی ہماری عالمگیر برادری اور ہماری اخوت اسلامی کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔ یہاں اس مجمع میں آپ غریب اور امیر، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ، سفید اور سیاہ، آقا اور غلام میں کوئی امتیاز نہیں دیکھنے چھوٹے اور بڑے تمام اکٹھے بیٹھے ہیں اور ابھی ہم اکٹھے ہی ملکر کھانا کھائینگے۔ اسطرح سے اسلام نسل انسانی کے کم از کم پانچویں حصہ تک تو تمام قسم کے امتیازات اور تفرقات دور کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اور ہم مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ ہماری زندگی کا یہ مقصد ہے کہ ہم دنیا میں انسانی اخوۃ کی ایک عملی مثال قائم کریں۔ آج ہمیں ہمارے خدا کے حضور ایک اور شکریہ ادا کرنیکا موقعہ ہے اور وہ ایک اور بڑی اسلامی سلطنت بلکہ دنیا میں سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا حصول ہے۔ جسکا نام پاکستان ہے۔ ہم خدا کے حضور شکر بجا لاتے ہیں کہ یہ سلطنت خدا نے ہمیں پُر امن طریق سے عنایت کی جس میں کسی قسم کے تشدد اور قتل و خون کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، اور اسلام کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے انسان تشدد کے طریقوں سے بچا رہے۔ آئیے ہم سب ملکر اس نئی سلطنت کی خوشحالی اور کامرانی کے لئے دعا کریں۔ خدا کرے کہ یہ سلطنت بڑھے پھولے اور پھلے۔ اور اسلام کے مقاصد کی مؤید ہو۔ خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم اسلام کی احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔ قرآن ہمارا رہنما ہو۔ اور ہمارے نبی کریم صلعم کی حیاتِ طیبہ ہمارے اندر خلقِ خدا کی خدمت کا جذبہ پیدا کرے۔ آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اسمائے صداقت اسلام

از جناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ ستمبر ۱۹۲۷ء ملاحظہ ہو

اسی طرح اگر" غضب "کو قابو میں نہ رکھا جائے تو فخر و مباہات بیجا، خود سری، گستاخی زعم بیجا، خود بینی، تکبر، تحقیر دیگراں، نمود علم، بغض، حسد، بے رحمی، تذلیل دیگران، ستمگاری اور دیگر عیوب پیدا ہو سکتے ہیں۔ بے باکی یعنی تہوّر، جسے بعض لوگ غلطی سے شجاعت کا مترادف سمجھ لیتے ہیں، دراصل غیر منضبط قوت غضبی ہی کا دوسرا نام ہے۔ قوت غضب اور شہوت باہم ملکر فریب دہی، دغا بازی، چالاکی، بے ایمانی، دنائت بدزبانی، اور سرکشی پیدا کرتی ہیں۔ برعکس اس کے یہی اصلی جذبات یعنی غضب اور شہوت، اصلاح یافتہ حالت میں، جبکہ حقیقی حکمت اور عقل کی روشنی سے منور ہو جائیں۔ فیاضی، فراخدلی، دلیری، شجاعت عاقبت بینی، عفت، حیا، غیرت، حلم، انکساری، استقلال، استواری، تحمل، اطاعت، اعتماد علی النفس، احساس فرائض، محاسبۂ نفس، تعزز ذاتی، وضع اور افعال میں وقار، راستبازی، صداقت صبر، قناعت، ترحم، مہربانی، عفو، شگفتگی طبع اور دیگر اخلاق فاضلہ پیدا کر دیتے ہیں۔ قرآن شریف نے ہر ہر خلق اور خصلت کا تذکرہ کیا ہے اور اُن کو اپنے اندر پیدا کرنے کے اصول اور طریقے بیان فرمائے ہیں شعور حیوانی سے لے کر، ضمیر انسانی تک اور ضمیر انسانی سے لیکر طاعت باللہ تک، جو روحانیت کی آخری منزل ہے، جبکہ قلب انسانی، مورد انوار الہیہ اور مہبط ملائکہ ہو جاتا ہے، ہر منزل کے خط و خال اور خصائص مفصل طور پر بیان کئے ہیں۔ چنانچہ قطرۂ انسانی، بحر الوہیت سے[1] واصل

---

[1] "ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقامو اتتنزل علیہم الملٓئکۃ الا تخافو ولا تحزنو

ہو جاتا ہے۔

جب یہ حالت ہوتی ہے تو پھر خدا تعالےٰ اپنے آپ کو اس بندہ کے واسطہ سے کائنات میں ظاہر کرتا ہے، اور اُس سے الہٰی اخلاق سرزد ہونے لگتے ہیں" اور وہ بندہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ وہ صرف اطاعت خداوندی اور شفقت علیٰ خلق اللہ ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ پس وہ اِس طرح اپنی مرضی کو الٰہی مرضی کے تابع کر دیتا ہے تو اس کے جملہ اعضائے جسمانی خالص دلچسپی، خلوص اور شادمانی کے ساتھ، نہ کہ سرد مہری اور بے گانگی کے ساتھ، خالص نیکی میں منہمک ہو جاتے ہیں گویا وہ آئینۂ اطاعت میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہے غرض آگے چل کر اس کا ارادہ، خدا کا ارادہ ہو جاتا ہے، اور اس کو سوائے طاعت باری کے اور کسی چیز میں لطف نہیں آتا۔ وہ نیکی کو محض نیکی ہی کی خاطر نہیں کرتا بلکہ اُس کی طبیعت ہی نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اور اُسے ان کاموں میں راحت ملتی ہے۔ اور انتہائی شادمانی نصیب ہوتی ہے۔ پس یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ مومنوں سے کیا گیا ہے۔ اور جنت اُخروی جو عقبیٰ میں ملیگی وہ موجودہ جنت ارضی کا ایک ظل یا عکس ہی تو ہے، یا یوں سمجھیئے کہ وہ اُن روحانی برکات کی مجسم شکل ہے جو مومنوں کو دنیا ہی میں نصیب ہوتی ہیں"

اسلام تو ایسی آگ ہے۔ جس میں تمام ادنیٰ جذبات فنا ہو جاتے ہیں۔ اور جھوٹے دیوتاؤں کو جلا کر، ہماری زندگی، املاک، اور عزت، سب کچھ، خدا کے حضور میں قربانی کے طور پر پیش کر دیتا ہے جب ہم اس چشمہ میں داخل ہوتے ہیں تو ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں اور ہماری باطنی روحانی قوتیں

وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ"

یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس عقیدہ پر استقامت اور استواری دکھاتے ہیں تو ان پر فرشتے نازل ہوتے اور کہتے ہیں کہ نہ خوف کرو نہ رنجیدہ ہو، بلکہ خوشی کرو اور شادماں ہو کہ تم اُس برکت کے وارث ہوئے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم تمہارے محافظ ہیں اس زندگی میں بھی اور آیندہ بھی (سورۂ حٰم آیت ۳۱)

الہی قوتوں سے وابستہ ہوجاتی ہیں جس طرح زنجیر کی کڑیاں - اور ہمارے اندر سے ایسی آگ نکلتی ہے جیسے بجلی، اور ایک آگ اوپر سے آتی ہے اور ان دونوں آگوں میں، ہمارے تمام ادنیٰ جذبات بھسم ہوجاتے اور جسمانی یا نفسانی خواہشات جل کر خاک سیاہ ہوجاتی ہیں - اور سوائے خدا کے اور تمام چیزوں کی محبت فنا ہوجاتی ہے -

گویا ہماری سابقہ زندگی پر ایک رنگ میں موت طاری ہوجاتی ہے اور اسی موت کا نام اسلام ہے - اسلام تمام خواہشات نفسانی پر موت طاری کردیتا ہے - اور ہم کو از سر نو نئی زندگی عطا کرتا ہے - یہ ہے حقیقی "تولید ثانی" اور جو شخص اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے اس پر الہام ربانی کا نزول[1] ہونا لازمی ہے - اس مرتبہ کو "مرتبۂ لقا" کہتے ہیں، کیونکہ اس حالت میں انسان اپنے رب کا چہرہ دیکھتا ہے - اور اس کا تعلق خدا سے اس درجہ شدید ہوتا ہے گویا وہ خدا کو اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو - اس کو سماوی تائید حاصل ہوتی ہے - اور اس کی باطنی قوتیں جگمگا اٹھتی ہیں - اور اس کی آسمانی زندگی کی قوتِ نفناطیسی پوری طاقت کے ساتھ کام کرتی ہے - اس مرتبہ پر پہنچکر خدا بندے کی آنکھ ہوجاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، زبان ہوجاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے - ہاتھ ہوجاتا ہے جس سے وہ حملہ آور ہوتا ہے، کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے، پاؤں ہوجاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے - وہ مثیل موسیٰ، یوشع، ایلیاس داؤد، عیسیٰ، کرشن اور محمد (صلعم) ہوجاتا ہے - وہ محمدؐ جو آخر الانبیاء ہیں، اس مبارک سلسلہ کے خاتم ہیں، اور ان تمام صفات الہیہ کے مظہر کامل ہیں جو بذریعہ انسانیت امکانی طور پر عالم آشکارا ہوسکتے ہیں - آنحضرت صلعم کی طرف الفاظ ذیل میں اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید، انسانیت کے اس مرتبہ کمالیت کا ذکر کرتا ہے :-

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم

---

[1] والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا - جو ہمارے حصول کے لئے کوشاں ہوتے ہیں - ہم یقیناً ان کو اپنا راستہ دکھا دیا کرتے ہیں - ۲۹/۶۹

جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے تحقیق وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھوں کے (سورۃ فتح آیت ۱۰)

"وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمیٰ" جو تو نے پھینکا، وہ تو نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکا"

دوسرے مقام پر، روحانی پہلو سے محترم اشخاص کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے۔

"نحن اقرب الیہ من حبل الورید" "وایدھم بروح القدس"

"ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں، اور خدا نے اپنی پاک روح سے ان کی مدد فرمائی۔

ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ مسلمان مشبہین یا قائلین وحدت الوجود ہیں۔ ہم نہ تو مشبہین کی طرح خدا کو انسانی صفات سے متصف کرتے ہیں اور نہ آخر الذکر گروہ کی طرح ہر شے کو خدا تسلیم کرتے ہیں۔

" اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر شے خدا سے سرزد ہوئی ہے اور اُس میں کسی حد تک الہی صفات جلوہ گر ہوتی ہیں لیکن کوئی شے خدا نہیں ہے۔ مثلاً سورج، کائنات میں ہر شے کی علتِ اولی ہے اور ہر شے میں اس نیر اعظم کے خواص ایک نہ ایک حد تک موجود ہیں، لیکن کوئی شے، سورج نہیں ہے جس طرح انسانی جسم میں آکر مادہ اپنے انتہائے عروج کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح انسانی دماغ میں الہی حکمت کے اظہار کی استعداد موجود ہے۔ کیونکہ اول الذکر، الہی دماغ کے نمونہ پر بنایا گیا ہے۔ لیکن انسانی دماغ میں صفات الہیہ کا محض ظل پایا جاتا ہے۔ علاوہ بریں جو کچھ الہی صفات انسان پر منکشف ہوئی ہیں وہ ذات الہی کا مکمل نقشہ نہیں ہیں۔ بلکہ انسان کو صرف انہیں صفات کا علم دیا گیا ہے جو اس کے حیطہ عقل میں آسکتی ہیں۔ ورنہ قرآن مجید فرماتا ہے " لیس کمثلہ شئی" نہیں اُس کے مانند کوئی اور اگر آنحضرت صلعم نے ہمیں اپنے آپ کو صفات الہیہ سے متصف کرنے کا حکم دیا ہے تو اسی حد تک جہاں تک ہمارے لئے ممکن ہے۔

اگرچہ بعض افعال کے لحاظ سے خدا ہم سے مشابہ ہے لیکن پھر بھی ذاتِ خداوندی اس وجہ وراء الکائنات ہے اور اس قدر بعید الفہم ہے کہ اس کی تشبیہ، استعارۃً بھی تخیل میں نہیں آسکتی کیونکہ نہ صرف کوئی شے اس کے مانند نہیں بلکہ کوئی شے اس کی شبیہ کی مشابہ بھی نہیں ہو سکتی۔ خدا نہ صرف تمام حدود بست سے بالاتر ہے بلکہ استعارہ اور تشبیہ کی پابندی یا حدود سے بھی وراءالوراء ہے " (ماخوذ از انگریزی ترجمۂ قرآن مجید مؤلفہ حضرت مولانا محمد علی صاحب)

دنیا کی موثر ترین کتاب

قرآن مجید تجربہ سے، دنیا کی سب سے زیادہ تسلی بخش کتاب ثابت ہوئی ہے، جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے ایک فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون بعنوان "قرآن" میں بجا طور پر لکھا ہے۔ بے شک قرآن مجید کے سامنے نہایت ہی مشکل مرحلہ درپیش تھا لیکن نزول کے چند سال بعد اس کتاب نے وہ حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا جس کی بناء پر دشمن بھی اس امر کے اعتراف پر مجبور ہے کہ یہ کتاب اپنے مقصد میں بدرجۂ اتم کامیاب ہوئی۔

حالاتِ زمانِ بعثتِ موسیٰ و عیسیٰ و محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین

قانونِ بقائے اصلح نہایت بجا طور سے، قرآن شریف پر صادق آسکتا ہے۔ عرب کے حالات، بعثت نبویؐ کے وقت، اُن حالات سے بالکل مختلف تھے جو موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی بعثت پر اُن کی بعثت کے ممالک میں پائے جاتے تھے۔ بعثت موسوی کی غرض یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو مصریوں کی غلامی سے رہائی عطا کریں اور ارضِ موعود میں لاکر دوبارہ آباد کریں۔ فرعونِ وقت اور اس کی مصری رعایا، جو ان لوگوں پر حکمران تھی، اگرچہ بت پرست تھی لیکن تہذیب و تمدن سے عاری نہ تھی۔ مصری لوگ علوم و فنون کے دلدادہ تھے، فلسفۂ اخلاق بھی ان میں موجود تھا، اور ایک مخصوص جماعت کائنات کے رموز و نکات کے سمجھنے سمجھانے کے لئے وقف تھی۔ اسی لئے اگر موسیٰ اپنے عصاء کو سانپ بنا سکتے تھے تو ساحرانِ فرعون بھی ایسا کر سکتے تھے ہاں اتنی

بات ضرور تھی کہ اُن کے بنائے ہوئے سانپ ادنیٰ درجہ کے تھے۔ ہپناٹزم (تنویم) اور مسمریزم (تسخیر) کے اسرار بھی اُن لوگوں کو معلوم تھے۔ اسی طرح عیسیٰ کا زمانۂ بعثت بھی کسی طرح زمانۂ جہالت نہیں کہا جا سکتا۔ رومی تہذیب اور شائستگی، جو آج بھی دنیائے جدید میں کارفرما ہیں اس وقت اپنے پورے عروج پر تھی رومی لوگ، بلاشک علانیہ بت پرستی کرتے تھے لیکن اُن کے ہمعصر یہود تو موحد ہی تھے۔ اور انہی لوگوں کی اصلاح کے لئے حضرتِ عیسیٰ مبعوث ہوئے تھے۔ اور رومیوں نے اُن کے اصلاحی پروگرام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ خدا کا مذہب اور اس کی شریعت لوگوں کو معلوم تھی، یہ بات دوسری تھی کہ یہود اس پر کامل طور سے عامل نہ تھے۔ جناب مسیح کے زمانہ میں یہودی لوگ لکیر کے فقیر، رسوم کے پابند ریاکار اور خود پرست تھے۔ جناب مسیح نے نہ تو کسی کلیسا کی بنیاد ڈالی اور نہ کوئی نیا مذہب قائم کیا بلکہ وہ اس لئے آئے تھے کہ شریعت کی تکمیل راستبازی کے پیرایہ میں کریں۔ انہوں نے مروجہ مذہب یہودیت میں کسی طرح کی تفریق پیدا نہیں کی۔ بلکہ وہ محض "ربی" عالم شریعت اور مصلح مذہب تھے۔ فی الجملہ، جناب موسیٰ اور جناب عیسیٰ کے فرائض نبوت دشوار گزار اور حوصلہ فرسا نہ تھے۔ لیکن آنحضرت صلعم یا قرآن مجید کو نہایت ہی ہمت شکن اور زہرہ گداز حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ قرآن مجید دنیا کی بدترین جاہل ترین اور ایک ایسی قوم کی اصلاح کے لئے نازل ہوا جو تہذیب و تمدن سے قطعاً عاری تھی، جہالت پر ناز کرتی تھی اور بت پرستی اور شرک میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی، اور اخلاقی زاویہ نگاہ سے بہائم سے بھی فروتر تھی۔

سورج چاند ستارے شجر حجر غرضکہ جمیع مظاہر کائنات کو اپنا معبود گردانتی تھی، ہر قبیلہ کا بت جدا گانہ تھا۔ خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے جن میں سے بعض انسانوں کی شکل میں تھے بعض پرندوں کی بعض حیوانات کی اور تین بت یعنی لات۔ منات اور عزّیٰ اِن سب کے سردار تھے۔ نیکی کا وجود عنقا تھا، بدی کا دور دورہ تھا، حتیٰ کہ نیک و بد میں تمیز دشوار تھی لوگ بدی کو بدی نہیں بلکہ نیکی خیال کرتے تھے۔ شراب خوری اور قمار بازی اُن کا مشغلۂ زندگی تھا۔ قتل و غارت، اطفال کشی اور قزاقی اُن کے لئے سرمایۂ افتخار تھی۔ صنفی تعلقات میں عدمِ امتیاز کے علاوہ زناکاری کا بازار

بھی گرم تھا - بیٹے، اپنے باپوں کی وفات کے بعد اپنی ماؤں کو بھی، علاوہ دیگر املاک کے، اپنے ذاتی ملکیت تصور کرتے تھے - اور ان کے ساتھ تعلقات زناشوی قائم کر لیتے تھے - شادی شدہ عورتوں کو غیر مردوں کے ساتھ ارتباط و اختلاط میں کوئی شرم محسوس نہ ہوتی تھی - بلکہ وہ اُن لوگوں کی کثرت تعداد پر، جن کے ساتھ وہ اپنے خاوندوں کی زندگی میں ناجائز تعلقات پیدا کرتی تھیں، فخر کیا کرتی تھیں اور اس کثرت کو اپنے لئے باعث عزت سمجھتی تھیں - انسانی قربانی کا عام دستور رائج تھا بعض اوقات والدین خود اپنے بچوں کو کشاں کشاں مذبح تک لے جاتے تھے - لڑکیاں، قربانی کے لائق نہیں سمجھی جاتی تھیں اس لئے انہیں زندہ دفن کر دیتے تھے -

یہ سچ ہے کہ دنیا میں کوئی زمانہ عیب یا برائی سے خالی نہیں گزرا لیکن باوجود ارتکاب جرائم کے جو ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے، مجرموں نے اپنے افعال کو ہمیشہ نفرت ہی کی نگاہ سے دیکھا اور بدی کو بدی ہی سمجھا ہے یہ کبھی نہیں ہوا کہ بدی کو نیکی سمجھ لیا گیا ہو - مگر قرآن کا نزول اُن لوگوں کو انسان بنانے کے لئے ہُوا جو نہ صرف بدترین اخلاقی عیوب میں گرفتار تھے بلکہ اُن عیوب کو خوبیاں خیال کرتے تھے - ان لوگوں کے علاوہ، دیگر اقوام عالم بھی، اخلاقی معیار سے بہت گری ہوئی تھیں کل دنیا بدی کی تاریکی میں ملوث تھی لیکن عرب سرتاپا فسق و فجور میں غرق تھا - یوروپ - افریقہ تو اُس زمانہ میں بہائم صفت انسانوں سے آباد تھے ہندوستان، چین، ایران اور دیگر متمدن ممالک بھی جہالت اور دناءت میں مبتلا تھے ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے مسیحی نادانستہ یا دانستہ بہرکیف کسی رنگ میں بُت پرست ہو چکے تھے - وہ لوگ ظاہر اور باطن میں، اُن مجسموں سے اپنی مرادیں مانگتے تھے جو اُن کے گرجوں اور معابد کے لئے باعث تضحیک تھے - خدائے واحد کے ساتھ لکھو کہا، شہداء، اولیا، ملائکہ، اور مریم و ابن مریم، ان مسیحیوں کے معبود بنے ہوئے تھے کالی ریڈین زنادقہ نے جو عرب میں آباد تھے، مریم کو الوہی صفات سے متصف کر دیا تھا - اگرچہ ہر نبی کی بعثت، تاریکی اور جہالت ہی کے زمانہ میں ہوتی آئی ہے - لیکن بعثت نبوی کے زمانہ سے تاریک تر زمانہ، دنیا کی تاریخ میں نظر نہیں آتا - مگر جس طرح ظلمت کے بعد روشنی پیدا ہوتی ہے اور رات کی تاریکی کے بعد صبح صادق نمودار ہوتی ہے - جس طرح خشکی

اور گرمی کے بعد بارش آتی ہے۔ اُسی طرح نزول قرآن بھی اُسی وقت ہوا جبکہ دنیا اشد حاجت مند تھی چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے :-

کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰتِ الی النور باذنِ ربھم الی صراط العزیز الحمید۔

یہ کتاب ہے کہ ہم نے اُتاری تیری طرف کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیرے سے اُجالے کی طرف اُن کے رب کے حکم سے، راہ پر اُس زبردست تعریف کئے گئے (خدا) کی سورۂ ابراہیم ع ۱

ہر نبی کی سوانح حیات پر غور کرو۔ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اُس کی بعثت کے وقت جو حالات اُس کی قوم یا ملک میں رونما تھے وہ اسی امر کے مقتضی تھے کہ کسی نبی کی بعثت ہو۔ اگر یہ منطق قابل تسلیم ہے تو یہ دلیل بآسانی اور بہ شدومد آنحضرت صلعم کی بعثت پر صادق آتی ہے۔

میں نے ابھی حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے ازمنہ بعثت کا تذکرہ کیا ہے اگر اُن حالاتِ ازمنہ کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی نبی مبعوث ہو اور ایسا ہی ہوا بھی، تو جیسا کہ میں نے دکھایا ہے، کیا نبی کریم صلعم کی بعثت ایسے ہی موقعہ پر نہیں ہوئی جبکہ دنیا کو آسمانی روشنی کی اشد ضرورت تھی ؟

اور اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن کریم نے نہایت ہی قلیل عرصہ میں عربوں کی قلب ماہیت کردی۔ نزولِ وحی قرآنی سے صرف پانچ سال بعد، حیرت انگیز نتائج پیدا ہونے شروع ہوگئے تھے۔ اور اس بات کے لئے ہمارے پاس حضرت جعفر طیار کی سچی شہادت موجود ہے۔ یہ بزرگ ان مہاجرین میں سے تھے جو قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آکر حبش کو ہجرت کر گئے تھے۔ یہ لوگ بادشاہ کے حضور میں پیش کئے گئے جو عیسائی تھا اور حضرت جعفر نے اس کے سوال پر مفصلہ ذیل تقریر کی :-

اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے سراسر گمراہ، بُت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے طاقتور لوگ، کمزوروں پر ظلم کرتے تھے۔ مدت تک اسی حالت میں رہے، تا آنکہ خدا نے ہماری ہی قوم میں سے ایک نبی مبعوث کیا۔ (باقی باقی)

عیسیٰ ابن مریم

پیدائش اور وفات

از قلم جناب خواجہ نذیر احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا

(سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ ستمبر ۱۹۴۷ء ملاحظہ ہو)

مجھے واقعات متنازعہ کے سمجھانے کے طریقے اور بیانات کی سخت جانچ سے گریز کرنا چاہیئے تاکہ یسوع کے حالات لکھنے والوں کے کاغذات میں جو مختلف اور متضاد باتیں پائی جاتی ہیں۔ اُن کو ایک حکم قطعی سے ظاہر کر دوں۔

انجیلوں میں متضاد باتیں بہت نمایاں طریقہ پر پائی جاتی ہیں۔ پیرس نے ایسی دس خلاف بیانیاں شمار کرائی ہیں لیکن حقیقت میں اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے:۔

(۱) مُہر اور نگرانی جو قبر پر تھی۔ اور سپاہیوں کو رشوت دینے کا ذکر صرف متی کی انجیل میں آیا ہے مرقس۔ لوقا اور یوحنا کی انجیلوں میں یہ باتیں غائب ہی نہیں ہیں بلکہ اُن عورتوں کی ناامیدگی کی وجہ

سے جو یسوع کی لاش میں مرہم لگانے آئیں تھیں یہ باتیں خارج کردی گئی ہیں اور مرقس کی انجیل میں کم سے کم پتھر کے وزن کی وقت کو پہلے سے غور کرلیا گیا ہے۔

(۲) لوقا کی انجیل میں جمعہ کو سورج کے ڈوبنے سے پہلے خوشبوئیں تیار کرلیتی ہیں۔ یوحنا کی انجیل میں یوسف اور نکوڈیمس لاش کو معطر کرچکے تھے۔ حالانکہ متی۔ مرقس اور لوقا کے مطابق یوسف نے صرف لاش کو ایک عمدہ کپڑے میں لپیٹا تھا۔

(۳) جو لوگ قبر پر یسوع کے دوبارہ جی اٹھنے کی ... کو آئے وہ یہ تھے:۔ مرقس میں میری میگڈلینی اور کچھ اور عورتیں۔ متی میں صرف دونوں مریم۔ لوقا میں دونوں مریم اور دوسری عورتیں۔ یوحنا میں صرف میری میگڈلینی جس کے ساتھ تاہم پطرس اور پیارے شاگرد۔ لوقا میں صرف پطرس قبر پر گیا۔ یہ بیان جھوٹا ہے اور یہاں سے مطابقت کرنے کی غرض سے زبردستی ٹھونسا گیا ہے۔

(۴) عورتوں کا قبر پر آنے کا وقت:۔ مرقس میں جب سورج نکل آیا تھا۔ لوقا میں علی الصباح۔ یوحنا میں سویرے سورج نکلنے سے قبل (جب اندھیرا تھا) لیکن متی کے مطابق آدھے دن پہلے۔

(۵) مرقس۔ لوقا۔ یوحنا میں جو لوگ قبر پر آئے انہوں نے دیکھا کہ پتھر قبر سے پہلے سے ہٹا ہوا تھا متی میں فرشتہ نے اسکو عورتوں کے سامنے ہٹایا تھا۔

(۶) مرقس اور متی میں صرف ایک فرشتہ کا ذکر ہے اور لوقا میں دو کاجن کو دو آدمی شفاف کپڑے پہنے ہوئے بتلایا ہے۔

(۷) مرقس میں وہ ایک فرشتہ قبر کے اندر بیٹھا تھا۔ متی میں وہ فرشتہ قبر کے باہر پتھر پر بیٹھا تھا۔ لوقا میں دونوں فرشتے عورتیں کے پاس آتے ہیں۔ تاہم جب تک انہوں نے قبر نہیں چھوڑی ظہور نہ ہوا۔

(۸) قبر میں کیا دکھائی دیا۔ مرقس میں۔ وہ صرف ایک فرشتہ تھا۔ لوقا میں کم سے کم جب عورتیں اس میں داخل ہوئیں وہاں کچھ نہ تھا۔ یوحنا میں عزیز شاگرد نے سوتی کپڑے پڑے ہوئے دیکھے اور پطرس نے کپڑوں کو نہایت صفائی سے لپٹے ہوئے دیکھا اور رومال بھی۔

(۹) مختصر انجیلوں میں یہ لکھا ہے کہ فرشتوں نے یسوع کے دوبارہ جی اٹھنے کی خبر دی۔ انجیل یوحنا

ہیں فرشتوں نے مریم میگڈلینی سے پوچھا کہ تو کیوں روتی ہے ۔

(۱۰) عورتوں کو جو ہدایتیں دی گئی ہیں اُن میں اختلاف تمام بیان میں سب سے زیادہ اہم ہے ۔
مرقس اور متی کی انجیل میں عورتوں کو ہدائیت کی گئی تھی کہ وہ شاگردوں کو اطلاع دیدیں کہ لیسوع اُن کے آنے سے قبل گلیلی جاچکے تھے ۔ لوقا میں ہے کہ اس قسم کا کوئی حکم نہیں ہے ۔ اور یوحنا کی انجیل میں ایسے کوئی الفاظ نہیں ہیں جن سے مرقس اور متی میں حکم کا جواب مل سکے ۔

(۱۱) عورتوں نے جو پیغام شاگردوں کو پہونچایا ہے اس میں بھی کم اختلافات نہیں ہیں ۔ لوقا میں عورتوں نے شاگردوں کو خبر دی ۔ متی کی انجیل میں عورتوں نے صرف ایسا کرنے کا ارادہ کیا ۔ یوحنا میں مریم میگڈلینی نے جو کچھ دیکھا تھا اُس کی رپورٹ کی ۔ اور مرقس میں عورتوں نے ڈر کے مارے کسی سے کچھ نہیں کہا ۔

(۱۲) عورتوں کی اطلاع دہی کے مختلف نتیجے نکلے ۔ لوقا میں صرف شاگردوں میں بد اعتقادی پیدا ہوگئی ۔ یوحنا میں پطرس اور عزیز شاگرد قبر پر گئے اور متحیر واپس آئے ۔

(۱۳) یوحنا میں لکھا ہے کہ لیسوع مریم میگڈلینی کو نظر آئے اور اُس کو لاش کے چھونے کی اجازت نہیں دی ۔ متی کے مطابق لیسوع دونوں مریم کو نظر آئے جنہوں نے اُنکے پیر چومے ۔

(۱۴) متی کی انجیل میں لیسوع نے اس خبر کی تصدیق کی جو فرشتے حواریوں کو گلیلی جانے کے لئے دے چکے تھے ۔
یوحنا میں ہے کہ مریم میگڈلینی سے صرف یہ کہا گیا کہ وہ اپنے بھائی بندوں کو خبر کردے کہ لیسوع آسمان پر چڑھ رہے تھے ۔

(۱۵) ایماس کے دو آدمیوں کو نظر آنا صرف لوقا کی انجیل میں ہے ۔ حالانکہ وہ فوراً یروشلم کو واپس آگئے تھے اور اس واقعہ کی خبر شاگردوں کو کردی تھی ۔

(۱۶) اُسی دن پطرس کو شام سے پہلے نظر آنیکا حوالہ صرف لوقا میں ہے ۔

(۱۷) کسی انجیل میں لیسوع کا اپنے بھائی جیمس کو نظر آنیکا حال درج نہیں ہے یا پال کو حالانکہ پال دونوں کا ذکر کرتا ہے ۔

(۱۸) لوقا میں یسوع شاگردوں کو نظر آئے اور اُن کے ساتھ شراب پی اور کھانا کھایا - یسوع نے اُن کو یروشلم میں یہودیوں کے تہوار Pentecost تک ٹھرنے کا حکم دیا تھا - یوحنا میں اسی واقعہ کا بیان ہے لیکن ٹامس کا کوئی ذکر نہیں ہے -

(۱۹) لوقا میں اُن حالات کا اس سے زیادہ کوئی حوالہ نہیں ہے کہ دروازے بند کردیئے گئے تھے جب یسوع داخل ہوئے جتنا کہ اُس اختیار کے دیئے جانیکا ذکر یوحنا نے کیا ہے - یوحنا کو برخلاف اس کے یسوع کے کسی چیز کے کھانیکی بھی کوئی خبر نہیں ہے -

(۲۰) یوحنا صرف دوسری بار آٹھ دن کے بعد ٹامس کے ساتھ شاگردوں کے پاس آنے کا ذکر کرتا ہے -

(۲۱) متی اور یوحنا میں یسوع کے گلیلی میں ظہور کا حال درج ہے حالانکہ مختلف اوقات میں - یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ غیر معتبر انجیلوں میں اس سے زیادہ اہم کچھ نہیں ہے جتنا کہ باقاعدہ انجیلوں میں سوائے اس کے کہ آٹھ دن کا وقفہ یسوع کے دوبارہ جی اٹھنے اور انکے پہلے ظہور میں ہوا -

اس لئے یہ ظاہر ہے کہ انجیلیں آپس میں صرف دو واقعات میں ملتی ہیں - ایک تو خالی قبر اور دوسرے کسی کا سفید لباس میں موجود ہونا اور کسی اور چیز میں نہیں -

اگر ہم انجیلوں کا یقین کریں تو شاگرد یسوع کے دوسرے جنم کے امیدوار تھے کیونکہ ہمیں بتلایا گیا ہے کہ پرانے عہدنامہ اور یسوع نے اس کی پیشین گوئی کی تھی - پرانے عہدنامہ میں ایک بھی بیان ایسا نہیں ملیگا جس سے یسوع کے دوبارہ جی اٹھنے کے متعلق پیشین گوئی کی گئی ہو - یہودیوں کا کبھی بھی اس بات پر عقیدہ نہ تھا - یہ سچ ہے کہ نئے عہدنامہ میں ایسے بیانات ہیں جو ایسی پیشین گوئیوں کو پرانے عہدنامہ سے منسوب کرتے ہیں اور پال بھی یسوع کے دوبارہ جنم کو انجیلوں کے متعلق بتاتا ہے لیکن یہ صرف دعوےٰ ہی دعوےٰ ہے بغیر کسی ثبوت کے -

بہرحال یہ بات ہر شخص تسلیم کریگا کہ یسوع کے انتقال سے پہلے ہفتہ میں شاگردوں نے اپنے طریقوں سے ظاہر کیا کہ انہوں نے یسوع کے دوسرے جنم کے بارے میں کچھ نہیں سنا - پہلی اور دوسری انجیل

میں بہت صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ شاگرد گتسمنی کے مقام پر علیحدہ ہو گئے

متی کی انجیل کے مطابق:-

تب تمام حواریوں نے حضرت عیسٰے کو چھوڑ دیا اور بھاگ گئے -

اور مرقس بیان کرتا ہے:-

اور وہ سب اُس کو چھوڑ کر بھاگ گئے

لوقا نے ہوشیاری سے اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا ہے -

لیکن سب سے پہلی روایت سے ظاہر ہوا کہ شاگرد یسوع کے دوسرے جنم کے وقت یروشلم میں نہ تھے اور گیلیلی واپس چلے گئے تھے - اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بدبخت شاگردوں نے ڈر اور مایوسی سے یسوع کے الفاظ دہرائے -

"آج رات کو تم سب میری وجہ سے رنجیدہ ہو گئے کیونکہ یہ لکھا ہے کہ میں گڈریا کو ماروں گا - اور بھیڑیں تتر بتر ہو جائیں گی -

وہ بھاگ گئے اس لئے کہ اُن کا ایمان بہت کمزور تھا بیوقوف تھے - تنگدل اور منافق - یسوع نے اُن کا صحیح نقشہ ان الفاظ میں کھینچا تھا اور حقارت سے اُن کے بارے میں کہا بھی تھا:-

"تم مجھے تلاش نہ کرو کیونکہ تم نے معجزے دیکھے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ تم نے روٹی کھائی اور تم کو تسلی ہو گئی تھی -

یسوع اُن کو اچھی طرح سے جانتے تھے اس لئے انہوں نے خود اُن کو ہدایت کی - جو جوڈیا میں ہیں وہ پہاڑوں کو بھاگ جائیں -

جب یسوع نے اپنے دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں کہا ہوگا - وہ سمجھے نہیں ہوں گے - ہم ایک جاہل بدنصیب بھگوڑوں کو دیکھتے ہیں جن کے دل غمگین ہیں اور وہ اس پر روتے ہیں کہ جس بادشاہت کی اُن کو اُمید تھی وہ خاک میں مل گئی - اُن کی مصیبت اور غیر حاصل شدہ امیدوں کے مقابلہ کا نقشہ ایماس کے دو جاتریوں کے الفاظ میں کھینچا گیا ہے -

لیکن ہم کو اُمید تھی کہ یسوع ہوتے تو بنی اسرائیل کو رہائی ملتی۔

ہم جانتے ہیں کہ جب کبھی یسوع نے انجیلوں میں اپنے دوبارہ جی اٹھنے کے بارے میں اپنی زندگی میں بیان کیا ہے تو اُن کے شاگرد یسوع کا مطلب نہیں سمجھے۔پہلی بار جو اعلان کیا گیا اُس کا انہوں نے یقین نہیں کیا۔ان واقعات سے جب تک کہ ہم نامعقول باتوں کو تسلیم نہ کریں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یسوع نے اس قسم کی کوئی پیشین گوئی نہیں کی۔لیکن کچھ عرصہ بعد جب مذہب والوں کو یہ دشوار معلوم ہوا کہ یسوع کو اپنی آیندہ قسمت کا علم نہ تھا تو کوئی اور بہتر طریقہ اس کے سوا سمجھ میں نہ آیا کہ اُس سے اس کا اعلان کرایا جائے کہ وہ جانتا تھا۔

بہرحال اُن کا تخیل دوبارہ جی اٹھنے کے بارے میں بالکل مختلف ہوتا۔اُن کے خیال کے مطابق یسوع کا دوسرا جنم دنیا کے خاتمہ کے وقت اس طریقہ پر ہونے والا تھا کہ اُس کا جسم مادی حیثیت میں پھر ظہور میں آئے اور ایک نئی دنیاوی زندگی پیدا ہو۔لازرس کا دوبارہ جنم اُن کے تصور کا آئینہ دار تھا

اگر شاگرد۔۔۔۔۔جنہوں نے یسوع کو دوبارہ جی اُٹھتے ہوئے دیکھا تھا اپنے خیالات روز کے روز لکھتے رہتے اور اُن کے کاغذات ہم کو ملتے تو وہ بہت کچھ جو اندھیرے میں ہے صاف ظاہر ہوجاتا۔سب سے پہلا ثبوت جو ملتا ہے جس کا راوی پال ہے واقعہ کے ۲۵ برس بعد لکھا گیا تھا اور وہ بہت ہی بے ٹھکانہ ہے۔لیکن سب سے پہلا تصور تیزی سے بدل گیا اور ساتھ ہی ساتھ ایسی ہی تیزی سے تبدیلیاں اصلی حافظہ میں ہوتی رہیں۔اُن کے شاگرد بہت جلد اپنی گواہیوں کے اُلٹ پھیر سے گھبرا کر جو عیسائیت کے پھیلنے کی وجہ سے ہوئی تھی اُن کو اپنی اصلی صورت میں پھر نہ لاسکے۔یہ بار بار نہیں دُہرایا جاسکتا کہ انجیل میں جو کچھ ہم پاتے ہیں یہ اُن لوگوں کا عقیدہ ہے جو خیال کرتے تھے کہ انہوں نے واقعات کی صحت قایم کردی نہ کہ خود واقعات کو۔اور اس غیر متزلزل عقیدہ کو افسانوں میں جس کو بعد میں نئی صورت میں چھپا کر گڑبڑ کردیا ہے ملانا نہیں چاہیئے۔وہی کہتا ہے۔

معتبر اور غیر معتبر انجیلوں کے بیانات اُن کی اصلی حالت کو ظاہر نہیں کرتے لیکن وہ طریقہ جس سے یسوع کے دوسرے جنم کے عقیدہ کا علم ہوا اور مستقل صورت اختیار کی۔یسوع کی پیدائش کے نصف

صدی کے بعد دلائل سے ثابت کیا گیا۔

سب سے پہلا ذریعہ جس میں یسوع کے ظہور کا ذکر ہے وہ پال ہے۔ وہ بیان کرتا ہے:۔

کیونکہ میں نے سب سے پہلے تم کو وہ دیا جو مجھے ملا تھا کہ یسوع نے کس طرح انجیلوں کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے جان دی اور وہ دفن کر دیئے گئے اور انجیلوں کے مطابق وہ تیسرے روز اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہ اُس کو سیفاس نے جو اُس وقت بارہ میں سے تھا دیکھا۔ اُس کے بعد پانچسو کی برادری نے اُس کو دیکھا جس میں سے زیادہ تر حاضر ہیں لیکن کچھ سو گئے ہیں۔ اُس کے بعد جیمس نے اُس کو دیکھا پھر عام حواریوں نے اور سب سے آخر میں اُس کو میں نے دیکھا۔ مثل اُس کے جو صحیح وقت پر پیدا ہوا ہو۔

پال کو کوئی ذاتی علم نہیں ہے اور جو کچھ اُس کو یروشلم میں جیمس اور پطرس سے ملا تھا وہی سب سے پہلے وہ دے رہا ہے۔ یسوع کے ظہور میں آنے کی فہرست ترتیب وار ہے جیسا کہ بعد کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ پال یسوع کے کسی ظہور کا ذکر مریم میگڈالینی یا اور کسی عورت سے نہیں کرتا اور نہ انا نیاس کو ظہور ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ اگر اُس کو اس کا علم ہوتا تو وہ اس ثبوت کو یسوع کے دوبارہ جنم کے واقعہ کی مدد میں پیش کرتا کیونکہ وہ اس بات پر تلا ہوا تھا۔ وہ اپنی رائے یہ کہکر صاف کر دیتا ہے۔

اگر یسوع دوبارہ جی کر نہ اٹھے تو ہماری تلقین بیکار ہے اور تمہارا مذہب بھی بے سود ہے۔ اس بات سے تو یہ ظاہر ہے کہ جیمس اور پطرس ان واقعات سے بے خبر ہونے چاہئیں۔ پھر پال یسوع کے متعلق کہتا ہے کہ وہ پطرس کو خود نظر آئے لیکن اس بارے میں اناجیل خاموش ہیں اُن میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور پھر بارہ حواریوں کو۔ یہودا اسکریطی نے اپنے کو مار ڈالا تھا اس لئے گیارہ رہ گئے تھے۔ جیسا کہ ہم کو معلوم ہے۔ کہ بارہویں حواری منہاس کو بقیہ گیارہ حواریوں نے پاسہ ڈالکر یسوع کے ظہور کے بعد انتخاب کیا تھا۔ پھر اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے کہ وہ ایماس کے دو آدمیوں کو نظر آئے۔ اس لئے یہ بالکل صاف ہے کہ پال نے پھر غلط بیانی کی۔ اُس نے مختلف ظہور کے موقعوں کی تفصیل بیان نہیں کی۔ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اُس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ اگر وہ اُن کو جانتا تھا۔ وہ یسوع کے بارہ میں کہتا ہے کہ لوگوں نے انہیں دیکھا اور اپنے بارے میں بھی یہی کہتا ہے۔ اُس کا یہ دعوے نہیں ہے کہ اُس نے یسوع کو خود دمشق کی سڑک پر جاتے دیکھا

یہ بات اب تقریباً سب تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ پال نے دیکھا وہ ایک خواب تھا۔ وہ خواب جس کو تمام تماشائیوں میں سے صرف پال نے دیکھا جب طبیعت یا صرف دماغی تھا۔ کیا ہم پھر یہ سمجھیں کہ مختلف ظہور جن کا ذکر اُس نے کیا تھا وہ بھی عالم خیال میں ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ پال ان ظہور کے وقت اور جگہ کو نہیں بتاتا ہے۔ اگر یسوع کے دوسرے جنم یا آسمان پر اُٹھ جانے کا اُن سے کوئی تعلق ہوتا تو وہ وقت اور جگہ کا ذکر کئے بغیر نہ رہتا۔

پال اس لئے ایک سچا رہبر نہیں ہے کیونکہ اُس کی بہترین اطلاعیں سنی سنائی باتوں تک محدود تھیں جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ جو کچھ اُسے ملا تھا۔

ہم جانتے ہیں کہ یسوع کے سوانح نگاروں میں سے کسی نے اُن کو دوسرا جنم لیتے نہ دیکھا۔ ہمارے پاس پطرس جیمس۔ یوحنا اور یہودہ کے خطوط ہیں جن کے بارے میں سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے یسوع کو اُس کے مُردوں میں سے اُٹھنے کے بعد دیکھا کسی ایک خط میں بھی یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کا بیان نہیں ہے اتنا بھی ذکر نہیں ہے کہ یسوع کو اُن کے دوبارہ جی اُٹھنے کے بعد عام آدمیوں میں سے کسی نے یا ان خطوط کے لکھنے والوں نے خاص طور پر دیکھا۔ پطرس نے جو حوالہ اپنے پہلے خط میں دیا ہے اُس کو اس معاملہ سے کوئی مناسبت نہیں۔ اُس سے تو اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ یسوع کے دوسرے جنم کے ذکر سے روح میں تازگی آتی ہے جس کا مقصد دوزخ میں روحوں کا پرچار ہے۔ کسی جگہ اُس نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اُس نے اُٹھے ہوئے خدا کو دیکھا۔ اور یہ بات قابل غور ہے کہ انجیلوں میں ایک شخص کی بھی مثال نہیں ملتی جس نے یہ کہا ہو کہ میں نے زندہ خدا کو دیکھا۔

اب میں اُن مختلف ظہور کی تشریح اور اُن کی اہمیت پر غور کروں گا جو انجیلوں میں نقل ہیں۔ میں نے نہایت صاف طور پر اُن اختلافات کو جو انجیلوں کے مختلف ترجموں میں پائے جاتے ہیں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہوگا اُن کے دہرانے سے گریز کرونگا۔

(باقی باقی)

زندگی کا راستہ

مال و متاع دنیا کے متعلق

جناب مولانا ولیم بشیر مکر ڈبی اے کے قلم سے

مبحث بالا کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس دنیا کے ملک و املاک اور مال و متاع کے متعلق ایک مناسب اور صحیح رائے قائم کریں تاکہ اس مبحث پر غور و خوض کر کے ہم اس بارہ میں کوئی خاص فیصلہ دینے کے قابل ہو سکیں آؤ آج کے بعد ہم اس دنیا کے مال و متاع کے تفکرات سے آزاد ہو جائیں۔ اور وہ خواہشات جو ہمیں حصول مال کے لئے مضطرب رکھتی ہیں اُن سے نجات حاصل ہو جائے اور اس کے مالہ اور ماعلیہ کے متعلق ہمارا زاویہ نگاہ اس قدر صاف اور صحیح ہو کہ دہو کے کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے آئیے اس پر ذرا نظر تعمق ڈالیں:۔

پہلی بات جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ اُن چیزوں کی ناپائیداری اور بے ثباتی ہے یہ مال و متاع دنیوی کسی حالت میں ہمارے ساتھ دائمی طور پر نہیں رہیں گے۔ اور تو اور خود اپنے جسموں کے ہم مالک نہیں۔ یہ یہاں ہی دہرے کے دہرے رہ جائینگے۔ ان پر ہمارا کوئی قبض و دخل نہیں۔ تو پھر خود سوچ لیجئے کہ ان املاک ان ظاہری مقبوضات کی کیا حالت ہے یہ سونا اور چاندی یہ باغات و مکانات یہ جائدادیں اور مال و اسباب یہ ہمارے روپہلی سنہری دن اور یہ ہماری تعیش کی راتیں۔ یہ ہمارے ساتھ کب وفا کرینگی ؟ یہ کب تک ہمارے ساتھ نبھینگی۔ یہ تو محض عارضی چیزیں ہیں۔ اور ایک وقت

تک کیلئے ہیں اور وہ وقت آپ جانتے ہیں کس سرعت سے گذر جاتا ہے۔

مال دنیا کی بے ثباتی کا جب یہ عالم ہو تو اس بات کو ہمیں نظر انداز نہیں کرنا چاہئیے۔ کمال سکون اور بڑے ٹھنڈے دل سے ہمیں غور کرنا چاہئیے کہ یہ اپنے اجسام۔ اپنی پوشاک۔ اپنے مکانات اپنی زمینیں اپنے املاک اور بنکوں میں جمع شدہ دولت ہم یہاں ہی چھوڑ جائیں گے۔ اگر یہ امر ہم پوری طرح سے ذہن نشین کر لیں تو ہم ان چیزوں سے دل نہیں لگائیں گے۔ "بزرگوں نے کہا ہے اگر دولت بڑھ جائے تو اپنا دل اس میں نہ لگاؤ"۔ لیکن میں اس کے ساتھ یہ کہتا ہوں۔ کہ "اگر دولت گھٹ جائے تو اس کے لئے مت کڑھو"۔ بہرحال اگر پہلی صورت ہو یا دوسری نتیجہ ایک ہی ہے۔ ہمیں دنیوی مال ومتاع سے دل نہیں لگانا چاہئیے اور نہ اس طرف اپنی تمام توجہ صرف کر دینی چاہئیے۔ اس کے متعلق ہمارے دلوں میں ایک سکون ہونا چاہئیے اور مالِ دنیا سے استغنا۔

دنیوی ملک واملاک سے ہماری آنکھیں خیرہ نہیں ہونی چاہئیں۔ اور اس عالم ناپائیدار کی چمک ومک اور اس کی آن بان کو نظر انداز کرتے ہوئے ہمارے دل میں ایک غیر متزلزل یقین ہونا چاہئیے کہ یہ چیزیں چاہنے کے قابل نہیں بلکہ اس قابل ہیں کہ ان سے استغنا برتا جائے۔ دولت کا ہونا یا نہ ہونا حقیقت انسانی کیلئے ایک خارجی چیز ہے اور قابل استغنا۔

ذرا قرآن مجید کا مطالعہ فرمائیے! اس میں مال دنیا اور اس امر کے متعلق کہ اس کو کن گناہوں سے دیکھنا چاہئیے۔ اکثر ذکر آتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

الھٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر۔ (سورۃ کوثر) ان الانسان لربہ لکنود .... انہ لحب الخیر لشدید (سورۃ عادیات) پھر فرمایا یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموا لکم بینکم بالباطل اِلّا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ پھر اسی صورت میں فرمایا۔ ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علیٰ بعض (سورۃ نساء) للرجال نصیبٌ مما اکتسبوا وللنساءِ نصیب مما اکتسبن وسئلوا اللہ من فضلہ ان اللہ کان بکل شیٍٔ علیما۔ پھر فرمایا۔ ومن یہاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغماً کثیراً وسعۃً (سورۃ النساء)

(ترجمہ) کثرتِ مال کی خواہش نے تمہیں غافل کر رکھا ہے . . . . . . بے شک انسان اپنے رب کا ناشکر گذار ہے . . . . . . وہ (انسان) بے شک مال کی محبت میں بہت سخت ہے

اے مومنو! اپنے مالوں کو آپس میں باطل سے مت کھاؤ۔ سوائے اس کے کہ باہمی رضامندی سے تمہارے درمیان تجارت ہو۔ اور اس کا مت لالچ کرو جو اللہ تعالٰے نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لئے حصہ ہے جو وہ کمائیں۔ اور خدا سے فضل مانگتے رہو تحقیق اللہ سب چیزوں کا جاننے والا ہے . . . . . .

اور جو کوئی خدا کے رستہ میں ہجرت کرتا ہے تو وہ زمین بہت سی جگہ پائے گا اور کشایش پائیگا"

اب جبکہ ہم نے مال دنیا کی بے ثباتی کو سمجھ لیا اور ہمیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ یہ چیزیں استغنا کے قابل ہیں (گو حقارت کے قابل نہیں) اب ہم اُن فوائد کثیرہ پر نظر ڈالیں گے جو بنی نوع انسان کو اس صداقت عظمٰی کے ذہن نشین کر لینے کے بعد حاصل ہو سکتے ہیں مشہور مقولہ ہے کہ "حب المال راس کل خطیئۃ" یعنی مال کی محبت تمام خطاؤں کی جڑھ ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح یوں ہوگا۔ کہ مال کی محبت تمام قسم کی خطاؤں کی جڑھ ہے۔ ذرا غور فرمائیے . . . . کہ یہ مال کی محبت ہے۔ یہ دولت کی محبت ہے جو تمام برائیوں کی جڑھ ہے نہ کہ خود مال اور جب ہم نے استغنا کی چھری چلا دی تو گویا ہم نے تمام برائیوں کی جڑھ پر کلہاڑا چلا دیا اور ایسا کرنے سے ہم تمام تفکرات اور غموم و ہموم سے آزاد ہو گئے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اگر دنیا مال کی محبت دل سے نکال دے تو تمام آلام و مصائب سے نجات حاصل کرلے اور پھر جس راستہ سے چاہے "سنہری زمانہ" میں داخل ہو جائے۔ یعنی اس کی زندگی اس کے لئے موجب راحت و آرام ہو جائے۔

ہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ جس تناسب سے ہمیں دولت دنیا کی خواہش سے کنارہ کش ہونا چاہیئے۔ اسی تناسب سے ہمیں اس کو حقارت سے بھی نہیں دیکھنا چاہیئے۔ وہ اوسط کا راستہ کیا ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ "خیر الامور اوسطہا" یہی کہ نہ مال دنیا کا لالچ کیا جائے اور نہ اس کو فضول طور پر ضائع کیا جائے۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔ (قرآن مجید)

اب ذرا دوسرے فوائد پر بھی نظر ڈالئے۔ جب دولت کی تمنا نہ ہوگی تو ہم اس کے استعمال کے متعلق صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔ یعنی کہاں اس کا استعمال مفید ہوگا اور کہاں مضر۔ اور اس استعمال کے متعلق بھی ہم ٹھیک ٹھیک تناسب قائم کر سکیں گے یعنی کس کس جگہ اور کس کس مقدار میں اس کو خرچ کرنا ہے۔ اس باب میں جو ہمارا فیصلہ ہوگا اس میں ہمارے کسی ذاتی اور خیالی فائدہ کو دخل نہ ہوگا۔ دولت رکھتے ہوئے ہم دولت کے برے اور دہی استعمال سے مبرّا ہوں گے اور دولت نہ رکھتے ہوئے ہماری زندگیاں اس خواہش میں صرفِ غم وغصہ نہیں ہونگی کہ ہمیں کسی نہ کسی طرح دولت مل جائے۔

جب ہمارے قلوب میں مال دنیا کی محبت سرد پڑ جائے گی اور جب حصول دولت کی غالب خواہش سے اور زندگی کے تعیش سے جیسے کچھ ثبات حاصل نہیں ہم نجات حاصل کر لینگے۔ تو ہمارے اوقات۔ ہمارے تمام قوتیں اور ہمارے تمام عزائم بنی نوع انسان کو منفعت اور راحت پہنچانے کے لئے آزاد ہو جائیں گے۔ پھر اس کے جو خوشگوار نتائج برآمد ہونگے وہ بھی ظاہر ہے۔ ہمارے قلوب کے اندر ایک راحت محسوس ہوگی اور ایک ایسی استعداد تو یہ ہم میں پیدا ہو جائے گی جو شعوری یا غیر شعوری طور پر انسانی کے ہزاروں کام سرانجام دے دیگی۔ خدا کی طرف ہمارے خیالات میں ایک سکون اور سنجیدگی پیدا کر دے گی اور کئی ایک تخلیقی کام بھی منصۂ شہود پر آجائیں گے۔ خواہ ان کا تعلق خدمت خلائق سے ہو یا علوم شریفہ اور فنون لطیفہ کی تدوین و ترویج میں مثلاً تخیل۔ نقاشی۔ موسیقی۔ شو۔ ڈرامہ یا دوسرے علوم ادبیہ نثریہ۔

میں کہتا ہوں کہ حرص کے جذبۂ قبیحہ کو دل سے نکال دیجئے پھر دیکھئے کہ کس طرح تمام نظام عالم کے آسمان پر ایک نہایت درخشاں اور منفعت رساں آفتاب کس آب و تاب سے جلوۂ امیز اور ضیاء افگن ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو دنیائے فانی کی دولت کی خواہش سے آزاد کیجئے پھر دیکھئے کس طرح قرآن مجید کی آیات کی صداقت ہم پر مبرھن ہو جاتی ہے اور بصد ذوق وشوق اور بعد تیقن و ایمان ہم ان کی اتباع میں لگ جائیں گے۔ مثلاً آیات ذیل لے لیجئے:-

وآت ذا القربیٰ حقہٗ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرًا۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین ط وکان الشیطٰن لربہ کفورًا۔ واما تعرضن عنہم ابتغآء رحمۃ من ربک ترجوھا فقل لہم قولًا میسورًا۔ ولا تجعل یدک مغلولۃً الیٰ عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملومًا محسورًا۔ (بنی اسرائیل)

ترجمہ۔ اور قریبیوں کو ان کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی۔ اور بے جا خرچ کر کے مال کو نہ اڑا بے شک مال اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گذار ہے۔ اگر تو رب کی رحمت چاہتا ہوا جس کی تجھے امید ہے ان سے منہ پھیرے تو ان سے نرمی کی بات کہدے اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول دے ورنہ تو ملامت کیا ہوا درماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔" پھر سورۃ بقرہ میں ہے:۔

وآتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب (سورۃ بقر)

ترجمہ۔ اور اس کی (یعنی خدا کی) محبت کے لئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں مال دیتے ہیں۔

پھر ایک دوسری جگہ فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اور شیطان تم کو مفلسی کا وعدہ کرتا ہے اور بخل کا حکم دیتا ہے اور خدا تمہیں اپنے پاس سے مغفرت کا اور رزق کثیر کا وعدہ دیتا ہے اور وہ دینے والا اور جاننے والا ہے۔

پس مضمون بالا سے ظاہر ہے کہ انسان کی انفرادی زندگی کی راحت اور سوسائٹی کی بہبود کے لئے یہ ضروری ہے کہ بدی کی جڑھ کو کاٹ دیا جائے یعنی دولت دنیا کی خواہش کو دل سے نکال دیا جائے سونا اور چاندی کی محبت سے نفس کو پاک صاف رکھا جائے؟

اور جب یہ خواہش نیست و نابود ہو جائیگی۔ تو آپ دیکھیں گے کہ تمام بنی نوع انسان سکھ کی نیند سوئے گی اور راحت اور اطمینان کی روح اس کے اندر کام کرے گی۔ اور یہ کس طرح ہوگا؟ جب تمنا

اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں نہ بے جا خرچ کرتے ہیں نہ موقعہ پر تنگی کرتے ہیں۔ اور ان کا خرچ ان دو حالتوں کے درمیان اعتدال پر ہے۔"

دولت کے غلط استعمال کے متعلق بہت کچھ زجر و توبیخ فرمائی ہے چنانچہ فرمایا۔

وما اٰتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون۔ (سورۃ الروم ایت ۳۹)

اور جو تم سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں جا کر بڑھتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ اور جو زکوٰۃ تم دیتے ہو اس کے ساتھ اللہ کی رضا چاہتے ہو۔ تو یہی بڑھا لینے والے ہیں۔ پھر سود کے حرام ہونے پر ارشاد الٰہی ملاحظہ فرمائیں:۔

الذین یاکلون الربٰوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطٰن من المس ذالک بانہم قالوا انما البیع مثل الربٰو و احل اللہ البیع وحرم الربٰوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یمحق اللہ الربٰو و یربی الصدقٰت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یاایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربٰوا ان کنتم مومنین ۔ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ (سورۃ بقرہ رکوع ۳۸)

ان آیات میں سود کو حرام قرار دیکر بہت بڑا گناہ ظاہر کیا گیا ہے اور سود خواروں کی مذمت کی گئی ہے۔

لیکن اس کے خلاف ہمارے کانوں میں یہ آواز آتی ہے:۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے! یہ تعلیم بے نظیر ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ اس زندگی کے مقبوضات اس دنیا کے روح و رواں ہیں۔ خواہ یہ بات کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو۔ ہم ان کی طرف سے یعنی اموال دنیا کی طرف سے استغنا نہیں برت سکتے تھوڑا ہو یا بہت۔"

لیکن میں کہتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اگر تم میں استغنا کی خواہش پیدا ہو جائے تو تم نے اسکے حاصل کرنے میں آدھا رستہ طے کر لیا۔ پہلے یہ دل میں پیدا ہونی چاہیئے۔ اب سوال یہ ہے کہ اسکی ظاہری ظہور کیا ہو سکتی ہے؟ یہی کہ اپنی خواہشات کو کم کیجئے جس چیز سے تمکو سب سے زیادہ محبت ہے اسکا کچھ حصہ دیدیجئے۔ اور پھر دیکھئے آپ میں استغنا کے لئے استعداد پیدا ہو جائیگی۔ اور یوماً فیوماً ایک سچی اور پائیدار خوشی آپ کے دل کے اندر ترقی کرتی جائیگی۔

اللہ تعالےٰ اس معاملہ میں آپ کی مدد کرے۔ آمین۔۔

گاندھی جی ذرا آنکھیں تو کھولکر دیکھیں

اسلامی پردہ ترقی کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے

(از قلم جناب محمد یونس خاں صاحب)

گاندھی جی نے بختیارپور کے مسلمانوں کے ایک جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے بہت زور کے ساتھ یہ کہا تھا کہ پردہ کے رواج کو بالکل مٹا دینا چاہئے اس لئے کہ عورتیں پردہ کی وجہ سے بالکل اندھیرے میں پڑی ہوئی ہیں۔ ذیل کے مضمون میں جو دکن ٹائمس میں شائع ہوا ہے مسٹر ابوالحسنات نے اسلام کے خلاف اس الزام کی تردید کرتے ہوئے اسلامی پردہ کی صحیح طور پر توضیح کی ہے۔

پردہ جو حقیقت میں ایک عربی لفظ نہیں ہے۔ موجودہ دنیا میں کچھ ایسا بدنام ہو چکا ہے۔ کہ اس کی حمایت میں کوئی آواز نہیں اٹھتی۔ عام طور پر پردہ کو ایک اسلامی آئین بتاتے ہیں جو صنف نازک کی آزادی کی راہ میں ایک رکاوٹ خیال کیا جاتا ہے اور جو بہت سی مصیبتوں کا باعث ہے اور یہ ایک عام آدمی کی سمجھ سے باہر ہے۔

ہندوستان کے ہندو جو پردہ کے رواج کے سننے سے پہلے صدیوں سے ذات پات کے خوفناک حربہ کی بدولت عورتوں کے گروہوں کے گروہوں کو کچلتے چلے آئے ہیں یہ سنکر ضرور اداس ہونگے کہ اُن کو ان پردہ والوں سے جن کو وہ اپنی مستورات کیلئے خرابی کا باعث تصور کرتے ہیں سابقہ کرنا پڑیگا۔ یورپ والے تو خوف کے مارے تھرا جائیں گے اور اس لفظ کے سننے سے اُن پر ضعف اور بے ہوشی طاری

ہوجائیگی۔ وہ پردہ کو خوفناک۔ ظالمانہ۔ بے رحم اور اسی قسم کے مختلف ناموں سے پکارتے ہوئے مزید بحث کے دروازہ کو فوراً بند کر دینگے۔ لیکن ایک مورخ اسلام کے اُن احسانات سے جو اُس نے عورتوں پر کئے ہیں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلام نے عورتوں کو جو درجہ عطا کیا ہے اُس کو دنیا کے مشہور مصنف بہت وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں اور اُن لوگوں کے لئے جو نظر نہیں رکھتے ہیں اُس کو دہرانا بالکل بیکار ہے۔ کلام مجید اپنی ایک منور آیت میں بیان کرتا ہے:۔ تمہارے باپ اور تمہاری مائیں تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے لئے حقیقت میں کون رتبہ میں بڑا ہے۔ جہاں تک عزت کا سوال ہے مرد اور عورت کا درجہ برابر ہے۔ اسلام نے لڑکی کو اُس کے باپ کی جائداد میں حصہ دار ٹھیرایا ہے۔ اگر لڑکی کو لڑکے سے حصہ میں کم ملا تو اُس کی کو پورا کرنیکے لئے اُس کے شوہر کی جائداد میں اُس کا حصہ قرار دیا۔ اسلام نے تعلیم کے لئے صرف ہدایت ہی نہیں کی بلکہ علم کا حاصل کرنا مرد اور عورت دونوں کے لئے لازمی قرار دیا۔ یہ روشن اصول ابھی تھوڑی مدت پہلے دوسری قوموں کو معلوم بھی نہ تھے۔ ہم کو حضرت عائشہ صدیقہ کا ادبی اور مذہبی بحثوں میں حصہ لینا یاد ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مسلم خواتین کو عالمانہ درجہ حاصل ہو چکا ہے۔

جہاں تک کہ عورت کے چلنے پھرنے کا تعلق ہے اسلام نے مسلمان عورت کو عضو معطل بنا کر نہیں بٹھایا۔ اسلام کا کبھی یہ مقصد نہیں رہا کہ عورتوں کو تازہ ہوا سے محروم کر کے گھر کی چار دیواری میں بند کر دیا جائے۔ یہ بات واقعی قابل افسوس ہے کہ ہم ہندوستان کے رہنے والے کچھ رسموں میں بہت بری طرح سے جکڑے ہوئے ہیں اور رسمیں بھی وہ جو بتدریج مستحکم ہو چکی ہیں۔ خدا جانے مسلمانوں نے ان رسموں کو جن کا اسلام سے کوئی سروکار نہیں ہے کیسے قبول کر لیا ہے۔ ایک قوم کے مسلمہ اداروں کے علاوہ جماعتیں بنتی ہیں اور بگڑ جاتی ہیں۔ اور یہ امر یقینی طور پر اس کا متقاضی ہے کہ جن حالات سے مجبور ہو کر ایسی بے بنیاد رسومات ہماری سوشل زندگی میں داخل ہو گئی ہیں اُن کا مطالعہ کیا جائے اور یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ ہمارے آباد اجداد نے کیسے دھوکہ میں آکر ہندوؤں کے اصول پردہ "اسورج پشیا (وہ عورت جس پر سورج کی کرن بھی نہ پڑی ہو) کی نقل کی۔

مسلم عورتیں لڑائی کے میدانوں میں

تاریخ اسلام میں مسلم خواتین کی مسجد میں نماز باجماعت کی بہت سی مثالیں موجود ہیں مثلاً عیدین کے مواقع پر۔ ایسے بھی موقعے آئے ہیں کہ جب مسلمان عورتیں لڑائیوں میں شریک رہی ہیں اور اپنے اعزا کے ساتھ سفر بھی کیا ہے اور کرتی ہیں۔ روزانہ کاموں کے لئے باہر جانیکا تو ذکر ہی کیا۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ کی جنگ جمل میں اپنی جماعت کی سرکردگی میں شرکت کی مثال سے بڑھکر اور کون روشن دلیل اوپر کے واقعات کی حمایت میں پیش کی جا سکتی ہے۔ ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ مسلم خواتین کبھی بھی موٹے موٹے برقعے اوڑھکر مکان کی چار دیواری میں بند ہو کر نہیں بیٹھیں۔ نکتہ چین ہندوستان کے رواج پردہ اور اس کی برائیوں کو نمایاں کرتے ہوئے اسلام کی تشہیر کرتے ہیں لیکن مسلم خواتین اسلامی ممالک میں کبھی اس ذلیل حیثیت سے نہیں رہیں۔ اگر یہاں عورتیں پڑھی لکھی نہیں ہیں تو اس میں اسلام کیا قصور ہے۔ برخلاف اس کے اسلام کو ہندوستانی مسلمانوں سے یہ شکایت ہے۔ کہ انہوں نے عورتوں کی تعلیم کے متعلق پر زور احکام کی تعمیل سے فروگذاشت کی اور کیا تعلیم نسواں کے علاوہ ہندوستانیوں کی عام جہالت ہندوستان کے اہم معاملوں میں سے نہیں ہے تعلیم سے بے توجہی کی کسی خاص مثال کے ہوتے ہوئے کیا ہندوستان میں غریبی اور مختلف اہم معاملات توجہ کے محتاج نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پردہ کو عورتوں کی جہالت کا سبب بتلانا سراسر انصاف کا خون ہے

ہمارے اس دعویٰ سے کہ اسلام نے عورتوں کو کافی آزادی دی ہے یہ مطلب نہیں نکالنا چاہئے کہ وہ مغربی ممالک کی طرح عورتوں کی آزادی کا حامی ہے بلکہ اسلام کو مردوں کی بوالہوسی کا یقین ہے اور اُس کے وجود پر زور بھی دیا ہے۔ اچھے اور بُرے جذبات میں جنگ برابر جاری ہے اور جس قدر نیکی پر برائی کے غلبہ کا اندیشہ رہتا ہے اُسی قدر نتائج سے آگاہ کیا ہے۔

اگرچہ عورتوں کو نماز باجماعت کی اجازت دی گئی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ مردوں سے آزادی سے ملنے کو منع کیا ہے۔ ایک نوجوان عورت کا اپنے نوجوان دوست کے ساتھ اکٹھے سیر کرنا بہت

زیادہ خطرناک ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کلکتہ میں چاروں طرف کھلے بازاروں میں اپنے ذاتی کام سے پھرتی پھرے -

پردہ برائیوں کا ابتدا ہی سے قاطع ہے

بُرائی کی طرف کھچ جانا ہماری فطرت ہے اور غالباً اس کو تسلیم کیا جائے گا کہ جتنی آزادی سے مرد اور عورت آپس میں ملنے لگتے ہیں اُتنی ہی اُن کی اخلاقی حالت گرنے لگتی ہے - برائی سے بچنے کا سب سے سہل طریقہ یہ ہے کہ اُن حالات سے دور رہا جائے جن سے بُرائی پیدا ہوتی ہے - چنانچہ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کی ہے "مسلمانوں سے کہدو کہ وہ نیچی نگاہ رکھیں اور اپنے جذبات کو قابو میں کریں - یقیناً جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس سے بخوبی واقف ہے اور مسلمان عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور جذبات کی نگرانی کریں" یہ احکام سوسائٹی کی اُس حالت کو ظاہر کرتے ہیں جس میں عورتیں آزادی سے چلتی پھرتی ہیں - بہرحال یہ احکام ناچ و رنگ فرانس کے لوگوں کی برہنگی اور مرد اور عورتوں کے مخلوع بالطبع ہونے کے طریقوں کی نہایت زور سے تردید کرتے ہیں -

یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ مردوں نے مذہب کی پابندی چھوڑ دی ہے اور اس وجہ سے پردہ کے مخالفوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا ہے کہ جب مرد آزاد ہیں اور نڈر ہو کر بُرائیاں کرتے ہیں - تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ عورتوں کو آزادی سے محروم رکھا جائے

ہم کو یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ آزادی ایک نسبتی فقرہ ہے - اگر ہم اس کو ضرورت سے زیادہ وسعت دیدیں گے تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے - جس طرح دولت اور عیش کی خواہش سے جی نہیں بھرتا ہے اسی طرح انسانی آزادی کے جذبہ کی کبھی سیری نہیں ہوتی - اعلےٰ دماغوں نے میاں اور بیوی کے تعلقات کے بہت سے طریقے پیدا کئے - لیکن کوئی تدبیر پورے طور پر کارگر نہ ہوسکی کیونکہ تسلی ایک دوسرا نسبتی لفظ ہے :- انہوں نے سول شادی - آپس کی رضامندی کی شادی اور دوسری قسم کی شادیوں کی آزمائش کی اور بالآخر سب کو شادیاں بالکل منقطع کرنی پڑیں - اس تشبیہ کو پورا کرنے یا اُس آزادی

کی ہمسری کے خیال کو جو حیوانات کے دوسرے ارکان کو حاصل ہے ہم کو بظاہر حصول آزادی کی ضرورت ہے ۔ہنسی تو اس پر آتی ہے کہ مذہب نے جو قیود انسانی بھلائی کی حفاظت میں لگائیں ہیں اُن کے خلاف لوگ آواز بلند کرتے ہیں حالانکہ ٹھنڈے دل سے وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسانی محبت اسی مرکزی اصول پر قائم ہے کہ وہ افراد کی آزادی کو عوام کی آزادی کی خاطر محدود رکھے ۔

بچے کشی سے آزادی

صنف نازک کے خلاف بغیر بدگمانی کئے ہوئے ہم کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ مغرب کی عورتوں کو آزادی حاصل نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے زبردستی آزادی حاصل کی ہے ۔عورت اور مرد کے درمیان کام کی تقسیم یہ گئی گذری بات ہے ۔مرد اپنا پسینہ بہاکر روپیہ کما کر اپنی آمدنی عورت کے حوالہ کرتا ہے ۔امور خانہ داری میں عورتیں مرد کو ایسی آسانی سے الگ کر دیتی ہیں جیسے پرانے زمانہ کے بادشاہ اپنے مخالفوں کو کر دیتے تھے مرد باورچی چولہا سلگاتا ہے ۔ مالی احاطہ کی درستی کرتا ہے ۔آیہ بچہ پالتی ہے اور سوائے تھوڑی سی دلچسپی ان معاملات میں لینے کے عورت تو صرف سینما جانے کی تیاری یا پارٹیوں میں مصروف رہتی ہے ۔بے شک عورت زچگی کے دردوں کے لئے خدا یا قدرت کو کوستی ہیں لیکن وہ بہت جلدی ایسی تدابیر اختیار کر لیتی ہے کہ جن سے بچے پیدا ہی نہ ہوں ۔ لیجئے کل کی بات ہے کہ اخباروں میں ہم نے ایک جورو کے غلام سوسائٹی کے حالات پڑھے ۔جنہوں نے نہایت سنجیدگی سے اقرار کیا کہ وہ اُس کھانے کو نہ کھائیں گے جس کو اُن کی بیویوں نے نہ پکایا ہو ۔اپنی بیویوں کے پوچھنے پر یہ نہ بتائیں گے کہ وہ کہاں تھے اور گھر کے معاملات سے آسانی سے برطرف نہونگے ۔

عورتیں اس قدر الزام کے قابل نہیں ہیں اُن کو سینکڑوں طریقوں سے دہوکہ دیا گیا ہے اور وہ بھی نئی نئی صورتوں سے بدلہ لے رہی ہیں ۔

نہایت بے رحمی سے عورتوں کو قربان کیا گیا ہے ۔اصل عزت صرف چند نام نہاد اصول آزادی ہی نہیں ہے کہ عورت آسانی سے چل پھر سکے ۔عورتوں کی عظمت کا پاک وسوسہ جس کے لئے مجاہدوں

نے اپنی جانیں قربان کیں اور قومیں بر سرپیکار رہوئیں اُن کی مثال بدنصیبی سے کہئے یا از راہ تمسخر اُس زمانہ میں ملیگی جبکہ لوگ غاروں میں رہتے تھے - پاکدامنی کی جو عورت کے سر کے لئے نہایت قیمتی جوہر ہے اور جس کو مرد عورت کی سب سے بڑی خوبی سمجھتے ہیں - اُس کی ایک لغوبات کے برابر بھی قدر نہیں - مردوں نے عورتوں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اپنی عیارانہ تدبیروں کو چند بیکار دستوروں کی آڑ میں بعض رسم و رواج کو بڑھا چڑھا چھپا رکھا ہے -

ہم اپنی عورتوں کی طرف سے کیوں بدظن ہوں - ہمیں بالکل اُن کی طرف سے بدگمان نہیں ہونا چاہئیے میں تو مردوں اور شیطان سے جو ہمارے درمیان میں ہے بدظن ہوں - میں تو کہتا ہوں کہ مردوں کو اب تک عورتوں پر فوقیت حاصل ہے - اب تک میری مراد حضرت آدم وحوا کے دنیا میں وارد ہونے کے وقت سے مردوں کا یہ دستور رہا ہے کہ جب وہ عورتوں کے جذبات سے عملی طور پر نہیں کھیل سکتے ہیں تو خواب وخیال ہی میں شروع کر دیتے ہیں - وہ عورتوں کا مظاہرہ ناولوں کے ذریعہ - تھیٹروں اور سینماؤں میں کرتے ہیں - لیکن ہزاروں میں بھی ایک مرد ایسا نہ ہوگا جس نے محبت کی شادی کو اچھا کہا ہو -

بقیہ استفسارات وجوابات ۴۷۳

استفسار :- کیا سیدوں اور غیر سیدوں میں بیاہ کرنا جائز ہے

جواب :- جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اسلام میں نسبی امتیاز روا نہیں - اور نہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں کوئی ذات پات کی تمیز ہے - بیاہ شادی کے معاملہ میں باہمی رضامندی درکار ہے - اور اگر ایک سید اور غیر سید میں باہمی رضامندی ہو جائے تو کوئی چیز انکو شادی سے روک نہیں سکتی -

استفسار :- قرآن مجید میں ہے کہ ہر ایک نفس موت کا مزا چکھیگا مگر لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت نہیں ہوئے - ان دونوں باتوں میں کس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے ؟

جواب :- یہ غلط خیال ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اب تک زندہ ہیں - اور کوئی روشن خیال آدمی نہیں مانتا کہ وہ اب تک بقید حیات موجود ہیں - موجودہ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ آپ سری نگر کشمیر میں مدفون ہیں

استفسارات و جوابات

استفسار:۔ مبلغین کو تنخواہیں کیوں دی جاتی ہیں ۔ کیا آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی آجکل کی طرح مبلغین کو تنخواہیں ملتی تھیں ؟

جواب:۔ اسلام ناقابل فہم باتوں کا نام نہیں ہے جو دلائل سے سمجھ میں نہ آسکے ۔ عقل کے خلاف اس میں کوئی بات نہیں ہے ۔ اب بتائیے کہ اگر ایک شخص اپنی زندگی تبلیغ اسلام کیلئے وقف کردے تو کیا مسلمانوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ ہر طریقے سے اس کی امداد کریں؟ اگر نہیں تو وہ اپنی زندگی کی ضروریات کو کہاں سے پورا کریگا ۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں ہر مسلمان مبلغ تھا ۔ ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا تھا کہ اپنی استعداد کے مطابق تبلیغ اسلام کرے ۔ سچے مسلمانوں سے ہر زمانے میں اس بات کی توقع کی جاتی ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا کہ آیا ہر مبلغ کو جو اسلام کا کام کرے معاوضہ دیا جائے یا نہیں لیکن قوم اس کی ضروریات کا ہمیشہ خیال رکھتی تھی ۔ عام مبلغین کا تو کیا ذکر ہے ، خود آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین اپنی ضروریات کیلئے بیت المال سے وظائف لیتے تھے ۔ اسی طرح جب آنحضرت یا خلفائے راشدین مبلغین کا تقرر فرماتے تھے اور ان مبلغین کے پاس اپنی روزی کمانے کا وقت نہ ہوتا تھا تو وہ کس طرح گذارہ کر سکتے تھے سوائے اس کے کہ قوم ان کی ضروریات کی کفیل ہو ۔ مبلغین جب منظم صورت میں ایک جماعت کی حیثیت سے یہ کام کریں تو انہیں مجاہدین کی جماعت تصور کرنا چاہیئے ۔ انہیں اس بات کا حق ہے کہ قومی سرمائے سے ان کی امداد کی جائے وہ اپنی زندگیاں قوم کیلئے وقف کر دیتے ہیں ۔ ایک طرح سے ان کی زندگیاں قوم کی ملکیت ہو جاتی ہیں اور قوم کا فرض ہے کہ ان کے اخراجات زندگی کی کفیل ہو ۔ چنانچہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے

کہ مبلغین کو اس وقت تک تنخواہیں دی جائیں جب تک وہ خلوص دل کے ساتھ اسلام کی خدمت کریں چاہے وہ کسی حیثیت سے ہو۔

استفسار:۔ سید چونکہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم اور حضرت علیؓ آپ کے چچیرے بھائی کی اولاد ہیں کیا وہ دوسرے لوگوں سے جو سید نہیں ہیں افضل نہیں ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو کیوں؟

جواب:۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ یعنی تم میں سے سب سے زیادہ وہ لوگ معزز ہیں جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ کئی لوگ جو سید نہیں ہیں وہ سیدوں سے تقویٰ و طہارت میں بدرجہا افضل ہوتے ہیں۔ اگر حضرت علیؓ کی اولاد سید ہیں تو ہمارے نبی کریم صلعم بھی سید نہیں تھے۔ کیونکہ آپ خلیفہ چہارم کی اولاد نہیں تھے۔ کیا وہ تمام بنی نوع انسان سے افضل نہ تھے؟ عربی زبان میں سید کے معنے ہیں سردار یا معزز انسان لیکن محض خون ہی تو انسان کو سردار یا معزز بنانے کے لئے کافی نہیں۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ ایک نبی کا بچہ بھی تو راہ راست سے بھٹک سکتا ہے۔ اس لئے اسلام نے جو فوقیت کا معیار قائم کیا ہے وہ نہایت صحیح ہے۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اور برابر ہیں اور سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو خدا اور اس کے احکام پر چلتا ہے اور مخلوق خدا کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے

استفسار:۔ سید لوگ ان لوگوں کو جو سید نہیں ہیں عزت اور برتری کی علامت سمجھکر اپنے پاؤں چومنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ ہرگز نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ کوئی سمجھدار سید ایسی فضول حرکت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔

استفسار:۔ بعض تہواروں میں غیر سید مستورات کو سید مستورات کے ساتھ کھانا کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ کیا یہ اسلامی طریق ہے؟

جواب:۔ یہ اصول اسلام یعنی مساوات اسلام کے بالکل خلاف ہے اس قسم کی رسوم غالباً ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ جواب وہ خود روشنی کے پھیلنے سے ترک کرتے جاتے ہیں۔ سمجھدار مسلمان خواہ وہ سید ہوں یا غیر سید اس قسم کی رسوم جاہلیت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۴۸۰ پر)

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نمازِ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتمآب حضرت نبی کریم صلعم کے یومِ ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیرِ اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمےٰ کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعتِ اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

۵) **مشن کے آرگن** — اس مشن کے نقدی دو ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعتِ اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

) **مشن کے تاثرات** — (۱) مشن کی اکیس سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علمِ طبعیات تاجر۔ مغربی مستشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں بعض تو تہجد تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ اُن میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقوں میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحانِ طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلابِ عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ میں اب دشمنانِ اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک روادارانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخرکار اپنے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلانِ اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں بمعہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلانِ اسلام بمعہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

) **انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے** قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعتِ اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قایم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعتِ اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعتِ اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جدوجہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبران سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آزار کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضہ اشاعتِ اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعتِ اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں لیکن انگریزی قوم میں **اشاعتِ اسلام** ہمارا اولین نصب العین ہونا چاہیئے۔

) **ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے** دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کُل مسلمانانِ عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر۔ اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ۔ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذبِ عالمِ اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانانِ عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ دارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورینو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ۔ ملایا۔ اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ... کے طریقوں سے امداد ہوسکتی ہے

(۱) ... ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کارِ خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریکِ خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ۱۲ ہے (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک ...بریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطورِ صدقہ جاریہ۔ تبلیغِ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس ...الہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعتِ اسلام ...و ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقہ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳ ہے اور ممالک غیر کیلئے ۵ ہے۔ (۷) ووکنگ ...لم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ ...پ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخلِ حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ ...مقصد کے لئے دفترِ مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر ...جا جاسکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاوے گی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ ...ستان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ ...بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ...مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیرِ اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زرِ کثیر صرف ہوتا ہے جس میں ...ی نہ کوئی نو مسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کر کے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیتِ کامل سے ...شناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رُو سے اشاعتِ اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کارِ خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عیدِ قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سُود اشاعتِ اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سُود صرف ہوسکتا ہے اگر آپ سُود کی اِن رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے یہ رقم دشمنان اسلام کے ہاتھ چلی جاویگی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ بھیجیئے۔ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ (ریزرو فنڈ)

ایک کامل نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ مشن اکتیس سال سے بہ احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے مینجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایہ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہو کر آئندہ کیلئے کسی جیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کارِ خیر کیلئے فراہم نہ کرسکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق

یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔

(۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ دارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام

(۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں تین کارکنانِ مشن کی موجودگی میں موصول ہو کر۔ رجسٹراتِ آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان۔ امپریسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ دارانِ ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعتِ اسلام لاہور میں شائع کردی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کردیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات

(۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔
Address in England .– The Imam, The Mosque Woking, Surrey, England

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان) •

تمام خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب۔ ہندوستان) فرمائیں

R. L. No. 90

مجریہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام بانی ووکنگ مسلم مشن [illegible]

مدیران اعزازی

آفتاب الدین احمد بی۔ اے
مدیر اسلامک ریویو (انگریزی)

عبدالمجید ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی
امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مرتبہ
خواجہ عبدالغنی سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

سم اللہ الرحمٰن الرحیم — اللہ اکبر — نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ - اور چاہیئے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

ہو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون

ترجمہ - وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

جہان مسجد ووکنگ انگلستان — مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ وکل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

تشکیل مشن - ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری، (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد - (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ وارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک - (۱) مشن کی تبلیغ فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے علماً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع - (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ۔ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلم نومسلمین اخوان وخواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں کئی ہزار سے اوپر نفوس شامل ہوتے ہیں مسلمین ونومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمدنی بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار کی اشاعت ووکنگ مسلم مشن کے ۱/۴ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۳۳ | بابت ماہ دسمبر ۱۹۴۷ء | نمبر ۱۲

(گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبدالغنی پرنٹر وپبلشر چھپکر برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا)

مجاہدان اسلام

نتیجہ فکر جناب نواب سر نظامت جنگ بہادر حیدرآباد دکن

اسلام مثل نور چو آمد زِ آسماں | ایماں شد و فتوّت و نیروئے ماعیاں
آمد چہ امرِ خالق و آوردہ جاں بہ ما | ہم نصر و فتح آمد و آمد جہاں بہ ما
اسلام جانِ دل شد و ہم روحِ جانِ ما | ہم عزت و وقار و متاعِ جہانِ ما
زو وعدِ نصرت آمد و ہم اوجِ بختِ ما | ایماں چو تاجِ سطوت و صدقش چو تختِ ما
بردیم تیغ امن بزیرِ لوائے آں | بر دعوتِ اخوتِ اسلام در جہاں

کایماں شود اماں ز ہر فتنۂ زماں

اصلاحِ دل چہ راہ سعادت شود بہ جاں

ہندوستان کا یوم آزادی

اور

ہمارے پیغامات تہنیت

از قلم مولانا مولوی آفتاب الدین احمد صاحب بی۔اے آنرز

پاکستان کے مسلمانوں کے نام

دنیائے سیاست میں جو فوز و کامرانی خداوند جل واعلیٰ نے آپ کو ارزانی فرمائی ہے اس پر ہماری طرف سے ہدیہ تبریک و تہنیت قبول فرمائیے - اور ہم صدق صدل اور خلوص نیت سے آپ کی خوشحالی اور اقبال مندی کے لئے دست بدعا ہیں۔ ع این دعا از ما و ز جملہ جہاں آمین باد - اس کے ساتھ ہی ہم نہایت مخلصانہ رنگ میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس امر کو بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ اسلام میں حکومت کا مفہوم تعیش و تنجتر نہیں ہے بلکہ یہ ایک بہت بڑا ذمہ واری کا کام ہے۔ حضرات خلفائے راشدین کے تذکرے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں - ان حضرات کی زندگیوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کبھی کوئی حاکم اپنے فرائض کے سرانجام دینے میں ذرا کوتاہی کا مرتکب ہوتا تھا تو رعیت کے لوگ نہایت بلند آہنگی سے اس کو ان الفاظ میں متنبہ کر دیتے تھے کہ اِتق اللہ یعنی اللہ سے ڈرو - اور خود جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ خلیفہ اول نے بارِ خلافت اٹھاتے ہوئے فرمایا فان زغت فقوموني یعنی اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم مجھے سیدھا کر دینا - کیا خوب فرمایا ہے علامہ اقبال نے ؎

سروری در دینِ ما خدمتگری ست
عدل فاروقی و فقرِ حیدری ست

یہ "اتق اللہ" کی پرشوکت آواز اب بھی ہمارے کانوں میں گونجتی رہنی چاہئے۔ اگرچہ ہم میں اور اس نا میں صدیوں کا بُعد واقع ہوچکا ہے تاہم اب بھی ہمارے اندر وہی روح کام کرتی نظر آنی چاہیئے۔ اور بُعد زمانی یا مکانی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ ذمی یا غیر مسلم رعیت کے متعلق ہمارے مسلمان بادشاہ نہایت احتیاط کرتے تھے اور ان کے حقوق کی نگہداشت ان کا فرض اولین تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عین نزع کی حالت میں حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ ذمیوں کے متعلق خدا سے ڈرتے رہنا۔ ان کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔" آج بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔ ذمیوں کے مال وجان اور ان کی ننگ و ناموس کو ہمیں ایسے ہی متبرک سمجھنا چاہیئے جیسا کہ ہم اپنے مال وجان اور اپنی ننگ و ناموس کو سمجھتے ہیں۔

ہمیں اس امر کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ہم نے جو جنگ کی (خواہ وہ قلمی جنگ تھی) اور جو ایک حصہ ہندوستان میں ہمیں آزادی ملی ہے وہ اسلامی کلچر کے نام پر خدا نے ہمیں دی ہے۔ اب ہمیں سارے دنیا کو دکھا دینا چاہیئے کہ اسلامی کلچر وہ چیز ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لئے بلا امتیاز مذہب و ملت سراسر رحمت و برکت ہے اور عامتہ الناس کا مفاد اس کا مقصد اولین ہے۔ ہمیں ثابت کر دینا چاہیئے کہ خلق خدا کی خوشحالی اور اقبالمندی اور امن عامہ کیلئے ہماری کلچر میں کیا کیا امکانات ہیں۔ ایسے حالات میں قرآن مجید ہمیں کیا حکم دیتا ہے اس کو یاد رکھنا چاہیئے :-

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور ہ (سورۃ الحج آیت ۴۱)

یعنی وہ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم کریں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کے نام

ہندوستان میں اسلام کی ثقافتی آزادی کے حصول پر ہم آپ کو مبارکباد عرض کرتے ہیں

آپ نے اسلام کے لئے اور خاص اسلام کیلئے بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزا اسلام کیلئے آپ نے اپنی زندگیوں کو معرضِ خطر میں ڈالا۔ ہمیں کامل یقین ہے کہ خدا تعالیٰ اسلام آپ کا حافظ و ناصر ہوگا۔ فنعم المولیٰ ونعم النصیر۔

آپ کو اسلام کی صداقت اور خدا تعالیٰ کی تقدیر پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ اگرچہ آپ کے ہاتھ میں سیاسی طاقت نہیں ہے تاہم اسلام کی روحانی طاقتیں آپ کے پاس ہیں۔ اور یہ ایسی طاقتیں ہیں جو مادی طاقتوں سے بہت زیادہ زبردست ہیں۔ آپ قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھیں اور اس سے اپنا اطمینان اور سکون قلب تلاش کریں:۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ

اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے۔

آپ کو اس بات کا غم نہیں کرنا چاہیئے کہ آپ کا وہ سیاسی رتبہ نہیں ہے جو آپ کے پاکستان میں بسنے والے بھائیوں کا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر اسلام کی مدد کرنے والی کوئی چیز نہ تھی تاہم خدا نے جو کچھ کر دکھایا وہ نہایت ہی تعجب خیز اور محیّر العقول ہے۔ پھر زمانۂ گذشتہ کے واقعات پر ذرا نظر غور دوڑائیے اور دیکھئے کہ اس وقت جبکہ ہندو لوگ آج سے کہیں زیادہ پستی میں گرے ہوئے تھے۔ اسلام کی روحانی طاقت نے ان کے دلوں کے اندر کسطرح گھر کر لیا۔ یہ وہ امتیاز خصوصی ہے جس پر اسلام اور مسلمانوں کو بجا طور پر فخر حاصل ہے۔ اگر اسلام مغرب کی مادیت زدہ لوگوں کو مسخر کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوؤں کو مسخر کرنے سے قاصر رہے۔ اسلام کے روحانی کمالات پر بھروسہ کیجئے اور آپ دیکھیں گے کہ اس کے اندر کس قدر اعلیٰ طاقتیں موجود ہیں۔

مہِ اسلام در باطن حقیقتہا ہمی دارد
کجا باشد خبر زاں مہ گرفتارانِ صورت را

اسلام کا چاند اپنے اندر بڑی بڑی حقیقتیں رکھتا ہے۔ مگر ظاہر بینوں کو ان حقیقتوں کا کیونکر علم ہو سکتا ہے۔

ہندوستان کے ہندوؤں کے نام

بغیر کسی تشدد کے استعمال کے آزادی کے حصول پر مبارک ہو۔ ہم نہیں جانتے کہ اس آزادی کے حاصل ہونے میں مذہبی طاقتوں کا کس قدر دخل ہے۔ مگر اتنا ہم کہنا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کو اپنے گذشتہ مذہبی رنگ کی لاج ضرور رکھنا چاہیئے۔ بھگتی اور پریم کی سرزمین کو یہ ثابت کرنا چاہئیے کہ اب بھی جبکہ یہاں کے بڑے بڑے لیڈر مغرب کے مادی تصورات سے متاثر ہوئے ہیں ہندوستان کے لوگوں میں سے مذہبی قوی بالکل مر نہیں گئے۔ ہندو قوم کو اپنی روحانی آنکھیں کھولنی چاہئیں - اور دیکھنا چاہئیے کہ ہندوستان کے لئے اسلامی ثقافت اور روحانی دولت کس قدر سود مند اور منفعت بخش ثابت ہوئی ہے۔ اُن کو چاہئیے کہ بین الاقوامی اتحاد کے اصول جو اسلام پیش کرتا ہے ان سے متمتع ہونے کی کوشش سے دریغ نہ کریں۔ ان کو یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ دنیا بھر کی تمام اعلیٰ تہذیبوں اور تمام اعلیٰ روایات کا بہترین نخبہ اسلام میں پایا جاتا ہے۔ اور ان کی تمام خوبیاں سمٹ کر اس میں جمع ہوگئی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہندوستان کی سرزمین میں اسلامی مذہب اور اسلامی تہذیب کو ترقی دینے سے تمام دنیا کی تہذیب ایک نہایت اعلیٰ پائیہ پر قائم ہو جائیگی جس کے لئے دنیا اس قدر بے چین و بے قرار ہو رہی ہے ہم دعا کرتے ہیں کہ ہندو انڈیا کو خدا وہی آنکھیں دے جو ان کے قدیم رشیوں کو دی گئی تھیں۔ تاکہ وہ زمانہ حال کے نشانات کو دیکھ سکیں ہم اپنے ہندو بھائیوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ مسلمان کبھی ناشکر گذار نہیں ہو سکتے۔ وہ بڑے شکریہ کے ساتھ اس خاطر و مدارات کو یاد رکھتے ہیں جو انکے بزرگوں نے ہندوستان میں وارد ہونے والے مسلمانوں کیلئے روا رکھی۔ پھر جس محبت اور گرم جوشی سے حضرت معین الدین چشتی کا ہندو راجپوتانہ میں اور حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمتہ کا لاہور میں استقبال کیا اور اُن کی آؤ بھگت کی وہ مسلمانوں کے دلوں پر نقش ہے۔ اگر آج ہمارے ہندو معاصرین اسلام کی توہین کے خیالات ترک کر دیں اور اسلام کے متبعین کے لئے جو نفرت انکے ہے وہ دلوں سے نکال دیں۔ اور اپنے آباؤ اجداد کی سی رواداری کا عملی ثبوت دیں تو پھر ان دونوں قوموں کے اندر محبت اور رفاقت کے جذبات عود کر سکتے ہیں اور اس براعظم کو جو یعنی ہندوستان میں

پھر وہی خوشی کی لہر پیدا ہوسکتی ہے۔ اور پھر وہ باہمی محبت وشفقت کا دور دورہ آسکتا ہے اور پھر ملک خطۂ جنت بن سکتا ہے۔ ان کو اس امر کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہئیے کہ پولٹیکل اسلام سے اوپر سپریچوئل (روحانی) اسلام ہے۔ مادیت (جسکو انگریزی میں میٹریل کہتے ہیں) حقیقی بھائیوں میں تفرقہ ڈال دیتی ہے مگر روح (جسے کو سپرٹ کہا جاتا ہے) وہ چیز ہے جو بنی نوع انسان کے مختلف اور دور دراز طبقوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے میں اعجاز کا کام کرتی ہے ہمارے ہندو دوستوں کو چاہئیے کہ وہ اسلام کی سپرٹ کو اور ہندومت کی روح کو لیں۔ یعنی اس تڑپ کو لیں۔ جو ایک ہندو کی روح کے اندر صداقت اور خدائی برکات کے حصول کے لئے ہونی چاہئیے۔ اور پھر دیکھیں کہ کس طرح ہندوستان میں اتفاق و اتحاد کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ اس بات میں شک نہیں کہ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ ویدوں کو الہامی اور ویدوں کے رشیوں کو بڑے بزرگ ماننے سے انکار نہیں کرتا۔ تو کیا ہندو اصحاب اپنے دلوں میں قرآن مجید کو خدا کا کلام ماننے اور اسکو منجانب اللہ یقین کرنے کے لئے وسعت نہیں پاتے۔ اگر وہ سننا چاہیں تو قرآن مجید نے اس بارہ میں ان کی بابت خوبصورتی سے رہنمائی فرمائی ہے۔ وہ فرماتا ہے

یاا ھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب و یعفوا عن کثیر ۵ قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین ۵ یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام و یخرجھم من الظلمٰت الی النور باذنہ و یھدیھم الی صراط مستقیم ۵ (سورۃ المائدہ آیت ۱۵ و ۱۶)

اے اہل کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس آچکا ہے۔ وہ سب کچھ اس میں سے کھول کر بیان کرتا ہے جو تم کتاب سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کرنے والی کتاب آچکی ہے اس کے ساتھ اللہ اسکو جو اس کی پیروی کرتا ہے سلامتی کی راہوں پر چلاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور ان کو سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

آج کی ہندو کلچر بہت حد تک اسلام کی مرہون منت ہے۔ خیالات۔ اخلاق۔ علوم وفنون اور فن تعمیر میں بلکہ ہر شعبہ زندگی میں ہندوؤں نے اسلام سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اور اگر ہمارے معاصرین چاہیں تو وہ اسلام سے ابھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ اسلامی روحانیت ہی موجودہ تہذیب کے تباہ کن اثرات سے بچانے کی ذمہ دار

ہے اس شمع سے اگر ہندو انڈیا منور ہونا چاہے تو یہ اسکے اختیار کی بات ہے۔

ہندو دہمت اب تلک الگ تھلگ رہتے ہوئے تنہے طرز و طریق زندگی کو اپنا کر اپنا گذارہ کرتے رہے ہیں۔ لیکن دنیا کے موجودہ حالات مقتضی ہیں اور ہندو قوم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے روحانی طریق پر ایک نظر ثانی کریں اور اس کو ایک صحیح سانچے میں ڈھالیں اور ایک عالمگیر نظریہ اور ضابطہ سے اپنے آپ کو وابستہ کریں اور جس قدر جلد ہو سکے اس پر عمل پیرا ہو جائیں تاکہ خود ان کو فائدہ پہنچے اور دنیا بھی مستفید ہو سکے۔

اہالیان برطانیہ کے نام

ہندوستان کی حکومت سے نہایت با امن اور موثر طریقے سے دست بردار ہو جانے پر ہماری طرف سے دلی مبارکباد قبول ہو۔ یہ کہنا خلاف انصاف ہوگا کہ اس براعظم کیچک میں جہاں مختلف اقوام اور مختلف نسلیں آباد ہیں برطانیہ محض مادی مفاد کی غرض سے ہی حکومت کر رہا تھا۔ اس تمام عرصہ کے اندر دنیوی مفاد کی خواہشات کے پہلو بہ پہلو برطانوی ذہنیت نے بعض ایسی صفات کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ جن کے نیچے کچھ نہ کچھ روحانیت کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ ہندوستانیوں کو حکومت کی باگ ڈور سونپ دینا اور برضا و رغبت خود اقتدار سے دست بردار ہو جانا برطانوی ذہنیت کی زاہدانہ صفت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہندوستان کے نقطہ نگاہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ اس ملک میں برطانیہ کا داخلہ خدا کی طرف سے عین وقت کے مطابق اور عین مناسب حال تھا۔ مسلمانوں نے خود اپنے اعمال کی وجہ سے حکومت کی اہلیت کو کھو لیا تھا۔ تمام ملک ایک ابتری کی حالت میں تھا۔ اور ہڑبونگ مچ رہی تھی۔ اور مسلمان خود اس ہڑبونگ کے زمانہ میں سخت مصائب کا شکار بن رہے تھے مسلمان اس ملک میں صدیوں تک حکمران رہے اس لئے یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ انگریزوں کی آمد انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی مگر مسلم انڈیا کے بہترین دماغ اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ہندوستان میں برطانوی راج مشیت ایزدی کے ماتحت آیا ہے اور اسی میں ان کی بھلائی ہے۔ اور جب ایک دفعہ مسلمانوں نے اس راج کو قبول کر لیا تو انہوں نے نہایت بہادرانہ سپرٹ سے کام لیکر آخیر وقت تک اپنی وفاداری کا ثبوت دیا۔ ہاں اس دوران میں بعض مواقع ایسے آتے رہے جبکہ انہیں وقتاً فوقتاً ان سیاسی بے انصافیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی پڑی جو بعض مسلمان تو لیا

پر محض مذہبی عناد کی بنا پر روا رکھی گئیں۔

ورنہ عام طور پر مسلمان برطانوی حکومت کے ساتھ تعاون ہی کرتے رہے اور صدق دل سے تعاون کرتے رہے۔ اور کبھی ایسی خفیہ تحریک یا سازش میں شامل نہ ہوئے جس کا مقصد برطانوی راج کا تختہ الٹ دینا ہو۔ نہ صرف ہندوستان کے بلکہ کل دنیا کے مسلمانوں کے سینوں کے اندر سلطان صلاح الدین کا دل اب بھی دھڑک رہا ہے۔ وہ دوستی میں نہایت مخلص ہیں اور دشمنی میں فیاض شریف اور بہادر۔ کمینگی۔ اور منافقت ان کے قومی کیریکٹر کے منافی ہے خود برطانیہ مسلمانوں کے اس قومی کیریکٹر کی مدحت سرائی میں رطب اللسان رہا ہے اور آج سے نہیں بلکہ اس کی قدامت رچرڈ شیر دل کے زمانہ سے ملتی ہے۔ اب جبکہ اہل برطانیہ ہندوستان کی حکومت سے دست بردار ہو رہے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ وہ اسی صفت کو جہاں تک ممالک غیر کی پالیسی کا سوال ہے اپنے کیریکٹر کا جزو لاینفک بنائیں۔ ہم امید کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مونٹ بیٹن برطانوی حکمت عملی کا بہترین ترجمان ثابت ہو۔ دنیا میں امن و امان قایم کرنے کے لئے یہ امر سب سے زیادہ مفید ہوگا۔ اور یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ خیر یہ امر تو زمانہ آیندہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن برطانیہ عظمی کے ساتھ جو ہمارا واسطہ اور تعلق ہے اس کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ ہم مسلمانوں نے مع اور مشرقی اقوام کے برطانیہ سے علوم و سائینس کے سلسلہ میں بہت سی برکات حاصل کی ہیں۔ برکات کا اصل منبع تو ذات خداوندی ہے۔ سب سے پہلے اس کا شکریہ ہے لیکن جس ذریعہ سے یہ برکات ہم کو حاصل ہوئیں ان کا شکریہ بھی ادا کرنا ضروری ہے عن لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ ہم برطانیہ کی عطا کردہ برکات کے صدق دل سے معترف اور شکر گذار ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ کہنا بھی بالکل حق ہے کہ برطانیہ نے بھی ہم سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ جو اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے زیادہ قابل قدر اور اہم ہے قطع نظر اُن اسلامی تاثرات کے جو بالواسطہ برطانوی دل و دماغ نے لئے سب سے بڑی نعمت جو برطانیہ نے اسلام سے حاصل کی ہے وہ اسلام کا کھلا پیغام ہے جو اہالیان برطانیہ کو ووکنگ مشن اور ووکنگ مسجد سے دیا گیا۔ یہ پیغام بہت مؤثر طریق پر دیا گیا اور اس کو بڑی قدر دانی سے دیکھا گیا۔ یہ مغرب کی عیسائیت اور مشرق کے اسلام کے درمیان رشتہ قایم کرنے کا ایک ذریعہ تھا اور اس سے دنیا میں امن و امان قایم ہونے کے بڑے امکان تھے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ مغرب کے تمام ممالک میں سے یہ عجیب و غریب واقعہ محض برطانیہ عظمی کے ساتھ ہی ظہور پذیر ہوتا ہے

بہت سے مفکرین نے برطانیہ عظمیٰ کو رومی سلطنت سے مشابہت دی ہے۔ اور یہ مشابہت اسی وقت تکمیل کو پہنچے گی جبکہ برطانیہ عظمیٰ مذہب اسلام قبول کرے گی یعنی اُس قوم کا مذہب جس پر یہ ایک لمبے عرصہ تک حکومت کر چکی ہے اس امر کے متعلق کچھ کہنا بے سود ہے کہ مغرب جو سیاسی طور پر بہت زبردست اور مادی طور پر بہت خوشحال اور دولتمند ہے اس کو بعض ایسے روحانی عوارض لاحق ہیں کہ جن کے علاج کے لئے کسی مذہبی ضابطہ زندگی کا اختیار کرنا ازبس ضروری ہے۔ اور وہ مذہبی ضابطہ ایسا ہونا چاہئے جو من کل الوجوہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہو۔ اب تک برطانیہ عظمیٰ نے جہاں تک سیاسیات کا سوال ہے مشرق و مغرب کے درمیان بطور کے ایک واسطے کے کام کیا ہے۔ خدا کرے کہ اب یہ ہندوستان کے واسطے دنیا کے ان دو حصوں کے درمیان بطور ایک روحانی کڑی کے کام کر سکے۔ اب جبکہ ہم برطانیہ سے سیاسی آزادی حاصل کر رہے ہیں ہم ان کی خدمت میں اسلام کے ذریعہ روحانی آزادی کی پیشکش لاتے ہیں جو بنی نوع انسان کیلئے آخری حکم نامہ ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ سلوک

غیر مسلم اقوام سے

اگر ہم بغیر کسی جنبہ داری کے اس حقیقت کا مطالعہ کریں کہ آیا مسلم حکمرانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ مروت اور احسان کا سلوک کیا ہے یا یورپین سلطنتوں نے غیر عیسائی رعایا کے ساتھ تو ہم ضرور اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جس فیاضی اور رواداری کو مسلمانوں نے روا رکھا اس کی مثال کہیں نہیں ملتی مغل بادشاہوں کے عہد حکومت میں ہندو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ وہ فوجوں میں اعلیٰ آفیسر تھے۔ وہ صوبوں پر حکمران تھے اور بادشاہ وقت کے مشیر و معتمد تھے۔ وہ بادشاہی نوازشات سے ایسے ہی بہرہ اندوز تھے جیسے کہ مسلمان۔ اس

موجودہ زمانہ میں بھی جہاں کہیں براعظم یورپ میں اسلامی سلطنت ہے اور اس میں تمام اقوام کے افراد پائے جاتے ہیں ان میں مذہب رنگ یا نسل کی بنا پر کوئی تفریق روا نہیں رکھی جاتی۔ اس کے نیچے کیا راز ہے؟ یہ دراصل اسلام کی فیاضانہ تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے یہ اصول قائم کیا کہ سب انسان خدا کے پیدا کردہ ہیں وہ سب ایک ہی سلک میں منسلک اور بلحاظ انسان ہونے کے سب مساوی اور یکساں ہیں۔ مساوات کا یہ زریں اصول دنیا میں قائم کرنے والا ایک ہی انسان ہے جس کا نام نامی اور اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں کہیں کوئی مسلمان فاتح گیا لوگوں نے اس کا تہ دل سے خیر مقدم کیا اور اپنی آنکھوں پر بٹھا لیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جن دکھوں اور تکالیف میں وہ غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں ان سے وہ ان کو نجات دے گا اور وہ بڑی مرفہ الحالی اور امن سے زندگی بسر کریں گے۔ اس میں کلام نہیں کہ ایسے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے اسلام سیاسی اور مذہبی دونوں قسم کی آزادی کا پیغام لایا۔ اس نے دونوں قسم کی مساوات کو قائم کیا۔ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ حضور صلعم کے اُن عہدناموں کو ذرا دیکھو جو حضور نے یہودیوں اور عیسائیوں سے کئے۔ ان کے اندر جو رواداری اور فیاضی ان غیر مسلم بلکہ بدخواہ اقوام سے روا رکھی گئی وہ حضور کی کریم النفسی۔ مروت اور عالی ظرفی کی ایک زندہ جاوید یادگار ہے۔

اسلام کی سیاسی خصوصیت کی روح اگر آپ کو دیکھنی ہو تو آپ اُس چارٹر کو دیکھیں جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تشریف فرما ہونے پر یہودیوں کو مرحمت فرمایا پھر آپ اس قابل قدر پیغام کا ملاحظہ کریں جو حضور نے اسوقت جبکہ اسلام جزیرہ نمائے عرب میں مستحکم ہو چکا تھا۔ نجران کے عیسائیوں اور گردو نواح کے ممالک کو بھیجا۔

یہودیوں کو جو چارٹر حضور نے مرحمت فرمایا اس کا خاکہ یہ ہے کہ اگر یہودی لوگ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدینہ کی حفاظت میں مدد دیں گے۔ تو اُن کو مساوی حقوق دیئے جائیں گے۔ اور ان کو ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور کسی قسم کی تکلیف ان کو نہیں پہنچے گی۔ اسلام کی تو تعلیم ہی ہے کہ تمام نبیوں پر ایمان لایا جائے۔ ان نبیوں میں بیشتر وہی نبی تھے جنہیں یہود مانتے ہیں۔ حضور نے ازراہ کریم النفسی ان کو ضمیر کی پوری پوری آزادی دی۔ اور اُن کے مذہب کے مطابق مراسم ادا [illegible] ان کو کامل آزادی

بخشی۔ ملکہ جب تک تحویل قبلہ کا حکم نہیں آیا حضور بیت المقدس کی طرف ہی منہ کرکے نماز ادا کرتے رہے

غرضکہ یہود پر آپ نے بڑی ہی نوازش فرمائی۔ اُن کے انبیاء کی تعظیم کی تعلیم دی۔ ان کے بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنائے رکھا۔ ان کو مذہبی اور سیاسی آزادی دی۔ اور ان کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ لیکن غالباً وہ بزعم خود یہ سمجھے ہوئے تھے کہ وہ حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں یہودیت پھیلانے کے لئے آلۂ کار بنائیں گے اور یہ بات کبھی ممکن نہیں ہو سکتی تھی حضور کا مقصد تو دنیا میں اسلام پھیلانا تھا جس کے لئے حضور مبعوث ہوکر آئے تھے اور تمام ادیان سابقہ اور شرائع گذشتہ کو حضور منسوخ کرکے ایک جدید اور کامل شریعت کا نفاذ کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اور یہود کو یہ بات دونوں آنکھوں نہیں بھاتی تھی بجائے اس کے کہ وہ حضرت رسول کریم صلعم کی نوازشات کے شکرگذار ہوتے اور حضور کو اپنا محسن اور مربی سمجھکر حضور کے ممد و معاون ہوتے تمام عہدناموں پر خاک ڈالکر حضور کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ غزوۂ بدر کے بعد ان کے حسد کی آگ زیادہ بھڑک اٹھی۔ اس قدر تو ان میں حوصلہ نہ تھا کہ وہ علانیہ تیر و سنان سے مسلح ہوکر میدان کارزار میں کود پڑیں مگر اندر ہی اندر سازشوں کا جال پھیلا دیا۔ وہ قومیں جو سالہا سال غلام رہ چکی ہوں وہ اپنے مخالفین کے خلاف ایسے ہی ہتھکنڈے استعمال کیا کرتی ہیں۔ ان یہودیوں کی ادنیٰ ایذا رسانی کا یہ طریق تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت کچھ نازیبا الفاظ استعمال کرتے بجائے السلامُ علیکم کے السام علیکم کہتے جس کے معنے ہیں تم پر تباہی آئے۔ اپنی زبانوں کو مروڑتے اور قرآن مجید کے الفاظ کو ایسا موڑ توڑ کر بولتے کہ جس کے معنے ہی کچھ نہ رہیں۔ پھر یہاں تک ہی نہیں یہودی شاعر مرد اور عورتیں مسلم خواتین کے متعلق بڑے فحش الفاظ استعمال کرتیں یہ گویا پریس پروپگنڈا تھا جو ان معصوم خاتونوں کے خلاف کیا جاتا تھا جن پر عرب کی شرافت انگشت بدنداں رہ جاتی تھی۔ مگر یہ تو ابھی مشتے نمونہ از خروارے تھا۔ انہوں نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے خلاف خفیہ خفیہ ریشہ دوانی شروع کر دی اور عرب کے قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے برانگیختہ کیا حالانکہ عہدنامہ کی رو سے وہ مدینہ کی حفاظت کا عہد کر چکے تھے۔

ان نام نہاد موحدین سے جب دریافت کیا گیا کہ تم بت پرستی پسند کرتے ہو یا اسلام جو خدا کی توحید

کی تعلیم دیتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے بُت پرستی زیادہ پسندیدہ ہے اور اسلام کی بجائے ہم صنم پرستی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اب ایسی قوم کے ساتھ لاکھ احسان کئے جائیں انہیں لاکھ مراعات دی جائیں ان سے وفاداری کی توقع سراب سے پانی حاصل کرنے کے مترادف تھی۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسلام کے معلم ہی نہ تھے بلکہ آپ اپنے متبعین کی جان اور اُن کی آزادی کے بھی محافظ تھے اس لئے حضور صلعم اس قسم کی غداری کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی پُر از شر سازشوں سے جن سے مسلمانوں کا جان و مال معرضِ خطر میں پڑ گیا تھا حضور چشم پوشی کر سکتے تھے۔ ایسا کرنا تو درحقیقت اپنی تباہی کو دعوت دینا تھا اور اپنے مشن کو برباد کرنا تھا۔ اور یہ کسی صورت میں حضور کو گوارا نہ تھا۔

اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ حضور صلعم صدقات و خیرات کی تعلیم دیتے تھے۔ اعمال صالحہ کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ ایک روحانی معلّم تھے، لیکن بایں ہمہ جب موقعہ آ جائے تو حضور قوانین حرب سے بھی ناآشنا نہ تھے۔ آپ ایک پورے سپاہی اور ایک قابل کمانڈر ان چیف بھی تھے۔ فوج کا تیار کرنا۔ اس کو تربیت دینا۔ سلاحِ حرب سے مسلح کرنا۔ غرضکہ جملہ جنگی ضروریات اور مقتضیات کو حضور صلعم جانتے اور سمجھتے تھے۔ یہ تو حضور کے کامل الانسان ہونے کی دلیل تھی کہ ہر شعبہ زندگی میں حضور کو کمال حاصل تھا۔ جہاں ایک طرف حضور ایک بہت بڑے روحانی معلم تھے تو دوسری طرف ایک بہت بڑے سپہ سالار بھی تھے۔ ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جب بنو قینقاع کے ایک غدار یہودی نے ایک مسلمان خاتون کی قابل شرم توہین کا ارتکاب کیا تو معاملہ ناقابل برداشت ہو گیا اور بارہا کے تلخ تجارب کے بعد یہود کی سرزنش ضروری ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ لیکن ان کو یہ بھی اجازت دی گئی کہ جس قدر مال و متاع وہ ساتھ لے جانا چاہیں یا لے جا سکیں لے جائیں۔ یہود کے دوسرے قبیلہ بنو نضیر نے جنگ اُحد کے بعد جناب رسالت مآب کو زہر دیکر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ اب اس سے بڑھکر دشمنی کی کیا انتہا ہو سکتی تھی۔ لیکن باوجود اس کے کہ آپ اس کا انتقام لے سکتے تھے آپ نے حسب عادت معاف فرما دیا۔ یہود تو وہ قوم ہے کہ انہوں نے حضرت

مسیح علیہ السلام کو چند دراہم کے عوض بیچ دیا تھا۔ کیا اُن سے توقع ہو سکتی تھی کہ وہ اس شخص سے دغا بازی نہ کریں جس نے ان کے ساتھ اس قدر رحم اور شفقت کا سلوک کیا تھا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان سے ہر طرح کی مہربانی ہی فرماتے رہے لیکن ان کی بدباطنی دیکھئے کہ یہ قریش مکہ کے ساتھ برابر ساز باز میں لگے رہے۔ چنانچہ جنگ خندق کے نازک موقعہ پر بنو قریظہ علانیہ دشمن کے ساتھ مل گئے لیکن ان کو سعد بن معاذ کے فیصلہ کے مطابق سخت سزا دی گئی جس کو انہوں نے خود اپنا جج تسلیم کیا تھا۔ اور درحقیقت وہ اسی سلوک کے مستحق تھے۔ یوروپین مورخین نے اس سزا پر بڑی نکتہ چینی کی ہے لیکن اس کے متعلق ایک یوروپین مصنف کی رائے بھی قابل غور ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ "ایک جابرانہ سزا تھی۔ جو ان کو دی گئی۔ اس سزا کی مثال یورپ میں زمانہ کے بعض ظالم لوگوں کے مشابہ تھی جو اپنے دشمنوں کے لئے وہ تجویز کرتے تھے۔ مگر ان یہودیوں کا جرم سلطنت کے خلاف ایک نہایت نازک موقعہ پر بہت بڑی غداری تھی۔ لیکن جن لوگوں کو علم ہے کہ یورپ میں بعض مواقع پر کیسی سخت اور جابرانہ سزائیں دی گئیں جیسا کہ ولنگٹن کی حالات میں انسان پڑھ سکتا ہے وہ ایسی سزا پر کچھ تعجب نہیں کرینگے کیونکہ ان یہودیوں نے بڑی سخت غداری سے کام لیا تھا۔ اس لئے اس سزا کے وہ مستحق تھے" اور کے گاباکہتا ہے کہ یہودیوں کی غداری کی سزا یہودیوں کے قوانین کے مطابق ہی انکو دی گئی اسلئے قابل اعتراض نہیں۔

وہ مشہور و معروف چارٹر جو ۶ھ ہجری میں نجران کے عیسائیوں کو دیا گیا۔ آنحضرت صلعم کی رواداری اور فیاضی اور حسن سلوک کا شاہد ناطق ہے۔ اس کی رو سے جن کو مسلمانوں کے برابر پورے پورے حقوق دیئے گئے تھے۔ اور مسلمانوں کیلئے لازمی قرار دیا گیا تھا کہ نہ صرف ان کے معاہدے کی حفاظت ہی کریں بلکہ ان کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ وہ ان کے گرجوں کی تعمیر اور مرمت میں بھی مدد دیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا وجود مبارک ان تمام صفات حسنہ کا جامع تھا۔ جن کا انسانی دماغ تصور کر سکتا ہے۔ رحم اور انصاف یہ دو صفات حسنہ حضور صلعم میں نہایت ممتاز تھیں جب کبھی آپ کو کہیں طاقت کا استعمال کرنا پڑا وہ نہایت ہی مجبوری کی صورت تھی چنانچہ گبن کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ:-

" شاذ ہی محمد (صلعم) نے اپنے مغلوب دشمن پر کوئی سختی کی ہوگی . . . . . . جو غیر مسلم رعایا آپ

کے ماتحت تھی۔ ان کو اجازت تھی کہ جس طرح وہ چاہیں عبادت کریں اور جو عقیدہ چاہیں رکھیں خواہ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہو۔"

غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو اسوۂ حسنہ جناب رسالتمآب نے قائم کیا اس پر مسلمان حکمران بھی عمل پیرا رہے اور اس پاک اصول کی اتباع میں وہ اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ بڑے رحم انصاف اور رواداری کا سلوک کرتے رہے۔ اور اگر شاذ صورت میں اس کے خلاف واقعہ ہوا ہو تو یہ اس مسلمان بادشاہ کی ذاتی کمزوری کی وجہ سے ہوا ہوگا۔ گابی نین جو ایک مسلمہ صائب الرائے مصنف ہے کہتا ہے کہ "قطع نظر کسی سیاسی ضرورت کے جو مذہب سے منسوب کردی گئی ہو ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ اسلام سے بڑھکر رواداری برتنے والا کوئی اور مذہب صفحہ دنیا پر نظر نہیں آتا۔"

ممکن ہے کہ بعض سیاسی مصالح کی بنا پر کبھی کسی مسلمان بادشاہ نے غیر رواداری سے کام لیا ہو ورنہ عام طور پر بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ بے انتہا رواداری کا سلوک کیا ہے۔ اور جناب رسالتمآب نے جو اسوۂ حسنہ قائم کیا تھا اس پر تقریباً تمام مسلمان فرمانروا عامل رہے ہیں۔ اور یہ امتیاز خصوصی صرف مسلمان حکمرانوں کو ہی حاصل ہے۔

زندگی کا راستہ
موت کے متعلق

(از جناب مولوی ولیم بشیر پکرڈ بی ۔ اے (کینیڈا)

اس وقت بھی بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے کہ "موت کا زندگی سے یا طریق زندگی سے کیا تعلق ہے" ؟

اس جواب یقیناً یہی ہے کہ " بہت کچھ تعلق ہے "۔

اگر آپ موت کا صحیح نظریہ قایم نہیں کر سکتے تو آپ زندگی کا صحیح نظریہ بھی قائم نہیں کر سکتے۔ اگر آپ موت کو صرف ایک تاریکی ہی تصور کرتے ہیں اور اپنی روزمرہ زندگی یا تو موت کا خیال دماغ سے محو کرکے گذار رہے ہیں اور یا اس بھیانک گھڑی کے خوف میں بسر کر رہے ہیں تو اگر آپ خوش ہیں تو آپ کی مسرت جھوٹی ہے اور اگر آپ مغموم ہیں تو آپ کا غم جھوٹا اور بے معنی ہے۔

اگر کوئی شخص زندگی کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔ اور اس کا خواہش مند ہے تو اسے جسم کے علاوہ زندگی کو کسی اور چیز میں ڈھونڈنا چاہئیے۔ اس حقیقت کو ہر شخص جانتا ہے کہ جسم وجود میں آتا ہے، بڑھتا ہے زوال پذیر ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود لوگ کبھی اس امر پر غور نہیں کرتے۔ اسس حقیقت سے صاف ظاہر ہے کہ زندگی جسم نہیں ہے۔ ہمارے ہاتھ، پاؤں، بازو، ٹانگ کٹ جاتے ہیں

یادداشت ضائع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات ہم آنکھیں کھو بیٹھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہماری زندگی قائم رہتی ہے۔ ہم اپنے باقی ماندہ اعضاء پر قانع ہو جاتے ہیں۔ اور پکار اٹھتے ہیں کہ "کوئی حرج نہیں۔ یہ کٹا ہوا عضو" میں "نہیں تھا۔ میں نے اپنا کوئی ضروری عضو نہیں کھویا"۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرنے کے بعد اگرچہ جسم سڑ جاتا ہے، ریزے ریزے ہو جاتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے، لیکن "زندگی کی روح بغیر کسی ضرر کے زندہ رہتی ہے۔ یعنی روح کی حقیقی ہستی جسے" حیات" کہا جا سکتا ہے، بغیر کسی گزند کے قائم رہتی ہے۔ آیئے ہم اس سوال کو ذرا مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھیں۔

اس جسم کے وجود میں آنے سے پہلے جس میں ہم اس وقت رہتے ہیں کتنے سال ـــــ کتنے ہزار سال ـــــ نہیں بلکہ لاکھوں سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ جبکہ روح حیات موجود تھی۔ اسی طرح جب ہم اس جسمانی قید خانے کو توڑ کر آزاد ہو جائیں گے تو یونہی کتنے سال، کتنے ہزار سال ـــ نہیں بلکہ لاکھوں سال یہ روح حیات مسرت کا ناچ ناچتی چلی جائیگی۔

تو پھر کیوں نہ ایک معقول اور صحیح نظریہ قائم کیا جائے کہ جہاں تک زندگی کا تعلق ہے جسم ایک بے حقیقت سی چیز ہے۔ اور وجود جسمانی ایک غیر اہم چیز ہے۔

چنانچہ جب ہم یہ صحیح اور سچا نظریہ قائم کرلیں کہ "جسم زندگی ہے ...... " اور نہ زندگی جسم ہے۔ تو ایسی چیز کا چھوڑ دینا جو زندگی نہیں ہے یا فانی جسم سے موت آنے پر علیحدہ ہو جانا ہمارے لئے خوفناک نہیں رہیگا۔ اور نہ اسکے ساتھ غم و حزن کے خیالات وابستہ رہیں گے۔

ہمیں یہ قطعی طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ جسم طبعاً فنا ہونے والی چیز ہے اور روح طبعاً زندہ رہنے والی شے ہے۔ اب اگر موت آنے پر ہم ایسی چیز سے ناطہ توڑ دیں جو طبعاً فنا ہونے والی شے ہے تو اس سے ہماری روح کو کوئی صدمہ پہنچ سکتا ہے؟ کیا ہماری جسمانی موت ہماری روح کو ایک لازوال مسرت ..... کے لئے اس قید خانے سے ایک وسیع کائنات میں آزاد نہ کر دے گی؟ کسی تنگ پنجرے میں قید کردہ پرندہ گا تو سکتا ہے لیکن آزاد ہو کر وہ اپنی ماہیت کو پہچانتا ہے اور جنگل، پہاڑ اور کھلی فضا میں

فرائض بجا لا کر کتنا خوش ہوتا ہے۔

بعض لوگ موت کو تمام مسرتوں کا خاتمہ سمجھتے ہیں اور بعض تمام برائیوں کا خاتمہ۔ ہم ان دونوں انتہا پسندوں سے متفق نہیں۔

آئیے ہم دیکھیں کہ اس کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن میں بار بار اس بات کا ذکر آیا ہے۔ کہ موت سے زندگی کا سلسلہ ٹوٹتا نہیں۔ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ مر نہیں جاتے۔ موت ہمارے اعمال کی پردہ پوشی نہیں کر سکتی۔ بلکہ یہ انہیں اور اجاگر کر دیتی ہے۔

سنئے :۔

وکل انسان الزمنه طٰئرہٗ فی عنقه ونخرج له یوم القیمة کتٰبًا یلقه منشوراً اقراء کتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيباً (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۳ و ۱۴)

اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو اس کی گردن کے گرد حائل کر دیا ہے۔ اور حشر کے دن ہم ایک کھلی کتاب اس کے سامنے پیش کریں گے۔ اپنا نامۂ اعمال پڑھ۔ آج تیرا اپنا وجود تیرے خلاف محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

اور پھر۔

ومن یعمل من الصالحات وھو مومن فلا کفران لسعیه وانا له کاتبون

(سورۃ انبیاء آیت ۹۴)

جو کوئی نیک عمل کرے گا اور ایمان لائے گا۔ اس کی مساعی کا کوئی انکار نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ ہم اس کے لئے لکھ رہے ہیں۔

ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون ٥ نحن اولیٰؤکم فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما

تدعون۔نزلاً من غفور رحیم۔ (سورۃ حٰم سجدہ آیت ۳۰-۳۲)

"اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے، پھر سیدھے راستے پر چلتے رہتے ہیں، اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں، ڈرو نہیں اور نہ حزن و ملال کو اپنے دل میں جگہ دو۔کیونکہ خدائے تعالےٰ نے تمہارے لئے اُس جنت کی خوشخبری بھیجی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ہم اس دنیاوی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے دوست رہیں گے اور تمہارے لئے اُس جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کی تمہیں آرزو ہے اور وہ بھی جو تم چاہو گے۔یہ الطاف و عنایات ہیں خدائے غفور و رحیم کی طرف سے"۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ موت سے نفرت اور اس کا خوف جسمانی لذات اور اس دنیا کی مسرتوں کی وجہ سے ہے۔اس جسم میں تن آسانی کے ساتھ زندگی گذارنے اور اپنے خیالات اور اعمال کو جسمانی زندگی پر مرکوز کر دینے سے ہم کچھ مدت کے بعد اس جسم کو کھو دینے کے خیال سے ڈرنے لگتے ہیں۔جو لامحالہ ہمیں ایک نہ ایک دن جدا کرنا ہی پڑیگا۔" جسم چھوڑ دو" کا نامرغوب فقرہ ہمیں موٹے حرفوں میں دیوار پر لکھا ہوا نظر آتا ہے۔لیکن اگر ہم جسم کو اپنی زندگی نہ سمجھیں بلکہ اسے زندگی کی ایک خاص صورت یقین کر لیں یا جسم کو اپنی حقیقی زندگی کے لئے ایک رکاوٹ تصور کر لیں تو پھر ہمیں یہ خیال نہ ستائے گا۔کہ ایک دن ہمیں اس جسم سے جدا ہونا ہے۔یہ مٹی کا گھروندا جو ہمارے لطیف وجود کو قید کئے ہوئے ہے۔اگر ایک دفعہ ہمیں یقین ہو جائے کہ ہماری حقیقی زندگی کا انحصار اس خاکی وجود کے قیام پر نہیں ہے تو ہم اس خوفناک دباؤ سے آزاد ہو جائیں گے جسمانی لذات حقیر ہو کر رہ جائیں گی۔اور جسمانی دُکھ ہم پر گہرا اثر نہ ڈال سکیں گے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ جسمانی دُکھ اور سکھ اتنے اہم نہیں ہیں اور نہ وہ ہماری غیرفانی روح پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

کتنا عظیم الشان ہوگا ہمارا سکونِ قلب جب ہمارا محکم اور غیر متزلزل یقین اس غیرفانی ہستی پر ہوگا اور ہمارے اعمال، خیالات اور خواہشات اُسی غیرفانی ہستی کی ہدایات، القاء اور الہام کے ماتحت

ہوسکیگے۔ جسمانی موت ایک بے حقیقت سی بات رہ جائیگی۔ ہماری اندرونی زندگی اور بیرونی زندگی میں تطابق پیدا ہوجائیگا۔ بیرونی زندگی ایک جذبہ بے خودی سے ہزاروں نورانی شعاعوں کے ساتھ اندرونی زندگی پر اثر انداز ہوگی اور نورٌعلیٰ نور کا منظر پیدا کردیگی۔ ایک ایسی مسرت کا وجود پیدا ہوگا جو فنا نہ ہوسکے گی اور جس سے بڑھکر کوئی مسرت نہ ہوگی۔

اب پھر قرآن کی طرف رجوع کریں تو ہمیں جسمانی زندگی سے بلند تر ایک زندگی کا حوالہ یوں ملتا ہے :۔

"اور وہ کہیں گے۔ سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہمارے حزن وملال کو دور کیا۔ یقیناً ہمارا رب بخشنے والا اور اعمال کے مقابلے میں کئی گنا جزا دینے والا ہے۔ جس نے اپنے رحم وکرم سے کام لیکر ہمیں ایک گھر میں اُتارا۔ یہاں نہ ہمیں مشقت کرنا پڑے گی اور نہ تکان ہمیں تکلیف دیگی"

اور پھر یہ :۔

"اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور دہنے ہاتھ کی طرف ساتھ ساتھ چلے گا۔ اور وہ کہیں گے۔ اے ہمارے خدا ! ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل کردے اور ہمیں اپنے حفظِ امن میں جگہ عطا فرما کیونکہ تو ہر بات پر قادر ہے۔

اب جبکہ ہم نے موت کے خوف کو ہٹا کر موت پر قابو پالیا ہے تو ہم ایک ہی وقت میں دو دنیاؤں میں زندگی بسر کریں گے۔ جو ہمارے عمل سے ایک نکتے پر جمع ہوجائیں گی۔ ہم اس دنیا میں بھی زندگی گذاریں گے۔ جو ہمارے جسم کی وجہ سے ناگزیر ہوگی۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسری دنیا میں بھی ہم موجود ہوں گے۔ ہماری جسمانی زندگی اور روح کی ابدی زندگی، دونوں شعوری طور پر ایک حیات سرمدی کی حیثیت سے ہم

پر وارد ہوں گی۔

پھر کس تیقن کے ساتھ ہم اپنی روز مرہ کی عملی زندگی میں حصہ لیں گے۔ کس جمعیت کے ساتھ ہم سچائی اور علم کی تلاش کریں گے۔ اور کس ذوق و شوق سے ہم نیکیوں کے راستے پر گامزن ہوں گے۔ ہمیں اپنے فرائض حسین نظر آئیں گے اور ہمارے لئے ان میں ایک کشش ہوگی۔

اور یہ بھی سوچئے کہ جب ہمیں یقین ہو جائیگا کہ موت ہر چیز کا خاتمہ نہیں کر دیتی۔ اور جسم کے فنا ہو جانے سے روح فنا نہیں ہوتی تو انسان موت سے پہلے اپنے اعمال پر قابو رکھنے کی کوشش کرے گا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اسے ہر چیز کو یہیں چھوڑ جانا ہے۔ وہ کس طرح دنیاوی مال و دولت کے لئے حرص طمع اور لالچ پر قائم رہ سکتا ہے۔ وہ ابدی زندگی کا زیادہ خواہشمند ہو جائے گا۔ یہ جانتے ہوئے کہ موت سے پرے ایک نہ ختم ہونے والا دوام موجود ہے۔ اور ہر عمل کے ساتھ سزا و جزا خدا نے مضبوطی سے وابستہ کر رکھی ہے وہ اپنے ہر عمل پر نگاہ رکھے گا۔ کیونکہ خدائے لبصیر کے حضور میں ناانصافی کا امکان ہی نہیں۔ برے اعمال کی سزا اور نیک اعمال کی جزا کا ملنا ناگزیر ہے۔

قرآن مجید کا بیان سنئے:۔

یہ تنبیہ ہے تمام انسانوں کیلئے۔ اس کے لئے بھی جو آگے بڑھنا چاہتا ہے اور اس کے لئے بھی جو پیچھے رہنا چاہتا ہے۔ ہر ذی روح اپنے اعمال کے عوض میں گروی ہے۔"

اور:۔

"وہ جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہے اسے پائے گا اور وہ جس نے ذرہ برابر بھی بدی کی ہے اسے بھی پالے گا۔"

اور پھر:۔

"ہر شخص اپنے اعمال کیلئے خود ذمہ دار ہوگا۔"

تو پھر بتائیے کہ کوئی ذی ہوش انسان موت سے کیونکر ڈر سکتا ہے۔ جسم تو زمین پر ہماری زندگی کا ذریعہ ہے۔ کیا زمین ایسی ہی مکمل کائنات ہے کہ ہم اس پر بسنے کے لئے قانع ہو جائیں؟ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ زمین تو باوجود اس ظاہری وسعت کے کائنات کے اندر ایک نقطہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ ہماری روح اب بھی سورج اور ستاروں کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس جسمانی قید سے آزاد ہو کر جو زندگی ہمیں درپیش ہوگی کیا وہ ہمارے لئے مصیبت ناک ہوگی اور ہمیں جسم کھو دینے کا افسوس ہوگا؟ ہرگز نہیں بلکہ آئندہ زندگی زیادہ شاندار ہوگی۔ ہم اس فانی مٹی کو مٹی کے سپرد کر دینگے لیکن روح میں فنا ہونیکی کوئی صفت نہیں ہے

موت کے متعلق اس تمام بحث سے ہم کیا نتیجہ نکالتے ہیں۔ کیا موت ایک ناقابل توجہ چیز نہیں ہے؟ موت صرف اس چیز کا نام ہے کہ زمین سے جو مٹھی بھر خاک ہم نے عاریتاً لی تھی اسے واپس زمین کو سونپ دیں۔ اس کے بعد روح آزاد ہے۔ روح جسم کی قید سے صرف آزاد ہوتی ہے۔ فنا سے اسے کوئی سروکار نہیں۔

موت کے متعلق اگر یہی سچا، صاف اور سادہ نظریہ ہمارے پیش نظر رہے، تو اس دنیا کے فانی کی تمام خواہشات، خوف، مسرتیں اور غم نرم رو لہروں کی طرح روح کی کشتی کے نیچے سے گذر جائیں گے۔ خواہشات، نفسانی کے قابو سے نکل کر حواس کی زنجیروں سے آزاد ہو کر ہمارا ہر لمحہ مسرت و شادمانی میں گذریگا۔

کاش دنیا کا ہر انسان ان الفاظ کو سمجھ سکے۔ اگر ایسا ہو تو دنیا سے خود غرضی، طمع لالچ اور سود خواری کی لعنت دور ہو جائے۔ نہ صرف ناکام حسرتیں خود بخود مٹ جائیں بلکہ جو خواہشیں پوری ہو جائیں ان کی بھی کوئی وقعت نہ رہے۔

کاش دنیا کا ہر انسان میری بات سن سکے، اس پر غور کر سکے، اور اس سچائی کو پا سکے کہ روح غیر فانی ہے۔ اس حیات ابدی کو اپنے آپ پر وارد کر سکے اور اس کا لطف اٹھا سکے۔ اگر ایسا ہو تو تمام جنگیں ختم ہو جائیں، جور و ظلم و بند ہو جائے اور ناپاکی کا اندھیرا دور ہو جائے۔ ایک ایسا سنہری زمانہ آئے جس میں امن و آشتی کا آفتاب ہر وقت نصف النہار پر چمکتا رہے۔

موت اور اس کے خوف پر قابو پا لینے کے بعد موجودات کا سریع الزوال ہونا اور ہمارے اردگرد کی ناپائیدار دنیا کا فانی ہونا ہم پر واضح ہو جائے گا۔ اب ہمیں دھوکا نہ ہوگا۔ ہمیں وہ پردۂ نور نظر آنے لگے گا۔ جس کے پیچھے خدائے ظاہر کی ہستی جلوہ فرما ہے۔ ہمیں یقین ہوگا۔ کہ واقعی وہ پردہ ہے۔ وہ پردہ ہمیں بھلا معلوم ہوگا۔ اور ہم اسی کو مسرت سے تاکتے رہیں گے۔ کیونکہ ہمیں علم ہوگا۔ کہ پس پردہ معشوق حقیقی کا چہرہ ہے۔

اور آخر میں :۔

• جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خدائے تعالےٰ کی حمد و ستائش کرتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ طاقتور اور دانا ہے۔

" آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

• وہی اوّل ہے اور وہی آخر، وہ سب پر غالب ہے، وہ ہر چھپی ہوئی چیز کو جانتا ہے۔ اور اسے ہر بات کا علم ہے۔

" اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ مدتوں میں پیدا کیا۔ وہی عرش پر حکمران ہے۔ جو کچھ زمین کی گہرائیوں میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں سے

باہر نکلتا ہے۔ اور جو کچھ آسمانوں سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ آسمان کی طرف جاتا ہے اُسے سب کا علم ہے۔ جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے دیکھتا ہے۔

• آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے اور ہر چیز کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

" وہ رات کو دن میں تبدیل کرتا ہے اور دن کو رات میں بدلتا ہے۔ اور وہ دلوں کے خیالات تک کو جانتا ہے۔

بقیہ صفحہ ۴۵۶

نہ صرف خلاف اسلام بلکہ ان فوائد سے محروم ہونا ہے جو اس مقدس فریضہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔

استفسار:۔ قرآن مجید کو ہر روز پڑھنے سے کیا فائدہ ہے جب کہ انسان عربی زبان نہ جانتا ہو؟

جواب:۔ محض ناظرہ قرآن شریف پڑھنے میں اتنا تو فائدہ ضرور ہے کہ خدا کے کلام سے واقفیت رہتی ہے۔ اور آئندہ نسلوں کی طبیعت میں تحریک پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ قرآن مجید کے مضامین جاننے کی کوشش کریں۔ ایک بات کے جاننے کی خواہش حصول علم کا پہلا زینہ ہے۔ پس جو شخص قرآن مجید کو عربی زبان نہ جاننے کے بغیر پڑھتا ہے وہ غیر شعوری طور پر اسلام کی خدمت کرتا ہے اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید کو با ترجمہ پڑھنا زیادہ مفید اور زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

استفسار:۔ کیا اسلام تمباکو پینے کی اجازت دیتا ہے؟

جواب:۔ اسلام جائز اور طیب چیزوں کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔ اس نے وہ تمام چیزیں بیان کر دی ہیں جو ناجائز ہیں اس کے علاوہ سب کچھ جائز ہے۔ طیب کیا چیز ہے اس معاملہ کو انسانوں کے مذاق اور انتخاب پر چھوڑ دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تمباکو کا پینا از روئے طب مضر ہے۔ اور جہاں تک ہمارے ذاتی خیالات کا سوال ہے ہم تمباکو کا پینا اچھا نہیں سمجھتے۔

آستانۂ صداقت اسلام

از جناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

سلسلہ کیلئے اشاعت اسلام ماہ نومبر ۱۹۴۷ء ملاحظہ ہو

اس لحاظ سے قرآن کریم دنیا میں بے نظیر کتاب ہے، غالباً انبیائے ماسبق کے زمانوں میں انسانی عقول اس قدر پختہ نہیں ہوئی تھیں کہ کوئی بات عقلی طور پر مبرہن کی جاتی۔ چنانچہ جناب مسیحؑ نے بھی اپنے شاگردوں کو کامل صداقت کی تلقین نہیں کی تھی محض اس لئے کہ وہ یعنی ان کی عقول اُن کو قبول کرنے کے لئے طیار نہ تھیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی تعلیمات کو قصوں اور تمثیلوں میں بیان کیا یعنی انہوں نے وہی کیا جو آج ہم بچوں کو سکھانے وقت کرتے ہیں پس ایسے لوگوں کو عقلی طور معارف کی تعلیم کرنی ایسی ہی تھی جیسے کہ موتی خنازیر کے آگے ڈالنا۔ یہی حالت جناب موسیٰ اور دیگر انبیاء کے زمانوں میں تھی۔ رہے معجزات، تو اُن کی بناء پر جہاں اور غیر تربیت یافتہ لوگ تو ایمان لا سکتے ہیں لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ کچھ مدت کے بعد معجزات کی حیثیت، نسالوں اور روایتوں سے زیادہ نہیں باقی رہتی، اور ان کی تاثیر قطعاً زائل ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں جب سائینس کسی بات کی تشریح پیش کرتا ہے تو معجزات کسی امر کے اثبات میں مفید نہیں ہو سکتے۔ اور جب تک معجزات کے ساتھ عقلی شہادات نہ ہوں، اس وقت تک وہ کوئی مقصد پورا نہیں کر سکتے۔

یہ سچ ہے کہ ہر مذہب اپنے متبعین کو ایمان بالغیب کی تعلیم دیتا ہے مثلاً ایمان باللہ، بالملائکہ، بالرسالت بالوحی، بالآخرۃ وغیرہ۔ یہ امور جملہ مذاہب میں بطور صداقت مسلمہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ لیکن اِن کا اثبات بذریعہ حواس خمسہ نہیں ہو سکتا۔ یہ عقائد تمام مذاہب قبل الاسلام میں بغایت تحکمانہ انداز میں تلقین کئے گئے ہیں لیکن قرآن پاک نے ان کی تشریح بھی مادی اصول پر کی ہے۔

مثلاً خدا پر ایمان رکھنا، ہر مذہب کا سنگ بنیاد ہے، اور بعض مسیحی علماؑ نے اثباتِ واجب الوجود کے ضمن میں اعلیٰ درجہ کے دلائل عقلیہ بیان کئے ہیں۔ اور ملاحدہ، لا ادریہ، اور دیگر منکرین خدا کا مقابلہ نہایت خوبی اور کامیابی کے ساتھ کیا ہے لیکن اس کے سوا کوئی شخص ان کی مذہبی کتاب یعنی بائبل کا شکر گزار نہیں ہو سکتا بلکہ اس کامیابی کا سہرا اُن کی ذاتی علمیت لیاقت اور جودتِ طبع کے سر ہے۔ یہی حال دوسری کتابوں کے متعلقین کا ہے۔ حالانکہ یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالےٰ جس نے انسانوں کو اپنی ہستی سے آگاہی عطا کرنے کے لئے الہام عطا کیا خود انسان کا محتاج ہو جائے کہ وہ اپنی عقل سے کام لیکر اس کی ہستی کا اثبات کریں۔ بہرحال قرآن پاک نے یہ الزام وحی و الہام سے نہایت خوبی کے ساتھ دور کر دیا ہے، کیونکہ میں اپنے ناظرین کو یہ بات نہایت واضح طریق پر بتانی چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ سب قرآن شریف ہی سے ماخوذ ہے۔ اور ہر منطقی دلیل اور عقلی نکتہ جو میں نے بیان کیا ہے وہ قرآنی آیات ہی پر مبنی ہے، اور دیگر حقائقِ قرآنیہ پر بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ لا ادریت اور دہریت کا مقابلہ کرنے کے لئے اگر کوئی ہتھیار کارآمد ہے تو وہ عقل و حکمت ہی ہے، کیونکہ لا ادری اور ملحد، سوائے عقل کے اور کسی طاقت کے سامنے سر نہیں جھکاتے، اور میری رائے میں اُن کا اصول نہایت مستحسن ہے۔ کیونکہ جو بات عقلی طور پر مبرہن نہ ہو سکے اُسے یونہی قبول کر لینا دراصل عقل کی توہین کا مترادف ہے مگر سوائے قرآن مجید کے اور کوئی الہامی کتاب اس معیار پر پوری نہیں اُترتی تو پھر ساری کتب الہامیہ ناقص اور ناکارہ ہیں۔ عقل ایک نعمت آلٰہیہ ہے اور انسان پر اس کا استعمال فرض ہے۔ اگر خدا کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم کسی بات کو بغیر عقل کی کسوٹی پر پرکھے ہوئے تسلیم کر لیا کریں تو وہ ہمیں عقل سی نعمت عطا ہی کیوں کرتا۔ اور اگر ہم ایسا کریں تو پھر مقصد خداوندی فوت ہو جائیگا۔

معاد اور ملائکہ

ہمارے جملہ افعال نتائج پذیر ہوتے ہیں اور ہمارے لئے اُن نتائج کو برداشت کرنا نہایت ضروری ہے۔ گویا

ہر فعل پر جزا و سزا مرتب ہوتی ہے۔ یہ مکافات عمل، ایک منٹ کے بعد وقوع پذیر ہو یا مدت مدید کے بعد یا حیات بعد الموت میں جبکہ ہم سب اپنے اپنے اعمال کے ثمرات حاصل کرنے کے لئے، خدا کے حضور میں حاضر ہوں گے

یہ بات غور طلب ہے کہ آئندہ زندگی میں افعال کے نتائج کا خیال ہی ہمارے موجودہ افعال کے لئے محرک ہو سکتا ہے اگر ہمارا تعلق صرف زمانۂ موجودہ ہی سے وابستہ ہو، تو پھر بداعمالیوں کو روکنے کے لئے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی، اور نہ کوئی بات انسان کو نیکوکاری کی طرف راغب کر سکتی ہے۔ افعال کی اچھائی یا برائی اُن کے نتائج ہی سے معلوم ہو سکتی ہے ان عیوب کی روک تھام صرف تصور معاد ہی سے ہو سکتی ہے۔ جن کی جلوہ فرمائی کو کوئی انسانی طاقت نہیں روک سکتی اگر انسان اُن کے ارتکاب کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کر سکے۔ اور نیکوکاری تو محض وقتی اور عارضی ضرورت کی بات ہو جائیگی۔ اس کے بالمقابل، اگر ہمارے اندر یہ اعتقاد نہایت شدّت کے ساتھ پیدا ہو جائے کہ ہماری آئندہ زندگی، ہمارے موجود افعال پر مبنی ہوگی تو آئندہ کا خوف یا امید، ہمارے افعال کو اپنے زیر اثر لے آئیگا۔ اسی طرح انسانی جماعتوں میں، اگر کسی جماعت کے افراد اس بات پر یقین نہ رکھیں کہ اُن کے افعال کے نتائج ضرور انہیں بھگتنے پڑیں گے اور خلاف ورزئی قانون سے جو نتائج پیدا ہوں گے وہ انفراداً اُن کے ذمہ دار ہونگے تو کوئی ممبر یا فرد کسی قانون یا ضابطہ کی عزت نہیں کر سکتا۔ گویا اطاعت قانون پر جو انعام مرتب ہوتا ہے اور خلاف ورزی پر جو مواخذہ ہوگا۔ ان باتوں کا تصور ہی وہ محور ہے جس پر انسانی تمدن گردش کر رہا ہے۔

پس معاد، یعنی حیات بعد الممات میں اعتقاد اور آئندہ زندگی میں ذمہ دارئ نتائج اعمال، یہ دونوں باتیں عقلی طور پر ثابت ہیں بلکہ عقل کا تقاضا ہے کہ ان پر ایمان رکھا جائے۔

علاوہ بریں اگر جرائم کے انسداد کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ مجرموں کو سزا دی جائے، تو کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ ہزاروں مجرم دنیاوی قانون کی گرفت سے بچ جاتے ہیں؛ فرض کیجئے کہ کسی طرح وہ لوگ بھی قانونی شکنجہ میں آ گئے تو اُن کے متعلق کیا کہا جائیگا جو ارتکاب جرم کے بعد فوراً فوت ہو گئے۔ پس اگر سزا کا مقصد یہ ہے کہ جرائم کا انسداد ہو تو ہمارا انتظام حکومت ناقص ہے تا وقتیکہ وہ ان مجرموں کی سزا دہی کا انتظام نہ کرے جو اس زندگی میں مواخذہ جرم سے بچ گئے۔ لہذا کسی ملک کے انتظام حکومت کو مکمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے شخص کو اپنا

حاکم اعلیٰ بنائیں جو عالم الغیب اور علیٰ کل شئی شہید ہو، علیم بذات الصدور ہو، اور قادر مطلق بھی ہو۔ اس لئے نظام تعزیرات کو جرایم کے ارتکاب سے باز رکھنے والا بنانے کے لئے ہمیں مکافات عمل دنیوی پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ معاد، مختلف مذاہب میں، بانیان مذاہب کے لئے ایک دشوار گزار مرحلہ رہا ہے اور اسی لئے ان کو لا ادریت اور الحاد سے، دوچار ہونا پڑا ہے۔ چنانچہ جناب مسیح کو بھی صدوقیوں سے واسطہ پڑا جو حیات بعد الموت کے قائل نہ تھے۔ وہ لوگ ان کے پاس گئے تاکہ اس مسئلہ پر روشنی حاصل کریں لیکن مسیح کا جواب یہ تھا: "اگر موت کے بعد زندگی نہیں تو وہ اپنے خدا کو ابراہیم اور موسیٰ کا خدا کیوں کہتے تھے؟ پس بقول مسیح اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ لوگ ان بزرگوں کی حیات بعد الممات میں اعتقاد رکھتے تھے" لیکن مسیح کے اس بزم دل فدا سفری منطق میں ایک مغالطہ موجود ہے جسے ہم منطقی اصطلاح میں مصادرہ علی المطلوب" کہتے ہیں۔ ممکن ہے اُس زمانہ کے لوگوں کی اس جواب سے تسلی ہوگئی ہو۔ لیکن ہم کو تو اس جواب میں ایک منطقی مغالطہ صاف نظر آرہا ہے۔ یعنی جناب مسیح نے اپنی دلیل اس مفروضہ پر قایم کی کہ "صدوقی" لوگ موسیٰ اور ابراہیم کی حیات بعد الممات پر اعتقاد رکھتے تھے۔ حالانکہ ایسا نہ تھا، وہ لوگ سرے سے حیات بعد الممات سے منکر تھے۔

اگرچہ اعتقاد زیر بحث، ہر مذہب میں بمنزلہ سنگ بنیاد ہے لیکن قبل الاسلام، کسی مقدس کتاب میں اس پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ اگر کوئی شخص اس نیت سے بائبل یا وید یا مجوسی کتب مقدسہ کی اوراق گردانی کرے کہ اسے ان کتابوں میں تسلسل، انفرادیت انسانی یا حیات بعد الممات کے عقیدہ پر کوئی عقلی دلیل مل جائے تو میں بالیقین کہتا ہوں کہ تضیع اوقات کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور اس قسم کے دلایل کے فقدان ہی کی وجہ سے یورپ میں "مادیت" اور "لا ادریت" کا زور ہوگیا، اور پھر مغربیت زدہ انسان میں الحاد کی جانب میلان طبع پیدا ہوگیا۔ اگر میں نفس مضمون سے دور نہ جا پڑتا بلکہ اگر ایسا کرنا خلاف محل نہ ہوتا تو میں یہ بات علی وجہ الکمال ثابت کر دیتا کہ گذشتہ جنگ عظیم کا باعث یہ نہ تھا کہ متحاربین اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے یا اصول حقہ کی حمایت میں دیدہ و دانستہ آگ میں کود پڑے، بلکہ یہ اقوام سراسر حرص و طمع کی غلام،

دولت کی جو یاد اور معاد سے قطعاً بے پرواہ تھیں" اور اس کا باعث، عقلیت کے مقابلہ میں کلیسائی الٰہیات کی کمزوری ہے۔

حالانکہ اعتقادات بجو از بیں قبیل جو فی الواقع جملہ مذاہب کا سنگ بنیاد ہوتے ہیں، بجا طور سے، عقل وحکمت پر مبنی ہونے چاہئیں۔ اگر یہ امور بذریعہ حواس خمسہ محسوس نہ ہوسکیں تو کوئی حرج نہیں ہے علی الخصوص جبکہ وہ امور جو محتاج ثبوت ہوں، ہمارے حیطۂ ادراک سے باہر ہوں استدلال قیاسی بھی ایک حد تک مفید ہوسکتا ہے۔ لیکن مدار یقین یا باعث تسکین نہیں ہوسکتا، بلکہ بسا اوقات منجر بضلالت ہوجاتا ہے۔ اگر دو مظاہر فطرت کا بنیادی اصول ایک ہی ہو تو ہم ایک کے اثبات میں دوسرے کی طرف اشارہ کرسکتے ہیں۔ اور قلمروے سائینس میں ہمارا بہت سا علم اسی طرح حاصل ہوا ہے۔

دراصل، جس بات سے لاادریت پیدا ہوتی ہے وہ "حشر اجساد" کا مسئلہ نہیں بلکہ تسلسل انفرادیت انسانی ہے، یعنی جس بات میں لوگوں کو اعتقاد نہیں وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد پھر بھی "انسان" زندہ ہوگا۔ اور وہ وہی ہوگا جو مرنے سے پہلے تھا۔ اگر ولادت، وفات اور احیا ہوتی "اُن عناصر وسالمات کے امتزاج" افتراق اور امتزاج ثانی ہونے کا دوسرا نام ہے، جن کی بدولت کائنات میں مختلف عضوی حیوانی نظام بنتے رہتے ہیں۔ تو یہ سارا مسئلہ نہایت واضح ہوجاتا ہے، کیونکہ یہ تمام باتیں ہمارے مشاہدہ میں ہر سال آتی رہتی ہیں ہر موسم خزاں میں درختوں پر موت طاری ہوتی ہے اور ہر موسم بہار میں، ہر درخت کے خواص ذاتی کا احیاء بھی ہوجاتا ہے۔ موسم سرما میں نہ صرف درختوں کے پتے گر جاتے ہیں، بلکہ پھول پھل بھی ندارد ہوتے ہیں، اور اُن کے عناصر ترکیبی افتراق پذیر ہوجاتے ہیں۔ اور بغیر کسی ترتیب کے کائنات میں دنیائے عنصری وسالماتی سے امتزاج پذیر ہوجاتے ہیں۔ چونکہ درختوں میں سے لطیفۂ حیاتی نکل جاتا ہے۔ اس لئے اگرچہ درختوں کے پتے اُسی عالم اور اُسی ماحول میں ہوتے ہیں اور مادّہ کے اُسی انبار سے محصور ہوتے ہیں۔ جو سال گذشتہ کے موسم بہار میں انہیں تغذیہ بہم پہونچاتا رہا ہے، لیکن اب "مادہ" سے کوئی نشوونما حاصل نہیں کرسکتے۔ بہرحال جب موسم بہار آتا ہے تو آسمان سے جو بارش ہوتی ہے وہ اُن سوکھے ہوئے درختوں کے لئے پیام حیات لیکر آتی ہے، اور وہ تمام اجزائے ترکیبی، جو درختوں کی زیب وزینت کا باعث ہوتے ہیں، دوبارہ درختوں میں واپس جاتے ہیں

موسم بہار کی ہوا، بارش اور دھوپ یہ تین چیزیں عالم نباتات کے ہر فرد کو حیات تازہ عطا کر دیتی ہیں گویا مردہ فطرت میں از سر نو جان پڑ جاتی ہے اور ہر درخت اپنی سابقہ انفرادیت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس کے تمام خواص بھی موجود ہوتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی آخری کتاب نے، جو اس لئے نازل ہوئی ہے کہ انسان تمام مذہبی عقاید کو عقلی رنگ میں سمجھ کر اختیار کرے، اس مظہر کائنات کی طرف انسان کی توجہ مبذول کی ہے، جبکہ معاد کے مسئلہ پر روشنی ڈالی۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے۔

"ق والقرآن المجيد۔ بل عجبوا ان جاءهم منذر منهم فقال الكفرون هذا شیء عجیب ء اذا متنا وكنا ترابا ذالك رجع بعيد، قد علمنا ما تنقص الارض منهم وعندنا كتب حفيظ بل كذبوا بالحق لما جاءهم فهم فی امر مريج ہ افلم ينظروا الى السماء فوقهم كيف بنينها وزينها وما لها من فروج ہ والارض مددنها والقينا فيها رواسی وانبتنا فيها من كل زوج بهيج تبصرة وذكرى لكل عبد منيب ہ ونزلنا من السماء ماء مبركا فانبتنا به جنت وحب الحصيد ہ والنخل بسقت لها طلع نضيد رزقا للعباد ہ واحيينا به بلدة ميتا ط كذالك الخروج"

یعنی قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی۔ بلکہ اُن کو تعجب ہوا کہ آیا اُن کے پاس ایک ڈر سنانے والا انہی میں کا، پس کہنے لگے کافر یہ تعجب کی چیز ہے، کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی تو پھر واپس آنا (زندہ ہو جانا) قرین عقل نہیں معلوم ہوتا۔ ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین اُن سے اور ہمارے پاس لکھا ہے۔ جس میں سب یاد ہے۔ نہیں جب اُن کے پاس سچائی آئی تو انہوں نے اُسے جھٹلا دیا پس وہ ایک پریشانی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا وہ اپنے اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کرتے کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے اور رونق دی اس کو، اور اس میں کوئی سوراخ نہیں ہے اور زمین کو پھیلا دیا اور ڈالے اُس میں بوجھ اور اگائی اُس میں ہر قسم کی خوبصورت چیز سوجھانے اور یاد دلانے کو اس بندہ کو جو اپنے رب کی طرف رجوع لاتا ہے۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت والا، پھر اگائے ہم نے اس سے باغ اور اناج جو کاٹا جاتا ہے۔ اور کھجوریں لمبی لمبی اُن کا گابھا ہے تہ بتہ روزی دینے کو بندوں کے لئے۔ اور زندہ کیا ہم نے اس سے ایک مردہ شہر

پلوں ہی سے نکل کھڑے ہونا (سورۂ ق آیات ۱ تا ۱۱ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب)

جو شے ایک دفعہ موجود ہو جاتی ہے وہ پھر معدوم نہیں ہوتی، جب تک یہ کائنات قائم ہے، اور اُس میں ایسے خواص ذاتی موجود ہوتے ہیں، جن کی تکمیل ایک یا زیادہ اشکال یا مراتب میں ضروری ہے۔ موت تو کسی شے کے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ لیکن اس انتقال اور انقلاب میں ہر شے اپنے آخری نشوونما تک اپنی انفرادی حیثیت قائم رکھتی ہے۔ منازل ارتقائی طے کرنے کے دوران میں ہر شے جب کمال کے کسی مرتبہ پر پہونچتی ہے تو اس پر فنا طاری ہو جاتی ہے۔ یعنی اُس شے سے وہ تمام عوارض دور ہو جاتے ہیں جو اس منزل میں اُس کی نشوونما کا باعث ہوئے تھے۔ لیکن اشیاء معدوم نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ نئی اشکال اختیار کر لیتی ہیں، جو ظاہری حواس سے محسوس نہیں ہوتیں۔ برائے چندے ان کی استعدادیں انہی میں مخفی رہتی ہیں۔ اور اس مدت کو اسلامی دینیات میں "برزخ" کہتے ہیں۔ یعنی موت اور دوبارہ زندگی کے درمیان وقفہ۔ لیکن بعد ازیں وہ اشیاء دوبارہ زندہ ہو کر مزید ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتی ہیں، اور اس معاملہ میں ان کا ماحول ان کی قرار واقعی امداد کرتا ہے۔

لیکن شخصی حیات کے تسلسل کے مسئلہ سے قطع نظر کرتے ہوئے، ہمارے افعال و حرکات ہیں، اگرچہ ارتکاب کے بعد ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں، لیکن کائنات کے خزانہ میں بجنسہٖ محفوظ رہتے ہیں۔ اور عندالضرورت ہمارے سامنے لائے جا سکتے ہیں۔

مس ...... امریکہ میں گاتی ہے لیکن اس کے نغمے پیرس اور برلن میں سنے جاتے ہیں، پس اگر اس کے نغمات پہلے کائنات کے طبق پر مرتسم نہ ہو جاتے تو پیرس میں طیار شدہ طبق میں کس طرح محفوظ ہوتے۔ اسی طرح اگر ہر آواز جو مُنہ سے نکلتی ہے کائنات میں محفوظ نہ ہو جاتی تو "لاسلکی" کس طرح ایجاد ہوتی! اور سینما کی متحرک تصاویر نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ہماری جملہ حرکات کائنات کی "فلم" میں محفوظ رہتی ہیں اور عندالضرورت وہ تصاویر ہمارے سامنے آ سکتی ہیں، گویا ہمارے سابقہ اعمال پر گواہ ہو سکتی ہیں۔

آخر میں اب سائنس نے بھی اُن قرآنی حقائق پر مہر صداقت ثبت کر دی ہے، جن پر کل تک عیسائی مشنریز اعتراضات وارد کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید، قیامت کے دن انفرادی ذمہ داری اعمال کا

ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"الیوم نختم علی افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون"

اُس دن ہم اُن کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اور اُن کے ہاتھ پاؤں ہم سے بات کریں گے اور اُن کے پاؤں اُن کے افعال پر گواہی دینگے (سورہ یٰسین آیت ۶۵)

القرآن ایک اور مظہر فطرت کا ذکر کرتا ہے، جو حال ہی میں سائنس نے دریافت کیا ہے، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرنے کے بعد اگرچہ ظاہری شکل تبدیل ہو جائیگی لیکن انفرادی زندگی منقطع نہ ہوگی۔ جلتی ہوئی لکڑی سے جو آگ پیدا ہوتی ہے وہ دراصل درخت کی پیداوار نہیں کہلا سکتی بلکہ اولاً بشکل تمازت وشعاع وہ اُس نیرّ اعظم سے حاصل ہوتی ہے جسے آفتاب کہتے ہیں بعد ازاں ہائیڈروجن اور کاربن سے امتزاج پاکر، جو اس کو پانی اور کاربانک ایسڈ گیس سے جدا کرتا ہے، وہ درخت کی شکل اختیار کرلیتی ہے، جسے بعض اوقات "شعاع مقیدہ" کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح محض سائنس کا طریق عمل سمجھانے کے لئے وضع کی گئی ہے جسے ہم آگ کا جلنا یا درخت کا جلنا کہتے ہیں یہ فعل دراصل آگ کو، درخت کے دیگر اجزائے ترکیبی مثلاً ہائیڈروجن اور کاربن سے جدا کرنے کے طریق عمل کا نام ہے اور اس مظہر سے نہ صرف آگ ہی کے تسلسل وجود انفرادی کا صحت ہندسی کے ساتھ ثبوت ملتا ہے بلکہ دوسری اشیاء کا بھی۔

لہذا، فرض کیجئے کہ ایک "یونٹ" پانی میں ایک "یونٹ" آگ صرف ہوتی ہے اور دوسری یونٹ کاربانک ایسڈ گیس میں تاکہ اُن کے اجزائے ترکیبی جدا جدا ہو جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آگ کے دو "یونٹ" شعاع آفتاب سے نکل کر پانی سے ہائیڈروجن کے دو یونٹ حاصل ہوتا ہے۔ پھر فرض کرو کہ دو یونٹ ہائیڈروجن، اور ایک یونٹ کاربن سے ایک مکعب انچ لکڑی بنتی ہے، تو جس وقت وہ لکڑی جلتی ہے، تو یقیناً دو یونٹ ہائیڈروجن، اور ایک یونٹ کاربن، اور دو یونٹ آگ اُس سے خارج ہوجاتی ہے۔ اور اُن سے شعاع آفتاب، پانی اور کاربانک ایسڈ گیس کی وہی مقدار دوبارہ بن جائیگی جو کسی وقت درخت کی لکڑی کی ساخت میں صرف ہوئی تھی۔ خواہ آپ اس مظہر کو ندوائے خیال سے دیکھیں لیکن یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر قرآن پاک واقعی خداتعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلعم پر نازل نہیں ہوا تو آپ نے اس علم کے صدہا رموز و اسرار کائنات کو کسطرح بے نقاب فرمایا؟ جنکو ظاہر کرنے یا سمجھانے کیلئے ارباب سائنس کو صدیاں لگ گئیں اور یہ حقائق و معارف قرآن میں بالضمن بطرز اثبات تعلیمات کتاب مذکور کسطرح مدون ہو سکے؟ (باقی)

اسلام میں گورنمنٹ یا حکومت ایک متبرک امانت ہے

(مولانا عالم الدین صاحب بی۔اے۔بی۔ایل کے قلم سے)

تقریباً آدھی رات کا وقت تھا۔آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔مدینہ کا مقدس شہر گہری نیند سو رہا تھا۔ایک ہُو کا عالم طاری تھا۔اس سکون اور خاموشی کے عالم میں دو شخص ایک مکان سے باہر نکل کر ایک جھونپڑی کی طرف بڑھے ...۔تقریباً دو گھنٹے ادہر ادہر گشت لگا کر اب ایک پتھر کی سل پر بیٹھ گئے ہیں۔تاکہ کسی قدر آرام لے لیں۔تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک یوں گویا ہوتا ہے۔"عباس! میں نہیں سمجھ سکا کہ تم اس آدھی رات کے وقت مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ اور تم مجھے کیا دکھانا چاہتے ہو؟ عباس نے دھیمی آواز سے کہا" میرے آقا! تھوڑی دیر انتظار کی زحمت گوارا فرمائیے! تھوڑا سا آرام لے کر ابھی ہم اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا چاہتے ہیں۔" تھوڑی دیر کے بعد عباس کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے ساتھی کو ہمراہ لے کر آگے کی طرف چل دیتا ہے۔وہ دونوں ایک جھونپڑی کے قریب پہنچتے ہیں جھونپڑی کا دروازہ بند ہے۔عباس اور اس کا ساتھی جھونپڑی کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔وہ ایک سوراخ میں سے جھونپڑی کے اندر کی طرف جھانکتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ پانچ بچے ۲ سال سے لیکر دس سال کی عمر تک کے اور ایک تیس سالہ عورت بستر کے ساتھ بیٹھی ہے اور ایک ہنڈیا آگ پر چڑھی ہے۔عورت بار بار آہیں بھرتی ہے۔یہ نظارہ دیکھ کر عباس کے ساتھی نے کہا" میں کچھ نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔براہ مہربانی آپ ہی مجھے سمجھائیں" عباس نے جواب دیا" میرے آقا! تھوڑا سا صبر فرمائیے! آپ سب کچھ سمجھ جائیں گے"۔ابھی آدھ گھنٹہ بھی نہیں گذرا تھا کہ بچوں نے رونا شروع کر دیا۔عورت نے ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھ کر کہا۔

"میرے پیارے بچو! ذرا ٹھہرو! میں ابھی آتی ہوں۔" جب یہ الفاظ اس عورت کی زبان پر آتے تو ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگتے۔ یہ دردناک نظارہ دیکھ کر عباس کے ساتھی نے کہا "عباس! میں اب بھی اس معاملہ کو نہیں سمجھا۔ براہِ مہربانی آپ مجھے بتائیں کہ کیا بات ہے" عباس نے جواب دیا "میرے آقا! حضور نے مجھے شہر کی گشت لگانے اور حالات کی رپورٹ دینے کا حکم دیا تھا میں نے اس کی تعمیل کی ہے اور یہ منظر بھی میں نے دیکھا جو حضور کے سامنے ہے۔ اسی منظر کے دیکھنے کے لئے میں نے حضور کو یہاں تک قدم رنجہ فرمانے کی تکلیف دی ہے۔ کیونکہ میں خود اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہوں۔" عباس کے ساتھی نے کہا "عباس! تم دروازہ کھٹکھٹاؤ"۔ عباس نے تعمیل ارشاد کی۔ جس پر ایک عورت اندر سے یوں بولی "تم کون ہو؟ اور اس رات کے عالم میں کیوں دروازہ کھٹکھٹاتے ہو؟" عباس نے اپنے ساتھی کی اجازت لے کر جواب دیا "مادرِ محترمہ! ہم مسافر ہیں۔ پیاس لگی ہے۔ پانی پینا چاہتے ہیں" عورت فوراً پانی کا برتن ہاتھ میں لے کر باہر آ گئی۔ اسی اثنا میں اس نے ان دونوں سے کہا "دو سال کا عرصہ ہوا کہ میرا خاوند داغ مفارقت دے گیا۔ اس عرصہ میں میں کسی ایک مہمان کی بھی آؤ بھگت نہیں کر سکی۔ آج آپ تشریف لائے ہیں۔ لیکن میری شومئی قسمت دیکھئے۔ آپ کی خدمت اور تواضع کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں جس کا مجھے ازحد قلق ہے۔ وہ ہنڈیا جو آگ پر رکھی ہے محض پانی ابل رہا ہے۔ جب میرے بچے بھوک کی شدت سے بلبلاتے ہیں تو میں اس ہنڈیا کی طرف اشارہ کر دیتی ہوں تاکہ ان کو تسلی ہو کہ کھانا پک رہا ہے۔ میں ہنڈیا کے پاس بیٹھی پانی کو ہی ہلاتی رہتی ہوں۔ یہ بچے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے لئے ماں الو تو کھانا پک رہا ہے۔ پس اسی طرح روتے روتے سو جائیں گے"۔

یہ سنتے ہی عباس اور اس کے ساتھی کے دل پر بجلیاں گر گئیں۔ دم بخود رہ گئے اور اس قدر شاق گذرا کہ زبان کو یارائے گویائی نہ رہی۔ چند لمحوں کے بعد عباس بولا! "مادرِ محترمہ! تم اپنی حالت زار خلیفہ وقت سے کیوں بیان نہیں کرتیں؟ مجھے کامل وثوق ہے کہ اگر آپ اپنی حالت ان سے بیان کرتیں۔ آپ کو ان تکالیف کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ یہ سنکر خاتون نے کہا "خلیفہ!! ارے صاحب!

ہیں آج آپ کی زبان سے خلیفہ کا لفظ سن رہی ہوں اور حیران ہو رہی ہوں۔ کیا فی الواقعہ کوئی خلیفہ ہے جس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمارا خلیفہ ہے"۔ عباس نے کہا " مادر محترمہ! میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ ہمارے خلیفہ کو کیوں نہیں جانتی جن کی نیکی پارسائی اور عالی ظرفی اطراف واکناف عالم میں لازوال شہرت حاصل کر چکا ہے۔ تعجب ہے کہ مدینہ میں رہتے ہوئے آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارا بھی ایک خلیفہ ہے"۔ یہ سنکر خاتون نے جواب دیا " ارے صاحب! میں اس خلیفہ کو جانتی ہوں جو حریص ہے حصول طاقت کا اور مال دنیوی کا"۔ " میں جانتی ہوں کہ وہ ایک شخص ہے جس کے دل میں ہمدردی کا نام ونشان نہیں۔ جو سخت خودغرض۔ بے رحم اور سنگدل واقع ہوا ہے"۔ مادر محترمہ! آپ کو غلطی لگ رہی ہے۔ ہمارا خلیفہ ایسا نہیں ہے۔ وہ بڑا مہربان عالی ظرف اور ہمدرد ہے۔ آپ اس کے پاس جائیں۔ آپ کو خود معلوم ہو جائیگا کہ وہ کس شان کا انسان ہے" خاتون نے جواب دیا " تم کیا کہتے ہو! کیا مجھے اس کے پاس جانا چاہیے۔ کیا خلیفہ کا یہ فرض ہے کہ وہ خود گھر میں آرام سے بیٹھا رہے اور رعیت کا حال معلوم کرنے کے لئے نوکروں چاکروں کو بھیجے۔ وہ خلیفہ جو ایسا کرتا ہے وہ ہرگز خلافت کے عہدہ کے قابل نہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ فردا روز قیامت کو وہ خدا کے حضور کیا جواب دے گا۔ خلیفہ محض نام کا ہی نہیں ہونا چاہیئے بلکہ عملی طور پر خلیفہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ قیامت کے دن نار جہنم سے محفوظ رہے"۔ یہ سنکر عباس نے کہا " مادر محترمہ! ہم مسافر نہیں ہیں۔ بلکہ ہم کو خلیفہ نے آپ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ مادر محترمہ! آپ ہمارے خلیفہ کو قابل الزام نہ ٹھہرائیں۔ ہم ان کو آپ کی حالت کے متعلق رپورٹ کریں گے"۔ ابھی عباس نے یہ الفاظ بمشکل ادا کئے تھے کہ خاتون نے نہایت جوش میں آکر کہا " کیا تم کو خلیفہ نے بھیجا ہے۔ یہ اچھا ہوا کہ تم یہاں تھے۔ اگر خود خلیفہ یہاں ہوتا تو میں یہ الفاظ اس کے سامنے بھی کہنے سے نہ جھجکتی۔ بلکہ میں اس کو خوب ڈانٹتی۔ میری تم دونوں سے یہ مخلصانہ درخواست ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے خوب کھول کر اس کو سنا دیں۔ مگر خدا را میری زبوں حالی کا کچھ تذکرہ نہ کرنا"۔ عباسؓ کے ساتھی نے نہایت عاجزی سے کہا " مادر محترمہ! جو کچھ تم نے اب کہا ہے وہ حرف بحرف درست ہے۔ میں ہی وہ خودغرض متکبر اور سنگدل خلیفہ عمر ہوں۔

مادر محترمہ! میں انہی خطابات کا مستحق ہوں۔ یہ میری غفلت کا نتیجہ ہے کہ آپ اس قدر تکلیف اٹھا رہی ہیں مادر محترمہ! میں نہیں جانتا کہ قیامت کے دن خدا مجھے بخشے گا یا نہیں۔ لیکن مادر محترمہ! آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ بھی مجھے معاف فرمائیں گی یا نہیں؟ کیونکہ آپ معاف نہیں کریں گی تو خدا بھی معاف نہیں کرے گا اور جنت کے دروازے ہمیشہ کے لئے مجھ پر بند ہو جائیں گے۔" خلیفہ نے اسی وقت عباس کو حکم دیا کہ وہ شہر میں جاکر ضروری سامان خوراک لے آئے۔ عباس نے فوراً تعمیل کی سامان خوراک لایا گیا اور خاتون کے حوالے کیا گیا۔ جب خاتون کو معلوم ہوا کہ جس شخص سے وہ ہم کلام ہو رہی تھی وہی خلیفہ وقت ہے تو وہ بہت پشیمان ہوئی اور معافی مانگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ معافی کس بات کی؟ میں تو آپ کا شکر گذار ہوں۔ آپ نے مجھے بڑی قیمتی نصائح دیں۔ آپ مجھے اپنا ایک بے سمجھ بچہ سمجھکر معاف کردیں۔"

پو پھٹنے کے قریب تھی۔ حضرت امیرالمومنین اور جناب عباس رضی اللہ عنہ خاتون کو تسلی تشفی دے کر واپس چلے گئے۔

عمرؓ! ہاں اے عمرؓ! اے دنیائے اسلام کے درخشندہ ستارے! خدا کی ہزاروں برکات تیری روح پرفتوح پر ہوں۔ تو دنیا میں رعیت کی سچی ہمدردی اور محبت کی مثالیں چھوڑ گیا جو اپنی رعیت میں بے نظیر ہیں۔

تیرا خدمت اسلام کا جذبہ۔ تیری سراسر سادگی۔ تیرے خیالات کی تیرے افعال واعمال کی پاکیزگی۔ تیری بے عدیل فیاضی اور تیری عالی ظرفی۔ تیری پارسائی یہ وہ صفات حسنہ ہیں جن کی وجہ سے تو شہرت لازوال کا مالک ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تو نے اس طرح سے کتنی جانوں کو بچا لیا۔ اس دنیا کے حکمران اور یورپ کی طاقتیں تیرے نقش قدم پر چلیں تو یہ ایٹم بم والی دنیا آج ہی گلزار جنت بن جائے۔ ولا ریب فیہ۔

استفسارات وجوابات

گزشتہ سے پیوستہ

اعتراض :- تین دن تک اس قدر جانوروں کی قربانی کرنا جبکہ ان کا گوشت صحیح طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا - قومی دولت کا ضائع کرنا ہے -

جواب :- آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام نے قومی دولت کو صرف کرنے کے لئے نہایت سخت احکام نافذ کئے ہیں - انفرادی دولت ہو یا قومی سرمایہ اس کے لئے ایک نہایت ہی معقول لائحہ عمل اسلام نے تجویز کیا ہے - فضول خرچی یا اسراف اسلام میں سخت ممنوع ہے - قرآن مجید میں ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین یعنی اسراف فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں - اس لئے یہ گمان بھی نہیں کرنا چاہیئے کہ اسلام قومی دولت یا قومی سرمایہ کو ضائع کرنے کی تعلیم دیتا ہے - لیکن اسلام فطرت انسانی کو بھی خوب سمجھتا ہے سال میں ایک دو موقعے ایسے بھی مقرر کئے گئے ہیں جن میں مسلمان اپنی اپنی بساط کے مطابق خوشی منا سکیں - ایسے موقعے قومی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہوتے ہیں - اس کو قومی دولت کے ضائع کرنے سے تعبیر کرنا درست نہیں - لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ یہ جو جلسے کئے جاتے ہیں اور پارٹیاں دی جاتی ہیں کیا یہ دولت کا ضائع کرنا نہیں ؟

اعتراض :- یہ ایک مشہور بات ہے کہ مکہ معظمہ میں حج کے موقعہ پر جو اس قدر جانور ذبح کئے جاتے ہیں چونکہ اس گوشت کی افراط اس قدر ہوتی ہے کہ سارے کا سارا استعمال نہیں ہوسکتا اس لئے جونہی جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کو مٹی میں دفن کردیا جاتا ہے اگر ہر ایک حاجی اسی

قدر رقم حجاز گورنمنٹ کی نذر کردے تو گورنمنٹ تھوڑی رقوم کے لئے اپنی آزادی یورپین اقوام کے ہاتھوں نہ بیچے۔

جواب :- اگر حاجیوں کی قلت کی وجہ سے کبھی اس گوشت کو دفن کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی ہو تو ہمیں علم نہیں۔ ورنہ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر ہزاروں نہیں لاکھوں انسان جمع ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں قربانی کے گوشت کے ضائع ہونے کا کہاں امکان ہوسکتا ہے۔ وہ تو سب استعمال کیا جا سکتا ہے۔ پھر اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ لیکن اگر حج کے موقعہ پر کبھی گوشت کے دفن کرنے کی ضرورت بھی پیش آگئی ہو تو اس بنا پر تمام اسلامی دنیا میں قربانی کا ترک کرنا کہاں معقول قرار دیا جا سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مکہ معظمہ میں یہ قربانیاں بند کردی جائیں تو لاکھوں انسان جو تمام اطراف عالم سے وہاں جمع ہوتے ہیں قوت لایموت سے محروم ہوجائیں اور ایک ایسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے جس کا کوئی حل نہیں۔

اور اگر فی الواقعہ یہی صورت ہے کہ مکہ معظمہ میں قربانی کا گوشت ضرورت سے بہت زیادہ بچ جاتا ہے تو حجاز گورنمنٹ کو چاہیئے کہ وہ اس کو محفوظ کرنے کی تجویز کرے۔ اس کو سوکھا کر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح سے اس کے بے کار جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

اور یہ سوال جو آپ نے اٹھایا ہے کہ قربانی کا روپیہ حجاز گورنمنٹ کو دے دینا چاہیئے اس کے متعلق ہمارا جواب یہ ہے کہ جہاں تک عزت اسلام کا سوال ہے دنیا کے مسلمان اس کے لئے ہر طرح کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اور کوئی ایسی اپیل اگر کی جائے تو وہ بڑی خوشی سے اسے لبیک کہنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر مسلمانان عالم کو یقین ہو کہ روپے کی کمی کی وجہ سے شاہ حجاز اپنی آزادی یورپین طاقتوں کے ہاتھ بیچ رہا ہے تو وہ قربانی پر جو رقم خرچ کرتے ہیں اس کے علاوہ روپیہ فراہم کرنے میں ذرا بھر دریغ نہ کریں۔ مزید برآں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جو گورنمنٹ روپے کے لالچ سے اپنی حریت کو غیر اقوام کے ہاتھ بیچ دیتی ہے وہ اس قابل نہیں کہ اسے برداشت کیا جا سکے یا اس کی امداد کی جائے۔ لیکن ہمارا خیال

ہے کہ ابن سعود اس جرم کے ارتکاب کا ذمہ دار نہیں ہے اور نہ اس نے عرب کی آزادی کو سستے داموں بیچ ڈالا ہے

اعتراض:۔ چھٹا اعتراض یہ ہے کہ جانور کی قربانی با لواسطہ یا بلاواسطہ انسان کے اندر اپنے نفس کی قربانی کی روح پیدا کرنے میں ممدومعاون نہیں ہوسکتی۔

جواب:۔کسی چیز کو اگر رسم کے طور پر اور اس کی اصل حقیقت سمجھنے کے بغیر کیا جائے تو فی الواقعہ اس کا چنداں فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر نماز رسم کے طور ادا کی جائے اور جو اس کی اصل حقیقت ہے اس پر نظر نہ ہو تو محض بے کار ہے۔ رکوع اور سجدہ ہی تو محض نماز کا مقصد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد توجہ الی اللہ ہے۔ محض چھلکا کوئی چیز نہیں۔ مغز کو لینا چاہئیے۔ ظاہری ہیئت سے کچھ فائدہ مرتب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح قربانی کر لینے سے اور رسم کے طور پر اس کو ادا کرنے سے بے شک کوئی روحانی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک فرض ادا ہوگیا۔ اصل چیز روح ہے۔ جب تک ہمارے افعال کے ساتھ اصل روح نہیں ہے۔ ہمارے افعال نتائج مرتب کرنے میں قاصر رہ جائیں گے۔ دل کے اندر جذبہ خالص ہونا چاہئیے۔ اور وہ جذبہ ہمارے دماغ پر مستولی ہونا چاہئیے۔ ظاہری ہیئت اندرونی کیفیت کی ترجمان ہونی چاہئیے۔ تقبیل یا معانقہ اُس جذبہ محبت کی ظاہری صورت ہے جو ہمارے دل میں موجزن ہے۔ اسی طرح یہ جانور کی قربانی نفس کو قربانی کیلئے تیار کرنیکی ایک ظاہری شکل ہے۔

وہ جذبات جو ہمارے قلوب کے پردوں کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ ان کے اظہار کے لئے ایک ظاہری یا بیرونی ہیئت کی بھی ضرورت ہے۔ پس یہ قربانی ہمارے اندرونی جذبات قربانی کی آئینہ بردار ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک بیرونی نظارہ ہمارے دل ودماغ پر فوراً اثر انداز ہوتا ہے۔ اور ہماری روح پر ایک نقش پیدا کردیتا ہے۔ یہ جانور کی قربانی کا ظاہری منظر ایسا ہے کہ انسان کے دل پر اس کا اثر لازماً واقع ہوتا ہے۔ اور اس اثر کا نتیجہ انسان کی روح کا تزکیہ اور اس میں قربانی کے لئے

جذبات کا پیدا ہونا ہے۔

اعتراض :- یہ جو کہا جاتا ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنے سے حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی یاد تازہ کرنا ہے۔ تو یہ غرض تو نماز اور خطبہ سے بھی پوری ہو سکتی ہے۔ اور مسلمانوں کو حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ سنا کر انہیں قربانی کی تلقین کی جا سکتی ہے۔ قربانی کرنے سے اس واقعہ میں کونسے چار چاند لگ جاتے ہیں؟

جواب :- عید الاضحیٰ کے دن جانور کی قربانی ہی واقعہ حضرت ابراہیمؑ کی صحیح تصویر کھینچ سکتی ہے ایک واقعہ کا محض ذکر کر لینا اور واقعہ کی ایک عملی تصویر کھینچ کر رکھ دینا ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ قربانی سے اصل واقعہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے مگر محض بیان کرنے سے وہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔

اعتراض :- سنا گیا ہے کہ عید کے دن زیادہ گوشت کھانے سے کئی حاجی راہی ملک عدم ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ نہیں تو کم از کم زیادہ گوشت کھانے سے سوئے ہضمی تو ضرور لاحق ہوتی ہے۔

جواب :- اگر کسی چیز کا بے جا استعمال کیا جائے تو اس سے اصل چیز کی خوبی میں تو فرق نہیں آ سکتا۔ اگر کوئی زیادہ کھانے سے گیا یا کسی کو بدہضمی ہو گئی تو کیا اس سے قربانی کی رسم پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ قابل اعتراض تو اس شخص کا فعل ہے جس نے زیادہ کھایا۔ مگر ہم پوچھتے ہیں۔ کہ کونسا وہ شعبہ عمل ہے جس کا ناجائز فائدہ لوگ نہیں اٹھاتے؟ تو کیا انسانی زندگی کے تمام شعبے از اول تا آخر مٹا دینے چاہئیں؟ قرآن مجید میں ہے کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۔ یعنی کھاؤ پیو مگر حد سے آگے نہ بڑھو یعنی اتنا نہ کھاؤ ...... کہ تمہارا پیٹ پھٹنے لگے۔ اگر کوئی غیر محتاط حاجی جو محض حج کی پاک غرض لے کر مکہ معظمہ جاتا ہے حد سے زیادہ گوشت کھا کر فوت ہو جاتا ہے تو اس سے اصل قربانی پر کوئی حرف نہیں آ سکتا یہ تو اس شخص کا قصور ہے جس نے زیادہ کھایا اور قرآن مجید کے حکم کے خلاف عمل کیا۔ قربانی اپنے فوائد کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اسے جاری رکھا جائے اور اس کے لئے بدل تجویز کرنا صریح خلاف اسلام ہے

[illegible] ۔۔۔ بعد طعام احباب کو مشن کی طرف سے بہند وستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) ماہ صاحب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمٰے کی مسلم سوسائٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

مشن کے آرگن ۔ اس مشن کے نقد [illegible] ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

مشن کے تاثرات ۔ (۱) مشن کی اکیس سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم [illegible] تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض تو تہجد تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جد و جہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ امریکہ میں اب دشمنان اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک روادارانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں بمعہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلان اسلام بمعہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

انگلستان میں اشاعت اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے

قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعت اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قائم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعت اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کر لیں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جد و جہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبران سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آرا کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں لیکن انگریزی قوم میں **اشاعت اسلام** ہمارا اولین نصب العین ہونا چاہیئے۔

ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے

دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کل مسلمانان عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذب عالم اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانان عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ وارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ۔ ملایا۔ اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔